قرآن مجید کی آیات و احکام کے بارے میں متعلق علمی مباحث

ناسخ و منسوخ

امام قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری

تابعی، متوفی ۱۱۰ھ

ترجمہ و توضیح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

ابواویس مفتی محمد یوسف القادری
کی دیگر کتب

اغراض شرح شرح کافیہ

اغراض شرح نخبتہ الفکر

اغراض ضیاء الترکیب شرح ماتہ عامل

اغراض شرح جامی

اغراض سلم العلوم

اغراض مرقات

شبیر برادرز ®
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006
shabbirbrother786@gmail.com

قرآن مجید کی آیات و احکام کے بارے میں متعلق علمی مباحث

ناسخ و منسوخ

امام قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری

تابعی، متوفی ۱۱۰ھ

ترجمہ و توضیح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز ® زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

هو القادر

تنبیہ

ہمارا ادارہ شبیر برادرز کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

مترجم ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی
باہتمام ——— ملک شبیر حسین
سن اشاعت ——— جولائی 2018ء
سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0322-7202212
طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ——— روپے

واحد تقسیم کار
شبیر برادرز®
اردو بازار لاہور فون: 042-37246006

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ رضویہ

نسخ کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

(ن س خ) النسخ اس کے اصل معنی ایک چیز کو زائل کر کے دوسری کو اس کی جگہ پر لانے کے ہیں۔ جیسے۔ دھوپ کا سائے کو۔ اور سائے کا دھوپ کو زائل کر کے اس کی جگہ لے لینا یا جوانی کے بعد بڑھاپے کا آنا وغیر ذلک پھر کبھی اس سے صرف ازالہ کے معنی مراد ہوتے ہیں جیسے فرمایا: فَيَنْسَخُ اللّٰهُ ما يُلْقِي الشَّيْطانُ (الحج/52) تو جو وسوسہ شیطان ڈلتا ہے خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔ اور کبھی صرف اثبات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس سے معا دونوں مفہوم ہوتے ہیں۔ لہذا نسخ الکتاب یعنی کتاب اللہ کے منسوخ ہونے سے ایک حکم نازل کرنا مراد ہوتا ہے اور آیت کریمہ:۔ ما نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِها نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْها (البقرۃ/ 106) ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کی تفسیر میں بعض نے نسخ اور انساء کے معنی اس پر عمل سے منع کرنے یا لوگوں کے دلوں سے فراموش کر دینے کے لئے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نسخت الکتاب کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کتاب کو نقل کرنے کے ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو آیت بھی ہم نازل کرتے ہیں یا اس کے نزول کو ایک وقت تک کے لئے ملتوی رکھتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ نسخ الکتاب کے معنی کتاب کی کاپی کرنے کے ہیں یہ پہلی صورت کے ازالہ کو مقتضی نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے مادہ ہیں اس جیسی دوسری صورت کے اثبات کو چاہتا ہے جیسا کہ بہت سے شمعوں میں انگوٹھی کا نقش بنا دیا جاتا ہے۔

آیت کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

اسی کے معنی علامت ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں دراصل آیۃ ، ہر اس ظاہر شے کو کہتے ہیں جو دوسری ایسی شے کو لازم ہو جو اس کی طرح ظاہر نہ ہو مگر جب کوئی شخص اس ظاہر شے کا ادراک کرے گو اس دوسری (اصل) شے کا بذاتہ اس نے ادراک نہ کیا ہو مگر یقین کر لیا جائے کہ اس نے اصل شے کا بھی ادراک کر لیا کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہے اور لزوم کا یہ سلسلہ محسوسات اور معقولات دونوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ کسی شخص کو معلوم ہو کہ فلاں راستے پر فلاں قسم کے نشانات ہیں اور پھر وہ نشان بھی مل جائے تو اسے یقین ہو جائیگا کہ اس نے راستہ پالیا ہے۔ اسی طرح کسی مصنوع کے علم سے لامحالہ اس کے صانع کا علم ہو جاتا ہے۔

نسخ کی تحقیق:

یہود مسلمانوں سے حسد اور بغض رکھتے اور ان پر اعتراض کرنے اور دین اسلام میں طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدلا اور مسلمان مسجد اقصی کے بجائے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے

لگے تو یہود نے کہا کہ (حضرت) محمد ﷺ اپنے اصحاب کو پہلے ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں' سو یہ قرآن ان ہی کا بنایا ہوا ہے اس لیے اس کے احکام متضاد ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ہم جس آیت کو منسوخ یا محو کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

نسخ کے دو معنی:

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں' ایک معنی لکھنا اور نقل کرنا' اس اعتبار سے تمام قرآن منسوخ ہے' یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت کی طرف نقل کیا گیا ہے' قرآن مجید میں نسخ کا لفظ لکھنے اور نقل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

(آیت)۔ انا کنا نستنسخ بما کنتم تعملون۔ (الجاثیہ:۲۹)

ترجمہ: بیشک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے۔

نسخ کا دوسرا معنی ہے: کسی چیز کو باطل اور زائل کرنا' اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی چیز کو زائل کر کے دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے جیسے عرب کہتے ہیں کہ بڑھاپے نے جوانی کو منسوخ کر دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا آ گیا' اور زیر بحث آیت میں ہے: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کو زائل کرنا۔

(ب) کسی چیز کا قائم مقام کیے بغیر اس کو زائل کر دیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کو محو کر دیتے ہیں یعنی ہم تمہارے ذہنوں اور دلوں سے اس آیت کو نکال دیتے ہیں' پس وہ آیت یاد آتی ہے نہ اس کو پڑھا جاتا ہے' اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "مصنف" میں' امام طیالسی اور امام سعید بن منصور نے' امام عبداللہ بن احمد نے "زوائد مسند" میں امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابن منذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور ابن الانباری نے "مصاحف" میں' امام دارقطنی نے' امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصحیح سند کے ساتھ' امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور امام الضیاء نے "المختارۃ" میں زر بن حبیش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم سورۃ احزاب میں کتنی آیات پڑھتے ہو؟ میں نے تہتر آیات' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھے یاد ہے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی اور ہم نے اس میں یہ آیت پڑھی تھی کہ جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دو' یہ اللہ کی طرف سے عبرت والی سزا ہے اور اللہ عزیز اور حکیم ہے' پھر ان میں سے جو آیتیں محو کر دی گئیں وہ محو کر دی گئیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی "تاریخ" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے سورۃ احزاب پڑھی تھی' مجھے اس کی ستر آیتیں بھلا دی گئی ہیں جن کو اب میں نہیں پاتا۔

امام ابوعبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' امام ابن الانباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں سورۃ احزاب میں دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصاحف کو لکھا تو وہ صرف اتنی آیات لکھنے پر قادر ہوئے جواب ہیں۔ (در منثور ج ۵ ص ۱۸۰-۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

نسخ اور بداء کا فرق:

یہود نے نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کے خلاف یہ دلیل ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی شریعت میں خون کے سوا ہر چیز حلال تھی، پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بہت سے حیوان حرام کر دیئے اور حضرت آدم (علیہ السلام) کی شریعت میں بہن کا بھائی سے نکاح جائز تھا، اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت میں اللہ نے اس کو حرام کر دیا، اور پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا، اور پہلے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کریں اور ستر ہزار اسرائیلیوں کے قتل کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ بداء نہیں ہے، بلکہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف اور ایک حکم سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے اور میں کوئی مصلحت ہوتی ہے، اور کسی حکم کا اظہار ہوتا ہے، بداء اس وقت ہوتا جب حکم دینے والے کو اس حکم کے انجام کا علم نہ ہوتا اور جس کو اپنے حکم کے نتیجہ کا علم ہو اور وہ مصلحت کے تبدیل ہونے سے اپنے احکام تبدیل کرتا ہو وہ بداء نہیں ہوتا جیسے ماہر ڈاکٹر کو مریض کے احوال کا علم ہوتا ہے، اور وہ نسخہ بدل بدل کر دوائیں لکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام اور خطابات تبدیل ہوتے ہیں اور علم اور ارادہ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

یہود نے نسخ اور بداء کو ایک چیز قرار دیا، اسی وجہ سے انہوں نے بداء کو نا جائز کہا، نحاس نے کہا: نسخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ نسخ میں عبارت کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے مثلاً پہلے کوئی چیز حلال تھی، پھر اس کو حرام کر دیا یا اس کے برعکس اور بداء اس کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک کام کا ارادہ کرے، پھر اس کو ترک کر دے، مثلاً ایک شخص کہے: فلاں آدمی کے پاس جاؤ، پھر اس کو خیال آئے کہ اس کے پاس نہ جانا بہتر ہے تو وہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے کہے: وہاں مت جاؤ، اور یہ انسانوں کو عارض ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم ناتمام ہے اور مآل کار کو محیط نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص کہے: اس سال فلاں چیز کو کاشت کرو، پھر اس کو خیال آئے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور کہے: یہ کاشت نہ کرو تو یہ بداء ہے، اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

علماء شیعہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بداء کے قائل ہیں، شیخ کلینی روایت کرتے ہیں

ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے اس آیت "یمحو اللہ مایشاء ویثبت" کے متعلق فرمایا: اللہ اسی چیز کو مٹاتا ہے جو ثابت تھی اور اسی چیز کو ثابت کرتا ہے جو نہیں تھی۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۱٤٦، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران)

شیخ طباطبائی اس حدیث کے حاشیہ پر لکھتے ہیں بداء ان اوصاف میں سے ہے جن کے ساتھ ہمارے افعال اختیاریہ متصف ہوتے ہیں، کیونکہ ہم کسی مصلحت کے علم کی وجہ سے کسی فعل کو اختیار کرتے ہیں، پھر ہمیں کسی اور مصلحت کا علم ہوتا ہے جو پہلی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے، پھر ہم پہلے ارادہ کے خلاف ارادہ کرتے ہیں کیونکہ جو چیز ہم سے پہلے مخفی تھی وہ اب ظاہر ہوئی ہے اور اسی کو بداء کہتے ہیں کیونکہ بداء کا معنی ظہور کے خلاف ہے، (الی قولہ) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات اور حوادث کا واقع کے

مطابق علم ہے اور اس علم میں مطلقاً بداء نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک علم وہ ہے جو اشیاء کے مبادی اس کے مقتضیات اور شرائط اور اس کے موانع کے عدم کے ساتھ متعلق ہے (مثلاً فلاں چیز ہو اور فلاں نہ ہو تو فلاں چیز ہوگی جیسے بارش ہو اور سیلاب نہ آئے تو فصل اچھی ہوگی) اور اس علم میں یہ ممکن ہے کہ جس چیز کا ہونا اللہ کے نزدیک ظاہر تھا وہ کسی شرط کے عدم یا کسی مانع کے وجود کی وجہ سے نہ ہو اور پھر اللہ کو معلوم ہو کہ وہ چیز نہیں ہوگی' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا (آیت) "یمحوا اللہ مایشاء ویثبت" اس سے یہی مراد ہے۔ (حاشیہ الاصول من الکافی ج۱ ص ۱٤٦ 'مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' تہران)

شیخ طباطبائی نے علم کی جو دوسری قسم بیان کی ہے وہ مخلوق کا علم تو ہوسکتا ہے خالق اور عالم الغیب کی شان کو پہلے علم نہ ہو اور اس پر یہ چیز بعد میں ظاہر ہو اور بداء کہلائے اور اس آیت سے مراد تقدیر معلق ہے مثلاً کسی شخص کی عمر چالیس سال لکھ دی' پھر اس نے کوئی نیکی کی یا کسی نے دعا کی تو اس کی عمر بڑھا کر پچاس سال کر دی اور چالیس سال کو مٹا دیا اور اگر نیکی نہیں کی یا کسی نے دعا نہیں کی تو چالیس سال کو برقرار رکھا' لیکن یہ اس کا علم نہیں ہے' اس کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا ہے کہ نیکی اور دعا کی فضیلت ظاہر ہو۔

خبر کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اخبار میں نسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں' جمہور کا موقف ہے کہ نسخ صرف اوامر اور نواہی (احکام) کے ساتھ مخصوص ہے' خبر منسوخ نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی خبر دی ہے اگر وہ منسوخ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس کا منسوخ ہونا جائز ہے اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

(آیت)۔ ومن ثمرت النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا ورزقا حسنا (النحل: ٦٧)

ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے بعض پھل ہیں جن سے تم سکر اور اچھا رزق بناتے ہو۔

"سکر" کا ایک معنی ہے: سرکہ اور میٹھا مشروب' اور سکر کا دوسرا معنی ہے: نشہ آور مشروب' اگر اس کا معنی سرکہ یا میٹھا مشروب ہو تو پھر اس کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن ابن جبیر' نخعی' شعبی اور ابوثور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نشہ آور مشروب اور خمر ہے' اور یہ آیت مکی ہے اور خمر (انگور کی شراب) کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے' یہ آیت اس حکم شرعی کو متضمن ہے کہ خمر حلال ہے اور سورۃ مائدہ میں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی خمر کو حرام کر دیا گیا۔ بہرحال اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس پر نسخ وارد ہوسکتا ہے۔

نسخ اور تخصیص کا فرق:

جب عام میں تخصیص کی جاتی ہے تو اس تخصیص پر بھی نسخ کا گمان کیا جاتا ہے' حالانکہ تخصیص نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ کی تعریف ہے: دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کا اٹھا دینا' اور تخصیص کی تعریف ہے: عام کو اس کے بعض افراد میں منحصر کر دینا' ہر چند کہ دونوں کی تعریفیں الگ الگ ہیں لیکن ان دونوں میں قوی مشابہت ہے' کیونکہ نسخ میں حکم کو بعض زمانہ کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے اور تخصیص

میں بعض افراد سے حکم کو ساقط کر دیا جاتا ہے اس کے باوجود ان دونوں میں حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے:

(۱) تخصیص کے بعد عام مجاز ہے کیونکہ عام کے لفظ کو کل افراد کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کا قرینہ مخصص ہے اور یہ مجاز کی علامت ہے، اور جو نص منسوخ ہوگی وہ اسی طرح حقیقت ہے اور وہ اپنے مدلول کے لحاظ سے تمام زمانوں کو شامل ہے، البتہ ناسخ نے اس پر دلالت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں وقت تک اس حکم پر عمل کرانے کا ارادہ کیا ہے۔

(۲) تخصیص سے جو افراد خارج ہو گئے وہ لفظ عام سے مراد نہیں ہوتے اور جو حکم منسوخ ہو گیا وہ اس لفظ سے مراد ہوتا ہے۔

(۳) جو نص منسوخ ہو جائے اس سے استدلال کرنا باطل ہے اور تخصیص کے بعد بھی عام اپنے باقی ماندہ افراد میں حجت ہوتا ہے۔

(٤) نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے اور تخصیص حس اور عقل سے بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ھود (علیہ السلام) نے قوم عاد سے فرمایا:

(آیت)- بل ھو ما استعجلتم بہٖ ریح فیھا عذاب الیم۔ تدمر کل شیء بامر ربھا (الاحقاف: ۲۵-۲٤)

ترجمہ: بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ یہ آندھی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی۔

ہر چیز کے عموم میں زمین اور آسمان بھی شامل ہیں اور حس ان کی مخصص ہے کیونکہ اس آندھی سے زمین اور آسمان برباد نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدہد نے بلقیس کے متعلق بیان کیا:

(آیت)- واوتیت من کل شیء ولھا عرش عظیم۔ (النمل: ۲۳)

ترجمہ: اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

ظاہر ہے کہ بلقیس کے پاس ہر چیز نہیں تھی اور حس اس کی مخصص ہے کہ اس کے پاس حضرت سلیمان (علیہ السلام) اور اس کے درباری نہیں تھے اور موجودہ دور کی ایجادات بلقیس کے پاس نہیں تھیں۔

(آیت)- ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ (البقرہ: ۲۰)

ترجمہ: بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے عموم کی عقل مخصص ہے کیونکہ واجب اور محال اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں یعنی اپنا شریک بنانا اور اپنے آپ کو معدوم کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہیں۔

(۵) جمہور کے نزدیک خبر میں نسخ نہیں ہوتا، اور تخصیص خبر میں بھی ہوتی ہے۔

نسخ اور تقیید کا فرق:

بعض عبارات میں کسی خبر کو مطلق بیان کیا جاتا ہے، اور بعض دوسری عبارات میں اس خبر کی تقیید بیان کر دی جاتی ہے، اس تقیید کو بھی بعض علماء نسخ گمان کر لیتے ہیں، حالانکہ یہ اطلاق اور تقیید کے باب سے ہے نسخ نہیں ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں

ہے:

(آیت) "اجیب دعوۃ الداع اذا دعان: (البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ: جب کوئی شخص دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو ہر حال میں قبول فرماتا ہے لیکن ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے قبول کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کر دیا ہے:

(آیت) "بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شآء: (الانعام:۴۱)

ترجمہ: بلکہ تم اسی سے دعا کرو تو وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرتے ہو۔

عرف اور تعامل کا بدلنا نسخ نہیں ہے

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ احکام شرعیہ میں نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے' اور فقہاء کا جو یہ قاعدہ ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں اور تعامل اور عرف کے بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں' اس کو نسخ نہیں کہتے' یہ مجتہدین کا اختلاف ہے' مثلاً متقدمین تعلیم قرآن' امام' اذان' خطبہ اور تدریس کی اجرت کو ناجائز کہتے تھے' لیکن متاخرین نے اس کو جائز کہا' اسی طرح مفقود الخبر کے متعلق متقدمین پہلے امام اعظم کے قول پر یہ کہتے تھے کہ اس کی بیوی نوے سال تک انتظار کرے' پھر اس کو مردہ قرار دے کر اس کی بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے گی لیکن متاخرین فقہاء احناف امام مالک کے قول پر اس کو صرف چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس طرح پہلے صاع وغیرہ کے اعتبار سے خرید و فروخت ہوتی تھی اب کلوگرام کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف کا منشاء:

علامہ غلام رسول سعیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض متقدمین علماء نے نسخ کا بہت عام معنی مراد لیا اور مطلقاً ازالہ کو نسخ قرار دیا' ان کے نزدیک کسی تلاوت کا ازالہ بھی نسخ ہے' اور کسی حکم شرعی کا بدل جانا بھی نسخ ہے' عام کی تخصیص بھی نسخ ہے' استثناء بھی نسخ ہے' مطلق کی تقیید بھی نسخ ہے' کسی آیت میں بیان کیے گئے وصف کا ازالہ بھی نسخ ہے' اس لیے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی اور محققین علماء نے یہ کہا کہ نسخ صرف دلیل شرعی سے حکم شرعی کے زائل کرنے کو کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے کسی حکم کو بیان کرتے ہیں' اللہ اور اس کے رسول کے علم میں وہ حکم کسی مصلحت کی وجہ سے کسی خاص وقت کے لیے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس حکم کے ساتھ اس مدت کو بیان نہیں کیا جاتا' اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حکم دائمی ہے اور جب اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کو زائل کر دیتے ہیں تو اس پہلے حکم کو منسوخ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس ناسخ کے ذریعہ اللہ یا اس کا رسول اس پہلے حکم کی مدت بیان فرماتے ہیں کہ جس حکم کو تم دائمی سمجھ رہے تھے وہ دراصل اس مدت تک کے لیے تھا' خلاصہ یہ ہے کہ نسخ سابق حکم شرعی کی مدت کا بیان ہے' اور ہمارے نزدیک قرآن مجید کی صرف بارہ آیات منسوخ ہیں' ان کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل

سے بیان کر دیا ہے۔ (تبیان القرآن، البقرہ، لاہور)

ناسخ ومنسوخ احکام ومفاہیم کا بیان

علامہ قرطبی ناسخ ومنسوخ احکام سے متعلق لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما ننسخ من ایۃٍ او ننسھا، ننسھا کا عطف ننسخ پر ہے، جزم کی وجہ سے یا کو حذف کیا گیا ہے اور جنہوں نے ننسأھا پڑھا ہے انہوں نے جزم کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا ہے اس کا معنی آگے آئے گا۔ اٴت یہ جواب شرط ہے۔ یہ احکام میں ایک عظیم آیت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہود نے جب مسلمانوں سے کعبہ کی طرف منہ کرنے میں حسد کیا اور اس کی وجہ سے اسلام پر طعن کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے اپنے اصحاب کو ایک چیز کا حکم دیتا ہے پھر اس سے منع کر دیتا ہے۔ پس قرآن ان کی طرف سے ہے اسی وجہ سے قرآن کا بعض، بعض کے مخالف ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی واذا بدلنا ایۃً مکان ایۃٍ (نحل:101) اور ما ننسخ من ایۃٍ کا ارشاد نازل فرمایا۔

ناسخ ومنسوخ کے علم کی اہمیت کا بیان

اس باب کی معرفت بڑی مؤکد ہے اور اس کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ اس کی معرفت سے علماء کو بھی استغناء نہیں اس کا انکار صرف غبی جہلاء ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس پر بہت احکام مرتب ہوتے ہیں حرام سے حلال کی معرفت ہوتی ہے۔ ابوالبختری نے روایت کیا ہے، فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ وہاں ایک شخص لوگوں کو ڈرا رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: یہ اجتماع کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: ایک شخص لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ شخص لوگوں کو نصیحت نہیں کر رہا بلکہ یہ کہہ رہا ہے: میں فلاں ابن فلاں ہوں مجھے پہچانو! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بلایا اور پوچھا: کیا تو ناسخ، منسوخ کا علم رکھتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہماری مسجد سے نکل جا اس تو وعظ ونصیحت نہ کر۔ دوسری روایت میں ہے، کیا تو ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

عرب کلام میں نسخ دو وجوہ سے ہے

۱۔ ایک اس کا معنی نقل کرنا ہے جیسے ایک کتاب سے دوسری کتاب کو نقل کرنا، اس معنی کے اعتبار سے پورا قرآن منسوخ ہوگا یعنی یہ لوح محفوظ سے نقل ہوا ہے اور بیت العزت کی طرف آسمان دنیا میں اترا ہے۔ اس آیت میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون. (الجاثیہ) یعنی ہم اس کے لکھنے اور اس کے اثبات کا حکم دیتے ہیں۔

۲۔ نسخ کا دوسرا معنی ابطال اور زائل کرنا ہے۔ یہاں یہی مقصود ہے اور یہ لغت میں پھر دو قسموں میں منقسم ہے: (1) کسی شے کو ختم کر دینا اور زائل کر دینا اور دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دینا۔ اس سے نسخت الشمس الظل، جب سورج سائے کو مٹا دے اور اس کے قائم مقام دوسرے سائے کو کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے: ما ننسخ من ایۃٍ او ننسھا نات بخیر

منہا، اور صحیح مسلم میں ہے: لم تکن نبو قط لاتتنا سخت یعنی نبوت ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھرتی رہی یعنی امت کا معاملہ پھرتا رہا۔ ابن فارس نے کہا: نسخ کا معنی کتاب کا نقل کرنا، اور النسخ کا معنی کسی ایسے امر کو ختم کر دینا جس پر پہلے عمل ہو رہا تھا پھر تو اسے کسی حادثہ کی وجہ سے ختم کر دے، جیسے کسی خاص امر کے لئے ایک آیت نازل ہوتی پھر دوسری آیت کے ساتھ وہ منسوخ ہو جاتی۔ ہر وہ چیز جو کسی شے کے قائم مقام ہو جائے تو اس نے اسے منسوخ کر دیا۔ کہا جاتا ہے: انتسخت الشمس الظل، الشیب الشباب سورج نے سائے کو ختم کر دیا، بڑھاپے نے جوانی کو ختم کر دیا۔ تناسخ الورثۃ ورثاء دوسرے ورثاء کے بعد مر گئے، اور میراث کی اصل قائم ہے۔ تقسیم نہیں ہوئی۔ اسی طرح تناسخ الازمنۃ والقرون ہے یعنی ہر زمانہ اور ہر قوم پہلے زمانہ اور پہلی قوم کو ختم کر دیتی ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ چیز کو ختم کر دینا اور اس کے قائم مقام دوسری چیز نہ رکھنا۔ جیسے نسخت الریح الاثر، ہوا نے اثر مٹا دیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن (الحج:52) (جو شیطان ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دیتا ہے) اس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور اس کا بدل مصحف میں ثابت نہیں ہوتا۔ ابو عبید نے کہا: یہ نسخ کی دوسری قسم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سورت نازل ہوتی تھی پھر وہ اٹھا لی جاتی تھی نہ اس کو پڑھا جاتا تھا اور نہ اس کو لکھا جاتا تھا۔

میں کہتا ہوں: اسی سے وہ روایت ہے جو حضرت ابی بن کعب اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورۃ احزاب، طوالت میں سورۃ بقرہ کے برابر تھی جیسا کہ سورۃ احزاب میں یہ تفصیل سے بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے جو ابو بکر انباری نے بیان کی۔ فرمایا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا، انہوں نے فرمایا: ہمیں نصر بن داود نے بیان کیا کہ ایک شخص رات کو اٹھا تا کہ قرآن کی سورت تلاوت کرے تو وہ اس میں سے کچھ بھی پڑھنے پر قادر نہ وا۔ دوسرا اٹھا تو وہ بھی کوئی آیت پڑھنے پر قادر نہ ہوا، تیسرا اٹھا تو وہ بھی اس سورت میں سے کچھ پڑھنے پر قادر نہ ہوا۔ وہ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ایک نے کہا میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کھڑا ہوا تا کہ قرآن کی سورت پڑھوں تو میں اس کی کوئی آیت پڑھنے پر قادر نہ ہوا، دوسرا اٹھا اس نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میری بھی یہی کیفیت تھی، تیسرا اٹھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میری بھی یہی کیفیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت گزشتہ رات اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دی۔ ایک روایت میں ہے، سعید بن مسیب سنتے تھے جو ابو امامہ بیان کرتے تھے اور انکار نہیں کرتے تھے۔

ناسخ و منسوخ کے انکار کا بیان

متاخرین علماء اسلام کے ایک طائفہ نے اس کے جواز کا انکار کیا ہے اور ان کے خلاف یہ حجت پیش کی گئی ہے کہ سلف صالحین کا اجماع ہے کہ شریعت میں نسخ واقع ہوا ہے۔ اسی طرح یہود کے ایک گروہ نے بھی نسخ کا انکار کیا ہے، اس کے خلاف یہ حجت پیش کی گئی ہے کہ ان کے اپنے خیال کے مطابق تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کو کشتی سے نکلنے کے وقت فرمایا: ہر چوپایہ تمہارے لئے اور اولاد کے لئے خوراک ہے اور میں نے یہ تمہارے لئے مطلق رکھا ہے جیسے نبات تمہارے لئے حلال کی ہیں لیکن خون حلال نہیں ہے اسے نہ کھانا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر اور بنی اسرائیل پر بہت سے حیوان

کردیئے۔اسی طرح حضرت آدم (علیہ السلام) بھائی کی بہن سے شادی کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء پر اس کو حرام کر دیا اسی طرح حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا تو اسے ذبح نہ کر۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اپنے ان لوگوں کو قتل کریں جو بچھڑے کی پوجا کرتے ہیں پھر ان سے تلوار اٹھانے کا حکم دیا، پہلے وہ اپنی نبوت کے ساتھ مکلف نہ تھے پھر اس کے بعد اس کے ساتھ مکلف ہوئے۔یہ البداء سے نہیں ہے بلکہ یہ بندوں کو ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف نقل کرنا ہے اور ایک حکم کو دوسرے حکم کی طرف نقل کرنا ہے اس میں کوئی خاص حکمت ہوتی ہے، جس کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مملکت کا کمال مقصود ہوتا ہے۔اس میں عقلاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام کی شریعتوں سے مخلوق کے دنیوی اور اخروی مصالح کا قصد کیا گیا ہے، بداءٗ تو تب لازم آتی جب وہ امور کے انجام کو جاننے والا نہ ہوتا اور جو انجام کو جاننے والا ہوتا ہے وہ مصالح کی تبدیلی کے مطابق اپنے خطابات کو تبدیل کرتا ہے، جیسے طبیب اپنے مریض کے احوال کے مطابق خطابات کو بدلتا ہے اس نے اپنی مشیت اور ارادہ سے اپنی مخلوق میں یہ تبدیلی رکھی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔اس کا خطاب بدلتا ہے۔اس کا علم اور اس کا ارادہ تبدیل نہیں ہوتا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی جہت سے محال ہے۔

یہود نے نسخ اور بداء کو ایک چیز بتایا ہے اسی وجہ سے انہوں نے نسخ کو جائز قرار نہیں دیا، پس وہ گمراہ ہوئے (1)۔نحاس نے کہا: نسخ اور البداء کے درمیان فرق یہ ہے کہ نسخ کا مطلب ہے ایک عبادت کو دوسری عبادت کی طرف بدلنا، (مثلاً) پہلے ایک چیز حلال تھی اسے حرام کر دیا، پہلے ایک چیز حرام تھی پھر اسے حلال کر دیا اور البداء یہ ہے کہ پہلے جس چیز پر عزم کیا گیا ہے اسے ترک کر دینا جیسے تو کہتا ہے تم آج فلاں کے پاس جاؤ پھر تو کہتا ہے اس کے پاس نہ جاؤ۔تیرے لئے پہلے قول سے عدول ظاہر ہوتا ہے یہ انسان کو لاحق ہوتا ہے ان کے نقصان اور کمی کی وجہ سے۔اسی طرح اگر تو کہے اس سال تو یہ چیز کاشت کر پھر تو کہے یہ نہ کر، تو یہ البداء ہے۔

ناسخ کی حقیقت کا بیان

ناسخ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے مجازاً خطاب شرعی کو ناسخ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے نسخ واقع ہوتا ہے (2)۔جس طرح مجازاً محکوم فیہ کو ناسخ کا نام دیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے: رمضان کے روزوں نے عاشوراء کے روزہ کو منسوخ کر دیا۔منسوخ وہ ہوتا ہے جو زائل کیا جاتا ہے اور منسوخ عنہ وہ ہوتا ہے جو زائل کی گئی عبات کا مکلف ہوتا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک ناسخ و منسوخ کی تعریف کا بیان

ہمارے ائمہ کی عبارات ناسخ کی تعریف میں مختلف ہیں۔اہل سنت میں سے ماہر علماء کی رائے یہ ہے کہ پہلے حکم شرعی کو بعد میں آنے والے خطاب سے زائل کرنا ہے۔قاضی عبدالوہاب اور قاضی ابوبکر نے بھی اسی طرح تعریف کی ہے اور انہوں نے یہ زیادہ لکھا ہے اگر یہ والا حکم نہ آتا تو پہلا حکم ہی باقی رہتا۔ان دونوں حضرات نے نسخ کے لغوی معنی کا بھی لحاظ رکھا ہے کیونکہ نسخ کا لغوی معنی اٹھا دینا اور زائل کرنا ہے اور انہوں نے حکم عقلی سے احتراز کیا ہے۔خطاب کا لفظ ذکر کیا تا کہ وجوہ دلالت نص، ظاہر، مفہوم وغیرہ کو شامل

ہو جائے۔اور قیاس اور اجماع کو خارج کر دے کیونکہ قیاس اور اجماع میں نہ تو نسخ متصور ہو سکتا ہے نہ ان کے ساتھ نسخ ہو سکتا ہے اور تراخی کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر بعد والا حکم پہلے سے متصل ہو تو وہ حکم کا بیان ہوتا ہے۔ناسخ نہیں ہوتا یا دوسرا کلام، پہلے کلام کو اٹھانے والا ہوتا ہے۔جیسا قم لا تقم ،تو کھڑا ہو تو کھڑا نہ ہو۔

منسوخ ہمارے اہل سنت کے ائمہ کے نزدیک وہ حکم ہوتا ہے جس کی ذات ثابت ہو نہ اس کی مثل جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ خطاب، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مستقبل میں ثابت حکم کی مثال آنے والی نص سے زائل ہونے والا ہے اور اس قول کی طرف ان کی رہنمائی ان کے مذہب نے کی ہے کہ اوامر مراد ہوتے ہیں اور حسن، حسن کی ذاتی صفت ہے اور اللہ کی مراد حسن ہے اس کو ہمارے علماء نے اپنی کتب میں رد کیا ہے۔

ہمارے علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اخبار میں نسخ داخل ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ نسخ، اوامر ونواہی کے ساتھ خاص ہے اور خبر میں نسخ داخل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کذب محال ہے۔بعض نے فرمایا: خبر جب حکم شرعی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہو تو اس کا نسخ جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن ثمرت النخیل والاعناب تتخذون منه سکراً (النحل:67)

عموم سے تخصیص اور نسخ کا بیان

عموم سے تخصیص وہم دلاتی ہے کہ یہ نسخ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ مخصص کو عموم شامل ہی نہیں ہوتا، اگر عموم کسی شے کو شامل ہو پھر اس شے کو عموم سے نکالا جائے تو یہ نسخ ہوگا تخصیص نہ ہوگی۔اور متقدمین علماء مجازاً تخصیص پر نسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔

کبھی شرع میں ایسی اخبار وارد ہوتی ہے جن کا ظاہر مطلق اور استغراق ہوتا ہے اور ان کی تقیید دوسری جگہ وارد ہوتی ہے، پس وہ اطلاق اٹھ جاتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واذا سالك عبادی عنی فانی قریبٌ اجیب دعوة الداع اذا دعان (البقرہ:186) جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا، دعا کرنے والے کی)۔

اس آیت میں حکم کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا ہر حال میں قبول فرماتا ہے لیکن دوسرے مقام پر اس کی قید آئی ہے: فیکشف ما تدعون الیه ان شاء (انعام:41)

وہ شخص جسے بصیرت نہیں ہوتی وہ گمان کرتا ہے کہ یہ اخبار میں نسخ کے باب سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اطلاق اور تقیید کے باب سے ہے۔اس مسئلہ کا زیادہ بیان اپنے مقام پر آئے گا۔ان شاءاللہ۔

ہمارے علماء نے فرمایا: ثقل (بھاری حکم) کا نسخ اخف (ہلکے حکم) کی طرف جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دس کے مقابلہ میں ایک شخص کے ٹھہرے رہنے کے حکم کو دو کے مقابلہ میں ایک شخص کے ٹھہرے رہنے کے ساتھ منسوخ کر دیا۔اور اخف حکم سے اثقل کی طرف نسخ بھی جائز ہے جیسے عاشوراء کے حکم کو رمضان کے روزوں سے منسوخ کر دیا۔اس کا بیان روزوں والی آیت میں آئے گا۔

کبھی ایک حکم کو اس جیسے حکم سے منسوخ کیا جاتا ہے جیسے ایک قبلہ کو دوسرے قبلہ سے منسوخ کر دیا۔کبھی ایک چیز کو منسوخ کیا جاتا ہے اور اس کا بدل نہیں دیا جاتا جیسے نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔قرآن کو قرآن کے

ساتھ منسوخ کیا جاتا ہے اور سنت کو عبارت سے منسوخ کیا جاتا ہے اور عبارت سے مراد "الخبر المتواتر القطعی" ہے اور خبر واحد کو خبر واحد سے منسوخ کیا جاتا ہے۔

ماہرین اعمۃ کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن، سنت سے بھی منسوخ ہوتا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں موجود ہے: لا وصیۃ لوارث کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔ یہ امام مالک کے ظاہر مسائل سے ہے۔ امام شافعی اور ابوالفرج مالکی نے اس کا انکار کیا ہے۔ پہلا قول صحیح ہے، اس دلیل سے کہ یہ سب اللہ کا حکم ہے اور اللہ کی طرف سے ہے اگرچہ اسماء میں اختلاف ہے۔ مثلاً شادی شدہ زانی جس کو رجم کیا جاتا ہے اس سے کوڑوں کی سزا ساقط ہے اور یہ سنت سے نبی کریم ﷺ کے فعل سے ساقط ہے اور یہ واضح ہے۔ ماہرین علماء کا یہ بھی نظریہ ہے کہ سنت، قرآن کے ساتھ منسوخ ہوتی ہے اور یہ قبلہ کی تحویل میں موجود ہے کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا کتاب اللہ میں نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا ترجعوھن الی الکفار (الممتحنۃ:10) ان عورتوں کا رجوع، نبی کریم ﷺ کا قریش سے صلح کی بنا پر ہوا تھا۔

ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ عقلاً خبر واحد سے قرآن کا نسخ جائز ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ شرعاً واقع ہوا ہے یا نہیں۔ ابوالمعالی وغیرہ کا خیال ہے کہ مسجد قبا کے واقعہ میں واقع ہوا تھا اس کا بیان آگے آئے گا۔ ایک قوم نے اس کا انکار کیا ہے۔ قیاس کے ساتھ نص کا نسخ صحیح نہیں ہے، کیونکہ قیاس کی شرائط میں سے ہے کہ وہ نص کے مخالف نہ ہو۔

یہ نسخ سب نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد اور شریعت کے استقرار کے بعد، امت کا اجماع ہے کہ نسخ نہیں ہے اسی وجہ سے اجماع نہ منسوخ ہوتا ہے نہ اس کے ساتھ نسخ واقع ہوتا ہے کیونکہ اجماع کا انعقاد وحی کے ختم ہونے کے بعد واقع ہوا ہے۔ جب ہم کوئی ایسا اجماع پاتے ہیں جو نص کے مخالف ہوتا ہے تو پھر یہ جانا جائے گا کہ اجماع کسی ناسخ نص کی طرف منسوب ہے جسے ہم نہیں جانتے۔۔۔۔ مخالف نص ایسی ہوتی ہے جس پر عمل چھوڑا جاتا ہے اور اس کا مقتضیٰ منسوخ ہوتا ہے لیکن اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوتی جیسے قرآن میں سال کی عدت والی آیت تلاوت کی جاتی ہے، اس میں غور کرو یہ ایک نفیس گفتگو ہے۔ کبھی حکم منسوخ ہوتا ہے، تلاوت منسوخ نہیں ہوتی جیسے نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم، کبھی تلاوت منسوخ ہوتی ہے حکم منسوخ نہیں ہوتا جیسے آیت رجم۔ کبھی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوتے ہیں اور اس سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ہم پڑھتے تھے: لاترغبوا عن اٰبائکم فانہ کفر۔ (اپنے آباء سے انحراف نہ کرو کیونکہ یہ کفر ہے)۔ اس کی مثالیں کثیر ہیں۔

ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ جس کو ناسخ کا حکم نہ پہنچا ہو وہ پہلے حکم کا مکلف ہے اس کا بیان تحویل قبلہ میں آئے گا۔

ماہرین کے نزدیک حکم، عمل سے پہلے بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ یہ ذبیح کے واقعہ میں موجود ہے اسی طرح نمازیں پچاس فرض تھیں عمل سے پہلے پانچ نمازوں سے منسوخ کر دی گئیں جیسا کہ سورۃ الاسراء اور سورۃ الصافات میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ناسخ کی پہچان کے طرق:

(1) نص کے الفاظ نسخ پر دلالت کرتے ہوں جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروھا۔ میں

نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا۔ پس (اب) زیارت کیا کرو)۔ میں نے تمہیں مشروب پینے سے منع کیا تھا مگر چمڑے کے برتنوں میں۔ پس اب ہر برتن میں مشروب پیو مگر نشہ دینے والا مشروب نہ پیو۔

(۲) راوی تاریخ ذکر کردے۔ مثلاً وہ کہے: میں نے خندق کے سال سنا تو اس سے پہلے والا حکم منسوخ معلوم ہو جائے گا یا کہے کہ فلاں فلاں حکم منسوخ ہے۔

(۳) امت کا اجماع ہو جائے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ بعد میں آنے والا ہے۔ یہ اصول فقہ میں تفصیلی مباحث موجود ہیں ہم نے بقدر ضرورت ذکر کر دیا ہے۔ (احکام القرآن، قرطبی، بیروت)

سنت کے ذریعے قرآن کے نسخ اور وجوہ نسخ کا بیان

ارشاد باری ہے: ماننسخ من ایة او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا۔ (ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی) کچھ حضرات کا قول ہے کہ نسخ ازالہ کو کہتے ہیں اور کچھ دیگر حضرات نسخ کو ابدال (بدل دینے) کا نام دیتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: فینسخ اللہ ما ینقی الشیطان (اللہ تعالیٰ اس چیز کو منسوخ کر دیتا ہے جس کا شیطان القا کرتا ہے) یعنی اسے زائل اور باطل کر کے اس کی جگہ آیات محکمات نازل کر دیتا ہے۔ ایک قول کے مطابق نسخ نقل کو کہتے ہیں اور اس کی بنیاد یہ قول باری ہے: انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون (تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے ہم سب لکھواتے یعنی نقل کراتے جاتے تھے۔)

مذکورہ بالا اختلاف اصل لغت میں اس لفظ کے معنی موضوع لہ کے بارے میں ہے۔ لغت میں اس لفظ کے جو بھی معنی ہوں، اطلاق شرع میں اس کے معنی حکم اور تلاوت کی مدت کے بیان کئے گئے ہیں نسخ کبھی تلاوت کے اندر ہوتا ہے اور حکم باقی رہتا ہے اور کبھی حکم کے اندر ہوتا ہے اور تلاوت باقی رہتی ہے نسخ کی صرف یہی دو صورتیں ہیں۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ غیر فقیہ قسم کے بعض متاخرین کا خیال ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی شریعت میں کوئی نسخ نہیں ہے، نیز یہ کہ ہمارے شریعت میں نسخ کی جن صورتوں کا ذکر ہے ان سے انبیائے متقدمین کی شرائط کا نسخ مراد ہے۔ مثلاً سبت اور مشرق و مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا وغیرہ۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت قیامت تک باقی رہنے والی شریعت ہے۔ ان صاحب کو اگرچہ فصاحت و بلاغت نیز علم لغت کا وافر حصہ عطا ہوا تھا لیکن علم فقہ اور اس کے نصول سے انہیں کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا تھا۔ یہ صاحب سلیم الاعتقاد تھے اور ان کی ظاہری حالت کے سوا ان کے بارے میں کسی اور طرح کا گمان نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ اپنا مذکورہ بالا قول بیان کر کے توفیق سے دور چلے گئے ہیں۔ کیونکہ ان سے پہلے کسی نے بھی اس قول کا اظہار نہیں کیا، بلکہ امت کے سلف اور خلف نے اللہ کے دین اور اس کی شریعت سے بہت سے احکام کے نسخ کا مفہوم اخذ کیا ہے اور انہوں نے ہم تک اسے ایسی صورت میں نقل کر دیا ہے جس میں انہیں کوئی شک نہیں ہے اور نہ وہ اس میں تاویل ہی کو جائز سمجھتے ہیں جس طرح امت نے یہ سمجھا ہے کہ قرآن میں عام، خاص، محکم اور متشابہ کا وجود ہے۔ اس لئے قرآن اور سنت میں نسخ کی بات رد کرنے والا قرآن کے خاص، عام، محکم اور متشابہ کو رد کرنے والے کی طرح ہوگا۔ اس بارے میں تمام اقوال کا ورود اور ان

کی نقل یکساں طریقے سے ہوئی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان صاحب نے ناسخ ومنسوخ آیات اور ان کے احکام کے سلسلے میں ایسے اقدامات کا ارتکاب کیا ہے جن کی وجہ سے ان کا یہ قول امت کے اقوال کے دائرے سے خارج ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ ان صاحب کو معانی کے بیان میں تعسف اور زبردستی کا مظاہرہ کرنا پڑا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ قول کس بنا پر اختیار کیا ہے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے اس بارے میں ناقلین کی نقل کے متعلق اپنی کم علمی کی بنا پر یہ مسلک اپنایا ہے حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ: "جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے اور درست کہے تو بھی وہ خطا کار ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں معاف کرے۔ ہم نے اصول فقہ کے اندر نسخ کی صورتوں پر نیز ان کے جواز اور عدم جواز پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس کے کسی پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

قول باری: او ننسھا کی تفسیر میں ایک قول ہے کہ یہ نسیان سے ہے اور دوسری قرأت "ننساھا" جو تاخیر سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے "نسات الشیٔ" (میں نے یہ کام مؤخر کردیا) "نسیۂ" اس دین اور قرض کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی مؤخر کردی جائے۔ اسی سے یہ قول باری ہے: انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر (نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے) یعنی سال کے مہینوں کو آگے پیچھے کردینا۔ اگر آیت میں مذکورہ زیر بحث لفظ سے نسیان مراد ہے تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان سے تلاوت کو بھلا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کی قرأت نہیں کرسکتے۔ اس کی دو میں سے ایک صورت ہوتی یا تو انہیں حکم دیا جاتا کہ وہ اس کی تلاوت ترک کردیں اور پھر وہ اسے چند دنوں کے اندر بھلا دیتے یا یہ کہ اس حکم کے تحت اسے اچانک بھلا دیتے اور ان کے ذہنوں سے اسے رفع کرلیا جاتا۔ اس طرح یہ امر حضور ﷺ کا معجزہ بن جاتا۔ اگر زیر بحث آیت کی قرأت: او ننساھا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ آیت کو موخر کرکے اسے نازل نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کی جگہ ایسی آیت نازل کردیتا ہے جو مصلحت کے اعتبار سے مؤخر شدہ آیت کے قائم مقام دین جاتی ہے یا بندوں کے لئے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے انزال کو آنے والے وقت کے لئے موخر کردیتا ہے اور اگر وہ اسے مقدم وقت میں نازل کربھی دے تو اس کے بدل کے طور پر کوئی اور آیت آجاتی ہے جو مصلحت کے اعتبار سے نازل شدہ آیت کی قائمقام بن جاتی ہے۔

قول باری: نات بخیر منھا او مثلھا کی تفسیر کے سلسلے مین حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ ہم ایسی آیت لاتے ہیں جو تسہیل اور تیسیر کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے۔ مثلاً پہلے حکم ہوا کہ جنگ کے اندر ایک مسلمان دس کافروں کے مقابل ہی سے منہ نہ موڑے اور پھر فرمایا: الان خفف اللہ عنکم (اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کردیا) یا ہم ایسی آیت لاتے ہیں جو پہلی آیت کی مثل ہوتی ہے۔ مثلاً پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور پھر حکم ہوا کہ نماز میں کعبہ کی طرف رخ کیا جائے۔

حسن بصری سے زیر بحث آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ ہم ایسی آیت لاتے ہیں جو فی الوقت بھلائی کی کثرت کے اعتبار سے پہلی آیت سے بہتر یا اس کی مثل ہوتی ہے اس طرح تمام حضرات کے اتفاق سے یہ نتیجہ نکلا کہ زیر بحث آیت سے مراد یہ ہے کہ ایسی آیت آتی ہے جو تمہارے لئے تخفیف یا مصلحت کے اعتبار سے بہتر ہوتی ہے۔ سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ آنے اولی

آیت تلاوت کے اندر پہلی آیت سے بہتر ہوتی ہے، کیونکہ یہ کہنا جائز ہی نہیں ہے کہ قرآن کا کوئی حصہ کسی دوسرے حصے سے تلاوت اور نظم کے اعتبار سے بہتر ہے، اس لئے کہ سارا قرآن اللہ کا معجز کلام ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے سنت کے ذریعے قرآن کے نسخ کے جواز کے امتناع پر استدلال کیا ہے کہ سنت خواہ جیسی بھی ہو قرآن سے بہتر نہیں ہوسکتی، لیکن یہ قول کئی وجوہ سے قائل کے غفال پر مبنی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ مراد لینا جائز ہی نہیں ہے کہ ناسخ آیت تلاوت اور نظم کے اندر منسوخ شدہ آیت سے بہتر ہوتی ہے اس لئے کہ اعجاز نظم کے اندر ناسخ اور منسوخ دونوں آیتیں یکساں حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ نسخ کے سلسلے میں نظر قرآنی مراد نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں سلف کا قول یا تو تخفیف کے معنوں پر محمول ہے یا مصلحت کے معنوں پر اور یہ چیز بھی سنت کے ذریعے اس طرح عمل میں آتی ہے جس طرح یہ قرآن کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ ان حضرات میں سے کسی نے نہیں کہا کہ اس سے تلاوت مراد ہے۔ اس بنا پر زیر بحث آیت کی سنت کے ذریعے قرآن کے نسخ پر دلالت اس کے جواز کے امتناع پر دلالت کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے۔ نیز اس دلالت کی حقیقت صرف تلاوت کے نسخ کی مقتضی ہے۔ آیت کے اندر مذکورہ حکم کے نسخ کی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (مانسخ من ایۃ الخ) اور آیت تلاوت کا اسم ہے اور نسخ تلاوت نسخ حکم کا موجب نہیں ہے اور جب بات اس طرح ہے تو پھر مذکورہ آیت سے یہ معنی اخذ کرنا جائز ہے کہ" ہم جس آیت کی تلاوت منسوخ کردیتے یا اسے بھلا دیتے ہیں، تو ہم تمہارے لئے محکم سنت یا کسی اور چیز کی صورت میں اس سے بہتر بات لے آتے ہیں۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

اگرچہ بعض علماء نے منسوخ آیتوں کی تعداد بیس. ۲ بتلائی ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الفوز الکبیر میں بڑی بحث کے بعد صرف پانچ آیتیں منسوخ قرار دی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی (1505ء، 911ھ) نے اپنی مشہور کتاب 'الاتقان' میں ذکر فرمایا ہے اور دس صحابہ کے نام رقم کیے ہیں:

☆ حضرت ابوبکر صدیق (634ء/13ھ)

☆ حضرت عمر فاروق (644ء/23ھ)

☆ حضرت عثمان غنی (656ء/35ھ)

☆ حضرت علی (661ء/40ھ)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس (687ء/68ھ)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود (653ء/32ھ)

☆ حضرت ابی بن کعب (640ء/32ھ)

☆ حضرت زید بن ثابت (665ء/44ھ)

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری (665ء/44ھ)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیر (692ء/73ھ)

امام سیوطی (1505ء/911ھ) نے مذکورہ بالا صحابہ کرام کے علاوہ 43 صحابہ وصحابیات کی تفسیر روایات بھی نقل کی ہیں۔

عہد تابعین۔

مکہ کے تفسیری مکتب سے عہد تابعین میں جن لوگوں نے تفہیم وتفسیر کا کام جاری رکھا ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

☆ حضرت سعید بن جبیر (714ء/95ھ)

☆ حضرت مجاہد بن جبیر مخزومی (721ء/103ھ)

☆ حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس (700ء/181ھ)

☆ حضرت طاؤس بن کسان یمان (724ء/106ھ)

☆ حضرت عطاء بن رباح (732ء/114ھ)

اس مکتب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن عباس (687ء/68ھ) نے رکھی۔

اسی طرح مدینہ کے تفسیری مکتب فکر کے کچھ نام خاص اہمیت رکھتے ہیں جنہوں نے مشن جاری رکھا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

☆ حضرت ابوالعالیہ (709ء/90ھ)

☆ حضرت محمد بن لعب القرظی (726ء/108ھ)

☆ حضرت زید بن اسلم (753ء/136ھ)

اس مکتب کی بنیاد رکھنے میں جلیل القدر صحابی کا نام آتا ہے۔ وہ حضرت ابی بن کعب (240ء/19ھ) ہیں۔

ان کے دو بڑے مکاتیب کے بعد جس تیسرے بڑے مکتب تفسیر کا نام آتا ہے اس کے بانی حضرت عبداللہ بن مسعود (653ء/32ھ) تھے یہ مکتب عراق سے تعلق رکھتا ہے۔

اس میں جن بڑے ناموں کا ذکر آتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ حضرت علقمہ بن قیس (882ء/62ھ)

☆ حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی (683ء/62ھ)

☆ حضرت اسود بن یزید (714ء/95ھ)

☆ حضرت مرہ ہمدانی (695ء/76ھ)

☆ حضرت عامر شعبی (761ء/103ھ)

☆ حضرت حسن بصری (748ء/110ھ)

☆ حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی (736ء/118ھ) (پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین: 103۔120،

ملک سنز پبلیشرز کارخانہ بازار، فیصل آباد باردوم، 1987ء)

اسباب نزول پر ایک کتاب سیدنا ابن عباسؓ کے شاگرد، سیدنا عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ (م: ۱۰۷ھ) نے لکھی۔ علم القراءت پر حسن بصریؒ (م: ۱۱۰ھ) نے اور غریب القرآن پر عطاء بن ابی رباحؒ (م: ۱۱۴ھ) نے اور الناسخ والمنسوخ پر قتادہ بن دعامہ السدوسیؒ (م: ۱۱۷ھ) نے کتب لکھیں۔ ابان بن تغلبؒ (متوفی: ۱۵۱ھ) نے بھی قرآن کے غریب الفاظ کو جمع کیا اور غریب القرآن کتاب تصنیف کی۔

اس صدی میں مشہور مفسر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمانؒ (متوفی: ۱۵۰ھ) اور علامہ حسین بن واقد المروزیؒ (متوفی: ۱۵۷ھ) نے قرآن کے ناسخ ومنسوخ پر قلم اٹھایا اور کتاب لکھی۔ ابوعبدالرحمن عبداللہ بن عیسیٰؒ (متوفی: ۱۶۰ھ) نے غریب القرآن پر چھ جلدوں پر مشتمل نہایت جامع کتاب لکھی۔ نقط مصاحف پر امام لغت خلیل بن احمد بصریؒ (متوفی: ۱۷۰ھ) نے کتاب لکھی۔ قراءت کے موضوع پر ابُوعمرو بن العلاءؒ نے کتاب القراءت تصنیف کی۔ امام ابوالحسنؒ بن حمزہ کسائی (متوفی: ۱۸۹ھ) نے بھی سب سے پہلے متشابہ آیات پر کتاب عِلْم آيَاتِ الْمُتَشَابِهَات لکھی۔ اعراب ومعانی قرآن پر سب سے پہلے ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰؒ نے لکھا۔

تیسری صدی ہجری: اس صدی میں علم القراءت اور الناسخ والمنسوخ پر ابوعبید القاسم بن سلامؒ (متوفی: ۲۲۴ھ) نے کتب لکھیں۔ اعراب ومعانی قرآن پر بھی جامع کتاب ان کی ہے۔ امام علی بن المدینیؒ (م: ۲۳۴ھ) نے اسباب النزول اور ابن قتیبہؒ (م: ۲۷۶ھ) نے تاویل مشکل القرآن اور تفسیر غریب القرآن پر کتب لکھیں۔ تیسری صدی ہجری کے اختتام پر مشہور نحوی محمد بن یزید الواسطیؒ (م: ۳۰۶ھ) نے اِعْجَازُ الْقُرآن فی نظمہ کے نام سے قرآن کے اعجاز پر کتاب تصنیف کی جو بہت مشہور ہے۔

الغرض تیسری صدی ہجری تک قرآن کے مختلف علوم پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اگرچہ ابتدائی دور کی اکثر تصانیف آج ناپید ہیں لیکن وہ کتب جو عہد قریب میں لکھی گئیں ان میں بہت سا سرمایہ ان کتب کا آگیا ہے۔ علوم قرآن پر کام آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن ابتدائی تین صدیوں کی تصنیفات کا مقابلہ بعد کی کتب نہیں کرسکتیں۔

مختصر تعارف مصنف اور کتاب

حضرت قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اموی دور کے مشہور مفسرین قرآن میں عکرمہ، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور حسن بصری معروف ہیں اور بعد کے مفسرین انہی کی آراء کے حوالے دیتے ہیں۔ حضرت علی کے ایک رفیق اور حمزہ اور امام باقر نے بھی تفاسیر لکھی تھیں۔

حضرت ابو خاطب قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز السدوسی البصری، جو تابعین میں سے ہیں۔ (المعارف 462، مشاہیر علماء الامصار 96)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ضریر کے ایک گاؤں میں ساٹھ ہجری کو پیدا ہوئے۔ پس آپ نے شرعی علوم حاصل کیے اور اہل زمانہ کے حفاظ میں سے ایک حافظ ہوئے۔ اور معروف تابعی حضرت سعید بن مسیب کی مجالس میں بیٹھتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب آپ سے کہا کرتے تھے اے میرے چچا آپ اٹھیں میری مجلس کو صاف کریں۔ کیونکہ آپ کثرت سوالات کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ نے حضرت حسن بصری کی مجالس 12 سال اختیار کیں۔ (الانساب 7،103)

آپ نے حضرت انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابن سیرین، عطاء بن ابورباح، عکرمہ، سعید بن مسیب اور حسن بصری سے روایات ذکر کی ہیں۔ اور اسی طرح ایوب سختیانی، معمر بن عبدالرزاق، ہمام بن یحیٰ، سعید بن عروبہ اور امام اوزاعی وغیرہ سے بھی روایات مذکور ہیں۔ (تہذیب التہذیب 8،351-352)

حضرت قتادہ بن دعامہ کے بارے مذکورہ راویوں کے روایات اور اسناد پر بحث کرتے ہوئے علمائے اصول حدیث نے کہا ہے کہ آپ ثقہ، مامون تھے اور حدیث میں آپ کو حجت تسلیم کیا جاتا تھا۔ (الطبقات الکبری 7/229.)

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تفسیر کے عالم اور اختلاف علماء کے عالم تھے۔ (طبقات المفسرین 2/43)

اور اسی طرح آپ انساب، عربی، لغت، ایام عرب، کے بھی عالم تھے۔ حضرت ابوعمرو بن العلاء نے کہا ہے کہ حضرت قتادہ لوگوں میں سے اچھے نسب والے تھے۔ اور آپ بہت بڑے عالم تھے۔ (انباہ الرواۃ 3/37، وفیات الاعیان 4/85)

اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ حضرت قتادہ حافظ اور عامل بالحدیث تھے۔ اور آپ عربی، لغت، ایام عرب اور نسب میں مرکزی عالم کی حیثیت سے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ 123)

حضرت ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ ہم نے کبھی بھی حضرت قتادہ کا دروازہ کسی سوار یا مسافر سے خالی نہ پایا کیونکہ آپ کی خدمت میں حدیث، نسب، شعر کا علم حاصل کرنے والے دور دراز سے ہر وقت آتے رہتے تھے۔ اور حضرت قتادہ اپنی ذات میں لوگوں کا

ایک جم غفیر تھے۔(معجم الادباء 17/10)

اور اسی طرح بنو امیہ کے دو آدمیوں میں شعر کے کسی بیت میں اختلاف ہو گیا۔ تو وہ دونوں اس اختلاف کو حل کرنے کیلئے حضرت قتادہ علیہ الرحمہ کے پاس آئے۔(انباہ الرواۃ 3/35)

محدث ابن سیرین علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سے سب زیادہ حافظ تھے۔(تہذیب التہذیب 8/353)

آپ کے سن وصال میں کسی قدر اختلاف بھی مذکور ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ کا سن وصال 117ھ، دوسرے قول کے مطابق 118ھ، اور تیسرے قول کے مطابق 150ھ بھی ذکر کیا گیا ہے۔(طبقات ابن خیاط 511، الطبقات الکبری 7/231، طبقات الفقہاء 89، معجم الادباء 17/9، تذکرۃ الحفاظ 124، تہذیب التہذیب 8/355)

کتاب الناسخ والمنسوخ

مصنف کی کتاب الناسخ والمنسوخ کی توثیق کے بارے میں ابن سلامہ نے کہا ہے کہ یہ کتاب ایسی مصادر میں سے ہے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور انہوں نے اس کی روایت کی اضافت سعید بن عروبہ کی طرف کی ہے۔ جن کی روایت حضرت قتادہ کی ذریعے سے مذکورہ ہوئی ہے وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ ثابت ہے۔(الناسخ والمنسوخ لابن سلامۃ 106)

اور اسی طرح زرکشی نے کہا ہے کہ ناسخ ومنسوخ کے علم میں قتادہ مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔(البرہان 2/28)

انہی دلائل کے بعد ہم یہ ضرور لکھتے ہیں کہ ناسخ ومنسوخ کے علم پر جتنی بھی تصانیف ہیں خاص طور پر نحاس کی، مکی بن ابو طالب جنہوں نے اپنی کتابوں میں کثیر آیات میں حضرت قتادہ کے اقوال ذکر کیے ہیں۔(الناسخ والمنسوخ للنحاس 137، 155، 157، 181، 182، 183، 219، 232(31) الایضاح لمکی 119، 127، 131، 134، 171، 195، 232، 243، 259، 263، 330، 255، 370، 378)

اس کے متقدمین ومتاخرین علمائے اصول تفسیر کی کتب جن میں ناسخ ومنسوخ کا موضوع دیکھا جاتا ہے تو کوئی کتاب ایسی نہیں جو قتادہ کی روایت سے خالی ہو۔ بہر حال ہم نے اپنی حقیر سی کوشش کی ہے اس علم کے موضوع کی وہ کتاب اہل ذوق کے سامنے لائی جائے جو اصل اور مصادر کے طور پر مانی جاتی ہے۔ اگر چہ ناسخ ومنسوخ سے متعلق یہ کتاب مختصر تھی۔ لیکن ہم نے اس کی توضیح کرتے ہوئے دلائل میں اضافہ کر دیا ہے۔ تا کہ قارئین دیگر کتابوں کے دلائل اسی کتاب سے حاصل کر سکے اور رہی بات مصدر کی تو مصدر یہ خود کتاب ہے اور سند بھی یہ خود کتاب ہے۔

محمد لیاقت علی الرضوی الحنفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب الناسخ والمنسوخ في کتاب اللہ تعالي

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب میں احکام ناسخ ومنسوخ کے بیان میں ہے

من سورۃ البقرۃ

سورت بقرہ سے ناسخ ومنسوخ کے بیان میں ہے

سورۃ البقرۃ مدنیہ ہے

سورۃ بقراس سورۃ کا نام ہے یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں دوسو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں یہی سورت نازل ہوئی سوائے آیۃ کریمہ اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ کے یہ آیت حجۃ الوداع میں بمقام مکہ مکرمہ نازل ہوئی (خازن) اس سورۃ مبارکہ میں چھ ہزار اور ایک سو اکیس کلمے اور پچیس ہزار پانچ حرف ہیں (تفسیر خازن) مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ بقرہ سے پانچ سو 500 احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

تحقیق اسماء سور

صاحب جمیل کی تحقیق ہے کہ قرآن پاک میں سورتوں کے نام نہ لکھے جاتے تھے۔ یہ طریقہ حجاج نے نکالا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں ہزار حکم اور ہزار نہی اور ہزار خبریں ہیں لیکن اہل باطل جادوگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ مدنی سورت ہے اس کی ۲۷۶ آیات ہیں مگر آیت ۲۸۱ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔

اس سورۃ میں گائے کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اس وجہ سے اس کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا۔ قرآن کریم کی دوسری سورۃ ہے۔ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی یہ سورۃ قرآن پاک کی تمام سورتوں سے بڑی ہے اس میں ۲۸۶ آیات اور ۴۰ رکوع ہیں۔ اس میں عقائد واعمال کے متعلق اہم ترین تعلیمات ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے سیکھنے میں کئی سال لگ گئے اس سے مراد الفاظ کا حفظ نہیں بلکہ اس کے احکام اور مسئلوں کا سمجھنا تھا۔

(۱) امام ابن الضریس نے فضائل میں، ابوجعفر النحاس نے الناسخ والمنسوخ میں، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل نبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ البقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ البقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

(۲) ابوداؤد نے ناسخ ومنسوخ میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پہلی سورۃ جو مدینہ منورہ میں نازل

ہوئی وہ سورۃ البقرہ ہے۔

سورت بقرہ کے شان نزول کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے ایک ایسی کتاب نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا جو نہ پانی سے دھو کر مٹائی جاسکے نہ پرانی ہو، جب قرآن پاک نازل ہوا تو فرمایا ' ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ' کہ وہ کتاب موعود یہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ایک کتاب نازل فرمانے اور بنی اسماعیل میں سے ایک رسول ﷺ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا، جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی جہاں یہود بکثرت تھے تو الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ نازل فرما کر اس وعدے کے پورے ہونے کی خبر دی۔ (تفسیر خازن، سورہ بقرہ، بیروت)

سورت بقرہ کے فضائل سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

(۳) امام ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے جامع بن شداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے جس میں عبدالرحمن بن یزید بھی تھے لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ کچھ لوگ سورۃ البقرۃ اور آل عمران کہنا ناپسند کرتے ہیں حتی کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور یہ وہ سورت ہے جس میں آل عمران کا ذکر ہے عبدالرحمن بن یزید نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ جب وہ وادی (منی) کے اندر جا رہے تھے تو جمرہ یعنی شیطان کو اپنی دائیں ابرو کی طرف کر دیا پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے ساتھ کنکریاں اس کو ماریں اور ہر کنکری پر تکبیر پڑھی جب اس کام سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یہاں سے رمی کی اس ذات نے جس پر سورۃ البقرہ نازل ہوئی۔

(٤) ابن الضریس، الطبرانی نے الاوسط میں ابن مردویہ اور بیہقی نے الشعب میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مت کہو سورۃ البقرۃ اور مت کہو سورۃ آل عمران اور یہ سورۃ نساء اور اسی طرح سارے قرآن کو ایسا نہ کہو لیکن تم اس طرح کہو وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور وہ سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے اور وہ اسی طرح سارے قرآن میں ایسا ہی کہو۔

(٥) امام بیہقی نے الشعب میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم یہاں نہ کہو سورۃ البقرۃ لیکن تم اس طرح کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر کیا گیا۔

(٦) امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں، احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے سنن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے رمضان کی ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے سورۃ البقرۃ پڑھنا شروع فرمائی۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ اس سورۃ کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں گے۔ پھر آپ نے سورۃ النساء شروع فرمادی پھر سورۃ آل عمران شروع فرمادی اور وہ بھی آہستہ آہستہ پڑھی جب آپ کسی تسبیح والی آیت

سے گزرتے تو آپ بھی تسبیح پڑھتے اور جب کسی سوال پر گزرتے تو آپ بھی سوال کرتے اور جب کسی پناہ والی آیت پر گزرتے تو آپ پناہ مانگتے۔

(۷) امام احمد، ابن الضریس اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو آپ نے سورۃ بقرہ، آل عمران اور سورۃ نساء پڑھی۔ جب آپ کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں بشارت ہوتی تو دعا اور رغبت فرماتے اور جب آپ کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں خوف ہوتا آپ دعا فرماتے اور پناہ مانگتے۔

(۷) امام ابوداؤد و ترمذی نے شمائل میں نسائی اور بیہقی نے عوف بن مالک اشجعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک رات نماز کے لئے کھڑا ہوا۔ آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور سورت بقرہ پڑھی جب رحمت عالی آیت پر گزرتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ سے سوال کرتے اور جب کسی عذاب والی آیت پر گزرتے تو ٹھہر جاتے اور پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے اپنے قیام کے بقدر رکوع فرمایا اور اپنے رکوع میں لفظ آیت " سبحان الذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ " پڑھا پھر آپ نے اپنے قیام کے بقدر سجدہ فرمایا پھر آپ کھڑے ہوئے اور آل عمران پڑھی پھر ایک ایک سورۃ پڑھی۔

(۸) امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت سعید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سات لمبی سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں۔

(۹) امام ابوعبید، احمد، بن زنجویہ نے فضائل قرآن میں مسلم، ابن الضریس، ابن حبان اور الطبرانی اور ابوذر الہروی نے فضائل میں حاکم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ قرآن کو پڑھو کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے قیامت کے دن سفارش کرنے والا بن کر آئے گا۔ دو روشن چیزوں کو پڑھو یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو، کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی گویا کہ وہ دونوں سائبان ہوں یا بادل ہوں دونوں پر پھیلائے پرندوں کے گروہ ہوں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کریں گے سورۃ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں (یعنی جادوگر کاہن اس کے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے)۔

سورۃ بقرہ کی شفاعت

(۱۰) امام احمد اور بخاری نے تاریخ میں مسلم، ترمذی اور محمد بن نصر نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ان لوگوں کے ساتھ قرآن کو لایا جائے گا جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے ان کے آگے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہوگی پھر فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی رسول اللہ ﷺ نے تین مثالیں بیان فرمائیں۔ جن کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے فرمایا گویا کہ وہ دونوں بادل ہیں یا دو کالے رنگ کے سائبان ہیں جن کے درمیان کی جگہ بلند ہے یا گویا دونوں پر پھیلائے ہوئے پرندوں کی جماعتیں ہیں۔ جو اپنے مالک یعنی پڑھنے والے کے متعلق جھگڑ

رہے ہیں۔

(۱۱) امام ابن ابی شیبہ، احمد بن حنبل اور ابن ابی عمر العربی نے اپنی اپنی مسانید میں دارمی میں محمد بن نصر، حاکم (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ بقرہ کو سیکھو۔ کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور اہل باطل کے بس کی نہیں پھر آپ کچھ دیر خاموش ہو گئے پھر فرمایا سورۃ بقرہ اور آل عمران کو سیکھو کیونکہ یہ دونوں روشن چیزیں ہیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں پر سایہ کریں گے گو کہ وہ دو بادل یا دو سائبان ہیں یا دونوں پر پھیلائے ہوئے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔

(۱۲) طبرانی اور ابوذر الہروی نے فضائل میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو روشن چیزوں کو سیکھو سورۃ بقرہ اور آل عمران کو، کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی۔ گویا کہ وہ بادل ہیں یا سائبان ہیں یا گویا کہ یہ دونوں پر پھیلائے ہوئے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں اور وہ اپنے مالکوں کے لیے جھگڑا کریں گے یعنی زوردار سفارش کریں گی سورۃ بقرہ کو سیکھو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے۔ اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔

سورۃ بقرہ و آل عمران کی فضیلت

(۱۳) امام البزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت ابوذر الہروی اور محمد بن نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سورۃ البقرہ اور آل عمران کو پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی گویا دو بادل ہیں یا سائبان ہیں یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔

(٤) امام ابوعبید اور دارمی نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تمہارے ایک بھائی نے نیند میں دیکھا کہ لوگ ایک لمبے خوفناک پہاڑ کے درمیان چل رہے ہیں اور پہاڑ کی چوٹی پر دو سبز درخت ہیں چلا کر بلا رہے ہیں کیا تم میں کوئی ایک شخص ہے کہ سورۃ بقرہ پڑھتا ہو؟ اور کہا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو سورۃ آل عمران پڑھتا ہو جب ایک آدمی نے کہا کہ ہاں پڑھنے والا ہے تو وہ دونوں درخت اپنے ٹہنیوں کے ساتھ اس سے قریب ہو گئے یہاں تک کہ وہ شخص اس سے لپٹ گیا پس وہ دونوں اس کو پہاڑ کے اوپر لے آئے۔

(۱۵) امام دارمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے ان کے پاس سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھیں تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ تو نے دو سورتیں پڑھیں جن میں اللہ کا بڑا نام ہے جو شخص اس نام کے ساتھ دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ سوال کرتا ہے تو عطا کیا جاتا ہے۔

(۱٦) ابوعبید اور ابن الضریس حضرت ابومنیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے سورۃ البقرۃ اور آل عمران پڑھی جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو حضرت کعب نے اس سے فرمایا کیا تو نے سورۃ بقرۃ اور آل عمران پڑھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں تو انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دونوں سورتوں میں وہ اسم اعظم ہے کہ جس کے ذریعے کوئی شخص

دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے اب اس شخص نے کہا مجھے بتایئے (وہ کون سا نام ہے) حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں تجھے نہیں بتاؤں گا۔ اگر میں تجھ کو بتادوں تو میں ٹھیک کرتا ہوں کہ ایسی دعا کر دو گے جس سے میں اور تم دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔

(۱۷) امام احمد، مسلم اور ابونعیم نے فضائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی آدمی سورۃ بقرۃ اور آل عمران پڑھتا تھا تو وہ ہم میں عظیم ہو جاتا تھا۔

(۱۸) امام دارمی نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے سورۃ بقرۃ اور آل عمران کو پڑھا تو یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن یہ کہتی ہوئی آئیں گی کہ ہمارے رب! اس پر کوئی باز پرس نہیں یعنی اس سے کوئی حساب نہ لیں۔

(۱۹) الاصبہانی نے الترغیب میں عبدالواحد بن ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جمعہ کی رات میں سورۃ بقرۃ اور آل عمران کو پڑھا تو اس کو اتنا اجر ہوگا جتنا لبید اور عروبا کے درمیان فاصلہ ہے اور لبید اساتویں زمین پر ہے اور عروبا ساتویں آسمان پر ہے۔

(۲۰) قید بن زنجویہ نے فضائل الاعمال میں عبدالواحد بن ایمن سے انہوں نے حمید شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے رات کو سورۃ بقرہ اور آل عمران کو پڑھا تو اس کے لئے اتنا اجر ہوگا جتنا لبید اور عروبا کے درمیان فاصلہ ہے اور لبید اساتویں زمین اور عروبا ساتواں آسمان ہے۔

(۲۱) امام حمید بن زنجویہ نے فضائل قرآن مجید میں محمد بن ابی سعید کے طریق سے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی رات میں سورۃ بقرۃ اور آل عمران پڑھی تو اس کے لئے عریباء اور عجیباء کے درمیان جو کچھ ہے اس کے برابر نور ہوگا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عریباء سے مراد عرش ہے اور عجیباء سے مراد سب سے نچلی زمین ہے۔ (یعنی اس کے لئے عرش سے لے کر نچلی زمین تک نور ہوگا)۔

(۲۲) امام ابوعبیدہ نے ابوعمران سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی ان لوگوں میں سے جو قرآن پڑھتا تھا اس نے ایک ہمسایہ پر شب خون مارا اور اسے قتل کر دیا (اس جرم میں) اس کو قید کر کے قتل کر دیا گیا (دیکھا گیا تو) اس سے قرآن کی ایک ایک سورت جدا ہو گئی یہاں تک کہ ایک جمعہ کو سورۃ بقرہ باقی رہ گئی اور آل عمران پھر آل عمران بھی اس سے چل دی پھر ایک جمعہ کو سورۃ بقرہ رہ گئی۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس سے کہا گیا لفظ آیت "مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید (۲۹)"

(یعنی میرے پاس بات نہیں بدلتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا) (یہ سن کر) وہ سورۃ آل عمران باہر نکل گئی گویا کہ وہ بہت بڑا بادل تھی۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں یعنی وہ دونوں سورتیں اس کے ساتھ قبر میں رہیں اور اس کا دفاع کرتی رہیں اور اس سے انس پیدا کرتی رہیں۔ اور وہ دونوں سورتیں قرآن میں سے اس کے ساتھ باقی رہ گئیں۔

(۲۳) امام ابوعبیدہ، سعید بن منصور، عبد بن حمدی اور بیہقی نے الشعب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ جس نے رات کو بقرۃ اور آل عمران اور نساء کو پڑھا تو وہ قانتین میں لکھا جاتا ہے (یعنی اطاعت کرنے والوں میں)

(۲۴) امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی کو نامراد نہیں کریں گے جو آدھی رات کو اٹھے اور سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھنا شروع کرے۔

(۲۴) امام ابوعبید نے سعید بن عبدالعزیز التنوخی سے روایت کیا ہے کہ یزید بن اسود جرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے تھے کہ جس شخص نے سورۃ بقرہ اور آل عمران ایک دن میں پڑھی تو وہ شام تک نفاق سے بری ہے۔ اور جس شخص نے ان دونوں کو رات میں پڑھا تو وہ شخص صبح تک نفاق سے بری ہے پھر فرمایا کہ وہ ان دونوں کو ہر دن اور ہر رات میں پڑھتے تھے اس کے سپارے کے علاوہ۔

(۲۵) ابوذر نے فضائل میں سعید بن ابی ہلال سے روایت کیا ہے کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے۔ جو سورۃ بقرہ اور آل عمران کو ایک رکعت میں سجدہ سے پہلے پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرے تو اس کو وہ چیز اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔

(۲۶) امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اور ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ گھر جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے شیطان اس میں داخل نہیں ہوتا۔

(۲۷) امام ابوعبید، نسائی، ابن الضریس اور محمد بن نصر نے کتاب الصلوۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں نہ بناؤ اور اپنی آوازوں کو قرآن کے ساتھ خوبصورت بناؤ کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔

(۲۸) امام ابوعبید نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے جب سنتا ہے کہ سورۃ بقرہ اس میں پڑھی جارہی ہے۔

(۲۹) امام ابن عدی نے الکامل میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا قرآن سیکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔

(۳۰) طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گھر جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس رات میں شیطان اس میں داخل نہیں ہوتا۔

(۳۱) ابن الضریس نسائی، ابن الانباری نے المصاحف میں طبرانی نے الاوسط میں اور الصغیر اور ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھے ہوئے ہو پھر تھک جائے اور سورۃ بقرہ پڑھنا چھوڑ

دے کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔

(۳۲) دارمی، محمد بن نصر ابن الضریس، طبرانی، حاکم (انہوں نے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک کوہان ہوتی ہے قرآن کی کوہان سورۃ بقرہ ہے اور شیطان جب سورۃ بقرہ کو سنتا ہے تو اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں اس کو پڑھا جائے اور وہ پاد مارتا ہے (یعنی پیچھے سے زور کی ہوا نکالتا ہے)

(۳۳) ابو یعلی، ابن حبان، طبرانی اور بیہقی نے الشعب میں سھل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے ایک کوہان ہوتی ہے اور قرآن کی کوہان سورۃ بقرہ ہے جس شخص نے اس سورۃ کو اپنے گھر میں دن کے وقت پڑھا تو تین راتیں شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا۔

(۳٤) امام وکیع، الحرث بن ابو اسامہ، محمد بن نصر اور ابن الضریس نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کا افضل حصہ سورۃ بقرہ ہے اور اس میں سب سے اعظم آیت "آیت الکرسی" ہے۔ اور جس گھر میں یہ سورت پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

قرآن کی کوہان سورۃ بقرۃ ہے

(۳۵) سعید ابن منصور، ترمذی، محمد بن نصر، ابن المنذر، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے الشعب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے ایک کوہان ہوتی ہے اور بلاشبہ قرآن کی کوہان سورۃ بقرہ ہے۔ اور اس میں ایک ایسی آیت بھی ہے جو قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے۔ اور وہ آیت الکرسی ہے جس گھر میں اس کو پڑھا جائے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔

(۳٦) امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تاریخ میں سائب بن حبان سے روایت کرتے ہیں کہا گیا کہ ان کو صحابیت کا شرف حاصل تھا انہوں نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ قرآن مجید کی کوہان ہے۔

(۳۷) امام دیلمی نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر کیا گیا قرآن کا خیمہ ہے سو اس کو سیکھو کیونکہ اس کا سیکھنا برکت ہے اور اس کو چھوڑنا حسرت ہے اور یہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔

(۳۸) دارمی نے خالد بن معدان سے موقوفا اسی طرح روایت کیا ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ قرآن کا کوہان اور بلند حصہ ہے (یعنی قرآن کا اعلی اور بلند ترین مقام ہے) اس کی ہر آیت کے ساتھ اسی فرشتے نازل ہوئے اس میں سے یہ آیت لفظ آیت "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" عرش کے نیچے سے نکالی گئی اور اس کے ساتھ جوڑ دی گئی۔

(۳۹) امام بغوی نے معجم الصحابہ میں ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ربیعہ جرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون ساجزء قرآن کا افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سورۃ جس میں بقرہ کا ذکر کیا گیا پھر پوچھا

گیا بقرہ میں کون سا جز و افضل ہے آپ نے فرمایا آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات اس کو عرش کے نیچے سے نازل کیا گیا۔

(٤٠) عبیدہ احمد، بخاری (نے صحیح میں تعلیقا ذکر کر کی ہے) امام مسلم، نسائی، حاکم، ابونعیم اور بیہقی دونوں نے دلائل نبوۃ میں کئی طرق سے حضرت اسید بن حضیر سے روایت کیا ہے کہ وہ رات کو سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے اوران کی گھوڑی ان کے ساتھ بندھی ہوئی تھی اچانک گھوڑی بدکنے لگی میں خاموش ہوگیا۔ وہ بھی ٹھہر گئی انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ پھر اچھلنے لگی میں پھر خاموش ہوگیا تو وہ بھی ٹھہر گئی پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا پھر گھوڑی اچھلنے لگی وہ اپنے بیٹے یحیٰی کی طرف گئے کیونکہ وہ اس گھوڑی کے قریب سو رہا تھا مجھے ڈر ہوا کہ گھوڑی اسے کچل نہ ڈالے۔ جن انہوں نے اس کو پکڑا اور اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھایا اچانک وہ ایک چھتری کی مثل کوئی چیز تھی جس میں چراغوں کی طرح چیزیں تھیں پھر وہ چھتری آسمان کی طرف اٹھ گئی یہاں تک کہ پھر اس کو نہ دیکھا گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو جانتا ہے یہ کیا چیز تھی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نہیں جانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتے تھے جو تیری آواز سن کر قریب آئے تھے۔ اگر تو پڑھتا رہتا تو صبح لوگ ان کی طرف دیکھتے اور وہ ان میں سے کسی سے نہ چھپتے۔

(٤١) امام ابن حبان، طبرانی، حاکم، اور بیہقی نے الشعب میں اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رات کو جب میں سورۃ بقرہ پڑھ رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے دھماکے کی آواز سنی۔ میں نے خیال کیا میرا گھوڑا کہیں جا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوعبید تو اس سورۃ کو پڑھ وہ متوجہ ہوئے تو وہ اچانک چراغ کی مانند ایک چیز ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان لٹکی ہوئی ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھے پڑھنے کی طاقت نہ ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتے تھے جو تیرے سورۃ بقرہ کے پڑھنے پر نازل ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو اس کو پڑھتا رہتا تو عجائبات کو دیکھتا۔

(٤٢) امام طبرانی نے اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں چاندنی رات میں نماز پڑھ رہا تھا اور میں نے اپنی گھوڑی کو مضبوطی سے باندھ دیا تھا۔ وہ کودنے لگی۔ اور ڈر گئی پھر وہ دوسری دفعہ کودی تو میں نے اپنے سر کو اوپر اٹھایا (کیا دیکھتا ہوں) کہ ایک بادل مجھے ڈھانکے ہوئے ہے اور وہ میرے اور چاند کے درمیان حائل ہے۔ میں ڈر گیا اور اپنے کمرے میں داخل ہوگیا جب صبح ہوئی تو یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جو آخری رات میں تیری سورۃ بقرہ کی قرأۃ کو سننے آئے تھے۔

(٤٣) ابوعبید نے محمد بن جریر بن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ان کو اہل مدینہ کے شیوخ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے گھر گذشتہ رات چراغ روشن رہے۔ آپ نے فرمایا شاید انہوں سے سورۃ بقرہ پڑھی ہوگی۔ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں سے سورۃ بقرہ پڑھی تھی۔

(٤٤) امام ابن ابی الدنیا نے مکاید الشیطان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی باہر نکلا (راستے میں) شیطان سے ملاقات ہوگئی دونوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور دونوں ایک

دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے صحابہ نے اس کو نیچے گرالیا۔ شیطان نے اس سے کہا مجھ کو چھوڑ دے میں تجھ کو ایک بات بتاؤں گا اس نے اس کو چھوڑ دیا۔ شیطان نے کہا میں نہیں بتاتا۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری بار اس کو پکڑا اور دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ صحابی نے پھر اس کو نیچے گرادیا شیطان نے کہا مجھ کو چھوڑ دے میں تجھ کو ضرور بات بتادوں گا ایسی بات جس کو تو پسند کرے گا۔ اس نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا بیان کر۔ شیطان نے بیان کرنے سے انکار کر دیا صحابی نے تیسری مرتبہ پھر اس کو پکڑا اور اس کو نیچے گرادیا پھر اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اس کا انگوٹھا چبانے لگا شیطان نے کہا مجھ کو چھوڑ دے صحابی نے کہا میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا جب تک تو مجھ کو وہ بات نہیں بتائے گا شیطان نے کہا وہ سورۃ بقرہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کو شیطان کے درمیان پڑھا جائے اور وہ بھاگ نہ جائے۔ اور جب گھر میں یہ سورۃ پڑھی جائے تو شیطان اس میں داخل نہیں ہوتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا اے ابوعبدالرحمن (یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے) یہ تجھے کس نے بتائی ہے؟ انہوں نے فرمایا اس نے جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب کے علاوہ تم نہیں دیکھتے۔

(۴۵) امام ترمذی، (انہوں نے اسے حسن کہا ہے) نسائی، ابن ماجہ، اور احمد بن نصر المروزی نے کتاب الصلوۃ میں ابن حبان حاکم، (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا جو بڑی تعداد میں تھی۔ ان سے قرآن پڑھنے کو کہا گیا ان میں ہر ایک آدمی نے قرآن مجید پڑھا یعنی جو کچھ اس کو قرآن یاد تھا پھر آپ ان میں سے ایک جوان کے پاس آئے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا تجھے کتنا قرآن یاد ہے۔ اس نے کہا یہ یہ سورتیں مجھے یاد ہیں اور سورۃ بقرہ بھی۔ آپ نے پھر اس سے پوچھا کی تجھے سورۃ بقرہ یاد ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اس سے فرمایا تو (ان کے ساتھ چلا جا اور تو ان کا امیر ہے ان کے معزز لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا اللہ کی قسم مجھ کو کسی چیز نے نہیں روکا اس بات سے کہ میں سورۃ بقرہ کو سیکھوں مگر اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ قیام نہیں کر سکوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو سیکھو اور اس کو پڑھو کیونکہ قرآن کی مثال اس شخص کے لیے اس کو جو اس کو سیکھتا ہے پھر اس کو پڑھتا ہے اور رات کو اٹھ کر نماز میں پڑھتا ہے اور اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو خوشبو سے بھری ہوئی ہو اور اس کی خوشبو سے بھری ہوئی ہو اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہو اور مثال اس شخص کی جو اس کو سیکھتا ہے اور پھر سو جاتا ہے اس حال میں کہ قرآن اس کے پیٹ میں ہے اس تھیلی کی مثال ہے جس کا منہ خوشبو پر باندھ دیا گیا ہو۔

(۴۶) امام بیہقی نے دلائل میں عثمان بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ان لوگوں کا عامل بنایا جو قبیلہ ثقیف میں سے آپ کے پاس وفد بن کر آئے تھے حالانکہ میں ان سے عمر میں چھوٹا تھا اور یہ اس وجہ سے کہ میں نے سورۃ بقرہ کو پڑھا تھا۔

(۴۷) امام بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ صلصال بن دلہمس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں میں سورۃ بقرہ کو پڑھو اور ان کو قبریں نہ بناؤ اور جس شخص نے سورۃ بقرہ پڑھی اس کو جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔

(٤٨) وکیع، دارمی، محمد بن نصر اور ابن الضریس نے محمد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے سورۃ بقرہ کو رات میں پڑھا جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔

افضل سورۃ کی افضل آیت

(٤٩) طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے سورۃ بقرہ کو پڑھا اس نے زیادہ کرلیا اور عمدہ کرلیا۔

(٥٠) امام وکیع اور ابوذر الہروی نے فضائل میں تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ قرآن میں کون سی سورۃ افضل ہے؟ انہوں نے فرمایا بقرہ پھر میں نے پوچھا کون سے آیت افضل ہے؟ انہوں نے فرمایا آیت الکرسی۔

(٥١) امام محمد بن نصر نے کتاب الصلوۃ میں حضرت سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا قرآن میں سب سے بڑی عظمت والی سورۃ بقرہ ہے اور اس سے بڑی عظمت والی آیت آیۃ الکرسی ہے۔

(٥٢) حاکم (انہوں نے اس کو صحیح بھی کہا ہے) ابوذر الہروی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ بقرہ سورۃ انساء سورۃ حج اور سورۃ نور کو سیکھو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔

(٥٣) امام دار قطنی اور بیہقی نے السنن میں حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میری رائے آپ کی رائے میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا کہ جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا کیا تو قرآن میں سے کچھ پڑھا ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں سورۃ بقرہ اور ایک سورۃ مفصل (سورتوں) میں سے۔ آپ نے فرمایا میں نے تیرا نکاح اس عورت سے اس شرط پر کردیا کہ تو اس کو پڑھائے گا۔ اور اس کو سکھائے گا۔

(٥٤) امام ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ قرآن مجید میں سے کیا حفظ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا سورۃ بقرہ اور جو اس سے ملی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کھڑا ہوجا اور اس عورت کو بیس آیتیں سکھادے اور یہ تیری بیوی ہے۔ مکحول کہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی عورت کا نکاح قرآن کی کسی سورت کے بدلے میں کردے۔

(٥٥) الزبیر بن بکار نے الموفقیات میں عمران بن ابان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا انہوں نے فرمایا میں تجھ کو خوبصورت آدمی دیکھ رہا ہوں تیرے جیسا آدمی چوری نہیں کرتا پھر اس سے فرمایا کیا تو قرآن میں سے کچھ پڑھا ہوا ہے؟ اس نے کہا میں سورۃ بقرہ پڑھتا ہوں آپ نے فرمایا چلا جا میں نے تیرے ہاتھ سورت بقرہ کے بدلے میں تجھے دے دیئے۔

(٥٦) بیہقی نے اپنی سنن میں ابوحمزہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا ہے میں جلدی جلدی قرأت کرنے والا ہوں انہوں نے فرمایا میں صرف سورۃ بقرہ کو پڑھوں تو اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھوں

مجھے سارا قرآن پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے۔

(۵۷) خطیب نے رواۃ مالک میں امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۲ / سال میں سورۃ بقرہ کو سیکھا جب انہوں نے ختم کیا تو ایک اونٹ اس کی خوشی میں ذبح کیا۔ امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ یہ بات ان کو پہنچتی ہے کہ حضرت ابن عمر آٹھ سال سورۃ بقرہ کو سیکھتے رہے۔

(۵۸) امام ابن سعد نے طبقات میں حضرت میمون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنہ چار سال سورۃ بقرہ کو سیکھتے رہے۔

(۵۹) امام مالک سعید بن منصور اور بیہقی سنن میں عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور دونوں رکعتوں میں سورۃ بقرہ پڑھی۔

(۶۰) امام شافعی نے الام میں سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اس میں سورۃ بقرہ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قریب تھا کہ سورج نکل آتا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے جواب میں فرمایا اگر نکل آتا تو آپ ہم کو غافل نہ پاتے۔

(۶۱) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کے دن سورۃ بقرہ پڑھی یہاں تک کہ میں نے لمبے قیام کی وجہ سے بوڑھے آدمی کو ڈانوں ڈھول ہوتے دیکھا۔

(۶۲) ابن ابی شیبہ اور المروزی نے الجنائز میں، ابوذر الہروی نے فضائل میں حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انصار صحابہ میت کے پاس سورۃ بقرہ پڑھتے تھے۔

(۶۳) امام ابوبکر بن الانباری نے المصنف میں، ابن وھب نے سلیمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت ربیعہ سے پوچھا گیا اور میں بھی حاضر تھا سورۃ بقرہ اور آل عمران کو کیوں مقدم کیا گیا۔ حالانکہ ان دونوں سے پہلے اسی سے زائد سورتیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ انہوں نے فرمایا وہ جانتے ہیں کہ جس نے ان دونوں کو مقدم کیا وہی اس کی تقدیم کی وجہ جانتا ہے۔ وہ ذات جس پر سوال کی انتہا ہوتی ہے۔ اور اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔

(۶۴) امام عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ دونوں نے المصنف میں عروۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب سے جنگ کے روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا شعار تھا یا اصحاب سورۃ البقرہ۔

(۶۵) امام احمد نے الزہد میں حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک رات حضرت ابواسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگے اور یہ کہہ رہے تھے لفظ آیت "انا للہ وانا الیہ راجعون" مجھ سے میرا رات کا وظیفہ چھوٹ گیا اور میرا وظیفہ چھوٹ گیا اور میرا وظیفہ سورۃ البقرہ تھی اور میں نے نیند میں دیکھا کہ گویا گائے مجھے سینگ مار رہی ہے۔

(۶۶) امام ابن ابی شیبہ نے مسدد سے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے

سورۃ بقرہ کی قسم اٹھائی اور دوسرے لفظ میں ہے کہ قرآن میں سے کسی ایک سورۃ کی قسم اٹھائی تو اس پر ہر آیت کے بدلے میں ایک قسم ہے۔

(٦٧) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قرآن میں سے کسی ایک سورۃ کی قسم کھائی تو اس پر ہر آیت کے بدلہ میں عین بصر ہے سو جو شخص چاہے اس کو پورا کرے اور جو چاہے قسم کو توڑ دے۔

(٦٨) امام احمد اور حاکم نے الکنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھی اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کے دو پر موتیوں اور یاقوت سے پروئے ہوئے بنا دیں گے۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

سند مصنف

عن قتادة بن دعامة السدوسی

أخبرنا الفقيه المكی أبو الحرم مكی بن عبد الرحمن بن سعيد بن عتيق **1** وجماعة قال أنا الحافظ شيخ الإسلام فخر الأنام جمال الحفاظ أبو طاهر أحمد بن محمد بن أحمد بن محمد بن إبراهيم بن سلفة السلفی الأصبهانی **2** فی العشر الأخر من صفر سنة اثنتين وسبعين وخمس مائة بثغر الإسكندرية فی منزله قراءة عليه وأنا أسمع قلت وفی طبقة السماع بخط السلفی هذا تسميع صحيح كما كتب و كتب أحمد بن محمد الأصبهانی قال أخبرنا الشيخ أبو الحسين **3** المبارك بن عبد الجبار بن أحمد الصيرفی **4** ببغداد من أصل سماعه أنا أبو طاهر محمد بن علی بن يوسف بن العلاف **5** أنا أبو بكر أحمد بن جعفر **6** ابن محمد بن سلم الختلی أنا أبو خليفة الفضل بن الحباب الجمحيثنا محمد بن كثير العبدی ثنا همام بن يحيی۔

1 من الحفاظ المكثرين، توفی سنة 576ھ "تذكرة الحفاظ 1298، الوافی بالوفيات 351/7، طبقات الشافعية 43/4". 3 فی الإنباه ووفيات الأعيان: أبو الحسن. 2 لم أقف علی ترجمته 3 الختلی مقرئ مفسر محدث، توفی سنة 365ھ "العبر 335/2، طبقات القراء 44/1". 4 محدث مكثر، توفی سنة 305ھ "معجم الأدباء 204/16، تذكرة الحفاظ 670، لسان الميزان 438/4".

5 من المحدثين توفی 223ھ "الوافی بالوفيات 374/4، تهذيب التهذيب 417/9". 6 من المحدثين توفی 163ھ "العبر 343/1، ميزان الإعتدال 309/4، طبقات الحفاظ 86".

مسئلہ تحویل قبلہ اور حکم منسوخ کا بیان

قبلہ بیت اللہ اور تحویل قبلہ کے نسخ کا بیان

قال سمعت قتادة يقول في قول الله عز وجل: {فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ} قال كانوا يصلون نحو بيت المقدس ورسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة قبل الهجرة وبعد ما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى نحو بيت المقدس ستة عشر شهرا ثم وجهه الله تعالى نحو الكعبة البيت الحرام.

(ينظر: النحاس 14، ابن سلامة 12، البغدادي ق 7ب، مكى 112، ابن الجوزي 199، العتائقي 29، ابن المتوج 39.)

مصنف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہی اللہ کی طرف منہ کرو گے، بیشک اللہ بڑی وسعت والا، بہت علم والا ہے۔ (البقرہ، 115)

فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے تو آپ ہجرت سے پہلے نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ہجرت کی تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ مسجد حرام کو قبلہ بنایا۔

منسوخ حکم کی وضاحت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے الایہ۔ (البقرہ: ۱۱۵)

"وللہ المشرق والمغرب" کے شان نزول کا بیان:

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس چیز کو قرآن مجید نے منسوخ کیا وہ قبلہ ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو مدینہ میں زیادہ تر یہودی تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا، یہود اس سے بہت خوش ہوئے، آپ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، آپ اس کی دعا کر رہے تھے اور مسجد حرام کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (ترجمہ) "بیشک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرہ کے پھرنے کو دیکھ رہے ہیں (الی قولہ) تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔" اس وقت یہود نے یہ اعتراض کیا کہ ان کو ان کے پہلے قبلہ کی طرف سے کس

نے پھیر دیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔ (جامع البیان ج۱ص: ۴۰۰۔۳۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں جس طرف سواری کا منہ ہوتا اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیتے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر نفل پڑھتیں' جس طرف سواری کا منہ ہوتا تھا اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ فرماتے تھے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے' وہ سخت سیاہ اندھیری رات تھی' ہم ایک جگہ ٹھہرے' اور ہر شخص نے اپنی اپنی سجدہ گاہ کی طرف پتھر رکھے اور نماز پڑھی' صبح کو معلوم ہوا کہ سب نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اس رات غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ ہی کی طرف منہ کرو گے۔ (جامع البیان ج۱ص ۴۰۱' ۴۰۰۔ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نسخ قبلہ اور اس کی تحویل سے متعلق تفسیرات احمدیہ

ملا احمد جیون لکھتے ہیں۔ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے سو جس طرح تم منہ کرو اللہ تعالیٰ وہاں ہی متوجہ ہے بیشک اللہ تعالیٰ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے وال ہے۔

پیشتر ازیں میں ذکر کر چکا ہوں کہ یہ آیت یا تو منسوخ ہے یا مؤول ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ لفظ اینما کو اگر تولوا کا مفعول بہ قرار دیں اور معنی یہ کریں کہ بلاد مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے تم جس مکان یا جگہ کی طرف اپنا رخ کرو وہاں ہی اللہ متوجہ ہے اس لئے تم پر اس سلسلہ میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں کوئی شک نہیں کہ یہ منسوخ ہے یا صلوۃ نفل علی الراحلہ کے بارے میں ہے یا اشتباہ قبلہ کے متعلق ہے وغیرہ اور اگر "اینما" اصل پر رہے یعنی تولوا کا مفعول فیہ قرار دیا جائے اور معنی یوں ہوں کہ: تم کسی جگہ میں بھی قبلہ کی طرف رخ کرو تو اس طرف اللہ کی جہت ہے اس صورت میں اس کے غیر منسوخ اور غیر مؤول ہونے میں کوئی شبہ نہیں بلکہ باب قبلہ میں تائید ہے۔

یہ جاننے کے بعد آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے بارے میں ہے کیونکہ نبی (علیہ السلام) مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو کفار طعن و تشنیع کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ قبلہ کعبۃ اللہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ جس طرف منہ کرو وہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر یہ آیت قبلہ کے بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف پھر جانے سے منسوخ ہو گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمایا: فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لے۔

امام زاہد کے کہنے کے مطابق یہ قرآن کی سب سے پہلی آیت ہے جو منسوخ ہوئی۔ صاحب اتقان کا رجحان بھی یہی ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ تحویل قبلہ کی تمہید ہے۔ نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان یا جہت میں ہونے سے پاک ہے۔

جمہور کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ بلاد شرق وغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے سو اگر تمہیں مسجد اقصیٰ یا مسجد حرام میں عبادت سے روک دیا جائے تو تم کہیں سے بھی کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ سکتے ہو اس لئے کہ وہی وہ جگہ ہے جس کی طرف منہ کر کے تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت مسافر کے سواری پر نماز نفل کے بارے میں نازل ہوئی یہ بھی کہا جاتا ہے ایک جماعت پر قبلہ مشتبہ ہو گیا انہوں نے مختلف اطراف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی صبح کے وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہیں معذور قرار دیا گیا۔

یہ آیت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کے خلاف حجت ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھے تو نماز نہ ہوگی۔

صاحب مدارک نے کشاف سے نقل کیا ہے کہ دعا وذکر میں جس طرف چاہو منہ کر و نماز مراد نہیں۔

امام زاہد نے اس کی ایک اور وجہ بھی ذکر کی ہے کہ یہ نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی نجاشی اسلام لایا مدینہ کی طرف چل پڑا اور راستہ میں انتقال کر گیا۔ جبریل (علیہ السلام) نے نبی (علیہ السلام) کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کو کہا نبی (علیہ السلام) نے صحابہ کرام کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے ہم اس کی نماز جنازہ کیسے پڑھیں اس نے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یعنی کسی طرف منہ کر کے بھی نماز پڑھو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ شریعت کی اس پر اتنی ہی پابندی تھی جتنی اس نے سنی تھی اور یہ بات اس نے سنی نہیں۔

پھر "وجہ" کے معنی یا طرف کے ہیں یا قبلہ کے یا رضا کے یا یہ کہ لفظ وجہ اور اس قسم کے دیگر الفاظ متشابہات میں سے ہیں۔ ہم اس کی کیفیت سے ناواقف ہیں اور اس کے اصل پر ایمان رکھتے ہیں۔ واسع کا معنی سخی اور غنی ہے۔ یہ اس آیت کے مطالب اور متعلقات کا خلاصہ ہے۔ (تفسیرات احمدیہ، بقرہ، لاہور)

آیت مذکورہ کے حکم منسوخ سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

(۱) ابو عبید نے الناسخ والمنسوخ میں، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاتم (انہوں نے اسے صحیح بھی کہا ہے) اور بیہقی نے السنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے سب سے پہلے جو ہمارے لئے قرآن میں سے منسوخ کیا گیا وہ قبلہ کی سمت تھی ان حکموں میں جو ہمارے لئے ذکر کئے گئے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں قبلہ کے حال کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت "وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ فرمایا اور نماز پڑھی اور بیت عتیق (یعنی خانہ کعبہ) کو چھوڑ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے (قبلہ کو) بیت عتیق کی طرف پھیر دیا اور پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا اور فرمایا لفظ آیت "ومن حیث

خرجت فول وجھک" (الآیہ)۔

(۲) ابن المنذر نے حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت لفظ آیت "ولله المشرق والمغرب، فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" کے تحت روایت کیا کہ لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ تقریباً اٹھارہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اور جب آپ نماز پڑھتے تھے تو اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور اللہ کے حکم کا انتظار کرتے پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے قبلہ کو منسوخ فرمادیا اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۳) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، النحاس نے والمنسوخ طبرانی اور بیہقی نے اپنی سنن میں حجرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر نفل پڑھا کرتے تھے جس طرح سواری کا رخ ہوتا تھا۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی لفظ آیت "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ آیت اس (نفلی) نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

(٤) ابن جریر نے ابن ابی حاتم، دارقطنی، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ یہ آیت "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" اتاری گئی تا کہ تم نفل نماز اپنی سواری پر پڑھ لو جدھر تمہاری سواری کا رخ ہو۔

(٥) امام بکاری اور بیہقی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ انمار میں اپنی سواری پر مشرق کی طرف نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(٦) ابن ابی شیبہ، بخاری، بیہقی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جب آپ فرض نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تھے تو سواری سے نیچے اتر کر قبلہ رخ ہو کر نماز بڑھتے تھے۔

(٧) ابن ابی شیبہ، ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب سفر فرماتے تھے اور نفل نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی اونٹنی کو قبلہ رخ فرما کر تکبیر کہتے تھے پھر نماز پڑھ لیتے تھے جس طرف بھی اونٹنی اپنا رخ کر لیتی تھی۔

(٨) ابو داؤد الطیالسی، عبد بن حمید، ترمذی (انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے) (ابن ماجہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم العقیلی) (انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے) دارقطنی ابونعیم (الحلیہ میں) اور بیہقی نے السنن میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم ایک اندھیری رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ایک منزل پر اترے۔ ایک آدمی نے پتھر اٹھائے اور نماز کی جگہ بنائی پھر ہم نے اس میں نماز پڑھی جب صبح ہوئی تو ہم کو معلوم ہوا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ دوسرے رخ پر نماز پڑھی تھی، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اس رات کو غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی تھی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولله المشرق والمغرب" (الآیہ) تو آپ نے فرمایا تمہاری نماز ہوگئی (یعنی ٹھیک ہوگئی اب لوٹانے کی ضرورت نہیں)

(۹) دار قطنی، ابن مردویہ بیہقی نے حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا جس میں میں بھی تھا اندھیرا چھا گیا تو ہم قبلہ (کی سمت) کو نہ پہچان سکے ہم میں سے کچھ نے کہا کہ قبلہ شمال کی جانب ہے۔ انہوں نے اسی طرف نماز پڑھ لی اور نشاندہی کے لیے لکیر کھینچ دیں اور ہمارے بعض ساتھیوں نے کہا کہ قبلہ جنوب کی طرف ہے انہوں نے بھی اسی طرح نماز پڑھ لی اور لکیر کھینچ دی جب صبح ہوئی اور سورج نکل آیا تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ خطوط غیر قبلہ کی طرف تھے جب ہم سفر سے واپس لوٹے تو ہم نے نبی ﷺ سے سوال کیا تو آپ خاموش ہو گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لفظ آیت "وللہ المشرق والمغرب" (الآیہ)

(۱۰) سعید بن منصور اور ابن المنذر نے عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک قوم پر قبلہ کی سمت گم ہو گئی۔ ان میں سے ہر آدمی نے ایک جانب کی طرف نماز پڑھ لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ بات ان کو بتائی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لفظ آیت "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ"۔

(۱۱) امام مردویہ نے الضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا۔ کہر (یعنی دھند) ہو جانے کی وجہ سے وہ قبلہ کی سمت ان کو معلوم نہ ہو سکی تو انہوں نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی۔ جب سورج نکلا تو ان پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ انہوں نے قبلہ کے علاوہ (دوسرے رخ پر) نماز پڑھی۔ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو اپنا حال بیان کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری لفظ آیت "وللہ المشرق والمغرب" (الآیہ)

(۱۲) ابن جریر، ابن المنذر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ تمہارا بھائی یعنی نجاشی مر گیا اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے ایک ایسے آدمی پر نماز پڑھی ہے جو مسلمان نہیں تھا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اتار الفظ آیت "وان من اہل الکتب لم یؤمن باللہ" (الآیہ) کہ وہ قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لفظ آیت "وللہ المشرق والمغرب" الآیہ۔

(۱۳) ابن جریر وابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ادعونی استجب لکم" (المؤمن آیت ۶۰) تو صحابہ نے عرض کیا کس طرف منہ کر کے (دعا کریں) تو یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ"۔

(۱۴) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" سے مراد ہے کہ ادھر نبی اللہ تعالیٰ کی سمت ہے۔ جس طرف بھی مشرق یا مغرب کی طرف کر لو (وہیں اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے)۔

(۱۵) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ترمذی بیہقی نے اپنی سنن میں مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فثم وجہ اللہ" سے مراد ہے قبلہ اللہ سے جہاں بھی تم ہو مشرق میں یا مغرب میں اس کی طرف منہ کر لو۔

(۱۶) عبد بن حمید اور ترمذی نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ یہ آیت "فثم وجہ اللہ" منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے

اس قول کے "فول وجهك شطر المسجد الحرام" (البقرہ آیت ۱۴۹) نے اس کو منسوخ کر دیا۔

(۱۷) ابن ابی شیبہ، ترمذی (انہوں نے اسے صحیح کہا) اور ابن ماجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

(۱۸) ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے جب تم بیت اللہ کی طرف رخ کرلو۔ (تفسیر درمنثور، سورہ بقرہ، بیروت)

تحویل قبلہ اور حکم ناسخ کا بیان

○ وقال في آية أخرى {فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ} 9 أي تلقاءه ونسخت هذه ما كان قبلها من أمر القبلة 1.10 أستاذ ابن الشجري المتوفي 542 هـ في الحديث "ينظر: هامش أنباه الرواة 301/2 نقلا عن ابن مكتوم، وفيات الأعيان 46/6"

(10 ينظر أيضا: تفسير الطبري 19/2، زاد المسير 156/1)

اور دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: بیشک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو اور بیشک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ (البقرہ، 144)

اس آیت مبارکہ کے سبب قبلہ سے متعلق جو حکم پہلے تھا وہ منسوخ ہوگیا۔ استاذ ابن شجری المتوفی 542ھ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ دیکھئے انباہ الرواہ جو ابن مکتوم سے نقل کیا ہے اور وفیات الاعیان میں بھی اسی طرح ہے۔

حکم ناسخ کی وضاحت کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے تھے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تو یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) بیشک ہم آپکے چہرہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ (البقرہ: ۱۴۴)

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جبریل (علیہ السلام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ خبر دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ قبلہ کو بیت المقدس سے پھیر کر کسی اور سمت پر کردے گا، اور نہیں بیان کیا تھا کہ کس سمت آپ کو پھیرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ یہ محبوب تھا کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف پھیر کر وحی کا انتظار کر رہے تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی (جامع البیان ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیرو۔ (البقرہ: ۱٤٤)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر مسجد حرام کی طرف منہ کرنا فرض کر دیا خواہ وہ کسی جگہ ہوں، اگر کوئی شخص بیت المقدس میں بھی ہو تو اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس پر بعینہ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو اس پر اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ (در مختار علی ھامش رد المختار ج۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)
علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد (حرام) والوں کے لیے بیت اللہ قبلہ ہے، اور اہل حرم کے لیے مسجد قبلہ ہے اور تمام روئے زمین پر میری امت کے مشرق اور مغرب والوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے، اور جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کو اپنے چہرے کا رخ کعبہ کی طرف کرنا چاہیے کیونکہ روایت ہے کہ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز کی حالت قیام میں نظر سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہیے نیز قیام کا حکم سارے جسم کے لیے ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے، اس کے قیام کا حکم بہ طریق اولی ہوگا اور چہرہ کا قیام اس وقت ہوگا جب چہرہ کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو اور یہی امام مالک کا مذہب ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قیام میں سجدہ کی جگہ نظر ہو رکوع میں قدموں کی جگہ اور سجدہ میں ناک کی طرف نظر ہو۔ (الجامع الاحکام القرآن ج۲ ص ۱۶۰۔۱۵۹، ملخصاً، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

آیا مکہ میں ابتداء آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پر ابتداء نماز فرض ہوئی تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا خانہ کعبہ کی طرف، حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اور مدینہ منورہ کے ابتدائی سترہ مہینوں میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا، علامہ بدر الدین عینی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (عمدۃ القاری ج۱ ص ۲٤۰)
تاہم آپ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ جب آپ پر ابتداء نماز فرض ہوئی تو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا، حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر نے کہا: میرے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں آئے تو آپ نے یہود کی تالیف قلب کے لیے ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تاکہ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے ان میں زیادہ داعیہ ہو اور جب آپ ان کے قبول اسلام سے مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ چاہا کہ آپکو پھر کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں اہل عرب کے قبول اسلام کا زیادہ داعیہ تھا، ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہود کی مخالفت کی بناء پر ایسا کیا۔
تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ مکہ میں آپ کا قبلہ کعبہ تھا تو پھر دوبار قبلہ کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اس لیے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ ابتداء مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

تحویل قبلہ کا بیان:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء مدینہ میں آئے تو اپنے نانا یا ماموں کے گھر ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو جائے اور آپ نے اس کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز پڑھی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی، آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی، پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ اس وقت رکوع میں تھے، اس نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، وہ لوگ نماز کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے یہود اور دیگر اہل کتاب کو یہ پسند تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں، جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا تو ان کو یہ ناگوار ہوا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱ ۔ ۱۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ اس مسجد کے نمازیوں کو خبر واحد سے یہ علم ہو گیا کہ قبلہ بدل گیا ہے، اب ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس نماز کو توڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتے اور تحویل قبلہ کی تحقیق کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس خبر پر اعتماد کر کے نماز میں قبلہ بدل لیتے، انہوں نے اجتہاد سے دوسری صورت پر عمل کیا، اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے اور اپنے اجتہاد سے نماز میں قبلہ کی سمت بدلنا جائز ہے، بلکہ اگر ہر رکعت میں اس پر قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد سے ہر رکعت میں سمت بدل لے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ، مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: "صحیح بخاری" کی اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ کی طرف جو نماز سب سے پہلے پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی، اور امام مالک کی روایت میں ہے، وہ صبح کی نماز تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کی مسجد میں نازل ہوا اس وقت آپ ظہر کی نماز میں تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے، پھر نماز ہی میں آپ نے قبلہ بدل لیا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا، چونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اس لیے نماز میں مرد گھوم کر عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں گھوم کر مردوں کی جگہ چلی گئیں۔

ابو حاتم البستی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے سترہ ماہ اور تین دن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں، کیونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منگل کے دن نصف شعبان کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی کیفیت میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) حسن، عکرمہ اور ابو العالیہ نے کہا: آپ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا۔

(۲) طبری نے کہا: آپ کو بیت المقدس اور بیت اللہ میں سے کسی ایک کی طرف منہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا آپ نے یہود کے ایمان لانے کی خواہش کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا اختیار کر لیا۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ نے اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو

اختیار کیا تھا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول اللہ کی پیروی کرتا ہے (اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں' جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے) اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۰۔۱۴۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ (البقرہ:۱۴۲)

تحویل قبلہ سے متعلق مسائل:

اس آیت میں منافقین اور یہود کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بیت المقدس خود مستقل بالذات ہے کیونکہ مشرق اور مغرب سب اس کی ملک ہیں' وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے وہی قبلہ ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت اور کی تفسیر میں جو "صحیح بخاری" کی روایت ذکر کی گئی ہے ان سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب یہ بیوقوف یہ کہیں گے کہ "مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے اور یہ پیش گوئی پوری ہوگئی اور یہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت کی قوی دلیل ہے۔

(۲) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسے احکام بھی ہیں جو ناسخ اور منسوخ ہیں اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید نے جس حکم کو سب سے پہلے منسوخ کیا ہے وہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

(۳) بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں تھا' یہ صرف نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت تھا اور قرآن مجید نے اس حکم کو منسوخ کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت کا ناسخ ہے۔

(۴) خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے' کیونکہ اہل قبا کو جب یہ خبر پہنچی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو انہوں نے نماز کی حالت میں اپنا قبلہ بدل لیا۔

(۵) جب تک کسی حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد بھی اہل قبا نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی کیونکہ ان کو اس وقت تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔

(۶) نبی کریم ﷺ پر قرآن مجید تدریجاً نازل ہوتا تھا اور حسب ضرورت احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔

نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کے اسرار:

تمام نمازیوں کے لیے کسی ایک جہت کو قبلہ بنانے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اگر نماز میں کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تو کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا کوئی مغرب کی طرف اور کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف اور اس طرح عبادت میں مسلمانوں کی وحدت، نظم اور جمعیت نہ رہتی اور جب تمام دنیا کے مسلمانوں کو وحدت اور نظم کے تابع کیا ہے۔

(۲) جب انسان کسی صاحب اقتدار کے پاس جاتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے نماز میں انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی حمد وثنا کرتا ہے اس کی تسبیح کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کی توجہ کے ارتکاز کے لیے بنایا گیا۔

(۳) نماز میں اصل یہ ہے کہ خضوع، خشوع، اور حضور قلب ہو اگر انسان مختلف جہات کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے تو اس سے حضور قلب حاصل نہیں ہوگا اس لیے ایک قبلہ بنایا گیا تا کہ سب اس کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھیں۔

کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار:

(۱) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے متعلق فرمایا: یہ میرا گھر ہے (آیت) "ان طھرا بیتی"۔ (البقرہ: ۱۲۵) تو اپنی عبادت کرنے والوں کے لیے اپنے بیت کو قبلہ بنا دیا۔

(۲) یہود نے سمت مغرب کو قبلہ بنایا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ کو مغرب کی جانب سے نداء آئی تھی:

(آیت) "وما كنت بجانب الغربی اذقضینا الی موسیٰ الامر" (القصص: ۴۴)

اور عیسائیوں نے جہت مشرق کو قبلہ بنایا کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس جانب مشرق سے گئے تھے۔

(آیت) "واذكر فی الكتب مریم اذا انتبذت من اهلها مكانا شرقيا۔ (مریم: ۱۶)

تو مسلمانوں کا قبلہ کعبہ بنایا کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے اور سیدنا محمد حبیب اللہ ﷺ کا مولد ہے اور اللہ کا حرم اور بیت اللہ ہے:

(آیت) "ان اول بیت وضع للناس للذی ببكة مبركا وهدی للعلمین۔ فیه ایت بینت مقام ابرهیم ومن دخله كان امنا"۔ (آل عمران: ۹۷-۹۶)

ترجمہ: بیشک (اللہ کی عبادت کے لیے) سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا۔

(آیت) "جعل اللہ الكعبة البیت الحرام قیما للناس"۔ (المائدہ: ۹۷)

اللہ نے کعبہ کو عزت والا گھر اور لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا۔

(۳) کعبہ زمین کے وسط میں ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین کے وسط کی طرف متوجہ کیا تا کہ وہ زندگی کے ہر معاملہ میں کیفیت متوسط (عدل) کو اختیار کریں۔

(٤) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر یہ ظاہر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، کیونکہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی یہ وجہ

بیان فرمائی:

(آیت) "فلنولینک قبلة ترضھا"۔ (البقرہ: ۱۴۴)

ترجمہ: ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

(آیت) "ومن اناٰیء الیل فسبح و اطراف النھار لعلک ترضی۔ (طہ: ۱۳۰)

ترجمہ: اور رات کے کچھ اوقات اور دن کے اطراف میں اس کی تسبیح کیجئے تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔

دنیا میں آپ کو راضی کرنے کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا' اور دن رات میں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور آخرت میں آپ کو راضی کرنے کے لیے مقام محمود اور شفاعت کبری سے نوازا۔

(آیت) "عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ (بنی اسرائیل: ۷۹)

ترجمہ: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جلوہ گر فرمائے گا۔

(آیت) "ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ (الضحی: ۵)

ترجمہ: اور عنقریب ضرور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

(۵) حضرت آدم (علیہ السلام) نے پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر کعبہ بنایا تھا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تمہارے گناہ پہاڑ جتنے بھی ہوئے تو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے سے جھڑ جائیں گے۔

(۶) جب مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود طعن دیتے تھے کہ تم ہماری مخالفت کرتے ہو اور ہماری مسجد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدل دیا' اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۷) مسلمان ملت ابراہیم کے اتباع کے داعی تھے اس لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بنائے ہوئے کعبہ کو ان کا قبلہ بنا دیا۔

(۸) جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو نبی کریم ﷺ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے تو اس کو قبلہ بنانے میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے۔

حکم ناسخ سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

(۱) امام ابن ماجہ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف اٹھارہ مہینے نماز پڑھی اور آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے دو ماہ بعد کعبہ کی طرف قبلہ پھیرا گیا اور رسول اللہ ﷺ جب بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو اکثر اپنے چہرہ مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے دل کی کیفیت معلوم ہوئی کہ آپ کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہتے ہیں جبرئیل اوپر جب چڑھتے تو رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے رہتے جب وہ آسمان و زمین کے درمیان ہوتے تھے تو انتظار فرماتے ان کے حکم لانے کا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لفظ آیت "قد نری تقلب وجهك في السماء " الایہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل بیت المقدس کی طرف

ہماری نمازوں کا کیا بنے گا۔تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت - وما کان اللہ لیضیع ایمانکم -

(۲) امام طبرانی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں پھر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری اور ان کو کعبہ کی طرف پھر جانے کا حکم فرمایا لفظ آیت - قد نری تقلب وجھك فی السماء - (الآیہ)

(۳) ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے بعد جب سلام پھیرتے تھے تو اپنے سر مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لفظ آیت - قد نری تقلب وجھك فی السماء - (الآیہ)

(٤) نسائی، بزار، ابن المنذر، طبرانی نے ابوسعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم صبح سویرے مسجد کی طرف جاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم مسجد سے گزرتے تھے اور اس میں نماز پڑھتے تھے۔ایک دن ہم گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف فرما تھے میں نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ کوئی نیا حکم آچکا ہے میں بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی لفظ آیت - قد نری تقلب وجھك فی السماء - (الآیہ) میں نے اپنے ساتھی سے کہا آجاؤ ہم دو رکعتیں پڑھ لیں پہلے اس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ممبر سے) نیچے تشریف لائیں۔سو ہم پہلے تھے جنہوں نے (کعبہ کی طرف) نماز پڑھی اور ہم نے اپنے آپ کو چھپا کر نماز پڑھی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں کو اس دن کعبہ کی طرف ظہر کی نماز پڑھائی۔

(۵) عبد بن حمید، ابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت "قد نری تقلب وجھک فی السماء، فلنولینک قبلۃ ترضھا" کے بارے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور آپ بیت الحرام کی طرف متوجہ ہونا پسند فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیا جس کو آپ پسند فرماتے تھے اور اس سے راضی ہوتے تھے فرمایا لفظ آیت - فول وجھك شطر المسجد الحرام - یعنی مسجد حرام کی طرف (اپنے چہرہ کو پھیر لیجئے)۔

(٦) عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ یہودیوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مخالفت کرتا ہے ہمارے قبلہ کی اتباع بھی کرتا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی تبدیلی کی دعا مانگتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لفظ آیت "قد نری تقلب وجھک فی السماء" (الآیہ) پس کعبہ کی طرف منہ کرنے سے یہود کا اعتراض ختم کر دیا۔مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ پھر گئیں۔

(۷) عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، احمد بن منیع (فی سندہ) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی (فی الکبیر) اور حاکم (انہوں نے اسے صحیح بھی کہا ہے) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت - فلنولینك قبلۃ ترضھا - کے بارے میں فرمایا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا قبلہ میزاب کی طرف تھا۔

(۸) عبد بن حمید، ابوداؤد، (فی الناسخ)، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فول وجھک شطر المسجد الحرام" سے مراد مسجد حرام کی سمت ہے۔

(۹) عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، دینوری (فی المجالسہ) حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فول وجھك شطر المسجد الحرام" میں "شطرہ" سے مراد قبلہ ہے۔

(۱۰) ابوداؤد، ابن جریر اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ "شطرہ" سے مراد ہے نحوہ یعنی اس کی جانب۔

(۱۱) امام آدم اور دینوری (فی المجالسہ) امام بیہقی نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ "شطرہ" یعنی نحوہ اس کی جانب۔

(۱۲) امام وکیع، سفیان بن عینیہ، عبد بن حمید، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، دینوری نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "شطر المسجد الحرام" سے مراد ہے تلقاءہ یعنی اس کے سامنے۔

(۱۳) ابن ابی حاتم نے رفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "شطرہ" سے مراد ہے "تلقاءہ" یعنی اس کے سامنے حبش کی زبان میں۔

(۱٤) ابوبکر بن ابی داؤد نے المصاحف میں ابوزین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں یوں ہے لفظ آیت۔ وحیث ما کنتم فولوا وجوهکم قبلة۔

(۱۵) ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بیت اللہ سارا قبلہ ہے اور بیت اللہ کا قبلہ دروازہ ہے۔

(۱٦) امام بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بیت اللہ اہل مسجد کا قبلہ ہے اور مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور حرم شریف قبلہ ہے زمین والوں کے لئے اس کے مشارق میں اور اس کے مغارب میں میری امت میں سے۔

(۱۷) امام ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وان الذین اوتوا الکتب" یہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۱۸) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہا کہ لفظ آیت۔ وان الذین اوتوا الکتب لیعلمون انه الحق من ربھم۔ سے مراد قبلہ ہے یعنی اہل کتاب جانتے تھے کہ قبلہ کی تبدیلی حق ہے۔

(۱۹) ابوداؤد نے الناسخ میں اور ابن جریر نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت۔ وان الذین اوتوا الکتب لیعلمون انه الحق۔ سے مراد ہے کہ اہل کتاب جانتے تھے کہ کعبہ ابراہیم اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کا قبلہ تھا لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اس کو چھوڑ دیا تھا لفظ آیت۔ وان فریق منھم لیکتمون الحق۔ یعنی وہ محمد ﷺ کی صفت کو اور قبلہ کے حکم کو چھپاتے تھے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا اتباع کرنے والے ہیں اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو بیشک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے

والوں میں سے ہوں گے لفظ آیت "وما انت بتابع قبلتهم، وما بعضهم بتابع قبلة بعض، ولئن اتبعت اهواء هم من بعد ما جاءك من العلم، انك اذا لمن الظلمين"

سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا لفظ آیت "وما بعضهم بتابع قبلة بعض" سے مراد ہے کہ یہودی نصاریٰ کے قبلہ کی تابعداری کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی نصاریٰ یہودیوں کے قبلہ کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

کفار کو معاف کرنے اور حکم منسوخ کا بیان

کفار سے درگزر اور معاف کرنے کے حکم کے نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ} فأمر الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم أن يعفو عنهم ويصفح حتى يأتي الله بأمره ولم يؤمر يومئذ بقتالهم۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بہت سے اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہوجانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں سوتم (ان کو) معاف کرو اور درگزر کرو حتی کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ، 109)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کفار کو معاف کردیں اور ان سے درگزر فرمائیں حتیٰ کہ اللہ کا حکم آجائے لہذا اس دن ان سے جنگ نہ کریں۔

حکم منسوخ کی وضاحت کا بیان

شان نزول: آیات کا یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد یہود کی جماعت نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر آپ لوگ حق پر ہوتے تو شکست نہ ہوتی۔ لہذا ہمارا مشورہ ہے کہ تم لوگ اب بھی ہمارے دین میں آجاؤ۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے یہ تو بتاؤ تمہارے نزدیک عہد شکنی کیسی ہے۔ انہوں نے کہا نہایت مذموم اور بری بات ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے حضور سے عہد کیا ہے کہ زندگی کے آخری لمحہ تک حضور کا دامن نہ چھوڑوں گا اور کفر کی طرف ہرگز نہ جاؤں گا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد ﷺ نبی ای۔ میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے اور دین کے اسلام ہونے اور حضور ﷺ کے نبی ہونے پر اور آخر میں فرمایا۔ میں راضی ہوا قرآن کے ایمان ہونے اور کعبہ کے قبلہ ہونے اور مومنین کے بھائی ہونے سے۔

پھر یہ دونوں صحابی علیہم رضوان بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور یہودیوں نے جو مظاہرہ بہ باطن کیا تھا۔ وہ گوش گزار کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے جواب پسند فرمائے اور فرمایا تم نے نجات پائی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور آگے جو

ارشاد ہے کفارا حسدًا من عند انفسھم وہ صاف ہے کہ اسلام کی حقانیت جاننے کے بعد یہود کا مسلمانوں کی طرف کفر وارتداد کی تمنا کرنا اور یہ چاہنا کہ وہ اسلام کے بعد ایمان کی نعمت سے محروم ہو جائیں محض از روئے حسد تھا اور حسد بڑا سخت عیب ہے۔ حسد کے معنی ہیں کسی کی خوبی وترقی کو دیکھ کر کڑھنا اور یہ خواہش کرنا کہ اس سے چھن کر مجھے مل جائے۔ حدیث میں سید عالم ﷺ نے فرمایا حسد سے بچو وہ نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ حسد حرام ہے۔ یہ بھی مستنبط ہوا کہ اگر کوئی مال ودولت یا جاہ وثروت کی خاطر گمراہی وبے دینی پھیلانا چاہے وہ بے دین ہے اس کے فتنہ کو فرو کرنے کی سعی کرنا ان کا اثر زائل کرنے میں جدو جہد جائز بلکہ مستحسن ہے۔

آخر میں حضور ﷺ کی تشفی کے لئے فرمایا کہ ابھی ان سے عفو اور درگزر کیجئے۔ انہیں اصلاح نفس کی دعوت دیتے رہیے۔ پھر جو حکم الہٰی عز وجل آئے اس پر عمل فرما دیں یعنی جہاد۔ مگر ابھی درگزر ہی لازم ہے جب حکم جہاد آ جائے اس وقت ان کی سرکوبی کی جائے۔ (تفسیر الحسنات، سورہ بقرہ، لاہور)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس ارشاد کے ساتھ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون۔ (توبہ:29) (جنگ کرو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر۔۔۔۔ اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں) یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کی ناسخ فاقتلوا المشرکین ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: ہر وہ آیت جس میں قتال کا ترک ہے وہ مکی ہے اور قتال کے حکم کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس کا یہ حکم کہ یہ آیت مکی ہے ضعیف ہے کیونکہ یہود کی مخالفتیں تو مدینہ میں تھیں۔

میں کہتا ہوں: یہ بات صحیح ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر سوار ہوئے جس کے اوپر فدک کا بنا ہوا کپڑا تھا اور حضرت اسامہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ بنی حارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے۔ پس وہ دونوں چلے حتیٰ کہ اس مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہ عبداللہ کے ظاہراً اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ مجلس میں مسلمان، مشرک، بت پرست اور یہود جمع تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی تھے۔ جب مجلس پر گدھے کا غبار چھانے لگا تو عبداللہ بن ابی نے اپنا ناک اپنی چادر سے ڈھانپ دیا اور کہا: ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے سلام کی پھر آپ ٹھہرے اور گدھے سے اترے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور ان پر قرآن پڑھا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: اے شخص! یہ انداز اچھا نہیں جو آپ کہتے ہیں اگر حق بھی ہے تو ہمیں ہماری مجالس میں اس کے ساتھ اذیت نہ دے، اپنی منزل کی طرف لوٹ جا جو تیرے پاس آئے اسے بیان کر۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: یارسول ﷺ! آپ ہماری مجالس میں تشریف لائیں ہم اس پیغام کو پسند کرتے ہیں۔ مشرکوں، مسلمانوں اور یہود کے درمیان گالی گلوچ شروع ہوگئی حتیٰ کہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے قریب ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں خاموش کراتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش

ہو گئے پھر آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! کیا تو نے نہیں سنا جو ابو حباب۔۔۔ آپ کی مراد عبداللہ بن ابی تھا۔۔۔ نے کہا ہے اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حضرت سعد نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگذر فرمائیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ اللہ آپ کے پاس حق لایا جو اس نے آپ پر اتارا، مدینہ طیبہ کے لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کو تاج پہنائیں گے اور اس کے سر پر پگڑی باندھیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ساتھ اس معاملہ کو رد کر دیا جو آپ کو عطا فرمایا تو یہ غصہ میں ہو گیا۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے اس نے کہا جو آپ نے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکوں اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا اور اذیت پر صبر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیراً (آل عمران :186) (اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں) اور فرمایا ودکثیر من اھل الکتب (دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب)۔

رسول اللہ ﷺ حکم الٰہی کے مطابق معاف فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے لڑنے کی اجازت دی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر لڑی تو اللہ تعالیٰ نے قریش کے رئیسوں اور کفار کے سرداروں کو آپ ﷺ کے ذریعے قتل کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ اور صحابہ جنگ بدر سے مال غنیمت حاصل کر کے اور فتح یاب ہو کر لوٹے، ان کے ساتھ قریش کے سردار اور کفار کے رئیس قیدی تھے، عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھ مشرکوں اور بت پرستوں نے کہا: یہ امر ظاہر ہو کر رہے گا۔ پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کی بیعت کر لی۔ اور اسلام لے آئے۔ (احکام القرآن قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

کفار سے قتال کرنا اور حکم ناسخ کا بیان

فأنزل الله عز وجل: في براءة فأتى الله فيها بأمره وقضائه فقال {قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ} إلى {وَهُمْ صَاغِرُونَ} فنسخت هذه الآية ما كان قبلها وأمر فيها بقتال أهل الكتاب حتى يسلموا أو يفدوا بالجزية.

(ينظر ابن حزم 123، النحاس 26، ابن سلامة 12، مكي 108، ابن الجوزي 199، العتائقي 28، ابن المتوج 38.)

اس حکم کے بعد اللہ تعالیٰ سورت برات میں جنگ کا حکم دیا۔ پس ارشاد فرمایا: ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔ (التوبہ، 29)

پس اس حکم کی وجہ سے اس سے ماقبل آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اہل کتاب سے جنگ کرنے کا حکم دیا کہ وہ اسلام قبول کریں یا پھر جزیے کے ساتھ فدیہ دیں۔

حکم ناسخ کی وضاحت کا بیان

اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا کیونکہ اس وصف پر وہ تمام متفق ہیں اور اہل کتاب کا ذکر ان کی کتاب کی تکریم کے لیے خاص طور پر علیحدہ کیا، کیونکہ وہ توحید و رسالت، شرائع اور ادیان کو جانتے تھے اور خصوصاً حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، آپ کی ملت اور آپ کی امت کے بارے میں علم رکھتے تھے۔ تو جب انہوں نے اس کا انکار کیا تو ان پر حجت موکد ہوگئی اور ان کا جرم بڑھ گیا۔ پس پہلے ان کے مقام ومحل پر آگاہ فرمایا پھر قتال کے لیے غایت کو ذکر کیا اور وہ قتل کے بدلے جزیہ ادا کرنا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

کفار سے قتال وجزیہ سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

١:۔ ابن ابی حاتم وابن مردویہ نے ابوہریرہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اس سال میں اتاری جس میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین کے ساتھ عہد توڑنے کا اعلان کیا۔ یعنی (آیت) یایھا الذین امنوا انما المشرکون نجس " (اور) مشرکین تجارت کا مال لے کر آتے تھے جس سے مسلمان بھی نفع اٹھاتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین مسجد حرام کے قریب آنے کو حرام کر دیا تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ ان کی وہ تجارت ختم ہوجائے گی جس کا لین دین مشرک کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) " وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شآء " اس لئے آیت میں جو اس کے پیچھے آرہی ہے (کافروں سے) جزیہ (لینے کا حکم فرمایا) اس سے پہلے نہیں لیا جاتا تھا اور اس کو مشرکین کے تجارت کے مال کے عوض میں بنا دیا جس سے ان کو روک دیا گیا۔ پھر فرمایا (آیت) ۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ۔ سے لے کر " صغرون " تک پس مسلمان اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ پہچانیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس منافع سے افضل اور بہتر عوض عطا فرمایا ہے۔ جو وہ مشرکین سے تجارت کر کے حاصل کرتے تھے۔

٢:۔ ابن عساکر نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قتال کی دو صورتوں میں ایک ہے مشرکین سے لڑنا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا اپنے ہاتھ سے یہ جزیہ اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں۔ اور باغیوں کی جماعت سے لڑنا یہاں تک کہ وہ لوٹ آئیں اللہ کے حکم کی طرف اگر وہ لوٹ آئیں تو پھر عدل وانصاف کیا جائے گا۔

٣:۔ ابن ابی شیبہ وابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ والبیہقی نے اپنی سنن میں مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) ۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ۔ کے (یہ آیت) نازل ہوئی جب محمد ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو غزوہ تبوک کا حکم دیا گیا۔

٤:۔ ابن منذر نے ابن شہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (یہ آیت) کفار قریش اور عرب کے بارے میں نازل ہوئی (فرمایا) (آیت) ۔ وقتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ ۔ (البقرۃ آیت ١٩٣) اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوا۔ (آیت) ۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ۔ سے لے کر ۔ یعطوا الجزیۃ ۔ سب سے پہلے

نجران والوں نے جزیہ دیا۔

٥:۔ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے "الجزیۃ عن ید" کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا زمین کا اور غلام کا جزیہ (لیا جائے گا)

٦:۔نحاس نے اپنی ناسخ میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) ۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ۔ کے بارے میں فرمایا اس آیت کے ذریعہ اس آیت کے ذریعہ مشرکین سے درگزر کرنے کو منسوخ کر دیا گیا۔

٧:۔ابن ابی حاتم نے ابن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا جب رسول اللہ ﷺ عرب کے قریب لوگوں کے لڑنے سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا۔

٨:۔ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) ۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ۔ سے مراد ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کی توحید کی تصدیق نہیں کرتے (اور فرمایا) (آیت) ۔ ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ۔ یعنی شراب اور خنزیر کو وہ حرام نہیں سمجھتے" (آیت) ۔ ولا یدینون دین الحق ۔ یعنی دین اسلام کو وہ قبول نہیں کرتے (آیت) ۔ من الذین اوتوا الکتب ۔ یعنی یہود ونصاری میں سے جن کو امت محمد ﷺ کے مسلمانوں سے پہلی کتاب دی گئی تھی (فرمایا) (آیت) ۔ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون ۔ یعنی وہ ذلیل ورسوا ہوں۔

٩:۔ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ۔ عن ید ۔ سے مراد ہے منسوب اور مجبور ہو کر (جزیہ ادا کریں)

١٠:۔ابن ابی حاتم نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا کہ ۔ عن ید ۔ سے مراد ہے کہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور اپنے علاوہ کسی اور کے ہاتھ نہ بھیجے۔

١١:۔ابن منذر نے ابوسفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ۔ عن ید ۔ سے مراد ہے قدرت سے دینا۔

١٢:۔ابن منذر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) ۔ عن ید وھم صغرون ۔ سے مراد ہے کہ وہ مکہ نہ مار رہے ہوں۔

١٣:۔ابن منذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) ۔ وھم صغرون : سے مراد ہے کہ اس خیال میں وہ پسندیدہ اور قابل تعریف نہیں۔

١٤:۔ابن ابی حاتم مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ رُستم کی طرف بھیجے گئے رستم نے ان سے کہا تم کس بات کی طرف بلاتے ہو؟ انہوں نے اس سے فرمایا تجھ کو میں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر تو اسلام لے آیا تو تیرے لئے وہی (حقوق) ہوں گے جو ہمارے لئے ہیں اور تجھ پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں اس نے کہا اگر میں انکار کر دوں تو فرمایا اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کر اس حال میں کہ تو مغلوب ہو تو اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ جزیہ دینے کے مفہوم کو میں نے جان لیا ہے لیکن

تیرا قول "وانت صاغر" سے مراد ہے اس حال میں کہ تو کھڑا ہوا اور میں بیٹھا ہوں اور کوڑا تیرے سر پر ہو۔

١٥:۔ ابوالشیخ نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے قلعہ والوں سے فرمایا جب مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر رکھا تھا انہوں نے سوال کیا کہ جزیہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہم تم سے دراہم کو وصول کریں گے اور مٹی تمہارے سروں پر ہوگی۔

١٦:۔ ابن ابی شیبہ واحمد نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ قلعہ کی طرف پہنچے اور ان سے کہا اگر تم ایمان لے آؤ تو تمہارے لئے وہی حقوق ہیں جو ہمارے لئے ہیں اور تم پر سب ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں اگر تم انکار کرو گے تو جزیہ ادا کرو اس حال میں کہ تم مغلوب ہو اگر تم انکار کرو تو ہم تمہارے (سر سے معاہدوں کو) پھینک دیں گے برابری کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

١٧:۔ ابوالشیخ نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ذمی لوگوں کے لئے یہ زیادہ محبوب ہے وہ جزیہ کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے (آیت) حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون"۔

١٨۔ ابن ابی شیبہ نے مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کو حکم فرمایا ہر جوان مرد سے ایک دینار (جزیہ) یا اس کے برابر ستو۔

١٩:۔ ابن ابی شیبہ نے زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر والوں کے مجوسیوں سے جزیہ لیا اور یمن کے یہودی اور ان کے نصاریٰ میں سے ہر جوان مرد سے ایک دینار لیا۔

٢٠:۔ ابن ابی شیبہ نے بجالہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجوس سے جزیہ نہیں کیا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا (تو پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لینا شروع کیا)

٢١:۔ ان ابی شیبہ نے حسن بن محمد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں کی طرف خط لکھا اور ان کو اسلام کی دعوت دی جو اسلام لے آیا اس سے قبول فرمایا جس نے انکار کیا تو ان پر جزیہ لگا دیا یہاں تک کہ آپ نے حکم فرمایا ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور ان میں سے کسی عورت سے نکاح نہ کیا جائے۔

٢٢:۔ مالک والشافع وابوعبید نے کتاب الرسول میں وابن ابی شیبہ نے جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجوسیوں سے جزیہ لینے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین سے مشورہ لیا تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرو۔

٢٣:۔ ابن منذر نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اگر میں اپنے اصحاب کو مجوس سے جزیہ لیتا ہوا نہ دیکھتا تو میں ان سے نہ لیتا اور یہ (آیت)۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ۔ تلاوت فرمائی۔

۲۴:۔عبدالرزاق نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے مجوس سے جزیہ لینے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم آج کے دن زمین پر مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں اس مسئلہ کے بارے میں مجوس اہل کتاب تھے جس کی وہ معرفت رکھتے ہیں وہ اہل علم تھے (کیونکہ) وہ اس علم کو پڑھتے تھے ان کے امیر نے شراب پی لی اس کو نشہ ہوا تو وہ اپنی بہن پر واقع ہوگیا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کو دیکھا جب صبح ہوئی تو اس کی بہن نے کہا تو نے جو میرے ساتھ اس طرح اور ایس طرح کیا ہے ایک جماعت نے تجھ کو دیکھا ہے کہ وہ تجھ پر اس بات کو نہیں چھپائیں گے اس نے لالچ والوں کو بلایا اور ان کو (خوب مال) عطا کیا پھر ان سے کہا تم جانتے ہو کہ آدم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کا اپنی بیٹی سے نکاح کیا تھا اتنے میں وہ لوگ آ گئے جنھوں نے اس کو دیکھا تھا اور انہوں نے کہا (اللہ کی رحمت سے) دور ہونے والے کے لئے ہلاکت ہے۔ بلاشبہ تیری پیٹھ پر اللہ کی حد جاری ہوگی تو اس نے ان لوگوں کو قتل کر دیا جو اس (امیر) کے پاس تھے۔ پھر ایک عورت آئی اس نے اسے کہا کیوں نہیں بلکہ میں نے بھی تجھ کو اس کے پاس دیکھا ہے۔ اس نے اس عورت سے کہا کے باغیوں کے لئے ہلاکت ہو عورت نے کہا اللہ کی قسم وہ باغی تھی پھر اس نے توبہ کرلی تو اس نے اس کو بھی قتل کر دیا پھر جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور ان کی کتابوں میں تھا سب رات کے وقت ان سے لے لیا گیا اور صبح کے وقت ان کے پاس کوئی چیز نہ رہی۔

۲۵:۔ابن ابی شیبہ وابوالشیخ نے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ عرب کے رہنے والوں کو اسلام پر قتال کیا اور سب نے ان سے اس کے سوا کوئی چیز قبول نہیں کی اور یہ افضل ترین جہاد سے اس امت پر جہاد کے فرض ہونے کے بعد اہل کتاب کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا (جس کو فرمایا) (آیت) قاتلوا الذین لا یومنون باللہ"

۲۶:۔ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ بت پرستوں سے اسلام کی بنا پر قتال کیا جائے گا۔ اور اہل کتاب سے جزیہ (کے ادا نہ کرنے پر) کی بنا پر جہاد کیا جائے گا۔

۲۷:۔ابوالشیخ وابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اہل کتاب کی بعض عورتوں ہمارے لئے حلال ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ہمارے لئے حلال نہیں ہیں اور (یہ آیت) - قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر - تلاوت کی پس جنھوں نے جزیہ ادا کی ان کی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں اور جنھوں نے جزیہ نہیں دیا ان کی عورتیں ہمارے لئے حلال نہیں ہیں۔

ابن مردویہ کے الفاظ یوں ہیں اہل کتاب کا نکاح حلال نہیں ہے جب وہ حربی (یعنی لڑنے والے) ہوں پھر یہ آیت تلاوت کی۔

۲۸:۔عبدالرزاق نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے ایک آدمی نے کہا جو میں نے ایک ویران زمین کو لیا اس کو آباد کیا اور میں اس کا خراج ادا کرتا ہوں انہوں نے اس سے روک دیا پھر فرمایا کہ تم لوگ نہ ارادہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو اس کا بنایا ہو کہ وہ اسے اس کی گردن سے اتار کر اپنی گردن میں ڈال لے۔ پھر (یہ آیت تلاوت فرمائی)۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ" سے لے کر "وھم صغرون" تک۔ (تفسیر درمنثور، سورہ توبہ، بیروت)

کن لوگوں سے جزیہ وصول کیا جانا چاہیے

علامہ ابو بکر جصاص رازی لکھتے ہیں، قول باری ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ) تاقول باری (حتی یعطوا الجزیۃ عن ید ولھم صاغرون) آیت کے مضمون اور اس کے انداز بیان سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جزیہ ان لوگوں سے وصول کیا جائے گا جو جنگ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں گے یعنی اہل قتال ہوں گے۔ اس لئے کہ خصاب الٰہی کا ایسے لوگوں کے ساتھ قتال کے حکم پر مشتمل ہونا محال ہے جو قتال کی اہلیت ہی نہ رکھتے ہوں کیونکہ قتال کا فعل ہمیشہ دو شخصوں کے درمیان سرانجام پاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مقاتل قرار پاتا ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوتا ہے۔

جزیہ کی وصولی اہل قتال واہل حرفہ سے ہوگی

جب یہ بات اس طرح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جزیہ ان لوگوں سے لیا جائے گا جو قتال کی اہلیت رکھتے ہوں گے اور ان اہل حرفہ سے جن کے لئے اس کی ادائیگی ممکن ہوگی۔ اسی بنا پر ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اگر ایک شخص جنگ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس پر جزیہ عائد نہیں ہوگا۔ ان کا قول ہے کہ اگر ایک شخص نابینا یا مفلوج یا انتہائی بوڑھا یا ہاتھ پاؤں سے معذور ہوگا تو مالدار ہونے کے باوجود اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ مشہور روایت کے مطابق ہمارے تمام اصحاب کا یہی قول ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اگر نابینا شخص یا ہاتھ پاؤں سے معذور انسان یا انتہائی بوڑھا آدمی مالدار ہوگا تو اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کے قول کی مطابقت میں بھی روایت منقول ہے۔ ابن رستم نے اپنے "نوادلہ" میں امام محمد سے اپنا سوال اور ان کا جواب نقل کیا ہے۔ میں نے ان سے سوال کیا: آپ کا کیا خیال ہے کہ بنی تغلب کے نصاریٰ اور دوسرے اہل کتاب اگر اہل حرفہ نہ ہوں اور ان کے پاس مال وغیرہ بھی نہ ہو اور انہیں مال وغیرہ حاصل کرنے کی قدرت بھی نہ ہو تو آیا ایسے لوگوں پر جزی عائد ہوگا؟ امام محمد نے جواب میں فرمایا: "ایسے لوگوں پر کوئی چیز عائد نہیں کی جائے گی۔" امام محمد کا قول ہے کہ جزیہ صرف ان لوگوں پر عائد کیا جائے گا جو مال دار ہوں گے اور کام کاج کرتے ہوں گے۔ آپ کا یہ بھی قول ہے کہ اگر ایک عیسائی کمائی تو کرتا ہے لیکن اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں بچتا تو اس سے کوئی جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ گرجوں میں رہنے والے لوگوں نیز سیاحوں سے کوئی جزیہ نہیں لیا جائے گا بشرطیکہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتے ہوں اور ان کے ساتھ اختلاط نہ کرتے ہوں، اور ایسے لوگ دوسرے لوگوں کے ساتھ گھل مل جاتے ہوں تو ان پر جزیہ عائد کر دیا جائے گا۔ عورتوں اور بچوں پر کوئی جزیہ عائد نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ جنگ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔

ایوب اور دوسرے راویوں نے نافع سے اور انہوں نے اسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افواج کے سپہ سالاروں کو تحریری طور پر حکم دیا تھا کہ وہ صرف ان لوگوں کے خلاف ہتھیار استعمال کریں گے جو ان کے مقابلہ پر آئیں گے۔ عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کریں گے اور صرف ان لوگوں کو قتل کریں گے جن کے موئے زیر ناف پر استرے پھرے ہوں گے یعنی

وہ بالغ ہوں گے۔

جزیہ بالغوں سے

اسی طرح آپ نے لشکروں کے سرداروں کو تحریری حکمنامہ بھیجا تھا کہ وہ مفتوحہ علاقوں میں لوگوں پر جزیہ عائد کریں گے عورتوں اور بچوں پر اسے عائد نہیں کریں گے صرف ان لوگوں پر عائد کریں گے جن کے موئے زیر ناف پر استرے پھرے ہوں گے۔ عاصم نے ابووائل سے انہوں نے مسروق سے اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ میں ہر بالغ مرد اور بالغ عورت سے ایک ایک دینار یا اس کے مساوی قبیلہ معافر کا بنایا ہوا کپڑا وصول کروں۔

جزیہ کی مقدار

جزیہ کی مقدار کیا ہو؟ ارشاد باری (حتی یعطوا الجزیۃ عن ید) میں ظاہر آیت کے لحاظ سے اس کی مقدار پر کوئی دلالت نہیں ہے اس لئے فقہاء کے مابین جزیہ کی مقدار کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ جزیہ ادا کرنے والوں میں جو شخص مالدار ہوگا اس سے اڑتالیس درہم وصول کئے جائیں گے۔ متوسط الحال شخص سے چوبیس درہم اور تنگدست مگر کام کاج کرنے والے سے بارہ درہم وصول کئے جائیں گے۔ حسن بن صالح کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ جن لوگوں کے پاس سونا ہوگا ان سے چار دینار اور جن کے پاس چاندی ہوگی ان سے چالیس درہم وصلو کئے جائیں گے۔ مالدار اور فقیر میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اس مقدار میں نہ کمی کی جائے گی اور نہ اضافہ۔ امام شافعی کا قول ہے کہ خواہ مالدار ہو یا فقیر ہر شخص پر ایک دینار عائد ہوگا۔

ابواسحٰق نے حارثہ بن مضرب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حنیف کو عراق روانہ کیا تھا، انہوں نے دیہی علاقوں میں رہنے والوں پر خرچ کے طور پر اڑتالیس، چوبیس اور بارہ درہم فی کس کے حساب سے ٹیکس عائد کیا تھا۔ اعمش نے ابراہیم بن مہاجر سے، انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دریائے دجلہ کی دوسری جانب کے علاقوں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حنیف کو دریا کی اس جانب کے علاقوں کا مال افسر بنا کر بھیجا تھا دونوں حضرات کا کہنا ہے کہ ہم نے ہر مرد پر ماہانہ چار درہم جزیہ عائد کیا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آیا لوگوں کو یہ رقم ادا کرنے کی استطاعت تھی تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ زمیندار تھے اور فصلیں کاشت کرتے تھے۔ عمرو بن میمون نے سالانہ اڑتالیس درہموں کا ذکر کیا لیکن لوگوں کے طبقات میں کوئی فرق بیان نہیں کیا۔ جبکہ حارثہ بن مضرب نے تین طبقات کی تفصیل بیان کی۔ اس لئے ضروری ہے کہ عمرو بن میمون کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے کہ ان کی اس سے مراد یہ ہے زیادہ سے زیادہ جزیہ جو عائد کیا جاتا تھا وہ ان لوگوں پر عائد کیا جاتا تھا جن کا تعلق سب سے اونچے طبقے سے ہوتا تھا۔ متوسط اور سب سے نچلا طبقہ اس میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نافع سے اور

انہوں نے اسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونا رکھنے والوں پر چار دینار اور چاندی رکھنے والوں پر چالیس درہم کا جزیہ عائد کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خوراک اور تین دنوں تک ضیافت بھی ان کے ذمے تھی۔

یہ روایت عمرو بن میمون کی روایت کے ہم معنی ہے اس لئے کہ مسلمانوں کی خوراک اور تین دن تک کی ضیافت اور اس کے ساتھ چالیس درہم نقد کل ملا کر اڑتالیس درہم کے مساوی ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر وہ روایت جس میں طبقات کی تفصیل موجود ہے اس پر عمل اس روایت کی بہ نسبت اولیٰ ہوگا جس میں یہ تفصیل نہیں ہے اس لئے کہ پہلی روایت میں اضافہ ہے نیز ہر طبقے کا حکم بیان کر دیا گیا ہے نیز یہ کہ جو لوگ طبقات کے لحاظ سے جزیہ کی رقمیں عائد کرنے کے قائل ہیں وہ اڑتالیس درہم والی روایت پر بھی عمل پیرا ہیں۔ لیکن جو لوگ طبقات کے قائل نہیں اور یکساں طور پر اڑتالیس درہم کی مقدار کے قائل ہیں وہ اس روایت کے تارک قرار پائیں گے جس میں مختلف طبقات کا ذکر کر کے ہر طبقے کے ساتھ ایک خاص رقم کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

جو لوگ مالدار اور فقیر سب پر ایک دینار فی کس کے حساب سے جزیہ عائد کرنے کے قائل ہیں انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جب انہیں یمن کی طرف روانہ کیا تھا تو انہیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر بالغ مرد اور ہر بالغ عورت سے ایک ایک دینار یا اس کے ماسوی معافری کپڑا وصول کریں۔ ہمارے نزدیک یہ حکم اس صورت پر محمول ہے جب صلح کے طور پر اس قسم کا تعین کیا گیا ہو یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ان میں سے جو فقراء تھے ان پر جزیہ کی یہ رقم عائد کی گئی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول بعض روایات میں اس کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ہر بالغ مرد اور بالغ عورت سے ایک ایک دینار جزیہ کے طور پر وصول کریں جب کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں سے صرف اسی صورت میں جزیہ وصول کیا جائے گا جب صلح کے اندر اس کی شرط رکھی گئی ہو۔

ابو عبید نے جریر سے، انہوں نے منصور سے اور انہوں نے حکم سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے حضت معاذ کو جبکہ وہ یمن میں تھے تحریری حکم بھیجا تھا کہ ہر بالغ مرد اور بالغ عورت پر ایک ایک دینار یا اس کے مساوی معافری کپڑا بطور جزیہ عائد کر دیا جائے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن صالح نے عبداللہ بن لہیعہ سے اور انہوں نے ابوالاسود سے، انہوں نے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الزبیر سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے اہل یمن کو تحریر فرمایا تھا کہ جو شخص یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے گا اور اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوگا اس پر جزیہ عائد ہو جائے گا۔ ہر بالغ مرد اور بالغ عورت پر خواہ وہ غلام ہو یا لونڈی یا آزاد ایک ایک دینار یا اس کی قیمت کے مساوی معافری کپڑا ادا کرنا لازم ہے۔

جزیہ تین طبقوں پر ہے

جزیہ تین طبقوں پر عائد ہوتا ہے اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ اراضی پر لگان یا خراج زمین کی طاقت اور اس کی پیداوار کے لحاظ سے عائد کیا جاتا ہے۔ اس لئے زمین کی پیداواری صلاحیت کے اختلاف سے خراج کی مقدار بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ بعض پر ایک قفیز غلہ مع ایک درہم، بعض پر پانچ درہم اور بعض پر دس درہم کی مقدار عائد کر دی جاتی ہے۔ اس لئے فی کس عائد ہونے والا

ٹیکس یعنی جزیہ جو درحقیقت خراج کی ایک صورت ہے، اس میں بھی اختلاف احوال کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اور جزیہ ادا کرنے والے کی اہلیت اور اس کی طاقت کے لحاظ سے ان کی مقدار میں فرق ہونا چاہیے۔

جزیہ بساط کے مطابق

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایات دلالت کرتی ہیں جو آپ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حنیف کو دی تھیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم لوگ زمینداروں پر ٹیکس کا اتنا بوجھ ڈال دو جسے وہ برداشت نہ کر سکیں، اس پر دونوں نے کہا تھا کہ ہم ان کے لئے ایک فصل چھوڑ دیں گے، یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ طاقت اور وسعت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہ چیز تنگدستی اور مالداری کی دونوں حالتوں کے اعتبار کو واجب کر دیتی ہے۔

یحییٰ بن آدم نے ذکر کیا ہے کہ جزیہ کی مقدار کسی توقیت اور وقت کی تعیین کے بغیر اتنی ہوگی جتنی کہ جزیہ ادا کرنے والا ادا کر سکتا ہو لیکن یحییٰ کی یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔ حسن بن صالح سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزیہ کی جو مقدار مقرر کی تھی اس میں اضافہ تو جائز نہیں ہے البتہ اس میں کمی کی جاسکتی ہے دوسرے حضرات کا قول ہے کہ اس میں اضافہ اور کمی دونوں کی گنجائش ہے۔ یہ کمی بیشی جزیہ ادا کرنے والے کی طاقت و استطاعت کو مدنظر رکھ کر کی جائے گی۔ الحکم نے عمرو بن میمون سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھے جب آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حنیف کو یہ ہدایات دے رہے تھے کہ بخدا اگر تم فی ؟؟ ایک قفیر (ایک پیمانے کا نام) غلہ مع ایک درہم اور فی کس دو درہم عائد کر دو گے تو یہ مقدار وہاں کے باشندوں کے لئے کوئی ناقابل برداشت مقدار نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اتنی مقدار ادا کرنے میں انہیں کوئی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کی مقدار اڑتالیس درہم تھی۔ عثمان بن حنیف نے اس کی مقدار پچاس درہم کر دی تھی۔

اس روایت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو اضافے کے جواز کے قائل ہیں لیکن یہ روایت مشہور نہیں ہے اور اصول حدیث کے مطابق اس کی روایت ثابت بھی نہیں ہے۔ ان حضرات نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے راوی ابو الیمان ہیں، انہوں نے صفوان بن عمرو سے اور انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انہوں نے گرجوں کے راہبوں پر فی کس دو دینار کے حساب سے جزیہ عائد کیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ روایت اس پر محمول ہے کہ متوسط طبقے سے تعلق کی بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے راہبوں پر فی کس کے حساب سے یہ رقم عائد کی تھی اس لئے کہ یہ لوگ ان کی رائے میں اس رقم کی ادائیگی کا بوجھ برداشت کر سکتے تھے جس طرح سفیان بن عینیہ نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے کہ "میں نے مجاہد سے پوچھا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شام پر اہل یمن کی بہ نسبت زیادہ جزیہ کیوں عائد کیا تھا؟" انہوں نے جواب دیا کہ اہل شام میں فراخی اور خوش حالی تھی اس بنا پر جزیہ کی زائد مقدار عائد کی گئی تھی۔

مختلف طبقات انسانی پر مقدار جزیہ

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بیان کیا ہے کہ لوگوں سے ان کے طبقات کے حساب سے جزیہ وصول کیا جائے گا جس

کی تفصیل یہ ہے، خوش حال شخص سے اڑتالیس درہم، اس میں صراف، بزاز، صنعت کار، تاجر معالج اور طبیب شامل ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شخص بھی اس میں شامل ہوگا جس کے ہاتھ میں کوئی صنعت اور تجارت ہوگی جسے اس نے پیشے کے طور پر اختیار کیا ہوگا اہل صنعت وتجارت میں سے ہر شخص سے اس کی صنعت اور تجارت کے مطابق جزیہ وصول کیا جائے گا یعنی خوش حال سے اڑتالیس درہم اور متوسط سے چوبیس درہم جس شخص کی صنعت اڑتالیس درہم کی متحمل ہوگی اس سے اڑتالیس درہم اور جس کی چوبیس درہم کی متحمل ہوگی اس سے چوبیس درہم وصول کئے جائیں گے جو شخص اپنے ہاتھ سے کام رتا ہوگا مثلاً درزی، رنگریز، قصاب، اور موچی نیز ان جیسے دوسرے پیشہ ور لوگ ان میں سے ہر ایک سے بارہ درہم لئے جائیں گے۔

امام ابو یوسف نے ملکیت کا اعتبار نہیں کیا بلکہ صنعت وتجارت کا اعتبار کیا جس طرح لوگ تنگدست اور مالدار کے لئے عادۃً ان ہی باتوں کا اعتبار کرتے ہیں۔ علی بن موسیٰ القمی نے ہمارے اصحاب کی طرف اپنے اس قول کی نسبت کیے بغیر یہ کہا ہے کہ پہلا طبقہ وہ ہے جس کا تعلق صنعت وحرفت سے ہے لیکن اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس پر مسلمانوں کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یہ بدحال قسم کے کاریگروں کا طبقہ ہے جس شخص کے پاس دوسو دوہم سے کم ہوگا اس کا شمار اس طبقے میں ہوگا۔ علی بن موسیٰ نے مزید کہا ہے کہ جس شخص کے پاس دوسو سے لے کر چار ہزار درہم تک ہوں گے اس کا شمار دوسرے طبقے میں ہوگا۔ اس لئے کہ جس شخص کے پاس دوسو درہم ہوتے ہیں وہ غنی کہلاتا ہے اور مسلمان ہونے کی صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے اس لئے ایسا شخص فقراء کے طبقے سے خارج ہوجائے گا۔

علی بن موسیٰ کا کہنا ہے کہ ہم نے چار ہزار درہم تک کا جو اعتبار کیا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ " چار ہزار یا اس سے کم کی رقم نفقہ یعنی اخراجات کی رقم ہے اور اس سے زائد رقم مال کثیر ہے" انہوں نے مزید کہا ہے کہ جو شخص دوسو سے لے کر دس ہزار درہم تک کا مالک ہو اسے دوسرے طبقے میں شمار کرنا جائز ہے لیکن اس سے زائد رقم کا مالک تیسرے طبقے میں شمار ہوگا اس لئے کہ حماد بن سلمہ نے طلحہ بن عبداللہ بن کریز سے، انہوں نے ابوالضیف سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا (من ترک عشرۃ الاف درہم جعلت صفائح بعذب بھایوالقیامۃ۔ جو شخص دس ہزار درہم چھوڑ جائے گا اس کے ان درہموں کو پتھر کی سلوں یا چوڑی تلواروں کی شکل دے دی جائے گی اور قیامت کے دن اس کے ذریعہ اسے عذاب دیا جائے گا) عی بن موسیٰ القمی نے یہ جو کچھ کہا ہے اجتہاد کی بنا پر کہا ہے اور جس شخص کے غالب گمان میں یہ باتیں درست ہوں اس کے لئے ان باتوں کے کہنے کی گنجائش ہے۔

"عن ید" کا مفہوم

قول باری (عن ید) کی تفسیر میں قتادہ کا قول ہے کہ "عن قھر" یعنی دباؤ اور مغلوبیت کی بنا پر گویا انہوں نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ قوت وطاقت اور غلبہ کا مرکز ہاتھ ہوتا ہے اس لئے اس قول باری کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل کتاب یہ جزیہ ان پر تمہارے غلبہ اور تسلط نیز دباؤ کی بنا پر ادا کریں گے۔ ایک قول ہے کہ (عن ید) سے کافر کا ہاتھ مراد ہے۔ ہاتھ کا ذکر اس لئے ہوا تا کہ جزیہ کی ادائیگی کی حالت اور غصہ کی حالت کے درمیان فرق کر دیا جائے۔ اس لئے کہ ذمی جب جزیہ ادا کرتا ہے تو وہ بخوشی اپنے ہاتھوں سے اس کی

ادائیگی کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنی جان اور اپنا خون محفوظ کر لیتا ہے۔ گویا یوں ارشاد ہوا۔ "وہ جزیہ ادا کر در آنحالیکہ وہ اس کی ادائیگی پر رضامند اور خوش ہو" ۔قول باری (عن ید) میں عن نعمۃ کے معنی کا بھی احتمال ہے۔ اس بنا پر عبارت کی ترتیب کچھ اس طرح ہوگی۔ حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن اعترف منھم بالنعمۃ فیھا علیھم بقبولھا منھم ۔ (حتیٰ کہ وہ اس نعمت کا اعتراف کرتے ہوئے جزیہ ادا کر دیں جو ان سے جزیہ قبول کر کے انہیں عطا کی گئی ہے)۔

ایک قول کے مطابق (عن ید) کے معنی 'عن نقد' کے ہیں یعنی نقد کی صورت میں جس طرح نقد سودے کو عربی زبان میں 'ید أبید' کہا جاتا ہے یعنی ہاتھوں ہاتھ سودا۔ ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی قاہر یعنی تسلط حاصل کر لینے والے شخص کی اطاعت بطیب خاطر یا اس کے دباؤ میں آ کر اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دے کر کرے اس پر یہ فقرہ صادق آئے گا کہ "احطاہ عن ید" ابوعبیدہ کا قول ہے کہ صاغر ذلیل وغقیر کو کہتے ہیں قول باری (وھم صاغرون) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یمشون بھا ملببین (لبیک کہتے ہوئے وہ یہ جزیہ لے کر آئیں) حضرت سلمانؓ فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ "مذمومین غری محمودین" (قابل مذمت اور نا قابل تعریف بن کر) ایک قول کے مطابق جزیہ کی ادائیگی ان کے لئے اس بنا پر ذلت کا سامان ہے کہ یہ ان پر لازم کر دی جاتی ہے ان سے اس کی وصولی کی جاتی ہے لیکن انہیں اس پر کوئی ثواب یا جزا نہیں دی جاتی۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ذلت کی وجہ یہ ہے کہ جزیہ ادا کرنے والا کھڑا ہوتا ہے اور وصول کرنے والا بیٹھا ہوتا ہے۔ ایک قول ہے کہ صنعار فرمانبرداری کو کہتے ہیں اس سے وہ ذلت مراد لینا بھی جائز ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر تھوپ دی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہے (ضربت علیھم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس۔ یہ جہاں بھی پائے گے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسان کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے) جس سے مراد وہ ذمہ ہے جو اللہ نے ان کے لئے اٹھایا ہے اور ان کے متعلق مسلمانوں کو جس کا حکم دیا ہے۔ عبدالکریم الجزری نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جب نبطیوں (ایک عجمی قوم جو عراق میں دجلہ وفرات کے دوآبہ کے درمیان آباد تھی) سے جزیہ وصول کیا جائے تو ان کے ساتھ اس معاملے میں پوری سختی کی جائے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں سعید بن المسیب کی اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ انہیں سزا دی جائے یا ان کی استطاعت سے بڑھ کر ان پر بوجھ ڈالا جائے بلکہ یہ مراد ہے انہیں فرمانبرداری پر مجبور کر کے حقیر بنا دیا جائے۔ ہمیں عبدالباقی بن قانع نے روایت بیان کی۔ انہیں اسحاق بن الحسن نے، انہیں ابوحذیفہ نے، انہیں سفیان نے، انہیں سہیل نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا لقیتم المشرکین فی الطریق فلا تبدوھم بالسلام واضطروھم الی اضیقہ۔ جب راستے میں تم مشرکین کو دیکھو تو انہیں سلام کہنے میں پہل نہ کرو اور انہیں راستہ کی کشادہ جگہ سے تنگ جگہ کی طرف جانے پر مجبور کر دو)

ہمیں عبدالباقی بن قانع نے روایت بیان کی انہیں مطیر نے، انہیں یوسف الصنعار نے، انہیں ابوبکر بن عیاش نے سہیل سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا تصافحوا الیھود

والنصاریٰ یہودیوں اور عیسائیوں سے مصافحہ نہ کرو) یہ ذلت کی وہ تمام صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے سر ان کے کفر کے سبب تھوپ دی ہیں۔

یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت

قول باری ہے (یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانة من دونکم ۔ اے ایمان لانے والو! اپنے آدمیوں کے سوا کسی کو اپنا راز دانہ نہ بناؤ) نیز فرمایا لا تتخذو الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم۔ یہود و نصاریٰ کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا) ان آیات میں کافروں سے دوستی گانٹھنے اور ان کی تعظیم و تکریم سے منع کیا گیا ہے بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کی اہانت اور تذلیل کی جائے۔ مسلمانوں کے معاملات میں ان سے مدد لینے کی بھی ممانعت کردی گئی ہے اس لئے کہ مسلمانوں کے معاملات میں دخیل ہو کر انہیں انتظامی طور پر عزت اور بالادستی حاصل ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریری طور پر یہ ہدایت کی تھی کہ وہ تحریری کاموں میں کسی مشرک سے مدد نہ لیں۔ اس موقع پر آپ نے اس آیت کا بھی حوالہ دیا تھا (لاتتخذوا بطانة من دونکم لا یالونکم خبالاً) نیز فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کر دیا ہے اب انہیں عزت کے مقام کی طرف واپس نہ لوٹاؤ۔ قول باری (حتی یعطوا الجزیة عن یدوھم صاغرون) ان کے قتل کے وجوب کا مقتضی ہے یہاں تک کہ انہیں دبا کر اور ذلیل کر کے ان سے جزیہ وصول کیا جائے۔ اس اقتضاء کی روشنی میں یہ بات جائز نہیں ہوگی کہ اگر یہ لوگ مسلمانوں کے علاقوں میں حکومتوں پر تسلط جما لیں اور ان کے معاملات کے درو بست پر قابض ہو جائیں تو اس صورت میں یہ ذمی بنے رہیں اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی ہم پر ذمہ داری عائد ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان کی اور ان کی جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری صرف اس صورت میں ڈالی ہے کہ یہ جزیہ دیں اور ذلی ہو کر رہیں۔ اس لے ان میں سے جو شخص بھی مسلمانوں پر غاصبانہ تسلط جمالے گا اور ٹیکس وصول کرنا اور ظلم و ستم کرنا شروع کر دے گا خواہ اسے سلطان نے اس کام پر لگایا ہو یا وہ از خود یہ سب کچھ کرتا ہو۔ اسے قتل کر دینا واجب ہوگا۔

بادشاہ کے عیسائی کارندے مسلمانوں پر ظالمانہ ٹیکس لگائیں تو وہ واجب القتل ہیں

یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے بادشاہ کے ایسے عیسائی کارندے جو اس کی طرف سے انتظامی اسامیوں پر مقرر کئے جاتے ہیں، پھر وہ اپنے عہدوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور ٹیکس وصول کرتے ہیں، یہ ذمی نہیں رہتے، ان کے خون کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی بلکہ ان کا خون بہانا مباح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ان کے ذریعے حاصل شدہ ٹیکس کی رقمیں ایسے شخص کے خزانے میں پہنچ جاتی ہیں جو اسلام کا دعوے دار ہوتا ہے اور کمین گاہ میں بیٹھ کر لوگوں کا مال لوٹتا ہے۔ ایسے کارندوں اور حاکموں کا خون بہا دینا جائز ہے اس لئے کہ ان کی حیثیت رہزنوں جیسی ہے۔ فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص سے اس کا مال چھیننے کی کوشش کرے تو وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی فرمان ہے (من

طلب ماله فقاتل فقتل فھو شھید۔ جس شخص کا مال کسی نے چھیننے کی کوشش کی اور وہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کا مقابلہ کرتا ہوا قتل ہوجائے تو وہ شہید ہوگا)

ایک اور روایت میں ہے (من قتل دون ماله فھو شھید۔ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا وا مارا جائے وہ شہید ہوگا) نیز فرمایا (ومن قتل دون اھله فھو شھید ومن قتل دن دمه فھو شھید۔ اور جو شخص اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتا ہوا ہلاک ہوجائے وہ شہید ہوگا اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں جان گنوا بیٹھے وہ بھی شہید ہوگا) یہ تو اس شخص کا حکم ہے جو کلمہ گو ہونے کے باوجود کسی شخص کے مال پر غاصبانہ قبضے کی کوشش کرے اگر ایسا شخص ذمی ہو تو وہ دو وجوہ سے قتل کا سزاوار قرار پائے گا۔ ایک تو یہ کہ ظاہر آیت اس کے وجوب قتل کا مقتضی ہے اور دوسری یہ کہ اس نے ایک مسلمان کے مال کو ظلماً ہتھیانے کی کوشش کی تھیں۔

جزیہ کے وجوب کا وقت

قول باری ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ) تا قول باری (حتی یعطوا الجزیة عن ید وھو صاغرون) اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ قتال کو واجب کر دیا اور جزیہ کی ادائیگی کے وقت کو ان سے رفع قتال کی غایت مقرر کی۔ اس لئے کہ حرف حتیٰ غایت کے معنی ادا کرتا ہے یہی اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں اور اس کے ظاہر سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ قول باری (ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن جب تک یہ پاک نہ ہوجائیں ان کے قریب نہ جاؤ) میں ان سے قربت کی اباحت پر پابندی لگادی گئی ہے یہاں تک کہ حیض کا انقطاع ہوجائے اور طہر وجود میں آجائے۔ اسی طرح کہنے والے کے اس قول سے کہ "لا تعطزیدا شیئاً حتیٰ یدخل الدار (زید کو اس وقت تک کوئی چیز نہ دو جب تک وہ گھر میں داخل نہ ہوجائے) یہی مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ جب تک وہ گھر میں داخل نہ ہوجائے اس وقت تک اسے کوئی چیز دینے کی ممانعت ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیت اہل کتاب کے ساتھ قتال کی موجب ہے اور یہ حکم جزیہ کی ادائیگی پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقد ذمہ کے ساتھ جزیہ واجب ہوجاتا ہے۔

ابوالحسن کرخی آیت کی تفسیر میں یہی بات کہتے تھے۔ ابن سماعہ نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ ذمی سے اس وقت تک جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا جب تک سال داخل نہ ہوجائے اواس کے دو ماہ نہ گزر جائیں، دو ماہ گزر جانے کے بعد اس سے دو ماہ کا جزیہ وصول کرلیا جائے گا اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دوسرے الفاظ میں جزیہ کی وصولی میں وہی طریق کار اختیار کیا جائے گا جو ٹکس کی وصولی میں کیا جاتا ہے کہ جب دو ماہ گزر جاتے ہیں تو اس سے دو ماہ کا ٹیکس وصول کرلیا جاتا ہے ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ضریبہ یعنی ٹیکس سے مراد اجرت ہے جو اجارہ کی صورتوں میں مقرر کی جاتی ہے۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ سال کے دخول پر اس سے پورا جزیہ نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ سال کا اختتام ہوجائے

لیکن سال کے دوران جزیہ کی وصولی میں یہ طریق کار اختیار کیا جائے گا۔ یعنی ہر دو ماہ بعد اس کے بقدر جزیہ وصول کرلیا جائے گا۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے دو ماہ کا ذکر جزیہ کی پوری وصولی کے لئے کیا ہے۔ اس پر جزیہ کا وجوب تو اس وقت سے ہوجاتا ہے جب ہم اسے عقد ذمہ پر برقرار کردیتے ہیں جیسا کہ ظاہر آیت اسی مفہوم کو متضمن ہے۔ ابن سماعہ نے امام ابو یوسف

سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ذمی سے اس کے سر کا خراج یعنی جزیہ سال کے دوران وصول کیا جائے گا جب تک سال کے دوران اس کا وجود رہے گا۔ لیکن جب سال گزر جائے گا تو اس سے یہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے عقد ذمہ کے انعقاد کے ساتھ ہی جزیہ کو واجب قرار دیا ہے سال کے بعض حصے تک اس کی تاخیر صرف واجب مقدار کی پوری وصولی کے لئے ہے اور اس کے ذریعے وصولی کا دائرہ ذرا وسیع کر دیا گیا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ فرمایا ہے کہ جب سال گزر جائے گا تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے کہ دوسرے سال کے دخول کے ساتھ اس پر دوسرا جزیہ واجب ہو جائے گا۔ جب اس پر جزیہ کی دو قسمیں اکٹھی ہو جائیں گی تو ایک جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ تاہم امام ابو یوسف اور امام محمد سے منقول ہے کہ جزیہ کی دو رقموں کا اکٹھا ہو جانا ایک جزیہ کو ساقط نہیں کرے گا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ جزیہ کا وجوب سزا کے طور پر ہوتا ہے اس سزا کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جزیہ دینے والے اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں جس کی بنا پر وہ اس بات کے سزاوار ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے لیکن جزیہ کے وجوب کی بنا پر ان سے جنگ نہیں کی جاتی۔ جزیہ وصول کرنے کا حق امام کو ہوتا ہے اس لئے جزیہ حدود کے مشابہ ہو گیا کیونکہ حدود کا وجوب بھی سزا کے طور پر ہوتا ہے اور انہیں نافذ کرنا امام کا حق ہوتا ہے۔ جب ایک ہی قسم کے جرم کی بنا پر کئی حدود جمع ہو جائیں تو پھر صرف ایک ہی حد جاری کرنے پر اقتصار کر لیا جاتا ہے مثلاً ایک شخص کئی دفعہ زنا کرتا ہے یا کئی دفعہ چوری کرتا ہے پھر اس کا معاملہ امام المسلمین کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس صورت میں اس کی تمام چوریوں کے بدلے ایک ہی حد واجب ہوتی ہے۔ یہی زنا کی صورت میں بھی ہوتا ہے جزیہ بھی اسی طرح سزا کے طور پر واجب ہوتا ہے بلکہ اس کا معاملہ حدود کی بہ نسبت زیادہ تنصیف اور زیادہ کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے اصحاب کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن واجب شدہ حد مسلمان ہو جانے پر ساقط نہیں ہوتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب جزیہ ایک قرض ہوتا ہے اور اس مال پر مسلمانوں کا حق ہوتا ہے تو پھر جزیہ کی دو رقموں کا اکٹھا ہو جانا ایک جزیہ کو ساقط نہیں کرے گا جس طرح ایک شخص پر کئی قرضوں کا اکٹھا ہو جانا یا اراضی پر خراج کی کئی رقموں کا اکٹھا ہو جانا ان میں سے کسی قرض یا خراج کی رقم کے سقوط کا سبب نہیں بن سکتا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اراضی کا خراج سزا یا ذلت کے طور پر واجب نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے کہ خراج مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا ہے جبکہ جزیہ مسلمانوں سے وصول نہیں کیا جاتا۔ امام ابوحنیفہ کے قول کے مماثل طاؤس سے بھی ایک قول مروی ہے۔ ابن جریج نے سلیمان الاحول سے اور انہوں نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ جب کئی صدقات یعنی زکوٰۃ کا اجتماع ہو جائے تو جزیہ کی طرح پہلی زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

ذمی کے مسلمان ہونے پر عائد شدہ جزیہ کے بارے میں آراء

اگر کسی ذمی پر جزیہ واجب ہو جائے اور وہ اس کی ادائیگی سے پہلے مسلمان ہو جائے تو آیا اس سے واجب شدہ جزیہ کی وصولی کی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے۔ ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ وصولی نہیں کی جائے گی، امام مالک اور عبید اللہ بن الحسن کا بھی یہی قول ہے۔ قاضی ابن شبرمہ اور امام شافعی کا قول ہے کہ اگر وہ سال کے کسی حصے میں مسلمان

ہوجائے تو اتنے حصے کا جزیہ حساب کر کے وصول کرلیا جائے گا۔ اسلام لانا واجب شدہ جزیہ کو ساقط کر دیتا ہے اس کی دلیل یہ قول باری ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ) تا قول باری (حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون) یہ آیت ہمارے قول کی صحت پر دوطرح سے دلالت کررہی ہے اول یہ کہ ایسے لوگوں سے جزیہ لینے کا حکم دیا گیا ہے جن کے ساتھ قتال ان کے کفر پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے واجب ہے اگر وہ جزیہ ادا نہ کریں لیکن جب ایسا شخص اسلام لے آئے تو اس کے ساتھ قتال واجب نہیں ہوگا اس لئے اس پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ دوم یہ کہ قول باری ہے (عن ید وھم صاغرون) اس میں ایسے لوگوں سے انہیں ذلیل اور رسوا کرنے کی خاطر جزیہ کی وصولی کا حکم دیا گیا ہے لیکن اسلام لے آنے کے بعد یہ بات ختم ہوجاتی ہے کیونکہ اس ذلت اور رسوائی کی عدم موجودگی کی صورت میں ان سے جزیہ لینا کسی طرح ممکن نہیں ہے اور اگر ہم ان باتوں کی غیر موجودگی میں ان سے جزیہ لیں گے تو وہ جزیہ نہیں کہلائے گا اس لئے کہ جزیہ تو وہ ہوتا ہے جو ذلت و رسوائی کی بنا پر وصول کیا جاتا ہے۔ سفیان ثوری نے قابوس بن ابی ظبیان سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لیس علی مسلم جزیۃ کسی مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہوتا) آپ نے مسلمان سے جزیہ کی وصولی کی نفی فرمادی۔ آپ نے حالت کفر میں واجب ہونے والے جزیہ اور اسلام لانے کے بعد واجب نہ ہونے والے جزیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ اس حدیث کے ظاہر معنی کے رو سے اسلام لانے کے بعد ایسے شخص سے جزیہ کا استقاط واجب ہوگیا۔ اس کے سقوط پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ جزیہ اور جزاء یعنی سزا دونوں ہم معنی الفاظ ہیں جس کے معنی ہیں کہ ایسے شخص کے کفر پر قائم رہنے کی سزا جس کے ساتھ قتال واجب ہوتا ہے۔ اس لئے جب ایسا شخص مسلمان ہوجائے گا تو اسلام لانے کی وجہ سے اس سے کفر کی بنا پر ملنے والی سزا کا سقوط ہوجائے گا۔ اس لئے کہ توبہ کر لینے والے کو ایسی حالت میں سزا دینا جائز نہیں ہوتا جب توبہ کر لینے کے بعد اسے زندگی کی مہلت مل گئی ہو اور اس کے مکلف ہونے کی صورت باقی رہ گئی ہو۔

اسی امر کے اعتبار کی بنا پر ہمارے اصحاب نے موت کی صورت میں ذمی سے جزیہ ساقط کردیا ہے اس لئے کہ ذمی کی موت کے بعد ذلت و رسوائی کے طور پر اس سے جزیہ لینے کا موقعہ باقی نہیں رہا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد اس سے لی ہوئی چیز جزیہ نہیں کہلائے گی۔ اسی بنا پر ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اگر کسی مسلمان پر اس کے مال اور مویشیوں میں زکوٰۃ واجب ہوجائے اور وہ اس کی ادائیگی سے پہلے وفات پا جائے تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور امام المسلمین اس زکوٰۃ کی وصولی نہیں کرے گا اس لئے کہ زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے وجوب کا سارا عمل اصلاً عبادت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور موت کے ساتھ عبادت کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔

ہمارے اصحاب کا یہ بھی قول ہے کہ جس شخص پر قاضی کی طرف سے اس کی بیوی کا نان و نفقہ واجب کردیا جائے اور پھر اس کی یا اس کی بیوی کی وفات ہوجائے تو واجب شدہ رقم ساقط ہوجائے گی اس لئے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک نفقہ کا وجوب تعلق زن و شو کے وجوب کی بنا پر ہوتا ہے کیونکہ یہ نفقہ کسی چیز کا بدل نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ موت کے بعد تعلق زن و شو باقی نہیں رہتا، اس لئے ہمارے اصحاب نے اسی علت کے پیش نظر نفقہ کو ساقط کردیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حدود کا وجوب عقوبت اور سزا کے طور پر ہوتا ہے اور توبہ حدود کو ساقط نہیں کرتی۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا ذمی

مسلمان ہو جائے جس نے کفر کی حالت میں زنا یا چوری کا ارتکاب کیا ہو تو اس کا مسلمان ہو جانا نیز اس کا توبہ کر لینا اس پر واجب شدہ حد کے اسقاط کا سبب نہیں بن سکتا۔ اگر چہ حد کا وجوب اصلاً سزا کے طور پر ہوا تھا۔ اور توبہ کر لینے والا شخص اس فعل پر سزا کا مستحق نہیں ہوتا جس سے اس نے درست طریقے سے توبہ کر لی ہو۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس پر سزا کے طور پر جو حد واجب ہوئی تھی وہ تو تو۔ کی بنا پر ساقط ہو گئی۔ توبہ کے بعد ہم اس پر جو حد واجب کرتے ہیں یہ وہ حد نہیں ہے جس کا وہ سزا کے طور پر سزاوار ہوا تھا بلکہ یہ وہ حد ہے جو اس پر ابتلاء اور آزمائش کے طور پر واجب ہوئی ہے۔ اس کا وجوب اس دلالت کی بنا پر ہوا ہے جو اس سلسلے میں قائم ہوئی ہے اور جو اس دلالت سے مختلف ہے جو پہلی حد کو سزا کے طور پ واجب کرتی تھی۔

اگر کوئی ایسی دلالت قائم ہو جائے جو ذمی کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس سے جزیہ اور عقوبت کے سوا کسی اور وجہ کی بنا پر مال کی وصولی کو واجب کرتی ہو تو ہم اسے تسلیم کر لیں گے اور اس کے ایجاب سے انکار نہیں کریں گے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہو گی کہ اس سے وصول کیا ہوا یہ مال جزیہ نہیں کہلائے گا اس لئے کہ جزیہ کا اسم سزا اور عقوبت کے معنی کو متضمن ہے جبکہ معترض کا دعویٰ یہ ہے کہ ایسے ذمی کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس سے جزیہ ہی وصول کیا جاتا ہے۔ اگر معترض اس امر کا اعتراف کر لیتا ہے کہ ایسے ذمی سے لیا ہوا مال جزیہ کے سوا کوئی اور چیز ہے نیز جزیہ اس پر واجب ہوا تھا جو اب ساقط ہو گیا اور اس پر جزیہ کے سوا کوئی اور مال واجب ہو گیا تو معترض ہی وہ واحد شخص ہو گا جو ہمیں کسی مسلمان پر ایسے مال کے ایجاب کی خبر دے گا جو اس پر بلا کسی ایسے سبب کے واجب ہو گیا ہو جس ک ایجاب کا وہ سرے سے مقتضی نہ ہو۔ معترض کی یہ بات ایسی ہے جسے ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔

المسعودی نے محمد بن عبداللہ الثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک دہقان (گاؤں کا چودھری) مسلمان ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش ہو گیا۔ آپ نے اس سے یہ فرمایا کہ اب تم پر جزیہ عائد نہیں ہو گا۔ رہی تمہاری زمین تو وہ ہماری ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں اگر تم اپنی زمین چھوڑ جاؤ گے تو اس زمین کے ہم زیادہ حق دار ہوں گے۔ معمر نے ایوب سے اور انہوں نے محمد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو گیا اس سے خراج یعنی جزیہ کا مطالبہ کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ تم نے اسلام کے ذریعے جزیہ کی ادائیگی سے پناہ حاصل کی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ اگر میں اسلام لے آیا ہوں تو مجھے اسلام میں پناہ ملنی چاہیے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”بخدا تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، اسلام لانے والے کے لئے اسلام میں پناہ موجود ہے۔“ پھر آپ نے اس سے جزیہ ہٹا لیا۔ حماد بن سلمہ نے حمید سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمال کو یہ تحریری حکم نامہ بھیجا تھا کہ جو شخص ہماری طرح کلمہ طیبہ پڑھ لے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور ختنہ کرائے، اس سے جزیہ وصول نہ کرو۔ ان حضرات سلف نے اسلام لانے سے قبل واجب شدہ جزیہ اور اسلام لانے کے بعد ہر مسلمان سے جزیہ کی نفی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔

آل مروان کا ذمیوں پر ظلم

آل مروان ایک ذمی کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اس سے جزیہ وصول کرتے تھے۔ انہوں نے اس کی تاویل یہ کی تھی جزیہ کی حیثیت غلام پر لگنے والے ٹیکس کی طرح ہے اور غلام کے مسلمان ہو جانے پر اس پر عائد شدہ ٹیکس معاف نہیں ہوتا اسی طرح

ذمی پر اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد عائد شدہ جزیہ معاف نہیں ہوگا۔ آل مروان نے مسلمانوں پر جو ظلم وستم ڈھائے تھے اور اسلام کے ایک ایک بندھن کو جس طرح توڑا تھا اس کے پہلو بہ پہلوان کا یہ بھی ایک عظیم جرم تھا جس کا ارتکاب انہوں نے مسلمان ہو جانے والے ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کی صورت میں کیا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر متمکن ہو گئے۔ آپ نے عراق میں اپنے عامل اور صوبہ دار عبدالحمید بن عبدالرحمن کو یہ حکمنامہ تحریر کیا۔

"امابعد، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو داعی بنا کر بھیجا تھا۔ جزیہ وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ تمہیں میرا یہ خط جس وقت مل جائے اس کے فوراً بعد ان تمام ذمیوں سے جزۂ ہٹالو جو مسلمان ہو چکے ہیں۔" پھر جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے مسلمانوں پر دوبارہ جزیہ عائد کر دیا، اس زمانے کے فقہاء اور قراء نے عبدالملک بن مروان اور حجاج کے خلاف جنگ کے جواز کا جو فتویٰ دیا تھا اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہی تھا کہ یہ حکمران مسلمانوں سے جزیہ وصول کرتے تھے پھر یہی چیز ان کی حکومت کے زوال اور ان کی نعمت چھن جانے کا دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب بن گئی۔

عبداللہ بن صالح نے روایت بیان کی ہے، انہیں حرملہ بن عمران نے یزید بن ابی حبیب سے کہ اس امت پر حضور ﷺ کی وفات کے بعد تین عظیم ترین افتادیں آئیں۔ ایک تو مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل، دوم مسلمانوں کے ہاتھوں کعبہ مکرمہ کو آگ لگ جانے کا سانحہ اور سوم مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں مسلمانوں سے جزیہ کی وصولی۔ آل مروان کا یہ کہنا کہ جزیہ کی حیثیت غلام پر عائد شدہ ٹیکس جیسی ہے، تو ان کی جہالت کی یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے اس لئے کہ وہ اسلام کے ان امور سے بھی جاہل تھے جو اس جزیہ کے مسئلے سے کہیں زیادہ اہم تھے۔ انہیں اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ ذمیوں کی حیثیت غلاموں جیسی نہیں تھی، اگر ذمی غلام ہوتے تو مسلمان ہونے کی بنا پر ان کی غلامی زائل نہ ہوتی اس لئے کہ غلام کا مسلمان ہو جانا اس سے غلامی کو دور نہیں کرتا۔ جبکہ جزیہ ایک سزا اور عقوبت ہے جو انہیں کفر پر اڑے رہنے کی وجہ سے دی جاتی ہے لیکن جب یہ مسلمان ہو جائیں تو انہیں جزیہ کی وصولی کی صورت میں یہ سزا دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ عیسائی غلام سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ اگر ذمی غلام ہوتے تو مسلمان ہونے کی بنا پر ان کی غلامی زائل نہ ہوتی اس لئے کہ غلام کا مسلمان ہو جانا اس سے غلامی کو دور نہیں کرتا۔ جبکہ جزیہ ایک سزا اور عقوبت ہے جو انہیں کفر پر اڑے رہنے کی وجہ سے دی جاتی ہے لیکن جب یہ مسلمان ہو جائیں تو انہیں جزیہ کی وصولی کی صورت میں یہ سزا دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ عیسائی غلام سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ اگر ذمی غلام ہوتے تو ان سے ہرگز جزیہ وصول نہ کیا جاتا۔

آیا اراضی پر عائد ہونے والا خراج جزیہ ہے؟

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اراضی پر عائد شدہ خراج کے متعلق اہل علم کا یہ اختلاف ہے کہ آیا جزیہ کی طرح یہ بھی صنعار یعنی ذلت اور رسوائی پر مبنی ہے اور آیا ایک مسلمان کے لئے خراجی زمین کی ملکیت حاصل کرنا مکروہ ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت سے اس کی کراہت مروی ہے۔ ان حضرات نے خراج کو جزیہ کی آیت میں داخل سمجھا ہے۔ حسن بن حی اور شریک کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ جزیہ انسانوں کا خراج

ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے خراجی زمین کی ملکیت میں کوئی کراہت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں صنعار یعنی ذلت کا مفہوم شامل ہے۔ ہمارے اصحاب اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔

شعبہ نے اعمش سے اس کی روایت کی ہے انہوں نے سمر بن عطیہ سے، انہوں نے قبیلہ طے کے ایک شخص سے، اس نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا (لاتتخذ واالضیعۃ فترغبوا فی الدنیا۔ زرعی زمینوں کی جائیدادیں نہ بناؤ ورنہ پھر تمہیں دنیا سے رغبت پیدا ہو جائے گی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ " راذان کے علاقے میں جو زمین ہے وہ راذان میں ہے اور مدینہ میں جو ہے وہ مدینہ میں ہے۔" یعنی راذان میں بھی آپ کی زمین تھی اور مدینہ منورہ میں بھی، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ راذان کی زمین خراجی زمین تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراجی زمین کی ملکیت کو مکروہ نہیں سمجھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نرشاہی کے علاقے میں آباد ایک چودھرائن کے بارے میں روایت ہے کہ جب وہ مسلمان ہوگئی تو آپ نے اپنے عامل کو لکھا کہ اگر وہ اپنی زمینوں پر حسب سابق رہنا چاہے گی تو ہم اس سے خراج وصول کریں گے۔ ایک روایت کے مطابق ابن الرفیل مسلمان ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے بھی یہی بات کہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک زمیندار مسلمان ہوگیا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اگر تم اپنی زمین پر حسب سابق رہنا چاہو گے تو ہم تم سے خراج وصول کریں گے اور اگر نہیں تو پھر ہم اس زمین کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعید بن زید سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

سہیل بن ابی صالح نے اپنے واحد سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا (صنعت العراق قفیزھا ودرھمھا دمنعت الشام مداھا ودینارھا و منعت مصر از ربھا وعدتم کما بدأتم۔ اہل عراق نے ان پر واجب ہونے والا حق یعنی قفیز (غلہ ناپنے کا آلہ) اور درہم کی ادائیگی روک دی اہل شام نے مد (غلہ ناپنے کا پیمانہ) اور دینار کی ادائیگی روک دی۔ اور اہل مصر نے اپنے اروب (ایک پیمانہ جس میں چوبیس صاع غلہ آتا ہے) کی ادائیگی روک دی اور اللہ کا حق ادا نہ کرنے کی طرف تم اسی طرح لوٹ آئے ہو جس طرح تم نے ابتدا کی تھی) حضور ﷺ نے یہ فقرات تین دفعہ ارشاد فرمائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرا گوشت اور میرا خون اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہی کچھ ارشاد فرمایا۔ یہ روایت دو وجوہ سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ زمین کا خراج ذلت اور رسوائی نہیں ہے۔

ایک تو یہ کہ آپ نے مسلمانوں کے لئے ایسی خراجی زمین کی ملکیت کو ناپسند نہیں فرمایا جس پر ایک قفیز مع ایک درہم خراج عائد کیا جاتا تھا اگر اس کی ملکیت مکروہ ہوتی تو آپ اس کا ضرور ذکر کر دیتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس بات کی اطلاع دے دی کہ لوگ اللہ کا وہ حق ادا نہیں کریں گے جو ان پر اسلام کی بنا پر فرض ہوا ہے۔ آپ کے ارشاد عدتم کما بدأتم کا یہی مفہوم ہے۔ یعنی اللہ کا حق ادا نہ کرنے کی طرف تم اسی طرح لوٹ آئے ہو جس طرح تم نے ابتدا کی تھی۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ خراج بھی ان حقوق میں شامل ہے جو اللہ کے لئے لازم ہیں جس طرح زکوٰۃ اور کفارہ وغیرہ کی صورتیں اللہ کے حقوق میں شامل ہیں اس حق کا

لزوم ذلت اور رسوائی کی بنا پر نہیں ہے۔ نیز اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اسلام لے آنا سروں کا جزیہ یعنی انسانوں سے تعلق رکھنے والے جزیے کو ساقط کر دیتا ہے لیکن زمین کے جزیے یعنی خراج کو ساقط نہیں کرتا۔ اگر خراج رسوائی کی علامت ہوتا تو اس کے مالک کا مسلمان ہو جانا اسے ساقط کر دیتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اراضی کا خراج فی ہوتا ہے اور جزیہ بھی فی ہوتا ہے۔ جب جزیہ ذلت اور رسوائی ہے تو اس سے ضروری ہو گیا کہ خراج کو بھی ذلت اور رسوائی شمار کیا جائے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ بات اس طرح نہیں ہے اس لئے کہ جو مال فی ہوتا ہے اس کا ایک حصہ یعنی پانچ میں سے چار حصے جنگ میں شریک مجاہدین کو دے دیا جاتا ہے اور ایک حصہ یعنی پانچواں حصہ فقراء اور مساکین کے لئے مختص کر دیا جاتا ہے۔ معترض نے جو نکتہ اٹھایا ہے اس کا تعلق اس مصرف پر گفتگو سے ہے جس میں فی کو صرف کیا جاتا ہے لیکن اس سے یہ ضروری نہیں کہ خراج ذلت اور رسوائی کی علامت بن جائے اس لئے کہ صغار یا ذلت اس فے میں ہوتی ہے جس کی ابتدا وہ شخص کرتا ہے یعنی ذمی جس پر فی واجب ہوتا ہے لیکن اگر زمین پر کوئی فی واجب ہو جائے اور پھر مسلمان اس زمین کا مالک بن جائے تو اس کی ملکیت اس زمین پر عائد شدہ حق کو زائل نہیں کرتی۔ اس لئے کہ اس حق کا وجوب اس کی ملکیت میں آنے سے پہلے ہو چکا تھا۔ واجب ہونے والا یہ حق ایسا ہے کہ اس کا تعلق تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ جزیہ فی ہونے کی حیثیت سے ذلت کی علامت نہیں ہے بلکہ عقوبت اور سزا ہونے کی حیثیت سے رسوائی کی علامت ہے جبکہ زمین کا خراج عقوبت کے طور پر لازم نہیں ہوتا۔ آپ نہیں دیکھتے کہ بچے اور دیوانے کی زمین پر خراج عائد ہو جاتا ہے لیکن ان دونوں سے جزیہ وصول نہی کیا جاتا اس لئے کہ جزیہ عقوبت اور سزا ہے جبکہ زمین پر عائد ہونے والا خراج سزا نہیں ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

اگر کوئی ملحد یہ اعتراض کرے کہ کافروں کو مسلمان بنانے کی بجائے جزیہ لے کر انہیں کفر پر برقرار رہنے دینا کس طرح جائز ہو گیا تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ان سے جزیہ کی وصولی اس بات کی علامت نہیں ہے کہ ہم ان کی اس کفر والی حالت پر خوش ہیں یا ہماری طرف سے ان کے مشرکانہ عقائد کی اباحت ہو گئی ہے اور ہم نے ان عقائد کو درست سمجھ لیا ہے بلکہ جزیہ تو ایک سزا ہے جو انہیں ان کے کفر کی بنا پر مل رہی ہے۔ جزیہ لے کر انہیں ان کے کفر پر قائم رہنے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم جزیہ لیے بغیر انہیں اس پر قائم رہنے دیتے۔ اس لئے کہ اتنی بڑی تعداد پر قتل کا حکم عائد کر دینا عقل کے خلاف ہے۔ اگر قتل کر دینے کی بات درست ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ ایک بھی کافر کو ایک ساعت کے لئے زندہ رہنے نہ دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مقرر کردہ سزا (جزیہ کی ادائیگی) بھگتنے کے لئے زندہ رکھا ہے اور زندہ رکھ کر انہیں گویا کفر سے توبہ کرنے کی دعوت دی ہے نیز ایمان کی طرف مائل ہونے کا موقع فراہم کر دیا ہے تو اب جزیہ کے ذریعے انہیں مہلت دینے کا عمل عقلی طور پر متمنع نہیں ہوا۔

اس لئے کہ اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئیں گے اور اگر ان میں سے بعض دوسرے ایمان نہیں لاتے تو ان کی نسل میں ایمان لانے والے پیدا ہوں گے۔ اس طرح جزیہ لے کر انہیں مہلت دینے کے عمل میں خود ان کا عظیم تر مفاد پوشیدہ تھا۔ دوسری طرف جزیہ کی رقم سے مسلمانوں کی معیشت سدھر جاتی اور انہیں خوشحالی نصیب ہوتی۔ اس لئے جزیہ

لے کر انہیں کفر پر برقرار رکھنا یا جزیہ لئے بغیر بھی انہیں قتل نہ کرنا اس بات کی علامت نہیں قرار دی جاسکتی کہ ہم ان کی کفر والی حالت سے خوش ہیں یا ان کے مشرکانہ عقائد کی اباحت ہوگئی ہے۔ ٹھیک اسی طرح عقلی طور پر یہ بات بھی جائز ہے کہ جزیہ لے کر انہیں کفر پر برقرار رکھنا یا جزیہ لئے بغیر بھی انہیں قتل نہ کرنا اس بات کی علامت نہیں قرار دی جاسکتی کہ ہم ان کی کفر والی حالت سے خوش ہیں یا ان کے مشرکانہ عقائد کی اباحت ہوگئی ہے۔ ٹھیک اسی طرح عقلی طور پر یہ بات بھی جائز ہے کہ جزیہ لے کر انہیں مہلت دے دی جائے۔ اس مہلت میں کم از کم اتنی بات تو ضرور ہوتی ہے کہ ان کے کفر کی سزا کا ایک حصہ فوری طور پر انہیں اسی دنیا میں مل جاتا ہے اور یہ سزا وہ ذلت اور رسوائی ہے جو جزیہ ادا کرنے کی بنا پر انہیں اٹھانی پڑتی ہے۔ (احکام القرآن، جصاص، توبہ، بیروت)

مسجد حرام میں قتال اور حکم نسخ کا بیان

مسجد حرام میں قتال اور نسخ حکم کا بیان

۞وعن قوله عز وجل: {وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ} فأمر الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم ألا يقاتلهم عند المسجد الحرام إلا أن يبدأوا فيه بقتال.

(نقل مكي قول قتادة 131. وينظر أيضا: ابن حزم 124، النحاس 26، ابن سلامة 19، ابن الجوزي 200، العتائقي 33، ابن المتوج 55)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور تم ان (کافروں) کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (شرک اور ارتداد کا) فساد قتل سے بڑھ کر ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو اسی طرح کافروں کی سزا ہے۔ (البقرہ 109)

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کریں حتیٰ کہ وہ اس میں جنگ کرنے کی ابتداء کریں۔

مسجد حرام کے پاس جنگ اور حکم منسوخ کی وضاحت

اس آیت کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ پہلے مشرکین سے حرم میں ابتداء جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں: قتادہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ جب تک مشرکین مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کریں ان سے جنگ نہ کرو پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس آیت سے منسوخ کر دیا:

(آیت) "فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم "۔ (التوبہ: ۵)

ترجمہ: پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

مجاہد اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور مکہ مکرمہ میں ابتداء کسی سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے ہاں! اگر کافر اور مشرک مسلمانوں پر حرم میں حملہ کریں تو ان کے خلاف مدافعانہ جنگ کرنا جائز ہے۔ (امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ جامع

البیان ج ۲ ص ۱۱۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اور یہی صحیح قول ہے' امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے' اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' سو جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ اس کے کسی درخت کو کاٹے' اگر کوئی شخص مکہ میں قتال کے جواز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتال سے استدلال کرے تو اس سے کہو: اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی' اور میرے لیے دن کی ایک ساعت میں اجازت دی گئی تھی' پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح اس کی کل حرمت تھی اور جو شخص (یہاں) حاضر ہے وہ غائب کو (یہ حدیث) پہنچادے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶ ہجری میں اپنے اصحاب ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لیے گئے' جب آپ حدیبہ کے قریب پہنچے تو مشرکین نے آپ کو مکہ مکرمہ جانے سے منع کر دیا' آپ ایک ماہ تک حدیبہ میں ٹھہرے اور مشرکین سے اس بات پر صلح ہوئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے کیلیے آئیں اور اگلے سال تین دن آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہر سکیں گے' اور اس بات پر صلح ہوئی کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی' پھر آپ مدینہ لوٹ گئے اور جب آپ اگلے سال ۷ ہجری میں اس عمرہ کو ادا کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں کو کفار کی عہد شکنی کا خطرہ ہوا' اور ہو حرمت والے مہینہ میں حرم میں جنگ کرنے کو برا جانتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر کفار تم سے حرم میں جنگ کریں تو تمہارے لیے بھی حرم میں جنگ کرنا جائز ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۴۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

مسجد حرام میں قتال کب جائز ہے

(۱) ابن ابی حاتم نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لفظ آیت - واقتلوھم حیث ثقفتموھم - کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مراد لئے ہیں۔

(۲) الطستی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نافع بن ازرق نے ان سے "ثقفتمو ہم" کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے - وجدتموھم -(یعنی تم جہاں ان کو پاؤ) پھر انہوں نے پوچھا کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں تو انہوں نے فرمایا ہاں کیا تو نے حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر نہیں سنا:

فامایثقفن بنی لوی جذیمۃ ان قتلھم دواء

ترجمہ: اگر بنو لوئی، حذیمہ کو تم پالو تو ان کا قتل کرنا بھی دوا ہے۔

(۳) ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " والفتنۃ اشد من القتل " کہ اس آیت میں فتنہ سے مراد شرک ہے اور وہ اشد ہے۔

(٤) ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "والفتنۃ اشد من القتل" سے مراد فتنہ ہے جس پر تم قائم ہو اور وہ قتل سے بڑا ہے۔

(٥) امام ابن حمید، ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "والفتنۃ اشد من القتل" سے مراد ہے کہ مؤمن کا بتوں کی عبادت کی طرف لوٹنا ہے اور یہ اس سے زیادہ سخت ہے کہ وہ حق کی سربلندی کے لئے شہید ہو جائے۔

(٦) عبد بن حمید نے ابوبکر بن عباس کے طریق سے حضرت عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت - ولا تقتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقتلو کم فیہ فان قتلو کم - میں (تقتلوھم یقتلوھم اور قتلو کم) سب الف کے ساتھ ہیں باب مفاعلہ سے ہیں اور "فاقتلوہم" ان کے آخر میں بغیر الف کے (یعنی یہ مجرد باب نصر ینصر سے ہے)۔

(٧) عبد بن حمید نے ابوالاحوص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ابواسحاق کو ان سب کو بغیر الف کے پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

(٨) عبد بن حمید نے اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سب کو بغیر الف کے پڑھتے تھے۔

(٩) ابن ابی شیبہ، ابوداؤد نے الناسخ میں اور ابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت - ولا تقتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقتلو کم فیہ - سے مراد ہے کہ تم خود مسجد حرام کے پاس قتال شروع نہ کریں۔ پھر یہ آیت بعد میں منسوخ کردی گئی اور فرمایا لفظ آیت - وقتلوھم حتی لا تکون فتنۃ - یعنی ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

(١٠) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابوداؤد، ابوداؤد، النحاس نے الناسخ میں قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان دونوں آیتوں لفظ آیت - ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام - اور - ویسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قال قتال فیہ کبیر - کے بارے میں روایت کیا کہ ان دونوں آیتوں (کے حکم) کو سورۃ براۃ کی آیتوں لفظ آیت - فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم - اور - قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقتلونکم کافۃ - نے منسوخ کر دیا۔

(١١) ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ - فان انتھوا - سے مراد ہے - فان تابوا - یعنی اگر وہ توبہ کرلیں۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

حکم قتال عند المسجد الحرام سے متعلق دوسری آیت کا بیان

وقال في آية أخرى {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ} كان القتال فيه كبيراً كما قال الله عزوجل.

اور دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم فرمادو اس میں لڑنا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے بسنے والوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک سخت گناہ ہے اور اس سے بڑھ کر ان

کا فتنہ ہے اور قتل سے اشد اور یہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے حتیٰ کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان میں طاقت ہو اور جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے اور مرتد مرے اور کافر ہو تو یہ وہ ہیں کہ ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں جہنم والے۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرہ 217)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں اس لیے یہاں اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے یا نہیں؟ ادھر دو ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حضرمی نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا' مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے یہ لشکر جمادی الاخری میں بھیجا تھا یا رجب میں' بہر حال عمرو بن حضرمی کا قتل رجب میں ہوا (اور وہ حرمت والا مہینہ ہے) اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض' کیا کہ ایک طرف تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دین پر عمل کی دعوت دیتے ہیں' ادھر ان کے پیروکاروں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا' حالانکہ حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا ملت ابراہیم کے مطابق حرام ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ یہ لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہیے کہ اس ماہ میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے' لیکن لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے' تو جو لوگ ان بڑے گناہوں میں ملوث ہیں وہ کس منہ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش کے لشکر کی تفصیل امام ابن جریر طبری نے اس طرح بیان کی ہے۔

حضرمی کے قتل کی تاریخ کی تحقیق:

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رجب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا' اور واقدی کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بارہ مہاجرین کو روانہ کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک خط دیا اور فرمایا: دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایات پر عمل کرنا اور کسی کو مجبور نہ کرنا' اس خط میں لکھا تھا کہ تم نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام) پہنچ جاؤ' قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گزرے گا' تم اس کی گھات لگا کر بیٹھو اور اس کے احوال کی خبر ہمیں پہنچاؤ' حضرت عبداللہ بن جحش نے خط پڑھ کر اپنے اصحاب کو سنایا' وہ سب بہ خوشی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ جب وہ معدن میں پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان کے اونٹ گم ہو گئے' وہ دونوں اپنے اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکل گئے اور حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ اصحاب کے ساتھ نخلہ میں پہنچ گئے' وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں خوراک اور دیگر تجارتی سامان تھا' اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی' عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اس کا بھائی نوفل وغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھ کر انہیں دھمکایا اور اس قافلہ کو روک لیا اور ان کے متعلق غور کیا' اس دن رجب کی آخر تاریخ تھی' بعض نے کہا: اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ حرم میں پہنچ جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم نے ان سے جنگ کی تو تم ماہ حرام میں جنگ کرنے کا ارتکاب کرو گے۔ وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے

جنگ کی جائے اور جس کو قتل کر سکیں اس کو قتل کر دیں' باقی کو گرفتار کر لیں اور ان کا مال لوٹ لیں' پھر حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے تیر مار کر عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا' اور نوفل بن عبداللہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا' حضرت عبداللہ بن جحش اس قافلہ کے سامان اور دو قیدیوں کو لے کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے' ان لوگوں نے اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے الگ کر لیا تھا اور باقی آپس میں تقسیم کر لیا تھا' یہ اسلام میں پہلا مال غنیمت اور پہلا خمس تھا' جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: میں نے تم کو ماہ حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا' ان کا قافلہ اور دو قیدی وہاں ٹھہرے رہے آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی لینے سے انکار کر دیا' اس وقت ان مسلمانوں کو بہت پشیمانی ہوئی اور دیگر مسلمانوں نے بھی ان کو ملامت کی اور کہا: تم نے وہ کام کیا ہے جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' تم نے ماہ حرام میں قتال کیا حالانکہ تم کو لڑنے کا حکم دیا گیا تھا' ادھر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے اور اس ماہ میں خون ریزی کی ہے اور لوٹ مار کی ہے ادھر یہودیوں نے اس واقعہ کو خوب اچھالا اور کہا: واقد بن عبداللہ نے جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے اور حضرمی کے قتل سے جنگ کی نوبت آ گئی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ تم سے ماہ حرام قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں' ان سے کہیں کہ یہ گناہ ہے اور اس سے بھی بڑا گناہ وہ ہے جو تم کر رہے ہو' لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہو' اللہ کا کفر کرتے ہو' مسلمانوں کو مسجد حرام جانے نہیں دیتے اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالتے ہو' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کا غم دور ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا' قریش نے ان دو قیدیوں کا فدیہ بھیجا' آپ نے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا' ان میں سے حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ ہی میں رہے حتی کہ بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۱۲۶۔۱۲۴ مطبوعہ دار القلم' بیروت)

علامہ ابن اثیر جزری نے بھی اسی طرح اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے' اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس دن حضرمی کو قتل کیا گیا وہ جمادی کا آخری دن تھا اور رجب کی پہلی شب تھا (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دار الکتب العربیہ' بیروت' ۱٤۰۰ھ)

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے پہلی اور امام احمد اور امام بیہقی کے حوالے سے دوسری لکھی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کون سی روایت صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۵۲۔۲٤۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

اکثر و بیشتر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مغالطہ ہو گیا تھا' انہوں نے سمجھا کہ یہ جمادی کی آخری تاریخ ہے لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی اور انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال نہیں کیا تھا' انہوں نے سمجھا کہ یہ جمادی کی آخری تاریخ ہے لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی' اور انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال نہیں کیا تھا' لیکن قرآن مجید کی اس آیت سے ابن اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال کیا تھا' تب ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے یہ فعل گناہ ہے لیکن جو تم کر رہے ہو وہ اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور امام ابن جریر طبری اور علامہ جزری وغیرہم نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ ہونے کی تحقیق:

چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے اور حج سے واپسی کا سفر کرتے ہیں اور رجب میں عمرہ کا سفر کرتے ہیں، ان مہینوں کو اشہر حرام (حرامت والے مہینے) کہتے ہیں، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانہ ہی سے ان مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا تاکہ لوگ زمانہ امن میں حج اور عمرہ کا سفر کریں، اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت اب بھی قائم ہے یہ منسوخ ہوگئی، جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حرمت منسوخ ہوگئی اور ان کی دلیل یہ آیت ہے:

(آیت) "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔ (التوبہ:۵)

ترجمہ: تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں ہر جگہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر جگہ ان کو قتل کرنے کا عموم اس بات کو مستلزم ہے کہ ہر زمانہ اور ہر وقت میں ان کو قتل کیا جائے اور ہر زمانہ میں حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں لہٰذا ان مہینوں میں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے گا، اس سے ظاہر ہوا کہ ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت اب منسوخ ہوگئی۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت اس سے منسوخ ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف سے ماہ حرام میں قتال کیا تھا اور آپ نے ماہ حرام میں قتال کے لیے ابو عامر کو اوطاس روانہ کیا تھا۔

عطاء نے کہا ہے کہ یہ حرمت منسوخ نہیں ہوئی، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ لوگوں کے لیے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ ان کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے، اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ آپ سے جنگ کی جائے اور آپ کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان مہینوں میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کا غیر منسوخ ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی کے قتل کی دیت ادا کی اور مال غنیمت اور دونوں قیدیوں کو واپس کر دیا، نیز اس کے بعد جو قتال کی آیات نازل ہوئیں وہ زمانہ کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ آیت خاص ہے اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کرتا۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۸۵۔۲۸۴ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: ہمارے آئمہ احناف کے نزدیک خاص کو عام سے منسوخ کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے اور ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے، البتہ عطاء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: جمہور کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہے، البتہ عطاء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۴۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: زہری نے کہا: حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "وقاتلوا المشرکین کافۃ کمایقاتلونکم کافۃ"۔(التوبہ:۱۴۶)

ترجمہ: اور تم تمام مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں:

اور عطاء نے کہا: یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں ان مہینوں میں جنگ کی اور آپ نے ابوالعاص (یا ابوعامر) کو اوطاس میں ان مہینوں میں جنگ کے لیے بھیجا اور قریش سے قتال کے لیے بیعت رضوان بھی ذوالقعدہ میں ہوئی تھی۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۷۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: عطاء قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی' اور سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار یہ کہتے تھے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے وہ سورۃ توبہ:۱۹ اور توبہ:۵، سے استدلال کرتے ہیں' جن میں مشرکین سے بالعموم قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔(زاد المیسر ج ۱ ص ۲۷۳ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی ثناء اللہ مظہری کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' ان کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداء قتال کرنا جائز نہیں ہے' البتہ مدافعانہ جنگ جائز ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(آیت) "ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتب اللہ یوم خلق السموت والارض منھا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم 'فلاتظلموا فیھن انفسکم"۔(التوبہ:۳۶)

ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے' جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں' یہی صحیح دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

لیکن قاضی مظہری نے اس آیت کے دوسرے حصے پر غور نہیں کیا جس سے جمہور ان مہینوں کی حرمت کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتے ہیں' وہ یہ ہے:

(آیت) "وقاتلوا المشرکین کافۃ کمایقاتلونکم کافۃ"۔(التوبہ:۳۶)

ترجمہ: اور تم تمام مشرکوں سے قتال کرو جس طرح وہ تم سے قتال کرتے ہیں:

قاضی مظہری نے لکھا ہے کہ خاص کا عام ہے منسوخ ہونا قطعی نہیں ہے' شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۶۳ - ۲۶۱ 'مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' کوئٹہ)

لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شوافع کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینوں میں قتال کیا ہے' اس کے معارض انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طائف کا محاصرہ شوال میں کیا تھا' لیکن یہ جمہور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جمہور نے یہ کہا ہے کہ طائف اور حنین کی جنگیں شوال سے لے کر ذوالقعدہ کے بعض ایام تک جاری رہیں

اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: ہم نے جو کہا ہے کہ سورۃ توبہ: ۳۶ سے یہ آیت منسوخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث مشہورہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ھوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں جنگ کی اور ابو عامر کو مشرکین سے جنگ کے لیے طائف میں بھیجا اور یہ جنگیں شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ہوئیں' اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے' اگر ان مہینوں میں قتال اور جہاد حرام اور گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مہینوں میں قتال نہ کرتے کیونکہ آپ سب سے زیادہ حرام اور معصیت سے اجتناب کرنے والے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام جامعین اس پر متفق ہیں کہ قریش کے خلاف جنگ کرنے کی بیعت رضوان ذوالقعدہ میں منعقدہ ہوئی تھی' اگر بالفرض حضرت عثمان کو کفار قریش نے قتل کر دیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قصاص لینے کے لیے ان سے ذوالقعدہ میں جنگ کرتے اور وہ ماہ حرام ہے' اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان مہینوں میں قتال کرنا ان مہینوں میں جنگ کو حرام قرار دینے سے پہلے ہے تو وہ جاہل ہوگا کیونکہ زیر بحث آیت جس میں ان مہینوں میں قتال کو بڑا گناہ فرمایا ہے اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کے ایک مسلمان نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا تھا' اور یہ واقعہ دو ہجری جمادی الاخرۃ کا ہے اور حنین اور طائف کا واقعہ شوال وذوالقعدہ آٹھ ہجری کو پیش آیا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حرمت والے مہینوں میں قتال سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

(۱) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، بیہقی نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور ان کے اوپر ابو عبیدہ بن جراح یا عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (امیر بنا کر) بھیجا۔ جب وہ جانے لگے تو غلبہ عشق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر رونے لگے اور بیٹھ گئے۔ آپ نے پھر ان کی جگہ عبداللہ بن جحش کو بھیجا۔ اور اس کو ایک خط لکھ کر دیا اور حکم فرمایا کہ اس کو نہ پڑھنا یہاں تک کہ فلاں مقام پر پہنچ جاؤ۔ اور (یہ بھی) فرمایا کہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ جب انہوں نے خط کو پڑھا تو لفظ آیت "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ اور کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی اللہ اور اس کے رسول کی پھر اپنے ساتھیوں کو خبر دی اور ان پر خط پڑھا (ان میں سے) دو آدمی واپس لوٹ گئے اور باقی ان کے ساتھ چلتے رہے۔ اور لشکر ابن حضرمی سے ملا اور اس کو قتل کر ڈالا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ دن یکم رجب ہے یا جمادالثانی کی آخری تاریخ ہے مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا تم نے شہر حرام میں قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اتارا لفظ آیت "یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ" (الآیہ) ان کے بعض لوگوں نے کہا اگر انہیں گناہ نہیں ہوگا تو ان کے لئے اس جہاد کا اجر بھی نہیں ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لفظ آیت "ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجھدوا فی سبیل اللہ، اولئک یرجعون رحمت اللہ، واللہ غفور رحیم (۲۱۸)"

(۲) البزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ آیت " یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه " کے بارے میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبید اللہ بن فلاں کو ایک سریہ میں بھیجا وہ لوگ بطن مخلہ میں عمرو بن الحضرمی سے ملے اور آگے حدیث کو (اسی طرح) ذکر فرمایا۔

(۳) ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو روکا اور شہر حرام میں ان کو مسجد حرام سے واپس لوٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اگلے سال شہر حرام میں اپنے نبی ﷺ پر (مکہ) فتح فرما دیا تو مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ پر شہر حرام میں قتال کرنے پر عیب لگایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت " قل قتال فیہ کبیر، وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام، واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ " محمد ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا وہ لوگ عمرو بن الحضرمی سے ملے جو طائف سے آرہے تھے۔ جمادی الآخری کی آخری رات میں یا رجب کی پہلی رات میں اصحاب محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گمان کیا کہ یہ جمادی (الثانی) کی رات ہے اور وہ رجب کی پہلی رات تھی۔ انہیں کوئی دھیان نہ رہا اور ان میں سے ایک آدمی نے اس کو (یعنی عمرو ابن حضرمی کو) قتل کر دیا۔ اور اس کے پاس جو کچھ تھا سب لوٹ لیا مشرکین نے اس بات کی عار دلانے کے لئے آدمی بھیجے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت " یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه. قل قتال فيه كبير " اور اس کے علاوہ اس سے بڑے (گناہ) ہیں لفظ آیت " وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام " اور مسجد حرام کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا بڑا (گناہ) ہے جو اصحاب محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرزد ہوا اور شرک اس سے زیادہ سخت گناہ ہے۔

(٤) ابن اسحاق کلبی، اسد ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ یہ آیت لفظ آیت " یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ " عمرو بن الحضرمی کے واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

(٥) ابن منذر اور ابن عساکر نے عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صفوان بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں بھیجا ابواء سے پہلے انہوں نے مال غنیمت کو پایا اور ان کے بارے میں یہ آیت لفظ آیت " یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ " نازل ہوئی۔

(٦) ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا وہ سات آدمی تھے اور ان پر عبد اللہ بن جحش اسدی (امیر) تھے اور ان میں سے عمار بن یاسر۔ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سعد بن ابی وقاص، عتبہ بن غزوان سلمی (جو) بنو نوفل کے حلیف (یعنی اتحادی) تھے یا سہیل بن بیضاء عامر بن فہیرہ، واقد بن عبد اللہ یاربوئی جو عمر بن الخطاب کے حلیف تھے اور آپ ﷺ نے ہاتھ ابن جحش کو ایک خط دیا اور ان کو حکم فرمایا کہ اس خط کو نہ پڑھیں۔ جب تک ملل کے بطن میں نہ اتریں جب وہ ملل کے بطن میں اترے تو انہوں نے خط کو کھولا ملل (ایک جگہ کا نام) اس میں یہ تھا کہ تم چلتے جاؤ۔ یہاں تک کہ بطن نخلہ میں اترو اور اپنے ساتھیوں سے کہو جو شخص فوت کا ارادہ رکھتا ہو اس کے چاہیے کہ وہ ساتھ چلے اور چاہیے کہ وصیت کر دے۔ بلاشبہ میں بھی وصیت کرنے والا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں۔ وہ چل پڑے اور ان سے سعد بن ابی وقاص عتبہ بن غزوان پیچھے رہ گئے ان کی سواریاں گم ہو گئیں ابن جحش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بطن نخلہ تک چلے۔ اچانک وہاں حکم بن

کیسان، عبداللہ بن مغیرہ بن عثمان اور عمرو حضرمی کو پایا انہوں نے آپس میں قتال کیا اور حکم بن کیسان، عبداللہ بن المغیرہ کو قیدی بنا لیا۔ مغیرہ بھاگ گیا اور انہوں نے عمرو حضرمی کو قتل کر دیا یون کہ اس نے واقد بن عبداللہ کو قتل کیا تھا۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو اصحاب محمد ﷺ کو غنیمت ملی۔ جب وہ مدینہ منورہ کی طرف قیدیوں اور غنیمت کے اموال لے کر آئے مشرکوں نے کہا کہ محمد ﷺ یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور پہلے شخص ہیں جس نے شہر حرام کو حلال کر لیا۔ تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے اتارا۔

لفظ آیت "یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه. قل قتال فيه كبير "نہیں حلال ہے جو کچھ تم نے کیا اے مشرکین کی جماعت (یہ کام) بہت بڑا (گناہ ہے) شہر حرام میں قتل کرنے سے۔ جب تم نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور محمد ﷺ کو اس سے روکا۔ "والفتنة" اور وہ شرک بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر حرام میں قتل کرنے سے یہی قول ہے (اللہ تعالیٰ کا) لفظ آیت' وصد عن سبيل الله و كفر به"

(۷) الفریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ بنو تمیم میں سے ایک آدمی کو نبی اکرم ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا۔ ابن حضرمی (وہاں سے) گزرا جو طائف سے شراب اٹھا کر مکہ مکرمہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس آدمی نے اس کو تیر مار کر قتل کر دیا۔ قریش اور محمد ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ تھا اور (قریش کے آدمی کو جمادی الآخر کے آخری دن یا رجب کے پہلے دن میں قتل کیا تھا لیکن قریش نے کہا شہر حرام میں قتل کیا گیا حالانکہ ہمارے ساتھ معاہدہ بھی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری لفظ آیت "قل قتال فیہ کبیر" (الآیہ) فرماتے ہیں کہ اللہ کا انکار کرنا اور بتوں کی عبادت کرنا یہ بڑا (گناہ) ہے ابن حضرمی کے قتل سے۔

(۸) عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابو مالک الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ وہ مشرکین کے کچھ لوگوں سے بطن نخلہ میں ملے اور مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ آج جمادی الآخری کا آخری دن ہے 58 اور وہ رجب کا پہلا دین تھا۔ مسلمانوں نے ابن حضرمی کو قتل کر دیا مشرکوں نے کہا کیا تم یہ نہیں کہتے تھے کہ شہر حرام اور بلاد حرام میں جنگ حرام ہے۔ اور تم نے شہر حرام میں قتل کر دیا تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ لفظ آیت "یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه" الی قولہ" اکبر عند الله "یعنی جس کا تم نے ارتکاب کیا ہے وہ حضرمی کے قتل سے بڑا جرم ہے۔" والفتنة" جس پر تم جمے ہوئے ہو۔ یعنی شرک پر لفظ آیت "اکبر من القتل" (یہ قتل سے بہت بڑا گناہ ہے)

(۹) بیہقی نے دلائل میں زہری عروہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک لشکر بھیجا اور ان پر عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ یہ لوگ چلے یہاں تک کہ (وادی) نخلہ میں اترے۔ وہاں انہوں نے عمرو بن حضرمی کو پایا جو شہر حرام کے آخری دن میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ میں تھے ابھی شہر حرام کے شروع ہونے میں ایک دن باقی تھا۔ مسلمان ان سے لڑ پڑے ان سے ایک کہنے والے نے کہا یہ دشمنوں کی جماعت ہے اور غنیمت کا مال ہے کہ تم کو اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ دن شہر حرام میں سے ہے یا نہیں؟ اور ایک کہنے والے نے کہا آج کے دن کو ہم شہر حرام سے شمار کرتے ہیں ہم کسی لالچ کے لئے اس کا حلال نہیں کرتے اور آخر ان لوگوں کا کام غالب ہوا جنہوں نے دنیا کے

سامان کا ارادہ کیا انہوں نے ابن حضرمی کو باندھ دیا اور اس کو قتل کر کے اس کے قافلہ کو مال غنیمت بنالیا۔ یہ بات جب کفار کو پہنچی اور ابن حضرمی پہلے قتل ہونے والے تھے جو مسلمان اور مشرکین کے درمیان قتل ہوئے۔ کفار قریش کا ایک وفد سوار ہو کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آیا اور کہنے لگے کیا آپ نے شہر حرام میں قتال کو حلال کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری۔ لفظ آیت "یسئلونك عن الشهر حرام قتال فیه. قل قتال فیه کبیر وصد عن سبیل الله" آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا کہ شہر حرام میں قتال کرنا حرام ہے جیسے اور بندوں کو اللہ کے راستے سے روکنا ان کو عذاب دینا قید کرنا۔ تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا حج وعمرہ میں اور اس میں نماز پڑھنے میں۔ اور مسجد حرام کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا جو مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا حج عمرہ میں اور اس میں نماز پڑھنے میں۔ اور مسجد حرام کے رہنے والوں سے نکالنا جو مسلمان وہاں رہنے والے تھے۔ اور ان کو دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالنا یہ سب مسلمانوں کے جرم سے بڑے گناہ ہیں۔ اور ہم کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابن حضرمی (کے قتل ہو جانے پر) دیت فرمائی۔ اور شہر حرام کو اسی طرح حرام قرار دیا جیسے تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری۔ لفظ آیت "براءۃ من الله ورسوله"۔ (سورۃ توبہ آیت ۱)

(۱۰) عبدالرزاق، ابوداؤد نے الناسخ میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے زہری اور مقسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (دونوں حضرات) سے روایت کیا کہ واقد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرو بن حضرمی سے رجب کی پہلی رات میں ملے اور انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ آج جمادی الآخری (کی رات) ہے اس کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری۔ لفظ آیت "یسئلونك رن الشهر الحرام قتال فیه. قل قتال فیه کبیر" (الآیہ) زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے شہر حرام میں قتال کو حرام فرما دیا تھا یہ بات ہم کو پہنچی اور بعد میں حلال فرما دیا تھا۔

(۱۱) ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی نے یزین بن رومان کے طریق سے عروہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نخلہ کی طرف بھیجا اور ان سے فرمایا وہیں رہنا یہاں تک کہ تم قریش کی خبریں ہمارے پاس لے آؤ اور ان کو قتال کا حکم نہ فرمایا کیونکہ یہ (واقعہ) شہر حرام میں تھا۔ اور ان کی روانگی کا علم ہونے سے پہلے ان کو خط لکھا (جس میں) فرمایا تو اور تیرے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا جب وہ دو دن چل چکے تو انہوں نے خط کو کھولا تو اس میں یہ لکھا تھا تم چلتے رہو یہاں تک کہ (وادی) نخلہ میں اتر جاؤ ان قریش کی خبریں ہمارے پاس پہنچانا جو تم کو ان کی طرف سے میسر آئیں۔ خط پڑھنے کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہم نے حکم الٰہی کو سنا اور اس کی اطاعت کی جو شخص تم میں سے شہادت میں رغبت رکھتا ہو وہ میرے ساتھ چلے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم پر چلنے والا ہوں۔ اور جو شخص تم میں سے شہادت کو ناپسند کرے اس کو چاہیے کہ لوٹ جائے کیونکہ رسول الہ ﷺ نے مجھے تم میں سے کسی کو بھی مجبور کرنے پر منع فرمایا ہے۔ پوری قوم اس کے ساتھ چلی یہاں تک کہ جب وہ وادی نجران میں تھے تو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے اونٹ گم ہو گئے وہ ان کو تلاش کرتے ہوئے پیچھے رہ گئے۔ باقی سب صحابہ چلتے رہے یہاں تک کہ (وادی) نخلہ میں اترے ان کے پاس

سے عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان، عثمان اور مغیرہ بن عبد اللہ گزرے ان کے ساتھ تجارت کا سامان تھا۔ طائف سے چمڑے اور زیتون کا تیل لے کر آرہے تھے۔ جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھا تو واقد بن عبد اللہ نے ان کے سامنے آئے اور وہ اپنے سر کا حلق کرائے ہوئے تھے۔ جب اس کا حلق کئے ہوئے دیکھا تو عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم پر ان کی طرف سے کوئی ڈر نہیں ہے اور قوم نے ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب بھی تھے۔ اور وہ جمادی الآخری کا آخری ءدن تھا۔ تو انہوں نے (آپس میں) کہا اگر تم ان کو قتل کرو گے اور تم ان کو شہر حرام میں ضرور قتل کرو گے اور اگر تم ان کو چھوڑ دو گے تو یہ لوگ اس رات میں حرم مکہ میں داخل ہو کر تم سے محفوظ ہو جائیں گے۔ تو صحابہ ان کے قتل پر جمع ہو گئے۔ واقد بن عبد اللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور اس کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنا لیا اور مغیرہ بھاگ گیا اور ان کو عاجز کر دیا۔

انہوں نے اونٹوں کے قافلہ کو ہانکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا اللہ کی قسم! میں نے تم کو شھر حرام میں قتال کرنے کا حکم دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں کو اور اونٹوں کے قافلہ کو ٹھہرایا اور اس میں سے کوئی چیز نہیں لی۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا بہت پریشان ہوئے۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو گئے اور مسلمانوں میں سے ان کے بھائیوں نے سختی کا معاملہ کیا۔ قریش نے کہا جب ان کے پاس یہ معاملہ پہنچا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام خون بہا دیا۔ اور مال لے لیا لوگوں کو قیدی بنا لیا اور شہر حرام کو حلال کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری۔ لفظ آیت۔ یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه۔ (الآیہ) جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کے قافلے کو لے لیا۔ اور قیدیوں سے فدیہ قبول کیا۔

مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم جنگ کی خواہش کیا کریں تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری لفظ آیت "ان الذين امنوا والذين هاجروا وجهدوا في سبيل الله، اولئک يرجون رحمت الله" اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آٹھ تھے اور نویں ان کے امیر عبد اللہ بن جحش تھے۔

(۱۲) ابن جریر نے ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لفظ آیت "یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه" کے بارے میں روایت کیا کہ (اس کا مطلب یہ ہے) آپ اسے اس میں قتال کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں اور اسی طرح پڑھتے تھے۔ "عن قتال فیہ"

(۱۳) ابن ابی داؤد نے المصاحف میں اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں یوں تھا لفظ آیت "یسئلونك عند الشهر الحرام عن قتال فيه"

(۱۴) ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حرف کو یوں پڑھتے تھے "قتل فیہ"

(۱۵) عطاء بن میسرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ شہر حرام میں قتال کو حلال کر دیا گیا (جس کا ذکر) سورۃ براۃ میں ہے۔ لفظ آیت "فلا تظلموا فيهن انفسكم وقاتلوا المشركين كافة۔ (سورۃ التوبہ آیت ۲۶)

(۱۶) ابن ابی حاتم نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ شی (یعنی حکم) منسوخ ہے اب شہر حرام میں قتال کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(۱۷) النحاس نے الناسخ میں جویبر سے انہوں نے ضحاک سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اس آیت "یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ" سے مراد فی شہر حرام ہے (اور) "قل قتال فیہ کبیر" یعنی بڑا (گناہ) ہے۔ ان مہینوں میں قتال کرنا منع تھا۔ یہاں تک کہ آیت سیف نے (جو) سورۃ برأۃ میں ہے اس کو منسوخ کر دیا (یعنی) لفظ آیت "**فاقتلو لمشرکین حیث جدتموھم**" اشہر الحرام میں اور اور اس کے علاوہ سب مہینوں میں قتال کو حلال کر دیا گیا۔

(۱۸) ابن المنذر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اس آیت "والفتنۃ اکبر من القتل" میں فتنہ سے مراد شرک ہے۔

(۱۹) عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولا یزالون یقاتلونکم" سے مراد کفار قریش ہیں۔

(۲۰) ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "اولئک یرجعون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" سے مراد اس امت کے بہترین لوگ ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل رجاء سے شمار کیا کیونکہ جس نے امید کی اس نے طلب کیا۔ اور جو شخص ڈر گیا وہ بھاگ گیا۔

(۲۱) عبد بن حمید نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ اس امت کے بہترین لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل رجا بنا دیا جیسا کہ تم سنتے ہو۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

مسجد حرام کے پاس قتال اور حکم ناسخ کا بیان

فنسخ ھاتین الآیتین في براءة، فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔

اس سے پہلے ذکر کردہ دونوں آیات سورت توبہ کی اس آیت کے سبب حکم کے اعتبار سے منسوخ ہیں۔

پس جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو، اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (التوبہ، 5)

حرمت والے مہینوں سے مراد

الاشھر الحرم: حرمت والے مہینے، ان مہینوں سے مراد یا تو وہ مہینے ہیں جن مہینوں کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی، اور امام ابوبکر رازی کی تحقیق کے مطابق وہ مہینے ۱۰ ذوالقعدہ سے لے کر ۱۰ ربیع الاول تک ہیں، اور یا ان مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانہ سے قتال حرام تھا، ان کا بیان اس حدیث میں ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ اپنی اصل ہیئت پر گھوم کر آچکا ہے، جس ہیئت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال میں بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں: ذوالقعدۃ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٦٦٢، ٥٥٠٠، ٣١٩٧، صحیح مسلم رقم الحدیث ١٦٧٩، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ١٩٤٧)

وخذوھم: ان کو گرفتار کر کے پکڑ لو، الاخیذ کا معنی ہے الاسیر۔ واحصروھم: الحصر اور الاحصار کا معنی ہے گھر کے راستہ کو بند کر دینا، ظاہری ممانعت اور باطنی ممانعت دونوں کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے، ظاہری ممانعت جیسے دشمن کا محاصرہ کرنا اور باطنی ممانعت جیسے مرض کسی مریض کو کسی کام سے روک دے۔ الحصر کا معنی تنگی کرنا بھی ہے اور واحصروھم کا معنی ہے ان پر تنگی کرو اور زمین پر آزادی کے ساتھ ان کے چلنے پھرنے کو بند کر دو۔ (المفردات ج۱ ص ١٥٨)

یعنی ان کو باہر نکلنے اور دوسرے شہروں میں منتقل ہونے سے منع کرو، ان کے گھروں اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو حتیٰ کہ وہ قتل کیے جائیں یا اسلام قبول کر لیں۔ واقعدوا لھم کل مرصد: رصد کا معنی ہے کسی چیز پر نگاہ رکھنے کی تیاری کرنا اور مرصد کا معنی ہے کسی چیز پر نگاہ رکھنے کی جگہ۔ (المفردات ج۱ ص ٢٦٠)

یعنی ان تمام جگہوں پر نظر رکھو جہاں سے مشرکین گزر سکتے ہیں اور کسی دوسرے شہر کی طرف نکل سکتے ہیں۔ اس آیت کی آیت سابقہ سے مناسبت یہ ہے کہ یہ آیت اس سے پہلی آیتوں پر متفرع ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برات کا اعلان فرما دیا تھا اور ان کو چار ماہ کی امان دی تھی اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد مسلمانوں پر کیا لازم ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کا منسوخ کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں گے تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ (التوبہ: ٥) اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی، اس مدت کے گزرنے کے بعد ان مشرکین کو قتل کر دو، اسی طرح جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جو بنو کنانہ ہیں ان کو معاہدہ کی مدت پوری رکنے کی مہلت دی گئی تھی اور ان سے معاہدہ کی میعاد ابھی نو ماہ تک باقی تھی سو نو ماہ گزرنے کے بعد ان کو بھی قتل کر دو، اور اس آیت میں حرمت والے چار ماہ یعنی ذوالقعدۃ، ذوالحج، محرم اور رجب مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی حرمت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے منسوخ ہوگئی کیونکہ اس آیت کا معنی ہے تمام مشرکین کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو، خواہ ان کو حرم میں پاؤ یا غیر حرم میں اور ان کو حرمت والے مکان میں قتل کرنے کا حکم اس کو مستلزم ہے کہ ان کو حرمت والے زمانہ میں بھی قتل کر دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف میں حرمت والے مہینوں میں قتال جاری رکھا تھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال آٹھ ہجری میں طائف پر حملہ کیا اور اٹھارہ دن تک ان کا

محاصرہ کیا اور چالیس دن تک ان پر منجنیق کو نصب کیے رکھا۔

(الطبقات الکبریٰ ۱ ص ۱۲۱۔۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، المنتظم ج ۲ ص ۴۰۷، دارالفکر بیروت

اس کا تقاضا یہ ہے کہ شوال کے دو ماہ بعد تک ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں طائف پر حملہ جاری رہا اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ حرمت والے مہینے ہیں۔ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طائف کا محاصرہ ایک ماہ تک جار رہا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۵۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طائف کے محاصرہ کی مدت چالیس دن تھی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ) اس کا تقاضا یہ ہے کہ ۲۰ ذوالحجہ تک طائف پر حملہ جار رہا۔ اور علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں کہ صحت سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ۲۰ محرم تک طائف کا محاص کیا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار صادر بیروت)۔

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ نے حرمت والے مہینوں میں طائف پر حملہ جاری رکھا اور یہ اس کی ظاہر دلیل ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے، نیز اس کی ممانعت کے منسوخ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

فاقتلوا المشرکین سے منسوخ ہونے والی آیات کا بیان: امام ابوبکر رازی متوفی ۳۷۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت فاقتلوا المشرکین نے حسب ذیل آیات کو منسوخ کر دیا: آپ ان کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں۔ آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

آپ ان کو معاف کر دیجئے اور درگزر کیجئے۔ آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ ان لوگوں کو معاف کر دیں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔ اسی طرح حسب ذیل آیت بھی ان مذکور الصدر آیتوں کے لیے ناسخ ہے:

ترجمہ: ان لوگوں سے قتال کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور وہ اس کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی، (ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس سے پہلے نبی ﷺ ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے تھے جو آپ سے قتال میں پہل نہیں کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

ترجمہ: پس اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں رکھا۔

پھر اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے منسوخ کر دیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

فاقتلوا المشرکین میں قتل کے عمومی حکم سے مستثنیٰ افراد: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا

لیکن (التوبہ:۲۹) نے اس حکم سے ان اہل کتاب کو مستثنی کر لیا جو جزیہ ادا کر دیں۔اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: کفار سے قتال کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو اور اگر وہ قبول نہ کریں تو پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر دار مہاجرین میں منتقل ہو جائیں۔اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو۔اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو پھر ان سے قتال سے رک جاؤ، اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر اللہ کی مدد سے ان سے قتال کرو۔اور ان سے خیانت نہ کرو اور ان سے عہد شکنی نہ کرو اور انکو مثلہ نہ کرو اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرو۔(صحیح مسلم الجہاد:۲ (۱۷۳۱) ٤٤٤١، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲٦۱۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲٦٦۸، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵٦۹، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث:۸٦۱۸)

حکم ناسخ سے متعلق دوسری آیت کا بیان

○وقال عز وجل: {وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً} يعني بالكافة جميعا {كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً} وقال {الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ} قال كان عهد بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين قريش أربعة أشهر بعد يوم النحر كانت تلك بقية مدتهم ومن لا عهد له لانسلاخ في المحرم فأمر الله عز وجل: لنبيه صلى الله عليه وسلم إذا مضى الأجل أن يقاتلهم في الحل والحرم وعند البيت حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله.

[2] ينظر: ابن حزم 124، النحاس 30، ابن سلامة 20، مكى 134 وفيه قتادة، ابن الجوزى 201، العتائقى 34، الن المتوج 57.

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد، اللہ کی کتاب میں بارہ مہینہ ہے، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی دین مستقیم ہے سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔(التوبہ، 36)

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان معاہدہ ہوا جو یوم نحر کے چار ماہ ان کی بقیہ مدت تھی لہٰذا جب حرمت گزر جائے تو پھر کوئی معاہدہ نہ ہوگا۔تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ جب مدت گزر جائے تو حل وحرم دونوں اور مسجد حرام کے پاس بھی ان سے قتال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ کلمہ طیبہ پڑھ لیں۔

شرح

پہلے ان مہینوں میں قتال کرنا جائز نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور تمام مہینوں میں قتال کو مباح کر دیا۔کیونکہ نبی ﷺ نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں قتال کیا اور شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ان کا محاصرہ کیا۔

حرمت والے مہینے اور حکم قتال کے منسوخ ہونے کا بیان

۱:۔احمد والبخاری ومسلم ابوداود ابن منذر ابن ابی حاتم وابوالشیخ وابن مردویہ والبیہقی نے شعب الایمان میں ابوبکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا خبردار! بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اس اصلی حالت پر آ گیا، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو بنایا تھا سال بارہ مہینوں کا ہے اس میں چار مہینے عزت والے ہیں تین مہینے متواتر ہیں ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور رجب مضر (قبیلہ کے نزدیک) جو دونوں جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

۲:۔ بزار وابن جریر وابن مردویہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا (مطلب یہ ہے مشرکوں نے جو مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا تھا آخر اس پر مہینہ بھی اصلی حالت پر آ گیا) جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اس میں سے چار ماہ عزت والے ہیں تین ماہ لگا تار ہیں اور جب مضر (قبیلہ کے نزدیک) دونوں جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

۳:۔ ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کے مقام پر حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے دوران میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگوں زمانہ گھوم کر اپنی اس اصلی حالت میں آ گیا۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں اس میں چار مہینہ عزت والے ان میں سے پہلا رجب ہے۔ جو مضر (قبیلہ کے نزدیک) دونوں جمادی اور شعبان کے درمیان ہے اور اس کے علاوہ ذوالقعد ذوالحجہ اور محرم ہیں۔

٤:۔ ابن منذر ابوالشیخ وابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگوں زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس میں سے چار مہینے عزت والے ہیں تین لگا تار ہیں (اور) مضر کا رجب حرمت والا ہے خبردار ماہ حرام کو حلال اس کے جیسا ماہ حلال کو حرام قرار دینا کفر میں زیادتی ہے اس کے ذریعہ کافر گمراہ کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی خون ریزی حرام ہے:

٥:۔ احمد الباوردی وابن مردویہ نے ابوحمزہ الرقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ جو صحابی تھے انہوں نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھا ایام تشریق کے درمیانی دن میں اور لوگوں کو آپ سے دور ہٹا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تم کس مہینہ میں ہو اور تم کس دن میں ہو اور تم کس شہر میں ہو صحابہ نے عرض کیا عزت والے دن میں عزت والے مہینے میں اور عزت والے شہر میں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ تمہارا خون تمہارے مال میں تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں جیسے تمہارے آج کے اس دن میں اور تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں حرام ہیں اس دن تک جب تم اس سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) ملو گے پھر فرمایا تم لوگ مجھ سے یہ بات سن لو کہ تم زندگی گزارو مگر خبردار تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا خبردار تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا کسی آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کے دل کی خوشی سے ساتھ خبردار ہر خون اور مال اور خاندان شرافت جو جاہلیت میں تھی وہ میرے قدموں کے نیچے ہے قیامت کے دن سب سے پہلے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون چھوڑا جائے گا جو بنولیث میں دودھ پلانے والی عورت تلاش کرنے لگے تھے اور

اس کو جاہل نے قتل کیا تھا خبردار ہر سود جو جاہلیت میں تھا (اس کو) ختم کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ پہلا سود جو ختم کر دیا گیا وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے تمہارے لئے اصل مال حلال ہے۔ نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے خبردار زمانہ اس طرح آج بھی گردش کرتا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا خبردار مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس میں سے چار مہینے عزت والے ہیں یہ دین قائم رہنے والا ہے سو تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو خبردار میرے بعد کافر بن کر نہ لوٹ جانا کہ بعض تمہارے بعض کی گردنوں کو مارنے لگے۔ خبردار! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کی جائے۔ لیکن آپس کی لڑائی سے (وہ مایوس نہیں ہوا) اور عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ تمہارے پاس تمہاری مدد کرنے والی ہیں وہ اپنی جان کی ذرا بھی مالک نہیں ہیں ان کا تمہارا ے او پر حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں تمہارے علاوہ اور تمہارے گھروں کو کسی کو اجازت نہ دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہوا گر تم کو ان کی نافرمانی کا خوف ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کی لیٹنے کی جگہوں سے دور ہٹا دو اور ان کو سخت نہ مارو اور ان کا کھلانا پلانا اور اس کا پہنانا اچھے طریقے سے ان کو مہیا تم نے ان کو اللہ کی امانت کو اس تک پہنچا دے جس نے اس کو امین بنایا اور اپنا ہاتھ پھیلایا پھر فرمایا اے اللہ تحقیق میں نے (آپ کا پیغام) پہنچا دیا خبردار میں نے یقینا پہنچا دیا ہے پھر فرمایا حاضر آدمی ان باتوں کو غائب تک پہنچا دے بسا اوقات جن تک پیغام پہنچایا جائے وہ زیادہ سعادت مند ہوتا ہے سننے والے سے۔

۶:۔ سعید بن منصور وابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) "منھا اربعۃ حرم" سے مراد ہے محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔

۷:۔ ابوالشیخ نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ان مہینوں کو حرمت والا اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ اس میں لڑائی نہ ہو۔

۸:۔ ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) "ذلک الدین القیم" سے مراد ہے القضاء القیم یعنی مضبوط فیصلہ۔

۹:۔ ابوداود والبیہقی نے شعب الایمان میں مجیبۃ باہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ وہ اپنے والد سے یا اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہو گئے پھر وہ چلے گئے اور ایک سال کے بعد پھر آئے تو ان کی حالت اور کیفیت تبدیل ہو چکی تھی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے نہیں پہچانا فرمایا تو کون ہے؟ عرض کیا میں باہلی ہوں پہلے سال میں آپ کے پاس آیا تھا آپ نے فرمایا تجھے کس چیز نے تبدیل کر دیا تو اچھی شکل وصورت والا تھا عرض کیا میں نے کھانا نہیں کھایا جب سے آپ جدا ہوا تھا مگر تھوڑا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے اپنی جان کو کیوں عذاب دیا پھر فرمایا صبر کے مہینہ کے روزے رکھو (یعنی رمضان کے روزے رکھو) اور ہر ماہ میں ایک روزہ رکھو عرض کیا میرے لئے زیادہ کیجئے کیونکہ میں زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں فرمایا دو دن روزے رکھو عرض کیا اور زیادہ کیجئے میرے لئے۔ فرمایا تین دن کے روزے رکھو عرض کیا میرے لئے اور

زیادہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا عزت والے مہینوں (یعنی رجب، ذوالقعد، ذوالحجہ اور محرم) میں روزے رکھ پھر چھوڑ دے (پھر فرمایا) عزت والے مہینوں میں روزے رکھو پھر چھوڑ دے اور آپ نے اپنی تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کر کے ارشاد فرمایا پس آپ نے پہلے ان کو ملایا پھر چھوڑ دیا۔

۱۰:۔ طبرانی نے الاوسط میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عزت والے مہینے میں سے خمیس جمعہ اور ہفتہ کے دن کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو سال کی عبادت (کا ثواب) لکھ دیں گے۔

۱۱:۔ مسلم وابوداود نے عثمان بن حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے سعید بن جبیر سے رجب کے روزے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ اب آپ روزے نہیں چھوڑے گے۔ اور آپ روزے رکھنا چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔

۱۲:۔ بیہقی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رجب میں ایک روزہ رکھا تو اس کا (یہ روزہ) ایک سال کے روزہ کے برابر ہوگا اور جس شخص نے سات روزے رکھے اس سے جہنم کے سات دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے آٹھ روزے رکھے تو اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جس نے دس دن کے روزے رکھے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائیں گے اور جس نے پندرہ دن کے روزے رکھے تو آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دے گا۔ تیرے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے اب نئے سرے سے عمل کر اور تیری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا گیا۔ اور جس نے اور زیادہ کیا (یعنی زیادہ روزے رکھے) اللہ تعالیٰ بھی اس میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ رجب میں نوح (علیہ السلام) کشتی میں سوار ہوئے اور نوح (علیہ السلام) نے روزہ رکھا اور جو ان کے ساتھ (کشتی میں) تھے ان کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا کشتی ان کو چھ ماہ تک یعنی محرم کی دس تاریخ تک چلتی رہی۔

۱۳:۔ بیہقی نے اصبہانی نے ابو قلابہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رجب کے روزے رکھنے والوں کے لئے جنت میں ایک محل ہے۔ بیہقی نے فرمایا کہ (یہ حدیث) ابو قلابہ پر موقوف ہے اور وہ تابعین میں سے ہیں اور وہ اس کی مثل روایت تب بیان کرتے ہیں جب ان سے اوپر والا ان سے سن کر خبر دے جن پاس وحی آتی ہے۔ (یعنی جب ان کو کوئی صحابی رسول اللہ ﷺ سے سن کر خبر دے۔)

۱٤:۔ بیہقی نے اور آپ نے اس کو ضعیف کہا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے بعد رجب اور شعبان کے روزے نہیں رکھے۔

۱۵:۔ امام بیہقی نے اور آپ نے اس کو ضعیف کہا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رجب اللہ کا مہینہ ہے اس کو شہر الحرم کہا جاتا ہے۔ اور زمانہ جاہلیت والے لوگ جب رجب کا مہینہ داخل ہوتا تھا تو اپنے اسلحہ کو رکھ دیتے تھے اور لوگ سو جاتے تھے اور راستے میں امن ہو جاتے تھے اور ان کو بعض کو بعض کا خوف نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ (یہ مہینہ) ختم

ہو جاتا۔آپ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔

۱۶:۔امام بیہقی نے قیس بن ابی حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رجب کے مہینے کو جاہلیت میں الاہم (یعنی گونگا) کہتے تھے اپنے دلوں سے رجب کی انتہائی حرمت ہونے کے سبب۔

۱۷:۔امام بخاری اور بیہقی نے ابورجاء عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جب رجب داخل ہوتا تو ہم دور جاہلیت میں کہا کرتے تھے نیزوں کے پھل نکالنے والا آگیا ہم کسی تیر میں کوئی لوہا نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی کسی نیزہ کی کوئی نوک چھوڑیں گے مگر یہ کہ ہم اس کو اتار کر پھینک دیں گے۔

۱۸۔امام بیہقی نے قیس بن ابواحازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں رجب کے مہینے کو الاھم کہتے ہیں اس کی شدید حرمت کی وجہ سے۔

۱۹:۔امام بیہقی نے اور آپ نے اس کو ضعیف کہا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجب میں ایک دن اور ایک رات ایسی ہے کہ جو اس دن میں روزہ رکھے اور اس رات میں قیام کرے تو اس کو اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جس نے سو سال روزے رکھے اور سو سال قیام کیا اور اس سے مراد وہ دن ہے جب کہ کے تین دن باقی ہوں۔(یعنی ستائیویں رجب) جس میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا علامہ بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔

۲۰:۔امام بیہقی نے (اور آپ نے اس کو ضعیف کہا) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعہ روایت کیا کہ رجب میں ایک رات ایسی ہے کہ اس میں عمل کرنے والے کہتے ہیں ایک نیکی سو سال کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور یہ رات رجب سے تین راتیں باقی رہنے والی رات ہے۔جو شخص اس میں بارہ رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ قرآن میں سے بھی پڑھے اور دو رکعت کے بعد تشہد بھی پڑھے اور ان کے آخر میں سلام پھیر دے پھر (یہ کلمات) پڑھے۔سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو مرتبہ پڑھے اور سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور سو مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر اپنے لئے دعا مانگے جو چاہیے اپنی دنیا اور اپنی آخرت کے کاموں میں سے اور صبح کو روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری دعاوں کو قبول فرمائیں گے مگر یہ کہ کسی گناہ کی دعا نہ ہو۔بیہقی نے کہا کہ یہ پہلے روایت سے زیادہ ضعیف ہے۔

۲۱:۔امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مہینوں میں سے ایک رجب کا مہینہ چن لیا اور وہ اللہ کا مہینہ ہے جس نے رجب کے مہینہ کی تعظیم کی تو اس نے اللہ کے حکم کی تعظیم کی اور جس نے اللہ کی حکم کی تعظیم کی تو اللہ تعالیٰ اس کو جنات النعیم میں داخل فرمائیں گے اور اس کے لئے بڑی رضامندی کردی جائے گی۔اور فرمایا شعبان میرا مہینہ ہے جس نے شعبان کی تعظیم کی اس نے میرے حکم کی تعظیم کی تو میں اس کے لئے آگے جانے والا اور ذخیرہ کرنے والا رہوں گا قیامت کے دن اور رمضان کا مہینہ میری امت کا مہینہ ہے۔جس نے رمضان کے مہینے کی تعظیم کی اور اس کی حرمت کی تعظیم کی اور اس کی بے حرمتی نہ کی۔اس کے دن میں روزہ رکھا اور رات کو قیام کیا (یعنی تراویح پڑھی) اور اپنے اعضاء کی حفاظت کی (یعنی کوئی خلاف شرع کام نہ کیا) تو وہ رمضان سے ایسے نکلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جس کے سبب اس کا محاسبہ کرے گا۔

۲۲:۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے اور آپ نے اس کو ضعیف کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سارے رجب کے مہینے کے روزے سے منع فرمایا۔

۲۳:۔ ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول (آیت) "ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتب اللہ" کے بارے میں فرمایا کہ اس سے کسی کا شر اور برائی پہنچائی جاسکتی ہے۔ جو کہ سائل سے کم ہونسئی مراد ہے کہ جو مشرک مہینوں کو آگے کر دیتے تھے۔

۲۴:۔ ابن منذر وابن ابی حاتم والبیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا کہ (آیت) ''ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتب اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد زیادہ ہے پھر ان میں سے چار مہینوں کو عزت والا بنایا اور ان کی عزت کو عظیم قرار دیا اور ان میں گناہ کو بھی بنادیا اور نیک عمل کو اور اثر کو برا کر دیا۔ (آیت) "فلا تظلموا فیھن انفسکم" یعنی ان سب مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو (اور فرمایا) (آیت) "وقاتلوا المشرکین کافۃ" یعنی تمام مشرکین سے قتال کرو۔

۲۵:۔ ابن منذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے (آیت) "فلا تظلموا فیھن انفسکم" کے بارے میں فرمایا کہ ان عزت والے مہینوں میں ظلم کرنا بڑا گناہ پایا اس ظلم سے جو ان کے سوا (دوسرے مہینوں میں) اگرچہ ظلم ہر حال میں بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم میں سے جس کو چاہتے ہیں بڑا بنا دیتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خالص کسی پسندیدہ کو اپنی مخلوق میں سے چن لیا اور فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چن لئے اور لوگوں میں سے پیغام پہنچانے والے چن لئے اور کلام میں سے اپنے ذکر کو چن لیا اور زمین میں سے مساجد کو چن لیا اور مہینوں میں سے رمضان کو چن لیا اور دنوں میں سے جمعہ کا دن چن لیا اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو چن لیا اور تعظیم کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے معظم بنایا۔ اس لیے کہ ان کاموں کی تعظیم کرنا جن کو اللہ تعالیٰ نے معظم بنایا سمجھ اور عقل والے لوگوں کے نزدیک (لازم) ہے۔

۲۶:۔ ابن منذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ فلا تظلموا فیھن انفسکم۔ یعنی تمام مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔

۲۷:۔ ابن ابی حاتم نے ابن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ فلا تظلموا فیھن انفسکم۔ میں ظلم سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عمل کرنا اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو چھوڑ دینا۔

۲۸:۔ ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کیا کہ انہوں نے (آیت)۔ وقاتلوا المشرکین کافۃ۔ کے بارے میں فرمایا اس آیت نے ان تمام آیات کو منسوخ کر دیا۔ جن میں رخصت ہے۔

۲۹:۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شہروں کو چنا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہروں میں سے سب سے محبوب شہر البلد الحرام یعنی مکہ مکرمہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو چنا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب زمانہ عزت والے مہینے ہیں اور سب سے محبوب مہینے اللہ کے نزدیک ذوالحجہ ہے اور ذوالحجہ (میں سے) سب سے محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے دس دن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنوں کو چنا تو دنوں میں سے سب سے محبوب دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کا دن

ہے اور اللہ کے نزدیک راتوں میں سب سے محبوب رات لیلۃ القدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کے وقت کو چنا تو سب سے زیادہ محبوب اوقات اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض نمازوں کے اوقات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کلام کو چنا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب کلام لا الہ الا اللہ اللہ اکبر، سبحان اللہ اور الحمد للہ ہے۔ (تفسیر در منثور، سورہ توبہ، بیروت)

مطلقہ کی عدت اور حکم نسخ کا بیان

عدت مطلقہ کے تین حیض اور نسخ حکم کا بیان

وعن قوله عزوجل: {وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ} فجعل عدة المطلقة ثلاث حيض

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں، اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (البقرہ، 228)

مصنف لکھتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بیان میں ہوا ہے کہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔

شرح

ابوداؤد اور نسائی کی کتاب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد باری تعالیٰ (آیت) "والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء"۔ الآیہ کے بارے میں فرمایا کہ آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر وہ اسے تین طلاقیں دے تو پس یہ منسوخ ہے (۱) (سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی نسخ المراجعۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۹۷، وزارت تعلیم)

قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات:

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے لیکن قروء کی تفسیر میں مجتہدین کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک قروء کا معنی حیض ہے، اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک قروء کا معنی طہر ہے۔ لغت میں قرء کا معنی حیض اور طہر ہے اور یہ لغت اضداد سے ہے۔ علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض، طہر اور وقت ہے۔ (قاموس ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ھ)

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض ہے، اس کی جمع قروء اور اقراء ہے، حدیث میں ہے: اپنے ایام اقراء میں نماز کو ترک کردو، اس حدیث میں قروء

کا اطلاق حیض پر ہے اور قرء کا معنی طہر بھی ہے یہ لغت اضداد سے ہے۔ (الصحاح ج١ ص ٦٤ مطبوعہ دارالعلم بیروت ١٤٠٤ھ)
علامہ ابن منظور افریقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (لسان العرب ج١ ص ١٣٠ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران ١٤٠٥ھ)
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:
قرء حقیقت میں طہر سے حیض میں داخل ہونے کا نام ہے اور جب کہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں کا جامع ہے تو اس کا ہر ایک پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) تین قروء تک روکے رکھیں یعنی تین حیض تک روکے رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنے سے بیٹھی رہو یعنی اپنے ایام حیض میں۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی ہے: جمع ہونا اور ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا ہے۔
(المفردات ص ٤٠٢ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ١٣٤٢ھ)

قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا: تم اپنے ان ایام اقراء میں نماز چھوڑ دو جن میں تم کو حیض آتا ہے پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی ص ٤٤ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرء کا اطلاق حیض پر کیا ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے کیونکہ اقراء عربی قواعد کے اعتبار سے جمع قلت ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہے اور آپ نے حیض کے لیے اقراء کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔
اس حدیث کو امام ابوداؤد۔ ١ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ سنن ابوداؤد ج١ ص ٣٧ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ١٤٠٥ھ)
امام نسائی۔ ٢۔ (امام ابوعبدالرحمان نسائی متوفی ٣٠٣ھ سنن نسائی ج١ ص ٦٥ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
اور امام دارقطنی۔ ٣ (امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ٢٨٥ھ سنن دارقطنی ج١ ص ٢١٢ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان) نے بھی روایت کیا ہے۔
نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق (مغلظہ) دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ (جامع ترمذی ص ١٩١ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
اس حدیث کو امام ابوداؤد۔ ١ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ سنن ابوداؤد ج ٢ ص ٢٧٥ھ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ١٤٠٥ھ) امام ابن ماجہ۔ ٢ (امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ سنن ابن ماجہ ص ١٥٠ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) امام مالک۔ ٣ (امام مالک بن انس اصحی متوفی ١٧٩ھ موطا امام مالک ص ٥٢٦ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور) امام دارمی۔ ٤ (امام ابوعبدالرحمان نسائی متوفی ٣٠٣ھ سنن نسائی ج ٢ ص ٢٩٨ مطبوعہ نور محمد کارخانہ

تجارت کتب، کراچی)

اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ ○ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، مسند احمد ج ٦ ص ۱۱۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آزاد اور باندی کی عدت کے عدد میں فرق ہے جنس میں فرق نہیں ہے اور جب باندی کی عدت دو حیض ہے تو آزاد عورت کی عدت تین حیض ہوئی اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: امام عبدالرزاق، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب نے کہا: الاقراء سے مراد حیض ہے۔

امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "ثلاثۃ قروء" سے مراد تین حیض ہیں۔

امام عبد بن حمید نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔

وکیع نے حسن سے روایت کیا ہے کہ عورت حیض کیساتھ عدت گزارے خواہ اس کو ایک سال کے بعد حیض آئے۔

امام عبداالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں، طہر نہیں ہیں۔

امام عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں طہر نہیں ہیں۔

امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ طلاق دینا مردوں پر موقوف ہے اور عدت عورتوں پر موقوف ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۷۵ ـ ۲۷٤ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

فقہاء احناف نے "ثلاثۃ قروء" میں لفظ "ثلثۃ" سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کیا جائے گا یا نہیں، اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو دو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی اڑھائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین قروء صرف اسی صورت میں عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء احناف نے قرء بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استقرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خالی اور صاف ہے، سو اگر عورت کو حیض آ گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء شافعیہ اور مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: (آیت) "فطلقوھن لعدتھن"۔ (الطلاق: ۱) انہوں نے کہا: اس آیت میں لام توقیت کے لیے ہے اور آیت کا معنی ہے: ان کو عدت کے وقت میں طلاق دو، اور چونکہ حیض میں طلاق دینا مشروع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عدت کا وقت طہر ہے اس لیے "ثلثۃ قروء" میں قروء بہ معنی طہر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں

لام توقیت کیلیے نہیں بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی طلاق عدت کے ساتھ مختص ہے اور عدت حیض سے شروع ہوتی ہے' اس لیے طلاق حیض سے پہلے دینی چاہیے نہ کہ دوران حیض' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک قراءت میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو یوں بھی پڑھا ہے: "فی قبل عدتھن" (روح المعانی ج۱ ص ۱۳۲) یعنی ان کو عدت سے پہلے طلاق دو' نیز قرء بہ معنی حیض پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ثلثۃ قروء" کے بعد فرمایا ہے: "عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے" اور یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے۔

قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء:

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

قروء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے' یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' مجاہد' قتادہ ضحاک' عکرمہ' سدی' امام مالک اور ابوحنیفہ کا قول ہے (علامہ ماوردی کو نقل میں تسامح ہوا ہے' امام مالک کے نزدیک اس کا معنی حیض نہیں' طہر ہے' البتہ امام احمد کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی طہر ہے' یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہری' ابان بن عثمان' امام شافعی اور اہل حجاز کا قول ہے۔

(النکت والعیون ج۱ ص ۲۹۱۔ ۱۹۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین ادوار یا تین انتقالات تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں' اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے' اور یہاں طہر سے حیض کی طرف انتقال تو قطعا مراد نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا تو اصلا مشروع نہیں ہے' اور جب کہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۵۔ ۱۱٤' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

اقراء کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی' رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت بوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبادہ بن الصامت' رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عکرمہ' ضحاک' سدی' سفیان ثوری' اوزاعی' حسن بن صالح' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل کا یہی قول ہے' امام احمد نے کہا: میں پہلے یہ کہتا تھا کہ قرء بہ معنی طہر ہے' اور اب میرا مذہب یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زہری' ابان بن عثمان' امام مالک بن انس اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (زاد المسیر ج۱ ص

۲۶۰-۲۵۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: ہر چند کہ قرء کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے' لیکن چند دلائل کی وجہ سے قرء بہ معنی حیض راجح ہے' ایک دلیل یہ ہے کہ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی کا معنی اصل لغت میں وقت ہے اور اس لحاظ سے اس کا بہ معنی حیض ہونا راجح ہے' کیونکہ وقت کسی چیز کے حادث ہونے کا ہوتا ہے اور حادث حیض ہوتا ہے کیونکہ طہر تو حالت اصلی ہے اور بعض نے کہا: قرء کا معنی اصل لغت میں جمع اور تالیف ہے' اس اعتبار سے بھی حیض اولیٰ ہے کیونکہ ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا رہتا ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ اس عورت کو ذات الاقراء کہا جاتا ہے جس کو حیض آتا ہو اور جو کم سن ہو یا بڑھیا بانجھ ہو اس کو ذات الاقراء نہیں کہا جاتا ہے' حالانکہ طہر تو ان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ لغت قرآن پر اتھارٹی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرء کو حیض کے معنی میں استعمال فرمایا ہے' طہر کے معنی میں استعمال نہیں فرمایا کیونکہ آپ نے فرمایا: مستحاضہ اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنا چھوڑ دے' اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا: جب تمہارا اقرء آئے تو نماز چھوڑ دے' اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا: جب تمہارا اقرء آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو' اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کا قرء دو حیض ہیں' اور ایک روایت میں فرمایا: اس کی عدت دو حیض ہیں' اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوطاس کی باندیوں کے متعلق فرمایا: وضع حمل سے پہلے حاملہ سے وطی نہ کی جائے اور جب تک ایک حیض سے استبراء نہ ہو جائے غیر حاملہ سے وطی نہ کی جائے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب وطی شدہ باندی کو ہبہ کیا جائے یا اسے فروخت کیا جائے یا وہ آزاد ہو جائے تو ایک حیض کے ساتھ اس کے رحم کا استبراء کیا جائے اور کنواری باندی کا استبراء نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸-۲۹۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

غیر مدخولہ مطلقہ سے حکم عدت کے منسوخ ہونے کا بیان

ثم أنه نسخ منها عدة المطلقة التي طلقت ولم يدخل بها زوجها قال الله عز وجل: في سورة الأحزاب 4: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحاً جَمِيلاً} فهذه ليس عليها عدة إن شاءت تزوجت من يومها.

اس کے بعد غیر مدخولہ مطلقہ کی عدت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورت احزاب میں فرمایا:

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے' جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔ (الاحزاب، 49)

لہذا ایسی عورت کی کوئی عدت نہیں ہے اگر وہ چاہے تو اسی دن کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔

رخصتی سے پہلے طلاق اور نسخ عدت کا بیان

قول باری ہے: (یایھا الذین امنوا اذ نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا۔ اے ایمان لانے والو! تم جب مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تمہارے لئے ان کے بارے میں کوئی عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرنے لگو، انہیں کچھ مال دے دو اور خوبی کے ساتھ رخصت کر دو)۔

ابو بکر حبصاص کہتے ہیں کہ تزویج کی شرط پر طلاق واقع کرنے کی صحت پر آیا یہ دلالت کرتی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے۔ اگر میں کسی عورت سے نکاح کرلو تو اس پر طلاق ہے۔" کچھ حضرات کا قول ہے آیت اس قول کے الغاء اور اس کے حکم کے سقوط کی مقتضی ہے کیونکہ یہ نکاح کے بعد طلاق کی صحت کی موجب ہے جبکہ زیر بحث شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے رہا ہے۔

دوسرے حضرات کا قول ہے کہ قائل کے قول کی صحت اور نکاح کے وجود کی صورت میں اس کے حکم کے لزوم پر آیت کی دلالت واضح ہے کیونکہ آیت نے نکاح کے بعد طلاق کے وقوع کی صحت کا حکم لگا دیا ہے۔ اب ایک شخص اگر کسی اجنبی عورت سے یہ کہتا ہے کہ "جب تجھ سے میرا نکاح ہو جائے گا تو تجھے طلاق ہو جائے گی۔" اس لئے یہ شخص نکاح کے بعد طلاق دے رہا ہے۔ جس کی بنا پر ظاہر آیت کی رو سے اس کی طلاق کا واقع ہو جانا اور اس کے الفاظ کے حکم کا ثابت ہو جانا واجب ہو گیا۔

ابو بکر حبصاص کہتے ہیں کہ یہی قول درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قول کا قائل یا تو قول کی حالت میں طلاق دینے والا ہو گا یا نسبت واضافت اور وجود شرط کی حالت میں وہ ایسا کرنے والا ہو گا۔ جب سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "جب تو مجھ سے بائن ہو کر میرے لئے اجنبی بن جائے گی تو تجھے طلاق ہو جائے گی۔" وہ اضافت کی حالت میں طلاق دینے والا ہو گا، قول کی حالت میں طلاق دینے والا نہیں ہو گا۔

اور اس کی حیثیت اس شوہر جیسی ہو گی جو پہلے اپنی بیوی کو بائن کر دے اور پھر اس سے کہے "تجھے طلاق ہے۔" اس طرح اس کے الفاظ کا حکم ساقط ہو گیا اور نکاح کے ہوتے ہوئے اس کے قول کی حالت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ کہنا درست ہو گیا کہ اضافت کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے، عقد یعنی قول کی حالت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے اجنبی عورت کو یہ کہنے والا کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں گا تو تجھے طلاق ہو جائے گی۔" ملک کے بعد اسے طلاق دینے والا ہے۔ اور آیت اس شخص کی طلاق کے وقوع کی مقتضی ہے جو ملک کے بعد طلاق دے رہا ہو۔

طلاق قبل از نکاح میں اختلاف ائمہ

اس مسئلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور زفر کا قول ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہے جس

عورت سے بھی نکاح کروں اسے طلاق ہے اور جس مملوک کا میں مالک بن جاؤں وہ آزاد ہے۔ تو جس عورت سے بھی اس کا نکاح ہوگا اسے طلاق ہوجائے گی اور جس مملوک کا بھی وہ مالک ہوگا اسے آزادی مل جائے گی۔ ان حضرات نے اس میں تعمیم اور تخصیص کرنے والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے اگر کہنے والے نے اس میں تعمیم کی ہو تو کوئی چیز واقع نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس نے بعینہٖ کسی چیز یا جماعت کی ایک مدت تک تخصیص کردی ہو تو وہ واقع ہوجائے گی۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک سے یہ بھی مذکور ہے کہ اگر کسی نے طلاق کے لئے ایسی مدت مقرر کردی ہو جس کے متعلق سب کو یہ معلوم ہو کہ وہ اس مدت تک پہنچ نہیں سکتا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی مثلاً کوئی شخص یہ کہے "اگر میں فلاں فلاں سال تک کسی عورت سے نکاح کرلو تو اسے طلاق ہوجائے گی۔"

پھر امام مالک نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے "ہر وہ غلام جسے میں خریدلوں وہ آزاد ہے۔" تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ سفیان ثوری کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "اگر میں فلاں عورت سے نکاح کرلوں تو اسے طلاق ہوجائے گی تو اس پر اس کا یہ قول لازم ہوجائے گا۔

عثمان البتی کا بھی یہی قول ہے۔ اوزاعی نے اس شخص کے متعلق کہا ہے جو اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "ہر وہ لونڈی جس کے ساتھ تمہارے ہوتے ہوئے ہم بستری کروں وہ آزاد ہوجائے گی۔" پھر وہ بیوی کے ہوتے ہوئے کسی لونڈی سے ہم بستری کرلے تو وہ لونڈی آزاد ہوجائے گی۔

حسن بن صالح کا قول ہے کہ اگر کوئی یہ کہے "جس مملوک کا میں مالک ہوجاؤں وہ آزاد ہوجائے گا۔" تو اس کا یہ قول بے معنی ہوگا۔ اگر وہ یہ کہے "ہر وہ مملوک جس میں خریدلوں یا وارث بن جاؤں۔" یا اسی طرح کی کوئی اور بات کہے گا تو اس جہت سے ملکیت حاصل ہونے پر غلام آزاد ہوجائے گا۔ اس لئے کہ اس نے تخصیص کردی تھی۔ لیکن اگر وہ یہ کہے۔ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں گا اسے طلاق ہوجائے گی۔" تو اس صورت میں کچھ نہیں ہوگا۔ اگر وہ یہ کہے "فلاں خاندان یا فلاں گھرانے یا اہل کوفہ کی جس عورت سے میں نکاح کرلوں گا اسے طلاق ہوجائے گی۔" تو اس صورت پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

حسن کا قول ہے کہ جب سے کوفہ کا شہر آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہمیں کسی اہل علم کے متعلق علم نہیں کہ اس نے اس کے سوا اور کوئی فتویٰ دیا ہو۔ لیث کا قول ہے کہ تخصیص کی صورت میں طلاق اور عتاق کے اندر اس پر اس کی کہی ہوئی بات لازم ہوجائے گی یعنی طلاق واقع ہوجائے گی اور غلام یا لونڈی کو آزادی مل جائے گی۔

امام شافعی کا قول ہے ک اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی نہ تو تخصیص کی صورت میں اور نہ ہی تعمیم کی صورت میں۔

اس مسئلے میں سلف کے مابین بھی اختلاف رائے ہے۔ یاسین زیات سے مروی ہے کہ انہوں نے عطاء خراسانی سے اور انہوں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا تھا جس نے یہ کہا تھا۔ "جس عورت سے بھی میرا نکاح ہوگا اسے طلاق ہوجائے گی۔" کہ جس طرح اس نے کہا ہے اس کے مطابق ہوگا۔

امام مالک نے سعید بن عمرو بن سلیم الزرقی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے قاسم بن محمد سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا تھا

جوایک عورت کواس کے ساتھ نکاح ہونے سے قبل ہی طلاق دے دیتا ہے۔ قاسم نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر میں اس سے نکاح کروں تو یہ میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو اس عورت سے نکاح کر لینے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی یہ فرمادیا تھا کہ جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہیں کرے گا اس وقت تک اس سے قربت نہیں کرے گا۔

سفیان ثوری نے محمد بن قیس سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے اور انہوں نے اسود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے پہلے تو یہ کہا تھا کہ "اگر میں فلاں عورت سے نکاح کرلوں تو اسے طلاق" پھر بھول کر اس سے نکاح کرلیا اور یہ معاملہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کردیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر طلاق لازم کردی۔

ابراہیم نخعی، شعبی، مجاہد اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی قول ہے۔ شعبی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خاص عورت کا نام لے کر یہ بات کہے یا یوں کہے کہ اگر میں فلاں خاندان کی عورت سے شادی کرلوں تو اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں وہی ہوگا جو اس نے کہا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے: "جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اسے طلاق ہے۔" تو اس صورت میں یہ بے معنی بات ہوگی۔

سعید بن المسیب کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے۔ "میں فلاں عورت سے اگر نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔" تو اس کی یہ بات بے معنی ہوگی۔ قاسم بن سالم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہے کہ اس کے لئے ایسا کہنا جائز ہے۔ یعنی طلاق واقع ہوجائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص درج بالا فقرہ کہے تو اس کی یہ بات بے معنی ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرات سے مروی ہے کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔

تاہم اس فقرے میں ہمارے اصحاب کے قول کی مخالفت پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں اگر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔" وہ دراصل نکاح کے بعد طلاق دینے والا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے آیت کی جس دلالت کا ذکر کیا ہے وہ ہمارے قول کی صحت اور مخالف پر حجت کے قیام نیز مسلک کی تصحیح کے لئے کافی ہے۔

اس پر قول باری (یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ اے ایمان لانے والو! عقود یعنی بندشوں کی پوری پابندی کرو) ظاہر آیت اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر عاقد پر اس کے عقد کا موجب و مقتضیٰ لازم ہوجاتا ہے۔ جب یہ قائل اپنی ذات پر نکاح کے بعد طلاق واقع کرنے کی بندش باندھ رہا ہے تو اس سے ضرورت ہوگیا کہ اس بندش اور عقد کا حکم اس پر لازم ہوجائے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی دلالت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا (المسلمون عند شروطھم۔ مسلمان اپنی شرطوں کے پاس ہوتے ہیں) یعنی اپنی شرطیں پوری کرتے ہیں۔ اس ارشاد نے یہ بات واجب کردی کہ جو شخص اپنے اوپر کوئی شرط عائد کرے گا شرط کے وجود کے ساتھ ہی اس پر اس کا حکم لازم کردیا جائے گا۔

اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نذر صرف ملک کے اندر درست ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص یہ

نذر مانتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہزار درہم عطا کردے تو میں اس میں سے سو درہم اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں گا، وہ اپنی ملکیت کے اندر نذر ماننے والا شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے اس رقم کی اضافت اور نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے اگرچہ فی الحال وہ اس رقم کا مالک نہیں ہے۔

یہی صورت حال طلاق اور عتاق کی ہے کہ اگر ان کی اضافت اپنی ملک کی طرف کرلے گا تو اسے ملک کے اندر طلاق دینے والا اور آزاد کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی سے یہ کہے کہ "اگر تمہارے بطن سے کوئی بچہ پیدا ہوا وہ آزاد ہوگا۔" اس کے بعد لونڈی کو حمل ٹھہر جائے اور بچہ پیدا ہوجائے تو وہ بچہ آزاد ہوجائے گا حالانکہ قول کی حالت میں آقا اس بچے کا مالک نہیں تھا۔

آزاد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی اضافت و نسبت اس ماں کی طرف تھی جس کا وہ مالک تھا۔ اسی طرح اگر کوئی عشق کو اپنی ملکیت کی طرف منسوب کرے اسے اپنی ملکیت کے اندر آزاد کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ اگرچہ فی الحال اس پر اس کی ملکیت موجود نہیں ہے۔ نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے "اگر تم گھر میں داخل ہوجاؤ تو تمہیں طلاق" پھر نکاح کے ہوتے ہوئے اگر وہ گھر میں داخل ہوجائے گی تو اس پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

اس کے اس فقرے کی حیثیت وہی ہے جو نکاح کی حالت میں اس کے اس فقرے کی ہے کہ "تمہیں طلاق ہے۔" اگر یہی شخص اپنی بیوی کو پہلے بائن کردیتا اور پھر وہ گھر میں داخل ہوجاتی تو اس کے درج بالا فقرے کی حیثیت وہی ہوتی جو بینونت کی حالت میں اس کے اس فقرے کی ہوتی۔ "تمہیں طلاق ہے۔" یعنی اس صورت میں اس پر طلاق واقع نہ ہوتی۔

یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قسم کھانے والا شخص دراصل جواب قسم کے وقت جواب قسم کے الفاظ زبان پر لانے والا شمار ہوتا ہے۔ اس لئے جو شخص یہ کہے "ہر وہ عورت جس سے میرا نکاح ہوا سے طلاق ہے۔" اس کے بعد پھر وہ کسی عورت سے نکاح کرلے تو ضروری ہے کہ اس کے اس فقرے کو وہی حیثیت دی جائے جو کسی عورت سے نکاح کرے اس کے اس فقرے کی ہے کہ "تمہیں طلاق ہے۔"

اگر یہ کہا جائے کہ درج بالا بات اگر درست ہوتی تو اس سے یہ لازم آتا کہ ایک شخص اگر حلف اٹھانے کے بعد دیوانہ ہوجاتا اور پھر اس کے قسم کی شرط وجود میں آجاتی تو درج بالا وضاحت کی روشنی میں اسے حانث قرار نہ دیا جاتا کیونکہ اس نے دراصل گویا جنون کی حالت کے وقت جواب قسم کے الفاظ اپنی زبان پر لائے تھے۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات ضروری نہیں ہے کیونکہ مجنون کا کوئی قول نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا بولنا اور خاموش رہنا دونوں کی حیثیت یکساں ہوتی ہے۔ چونکہ اس کا قول درست نہیں ہوتا اس لئے جنون کی صورت میں ابتداء وہی سے اس کا وقوع پذیر ہوجانا درست نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ جنون سے پہلے اس کا قول درست اور قابل تسلیم ہوتا ہے اس لئے صحت کی حالت میں اس کے کہے ہوئے قول کا حکم جنون کی حالت میں بھی اس پر لازم ہوجائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ مجنون انسان اگر اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا غلام آزاد کردے تو بعض دفعہ اس کی یہ طلاق اور اس کا یہ عتاق درست ہوجاتا ہے۔

مثلاً اگر یہی دیوانہ مقطوع الذکر یا نامرد ہوتا اور اسے اس کی بیوی سے علیحدہ کر دیا جاتا تو یہ علیحدگی طلاق ہوتی۔ اسی طرح اگر یہ اپنے باپ کا وراثت کی صورت میں مالک بن جاتا تو باپ اس پر آزاد ہو جاتا۔ جس طرح نائم یعنی نیند میں پڑے ہوئے انسان کی حالت ہوتی ہے کہ طلاق واقع کرنے کی ابتداء تو اس سے درست نہیں ہوتی لیکن کسی سبب کی بنا پر اس کا حکم اسے لازم ہو جاتا ہے۔

مثلاً اس نے کسی کو یہ سپرداری دی ہو کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے یا اس کا غلام آزاد کر دے۔ اب اگر اس وکیل نے موکل کی نیند کی حالت میں اس کی بیوی کو طلاق دے دی ہو یا اس کا غلام آزاد کر دیا ہو تو طلاق اور عتاق کا یہ حکم اس پر لازم ہو جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا طلاق قبل النکاح. نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں) تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس روایت کی اسانید فن روایت کے لحاظ سے مضطرب شمار ہوتی ہیں اس لئے روایت کی جہت سے یہ درست نہیں ہے۔ اگر اسے روایت کی جہت سے درست مان بھی لیا جائے تو بھی اختلافی نکتے پر اس کی کوئی دلالت نہیں ہو رہی ہے۔

اس لئے کہ ہم نے جو صورت بیان کی ہے اس میں ایک شخص نکاح کے بعد طلاق دینے والا ہوتا ہے اس لئے یہ بات اس روایت کی خلاف نہیں ہے۔ نیز آپ نے اس ارشاد کے ذریعے نکاح سے پہلے طلاق واقع کرنے کی نفی کر دی ہے لیکن عقد کی نفی نہیں کی۔ جب آپ کے ارشاد (لا طلاق قبل النکاح) کا حقیقی مفہوم ایقاع طلاق کی نفی ہے جبکہ طلاق پر عقد طلاق شمار نہیں ہوتا تو وہ وجوہ سے حدیث کے الفاظ اس صورت کو شامل نہیں ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہوگا۔ حقیقت کے طور پر نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جو شخص طلاق پر کسی قسم کا انعقاد کرتا ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے طلاق دے دی ہے جب تک وہ واقع نہ ہو جائے پھر لفظ کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب تک دلالت قائم نہ ہو جائے اس وقت اسے اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ دلالت قائم ہونے پر مجازی معنی لئے جائیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اس لئے اس سے مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں ہوگا کیونکہ ایک ہی لفظ سے حقیقی اور مجازی دو معنی مراد لینا جائز نہیں ہوتا۔

زہری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (لا طلاق قبل نکاح) کی وضاحت ہے انہوں نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ کسی شخص کے سامنے کسی عورت کا تذکرہ کر کے اس سے اس کے ساتھ نکاح کر لینے کے لئے کہا جائے۔ وہ شخص یہ سن کر کہے کہ "اس عورت کو یقیناً طلاق ہے۔" اس کی یہ بات ایک بے معنی سی بات ہوگی۔

البتہ جو شخص یہ کہے "اگر میں فلاں عورت سے نکاح کر لوں تو اسے یقیناً طلاق ہے۔" وہ اسے نکاح کرنے پر طلاق دے دے گا۔ غلام آزاد کرنے کی بھی یہی صورت ہے۔ ایک قول کے مطابق یہاں عقد مراد ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے۔ "اگر تم گھر میں داخل ہوگی تو تمہیں طلاق ہے۔" اس کے بعد پھر وہ اس عورت سے نکاح کر لے اور نکاح کے بعد عورت گھر میں داخل ہو جائے تو عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ نکاح کی حالت میں وہ گھر میں داخل ہوئی ہو۔

ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ اس بارے میں تخصیص کرنے والے اور تعمیم کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے

کہ تخصیص کی صورت میں وہ ملک کے اندر طلاق دینے والا ہوگا۔ تعمیم کی صورت میں بھی اس کا یہی حکم ہوگا جب تعمیم کی صورت میں وہ ملک کے اندر طلاق دینے والا نہیں ہوتا تو تخصیص کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب ایک شخص تعمیم کرتا ہے تو اپنی ذات پر تمام عورتوں کو حرام کر دیتا ہے جس طرح ظہار کرنے والا جب اپنی بیوی کو مبہم صورت میں حرام کر لیتا ہے تو اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات کئی وجوہ سے غلط ہے اول تو یہ کہ ظہار کرنے والا ایک متعین عورت یعنی اپنی بیوی کی تحریم کا ارادہ کرتا ہے اور ہمارے مخالف کا اصول ہے کہ جب کوئی شخص تعیین کی صورت میں تخصیص کر لے تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

البتہ جب وہ تعمیم کرتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمارے مخالف کے اصول کے مطابق اس پر طلاق واقع نہ ہونا واجب ہوگا۔ خواہ اس نے تخصیص کیوں نہ کر لی ہو جس طرح ظہار کرنے والا اگر مبہم صورت میں تحریم کرے تو عورت اس پر حرام نہیں ہوتی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے ظہار نیز اس کی تحریم کے حکم کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کے قول کے ساتھ اس پر اس عورت کو حرام کر دیا ہے اور اس پر اس کے ظہار کا حکم ثابت کر دیا ہے۔

نیز جو شخص اس بات کی قسم کھاتا ہے کہ وہ جس عورت سے بھی نکاح کرے گا اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ وہ اس قسم کے ذریعے اپنی ذات پر عورتوں کو حرام نہیں کرتا کیونکہ وہ اس قسم کے ذریعے نکاح کی تحریم کر و واجب نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے صرف نکاح ہو جانے اور ملک بضع کے حصول کے بعد طلاق واجب کی ہے۔ نیز جب وہ کہتا ہے "ہر وہ عورت جس میں نکاح کروں گا اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔"

ایسے شخص پر جب ہم اس طلاق کو لازم کر دیں گے جس کا اس نے قول کیا تھا تو اس صورت میں عورت کی تحریم مبہم نہیں ہوگی بلکہ اسے ایک طلاق ہو جائے گی اور اس شخص کے لئے اس کے بعد بھی دوسری مرتبہ اس عورت سے نکاح کر لینا جائز ہوگا اور کوئی طلاق وغیرہ واقع نہیں ہوگی۔

ہمارے بیان کردہ یہ تمام وجوہ معترض کی بے خبری کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ معترض کے درج بالا اعتراض کا اصل مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے۔ اگر میں اس سے نکاح کر لوں تو اس پر طلاق ہے، اور اگر میں اسے خرید لوں تو وہ آزاد ہے۔ تو اس صورت میں کوئی چیز واقع نہیں ہوگی بلکہ طلاق اور آزادی اس صورت میں واقع ہوگی جب وہ عورت سے یہ کہے "جب تمہارے ساتھ میرا دوست طریقے سے نکاح ہو جائے تو پھر اس کے بعد تمہیں طلاق ہے۔ یا یوں کہے" جب تمہارے ساتھ میرا درست طریقے سے نکاح ہو جائے تو پھر اس کے بعد تمہیں طلاق ہے۔" یا یوں کہے" جب میں خریداری کے بعد تمہارا مالک بن جاؤں تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔" ان حضرات نے اپنے اس قول کے لئے استدلال کی یہ راہ اختیار کی ہے کہ جب نکاح اور خریداری کو طلاق اور عتاق کے لئے شرط قرار دیا جاتا ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عقد کے ملک بضع اور ملک رقبہ کا حصول ہوتا ہے۔

لیکن زیر بحث حالت میں ملک کے حصول کے ساتھ ہی عتاق اور طلاق بھی واقع ہو رہی ہے یعنی ملک، طلاق اور عتاق ایک ساتھ ہی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ اس لئے ایسی صورت میں نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ ہی عتاق۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس ملک کے اندر وقوع پذیر ہوتی ہیں جو اس سے پہلے حاصل ہو چکی ہو۔

ابوبکر جصاص کے نزدیک یہ ایک بے معنی استدلال ہے کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ "جب میں تم سے نکاح کرلوں گا اور تمہیں طلاق ہو جائے گی۔" یا "جب تمہیں خریدلوں گا تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔" اس کے کلام کے مضمون سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس نے نکاح ہو جانے کے بعد نیز ملکیت حاصل ہونے کے بعد طلاق واقع کرنے یا آزادی دینے کا ارادہ کیا ہے۔ اس لئے اس کی حیثیت اس شخص کے قول کی طرح ہوگی جو یہ کہے "جب میں نکاح کی بنا پر تمہارا مالک ہو جاؤں گا تو تمہیں طلاق ہو جائے گی۔" یا "جب میں خریداری کی بنا پر تمہارا مالک ہو جاؤں گا تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔" اس لئے جب فقرے میں نکاح یا خریداری کی بنا پر ملکیت کا مفہوم موجود ہے تو اس کی حیثیت یہ ہو جائے گی کہ گویا اس نے زبان سے یہ بات کہہ دی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ درج بالا بات اگر درست ہوتی تو پھر لازم ہوتا کہ اگر کوئی یہ کہتا۔ میں اگر کوئی غلام خریدوں تو میری بیوی کو طلاق۔" یہ کہہ کر وہ کسی اور شخص کے لئے کسی غلام کی خریداری کر لیتا تو اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ اس کے اس فقرے کے مضمون میں ملکیت کا کا مفہوم موجود ہے گویا اس نے یہ کہا۔" اگر خریداری کی بنا پر میں غلام کا مالک ہو جاؤں تو میری بیوی کو طلاق۔"

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ فقرے کے الفاظ ان صورتوں میں ملکیت کے مفہوم کو متضمن ہوتے ہیں جن میں وہ طلاق واقع کر رہا ہو یا آزادی دے رہا ہو۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں فقرے کو الفاظ کے حکم پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس میں ملکیت کے وقوع یا عدم وقوع کے معنی کی تضمین نہیں کی جائے گی۔

قول باری ہے (من قبل ان تمسوھن) ہم نے سورۃ بقرہ میں بیان کر دیا ہے کہ مس یعنی ہاتھ لگانے سے مراد خلوت صحیحہ ہے اور عدت کی نفی کا تعلق خلوت اور جماع دونوں کی نفی کے ساتھ ہے۔ اس بارے میں بحث کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ قول باری (ومتعوھن) سے اگر وہ بیوی مراد ہے جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو آیت کا حکم وجوب پر محمول ہوگا جس طرح یہ قول باری ہے (او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن) اگر وہ بیوی مراد ہے جس کے ساتھ دخول ہو چکا ہو تو آیت کا حکم استحباب پر محمول ہوگا وجوب پر نہیں۔

ہمیں عبداللہ بن محمد بن اسحاق نے روایت بیان کی، انہیں حسن بن الربیع نے، انہیں عبدالرزاق نے معمر سے اور انہوں نے قتادہ سے آیت (فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا) تا آخر آیت میں روایت کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا نکاح ہو گیا ہو لیکن اس کے ساتھ نہ دخول ہوا ہو، نہ ہی اس کے لئے کوئی مہر مقرر کیا گیا ہو۔ ایسی عورت کو نہ تو کوئی مہر ملے گا اور نہ ہی اس پر عدت واجب ہوگی۔

قتادہ نے سعید سے روایت کی ہے۔ سورۃ بقرہ میں قول باری (فنصف ما فرضتم) کی بنا پر یہ آیت منسوخ ہے۔ قول

باری ہے (وسرحوھن) دخول سے پہلے طلاق کی ذکر کے بعد اس حکم کا ذکر ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر اسے اپنے گھر سے یا اپنے قبضے سے اسے رخصت کردے کیونکہ طلاق کے ذکر کے بعد اس کا ذکر ہوا ہے۔

اس لئے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ تشریح یعنی گھر سے رخصت کردینا طلاق نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ذریعے یہ بیان ہوا ہے کہ اب اس پر مرد کا کوئی اختیار نہیں رہا اور اب اس پر یہ لازم ہے اپنے قبضے اور سرپرستی سے باہر کردے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جن عورتوں کو حلال کردیا ان کا بیان

قول باری ہے (یایھا النبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی اتیت اجورھن اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے لئے آپ کی (یہ) بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں) تا آخر آیت۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ آیت نکاح کی ان صورتوں پر مشتمل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مباح کردیا تھا۔ ایک صورت وہ ہے جس کا ذکر آیت کے درج بالا حصے میں ہوا ہے یعنی ازواج مطہرات جن کے ساتھ متعین مہر پر نکاح ہوا تھا اور آپ نے ان کے مہر انہیں ادا کردیے تھے۔

دوسری صورت ملک یمین کی تھی جس کا ذکر قول باری ،، ما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک ،، اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے) میں ہوا ہے۔ مثلاً ریحانہ، صفیہ اور جویریہ۔ آپ نے ان میں سے دو کو آزاد کرکے ان سے عقد کرلیا تھا۔ یہ وہ خواتین تھیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان خواتین کا ذکر کیا جو آپ کے اقارب میں سے تھیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر حلال کردیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہوا۔ وبنات عمک وبنات عماتک وبنات خالک وبنات خلاتک التی ھاجرن معک اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان خواتین کا ذکر کیا جنہیں مہر کے بغیر آپ کے لئے حلال کردیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا (وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی اور اس مسلمان عورت کو بھی جو (بلاعوض) اپنے کو نبی کے حوالے کردے) اور اس کے ساتھ ہی یہ بتادیا کہ یہ صورت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، امت کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ جن خواتین کا پہلے ذکر گزر چکا ہے ان کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حیثیت یکساں ہے۔

قول باری (التی ھاجون معک) کے سلسلے میں امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اس میں ایسی کوئی دلالت موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ جن خواتین نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی وہ آپ پر حرام تھیں۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام ابو یوسف اس بات کے قائل نہیں تھے جس چیز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کردیا ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے ماسوا چیزوں کا حکم اس چیز کے حکم کے برعکس ہے۔

داؤد بن ابی ہند نے محمد بن ابی موسیٰ سے روایت کی ہے، انہوں نے زیاد سے اور انہوں نے حضرت ابی بن کعب سے زیاد

کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی سے یہ پوچھا تھا کہ آپ کے خیال میں اگر حضور ﷺ کی تمام بیویاں ہلاک ہوجاتیں تو کیا آپ کو نکاح کرنے کی اجازت ہوتی؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "اس میں کیا رکاوٹ پیش آتی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مختلف قسم کی خواتین کو حلال کردیا تھا اس لئے آپ ان میں سے جن کے ساتھ چاہتے نکاح کر لیتے۔" پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی (یایھا النبی انا احللنا لك) تا آخر آیت یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے جن خواتین کے ساتھ آپ کے نکاح کی اباحت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اس سے آپ پر دوسری خواتین کے ساتھ نکاح کی ممانعت لازم نہیں آئی تھی۔ کیونکہ حضرت ابی نے یہ بتایا تھا کہ اگر حضور ﷺ کی تمام ازواج مطہرات فوت ہوجاتیں تو آپ کے لئے دوسری خواتین سے نکاح کرنا جائز ہوتا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے خلاف روایت منقول ہے۔ اسرائیل نے سدی سے۔ انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ میں نے معذرت پیش کردی اس پر اللہ تعالیٰ نے (یایھا النبی انا احللنا لك ازواجك) تا (ھاجرن معك) نازل فرمائی۔ میں آپ پر حلال نہیں تھی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی۔ میں ان لوگوں کے ساتھ تھی جنہیں فتح مکہ کے دن آزاد کردیا گیا تھا۔ جنہیں طلقاء کہا جاتا ہے۔ اگر یہ روایت درست ہے تو حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے والی خواتین کی تخصیص سے ان خواتین کی ممانعت ہوگئی تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی۔

بہر حال یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس ممانعت کا علم درج بالا آیت کی دلالت کے بغیر کسی اور ذریعے سے ہوگیا تھا۔ اس آیت میں میں تو صرف ان خواتین کی اباحت کا ذکر ہے جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ آیت نے ہجرت نہ کرنے والی خواتین کی اباحت یا ممانعت کے مسئلے سے تعرض نہیں کیا ہے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس آیت کے سوا کسی اور ذریعے سے ان کا علم ہوا تھا۔

قول باری (وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی) لفظ ہبہ کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ عقد نکاح کی اباحت پر نص ہے۔

لفظ ہبہ کے ساتھ آپ ﷺ کے سوا دوسروں کے ساتھ عقد نکاح کے جواز کے مسئلے میں اہل علم کے مابین اختلاف رائے ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، زفر، سفیان ثوری اور حسن بن صالح کا قول ہے کہ لفظ ہبہ کے ساتھ عقد نکاح درست ہے۔ عورت کو مقررہ مہر ملے گا اور اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اسے مہر مثل ملے گا۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی کے لئے کوئی عورت ہبہ کے لفظ کے ساتھ حلال نہیں ہوگی۔ اگر کوئی عورت نکاح کی خاطر کسی کے لئے اپنے آپ کو ہبہ نہ کرے بلکہ اس لئے ہبہ کردے کہ مرد اس کی حفاظت کرے یا اس کی ذمہ داری سنبھال لے تو اس صورت میں امام مالک کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوتا۔ اس آیت کے حکم کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف

رائے ہے۔ کچھ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ لفظ ہبہ کے ساتھ عقد نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ قول باری ہے (خالصة لك من دون المومنين)۔

دوسرے حضرات کا قول ہے کہ لفظ ہبہ کے ساتھ عقد نکاح کے مسئلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت یکساں درجے پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت یہ تھی کہ بدل کے بغیر بضع کی باحت کا آپ کے لئے جواز تھا۔

رہی بات مجاہد، سعید بن المسیب اور عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے۔ یہی بات درست ہے اس لئے کہ آیت اور اصول کی اس پر دلالت ہورہی ہے۔ اس پر آیت کی کئی وجوہ سے دلالت ہورہی ہے۔ ایک تو یہ کہ قول باری ہے -وامراة مومنة ان وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستنكحها خالصة لك من دون المومنين، اور اس مسلمان عورت کو بھی جو (بلا عوض) اپنے آپ کو نبی کے حوالے کردے بشرطیکہ نبی بھی اسے نکاح میں لانا چاہیں یہ حکم آپ کے لئے مخصوص ہے، نہ کہ اور مومنین کے لئے) جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتادیا کہ یہ حکم آپ کے لئے مخصوص تھا دوسرے اہل ایمان اس میں شامل نہیں تھے اور اس کے ساتھ ہی ہبہ کی اضافت عورت کی طرف کردی تو اس سے اس بات پر دلالت حاصل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جس بات کی تخصیص تھی وہ بدل کے بغیر بضع کی اباحت کی بات تھی کیونکہ اگر لفظ ہبہ مراد ہوتا تو اس میں آپ کے ساتھ دوسرے افراد شریک نہ ہوسکتے اس لئے کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھی اس میں دوسروں کی شرکت جائز نہیں تھی۔

اس طرح شرکت میں مساوات کی وجہ سے خصوصیت کا مفہوم ختم ہوجاتا اور تخصیص جاتی رہتی جب اللہ تعالیٰ نے ہبہ کے لفظ کی نسبت عورت کی طرف کردی اور فرمایا (وامراة مومنة ان وهبت نفسها للنبي) اور لفظ ہبہ کے ساتھ عقد نکاح جائز کردیا تو اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ تخصیص لفظ کے اندر واقع نہیں ہوئی بلکہ صرف مہر کے اندر واقع ہوئی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بدل کے بغیر تملیک بضع کے جواز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوسروں کی شرکت ہے لیکن اس کے باوجود یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس حکم کی تخصیص کے لئے مانع نہیں بنی اس لئے لفظ میں بھی یہی بات ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا۔ تخصیص صرف اس بات میں کی گئی تھی جو آپ کے حق میں تھی۔ لیکن عقد کے اندر عورت کی طرف سے مہر کا اسقاط اس کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔

اس چیز نے اس سے اس بات سے خارج نہیں کیا کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی اس میں عورت یا کوئی اور آپ کے ساتھ شریک نہ ہو۔ آیت کی دلالت کی دوسری وجہ یہ قول باری ہے (ان ارادا النبي ان يسنكحها) اللہ تعالیٰ نے ہبہ کے ساتھ عقد کو نکاح کا نام دیا اس سے یہ بات ضروری ہوگئی کہ ہر ایک کے لئے ہبہ کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح جائز ہوجائے۔ کیونکہ قول باری ہے -فانكحوا ما طاب لكم من النساء، جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو) نیز جب عقد کی صورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جائز ہوگئی اور دوسری طرف ہمیں آپ کے اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے تو اس سے ہمارے لئے آپ کی طرح عمل کرنا واجب ہوگیا۔

الا یہ کہ کوئی ایسی دلالت ہوجائے جس سے یہ معلوم ہوجائے کہ لفظی طور پر یہ فعل حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا امت اس میں شریک نہیں۔ اسقاط مہر کی جہت سے آیت میں مذکور تخصیص حضور ﷺ کو حاصل ہوگئی تھی اس سے یہ بات ضروری ہوگئی کہ یہ تخصیص صرف اسقاط مہر کے حکم تک محدود رہے اور باقی ماندہ باتوں کو اس پر محمول نہ کیا جائے الا یہ کہ کوئی دلالت قائم ہوجائے جس سے یہ پتہ لگ جائے کہ ان میں سے فلاں بات آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

حضور ﷺ کی خصوصیت مہر کے ساتھ تھی۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل کے حوالے سے سنائی گئی ہے۔ انہیں ان کے والد نے یہ روایت سنائی ہے، انہیں محمد بن بشر نے، انہیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ وہ ان خواتین کو عار دلایا کرتی تھیں جنہوں نے اپنی ذات حضور ﷺ کو ہبہ کردی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا کرتی تھیں کہ انہیں شرم نہیں آئی کہ انہوں نے مہر کے بغیر اپنے آپ کو پیش کردیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجی من تشاء منهن وتووی الیك من تشآء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیك۔ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں، اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا ان میں سے کسی کو پھر طلب کرلیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے یہ کہا: "میں تو یہی دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی مرضی پوری کرنے میں بڑی سرعت دکھا رہا ہے۔

لفظ ہبہ کے ساتھ عقد نکاح کے جواز پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہمیں محمد بن علی بن زید صائغ کے حوالے سے سنائی گئی ہے، انہیں یہ روایت سعید بن منصور نے سنائی ہے۔ انہیں یعقوب بن عبدالرحمن نے، انہیں ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد سے کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کرنے لگی کہ میں اپنی ذات آپ کے لئے ہبہ کرنے کی غرض سے آئی ہوں۔" یہ سن کر آپ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اپنے سر کو جنبش دی۔ یعنی آپ نے گویا انکار کردیا۔ اس موقعہ پر ایک صحابی نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ اگر آپ کو نکاح کی ضرورت نہیں ہے تو اس خاتون کا میرے ساتھ نکاح کرادیجئے۔

راوی نے سلسلہ گفتگو کی روایت کرتے ہوئے کہا کہ اس صحابی نے یہ عرض کیا کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔" جاؤ میں نے اس عورت کو قرآن کی ان سورتوں کے بارے جو تمہیں یاد ہیں تمہاری ملکیت میں دے دیا۔" اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے لفظ تملیک کے ساتھ عقد نکاح کرادیا تھا اور ہبہ کا لفظ بھی تملیک کے الفاظ میں داخل ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہوگیا کہ لفظ ہبہ کے ساتھ بھی عقد نکاح درست ہوجائے۔

نیز یہ کہ جب سنت کے ذریعے تملیک کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح کا ثبوت ہوگیا تو لفظ ہبہ کے ساتھ بھی اس کا ثبوت ہوگیا کیونکہ کسی نے بھی ان دونوں لفظوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ " قرآن کی ان سورتوں کے بدلے جو تمہیں یاد ہیں، میں نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کرادیا۔" اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ ممکن ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ تزویج کے

لفظ کا ذکر کیا ہوا اور پھر لفظ تملیک کا ذکر کیا ہو اور اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہو کہ یہ دونوں لفظ عقد نکاح کے جواز کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

نیز جب عقد نکاح تملیکات کے دوسرے عقود کے ساتھ اس لحاظ سے مشابہ ہے کہ اس میں وقت کے ذکر کے بغیر اسے مطلق رکھا جاتا ہے اور توقیت کی وجہ سے یہ فاسد ہو جاتا ہے تو اس سے ضروری ہو گیا کہ دوسری اشیاء مملوکہ کی طرح لفظ تملیک اور ہبہ کے ذریعہ اس کا بھی انعقاد جائز ہو جائے۔ تملیک کے تمام الفاظ کے اس جواز کے لئے یہی بات بنیاد اور اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

لفظ اباحت کے ساتھ عقد نکاح کا جواز نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ایک اور حکم بھی ہے جس کی موجودگی لفظ اباحت کے ساتھ عقد نکاح کے جواز کو مانع ہے۔ یہ متعہ کا حکم ہے جسے حضور ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ متعہ کے معنی عورت سے جنسی لطف اندوزی کی اباحت کے ہیں۔

اس لئے ہر ایسا لفظ جس میں اباحت کا مفہوم پایا جائے گا متعہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ساتھ عقد نکاح کا انعقاد نہیں ہوگا اور ہر ایسا لفظ جس میں تملیک کا مفہوم پایا جائے گا تملیکات کے تمام عقود پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ساتھ عقد نکاح کا انعقاد ہو جائے گا کیونکہ عقد نکاح تملیکات کے عقود کے ساتھ ان وجوہ کی بنا پر مشابہت رکھتا ہے جن کا ہم نے گزشتہ سطور میں ذکر کیا ہے۔

اس خاتون کے متعلق اختلاف رائے ہے جس نے اپنی ذات کو حضور ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے نیز عکرمہ سے کہ یہ خاتون میمونہ بنت الحارث تھیں۔ علی بن الحسن کا قول ہے کہ یہ ام شریک تھیں جن کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ شعبی سے مروی ہے کہ یہ ایک انصاریہ خاتون تھیں۔ ایک قول کے مطابق یہ زینب بنت خزیمہ انصاریہ تھیں۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

آئسہ اور حاملہ اور باکرہ کی عدت اور ثلاثہ قروء کے نسخ کا بیان

○ وقد نسخ من الثلاثة قروء اثنان {وَالّٰٓئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ} فهذه العجوز قد قعدت من الحيض {وَالّٰٓئِي لَمْ يَحِضْنَ} فهذه البكر التي لم تبلغ الحيض فعدتها ثلاثة أشهر وليس الحيض من أمرهما في شيء.

اور تین قروء کا حکم اس آیت کے تحت منسوخ ہوا۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا۔ (الطلاق، 4)

پس یہ حکم ایسی بوڑھی عورتوں کے بارے میں ہے جن کو حیض نہ آئے۔ لہٰذا وہ ایسی باکرہ کے حکم میں ہیں جن کو حیض نہیں آتا۔ لہٰذا ان کی عدت تین ماہ ہے پس ان کے معاملے میں حیض کا کوئی اعتبار نہیں۔

○ ثم نسخ من الثلاثة قروء الحامل {وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ} فهذه أيضا ليست من

القروء في شيء إنما أجلها أن تضع حملها.

اسی طرح تین حیاض کا حکم حاملہ عورتوں کے بارے میں بھی منسوخ ہوا۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ پس حاملہ عورتوں کے بارے میں بھی حیاض کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

جن بوڑھی عورتوں کو حیض نہیں آتا، ان کی عدت میں شک ہونے کے محامل

جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرما چکا ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: ۲۲۸) (طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔)

اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جن عورتوں کو نابالغہ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہے۔ پھر اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو، اس کے تین محمل ہیں:

۱۔ مجاہد نے کہا: اگر تم کو معلوم نہ ہو جو عورت، حیض سے رک گئی ہے یا جس کا حیض شروع نہیں ہوا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ زہری نے کہا: جو عورت بوڑھی ہے اور اس کو حیض میں شک ہے تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی۔ اگر جوان عورت کو حیض نہ آئے تو دیکھا جائے گا، وہ حاملہ ہے یا غیر حاملہ، اگر متعین ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، نہیں تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ حمل کا معاملہ صاف ہو جائے اور انتظار کی مدت ایک سال ہے۔

۲۔ ابن ابی کعب نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! قرآن مجید میں بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ عورت کی عدت نہیں بیان کی گئی تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

۳۔ عکرمہ نے کہا: اگر عورت کو مہینہ میں بار بار خون آتا ہے اور کئی مہینہ خون آتا رہتا ہے اور اس کو شک ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا، یعنی یہ خون رحم سے آیا ہے یا بیماری کی وجہ سے کسی رگ سے آیا ہے تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔ (جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۰، ۱۷۹، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

نیز فرمایا ہے: اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

بیوہ حاملہ کی عدت میں اختلاف صحابہ

اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے یا اس کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختار یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے، وہ کہتے تھے جو چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر لعان کرنے کے لیے تیار ہوں کہ الطلاق: ٤ جس میں فرمایا: حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، البقرہ: ۲۳٤ کے بعد نازل

ہوئی ہے جس میں فرمایا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور وہ قسم کھا کر فرماتے: النساء القصریٰ (الطلاق) النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے تھے کہ اس کی عدت زیادہ لمبی مدت ہے، یعنی اگر وضع حمل کی مدت چار ماہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے اور اگر چاہ ماہ دس دن کی مدت وضع حمل کے عرصہ سے زیادہ ہو تو پھر وہ اس کی عدت ہے۔ (جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸٤، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

نابالغہ، بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: جس عورت کو کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا بایں طور کہ اس کی عمر نو سال سے کم ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے یا جو عورت بوڑھی ہو اور سن ایاس کو پہنچ چکی ہو، اس کی عدت بھی تین ماہ ہے، یا جو عورت بالغہ ہو چکی ہو اور بار بار حیض آنے کے بعد اس کا طہر دائم ہو اور بوڑھی ہونے تک اس کو دوبارہ حیض نہ آیا اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور مہینوں کا اعتبار چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہوگا۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ٥ ص ۱٤۹، ۱٤٦ ملخصا، دار احیاء التراث العربی، بیرون، ۱٤۱۹ھ)

اور عدت وفات چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے، خواہ وہ عدت طلاق گزار رہی ہو یا عدت وفات۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ٥ ص ۱۵۱، دار حیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علاوءالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: رہی عدت حمل تو اس کی مقدار اتنی ہے جتنی مدت وضع حمل میں رہ گئی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ حتیٰ کہ عدت واجب ہونے کے ایک دن یا ایک گھنٹہ بعد بھی ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ٤) (اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔)

اور کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ اگر میت تختِ غسل پر ہو اور اس کی بیوی کے ہاں ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، پھر لکھتے ہیں:

عمرو بن شعیب ۱؎ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: (شعیب کا پورا نام ہے، محمد بن عبداللہ بن عمر العاص، گویا عمرو بن شعیب اپنے والد محمد بن عبداللہ سے اور محمد بن عبداللہ اپنے دادا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی ص ٤۰۳، در الکتاب العربی، بیروت، ۱٤۲٤ھ)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ٦)

تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آیت مطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے یا بیوہ کی عدت کے بارے میں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کے بارے میں ہے، اور سبیعہ بنت الحارث نے روایت کیا ہے کہ ان کے شوہر کی موت کے بیس اور کچھ دنوں کے بعد ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤۹۰۹، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱٤۸۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹٤)

نیز عدت سے مقصود یہ ہے کہ برأت رحم واضح ہو جائے اور تین حیض گزر جانے سے بھی برأت رحم واضح ہوتی ہے اور وضع حمل سے اس سے بھی زیادہ برأت رحم واضح ہوتی ہے، پس وضع حمل سے عدت کا پورا ہونا مہینوں کی بہ نسبت زیادہ وضح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں عموم ہے۔ (بدائع الصنائع ج ٤ ص ٤٣٢، ٤٣٠ ملخصا، دار الکتب العلیمہ، بیروت، ١٤١٨ھ)

آیسہ اور صغیرہ کی عدت کا بیان

علامہ ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قول باری ہے (واللائی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلثة اشھر و اللائی لم یحضن اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو)

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ اس میں جن عورتوں کا ذکر ہے ان کے لئے شک کے بغیر ایاس ثابت کر دیا جائے اور قول باری (ان ارتبتم) سے ایاس کے متعلق شک مراد لینا درست نہیں ہے کیونکہ جن عورتوں کا ایاس ثابت ہو گیا ہے ان کا حکم آیت کی ابتداء میں اللہ نے ثابت کر دیا ہے۔ اس سے یہ واجب ہو گیا کہ شک کا تعلق ایاس کے سوا کسی اور بات کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ آیت میں مذکور شک کے بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف رائے ہے۔

مطرف نے عمرو بن سالم سے روایت کی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ کتاب اللہ میں نابالغ لڑکیوں، بوڑھی عورتوں نیز حاملہ عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (واللائی یئسن من المحیض من نسآء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثة اشھر واللائی لم یئسن و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن)۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہوا کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ تھا کہ لوگوں کو نابالغ لڑکیوں، بوڑھی عورتوں نیز حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق شک تھا۔ آیت میں شک کا ذکر دراصل اس سبب کے ذکر دراصل اس سبب کے ذکر کے درجے پر ہوا ہے جس کی بنا پر حکم کا نزول ہوا۔ اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوگا "اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر کوئی شک لاحق ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ان کی عدت تین مہینے ہے۔"

جس عورت کا حیض بند ہو جائے اس کے حکم کے متعلق سلف اور ان کے بعد آنے والے فقہاء امصار کی آرا میں اختلاف ہے۔
ابن المسیب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا "جس عورت کو طلاق ہو جائے پھر اسے ایک یا دو حیض آجائیں اور پھر حیض بند ہو جائے تو نو ماہ تک حیض آنے کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر اس دوران حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ نو ماہ کے بعد تین ماہ اور گزارے گی اور پھر عدت سے فارغ ہوگی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس عورت کے متعلق جس کا حیض ایک سال تک بند رہے منقول ہے کہ "اسی کو شک کہتے ہیں۔" معمر نے قتادہ سے، اور انہوں نے عکرمہ سے اس عورت کے متعلق نقل کیا ہے جسے سال میں ایک مرتبہ حیض آتا ہو کہ "اسی کو شک کہتے ہیں اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔"

سفیان نے عمرو سے اور انہوں نے طاؤس سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ ایسی عورت تین حیض گزارے گی۔

امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے اور انہوں نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت کی ہے کہ ان کے دادا احبان کے عقد میں دو عورتیں تھیں، ایک ہاشمیہ تھی اور دوسری انصاریہ۔ انہوں نے انصاریہ کو اس وقت طلاق دی جب وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ ایک سال گزرنے کے بعد حبان کی وفات ہوگئی اور مطلقہ کو حیض نہیں آیا۔

وہ کہنے لگی کہ میں ان کی وارث بنوں گی مجھے حیض نہیں آیا ہے۔ جھگڑا امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے اس کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس فیصلے پر ہاشمیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے غصے کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا" یہ تمہارے چچازاد بھائی (حضرت علی) کا فیصلہ ہے۔ انہوں نے ہی ہمیں یہ مشورہ دیا تھا۔

ابن وہب نے روایت کی ہے کہ یونس نے ابن شہاب زہری سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس روایت میں ابن شہاب نے کہا تھا کہ انصاریہ کو نو ماہ تک حیض نہیں آیا، پھر انہوں نے حبان کی وفات اور وراثت کے جھگڑے کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جھگڑے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کیا۔ دونوں نے یہی مشورہ دیا کہ مطلقہ وارث ہوگی۔ کیونکہ وہ نہ تو ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور نہ ان کنواری لڑکیوں میں سے جنہیں ابھی تک حیض نہیں آیا۔

اسے تو حبان کے پاس تین حیض گزارنے تک رہنا ہوتا خواہ اس کی مدت کم ہوتی یا زیادہ۔ ان دونوں حضرات کے اس قول سے یہ دلالت حاصل ہوتی ہے کہ قول باری عورت کے بارے میں شک پر محمول نہیں ہے بلکہ عورتوں کی عدت کے حکم کے متعلق شک کرنے والوں کے شک پر محمول ہے۔ نیز یہ کہ ایک عورت اس وقت تک آیسہ نہیں ہوتی جب تک وہ ان عورتوں میں سے نہ ہو جو جوانی سے گزری بیٹھی ہوں اور ان کے حیض آنے کی امید ختم ہو چکی ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔ اس بارے میں فقہاء امصار کے مابین بھی اختلاف رائے ہے۔ جس عورت کا حیض بند ہو جائے اور اس کی وجہ یہ نہ ہو کہ نئے سرے سے حیض آنے کے متعلق مایوسی ہو۔

اس کے متعلق ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اس کی عدت کا حساب حیض کے ذریعے ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ اس عمر کو پہنچ جائے جس میں اس کے خاندان کی عورتوں کو حیض نہیں آتا۔ اس صورت میں وہ حیض سے مایوس عورت جیسی عدت گزارے گی یعنی نئے سرے سے عدت کے تین ماہ اور گزارے گی۔

سفیان ثوری، لیث بن سعد اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ ایسی عورت پہلے نو ماہ تک انتظار کرے گی اگر اس دوران اسے حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ کی عدت گزارے گی۔ اگر تین ماہ مکمل کر لینے سے پہلے حیض آجائے تو عدت کا حساب حیض کے ذریعے کرے گی۔

البتہ اگر اس پر نو ماہ گزر جائیں اور اسے حیض نہ آئے تو اس صورت میں وہ اگلے تین ماہ کی عدت گزارے گی جیسا کہ پہلے ذکر

ہوا ہے۔ابن القاسم نے امام مالک کی طرف سے بیان کیا ہے کہ مطلقہ عورت کو اگر حیض آجائے اور پھر اسے شک ہو جائے یعنی اس کا حیض بند ہو جائے تو ایسی صورت میں حیض بند ہونے کے دن سے، نہ کہ طلاق واقع ہونے کے دن سے، نو ماہ کی عدت گزارے گی۔

امام مالک نے قول باری (ان ارتبتم) کے معنی یہ یہاں کیے ہیں کہ "اگر تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس عورت کے معاملہ میں تمہیں کیا کرنا چاہیے۔" اوزاعی کا قول ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی جوان بیوی کو طلاق دے دے پھر اس کا حیض بند ہو جائے اور تین ماہ تک اسے کوئی حیض نہ آئے تو وہ ایک سال کی عدت گزارے گی۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے آیسہ کی عدت تین ماہ مقرر کی ہے۔ظاہر لفظ اس امر کا مقتضی ہے کہ یہ عدت ان عورتوں کے لئے ہو جنہیں حیض سے مایوسی ہو چکی ہو اور اس میں شک وشبہ نہ ہو۔

جس طرح قول باری (واللائی لم یحضن) اس لڑکی کے لئے ہے جس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ اسے حیض نہیں آیا اور جس طرح قول باری (واولات الاحمال اجلهن) اس عورت کے لئے ہے جس کا حمل ثابت ہو چکا ہو، اسی طرح قول باری (واللائی یئسن) اس عورت کے لئے ہے جس کا ایاس ثابت اور متعین ہو چکا ہو، اس عورت کے لئے نہیں جس کے ایاس کے بارے میں شک وشبہ ہو۔

قول باری (ان ارتبتم) کو تین باتوں میں سے ایک پر محمول کیا جا سکتا ہے یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ شک اس بارے میں ہو کہ آیا وہ آیسہ ہے یا آیسہ نہیں ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے میں شک ہو۔ یا آیسہ اور صغیرہ (نابالغ لڑکی) کی عدت کے بارے میں مخاطبین کا شک مراد ہے۔آیت کو پہلی صورت پر محمول کرنا اس بنا پر درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس عورت کی عدت مہینوں کے حساب سے مقرر کر دی اسے آیسہ ثابت کر دیا ہے۔

اب ایسی عورت جس کے ایاس کے متعلق شک ہو وہ آیسہ نہیں ہو سکتی کیونکہ رجاء یعنی امید کے ساتھ ایاس کا اجتماع محال ہے اس لئے کہ یہ دونوں اضداد میں سے ہیں۔یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ حیض سے مایوس عورت کے بارے میں حیض آنے کی امید رکھی جائے۔اس لئے آیت سے ایاس کے بارے میں شک کے معنی لینا غلط ہے۔اسے ایک اور جہت سے دیکھیے۔

سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بڑی عمر کی وہ عورت آیت میں مراد ہے جس کی حیض سے مایوسی یقینی امر ہوتی ہے۔آیت میں مذکور شک تمام مخاطبین کی طرف راجع ہے، اور مذکورہ بالا عورت کے سلسلے میں شک سے مراد اس کی عدت کے بارے میں مخاطبین کا شک ہے اس لئے جس عورت کے ایاس کے متعلق شک ہو اس کے سلسلے میں بھی عدت کے بارے میں شک مراد لینا واجب ہے کیونکہ لفظ کا عموم سب کے بارے میں ہے۔

نیز اگر عورت جوان ہو اور اسے سال میں ایک مرتبہ حیض آنے کی عادت ہو تو ایسی عورت کو اپنے ایاس کے بارے میں کوئی شک نہیں ہوتا بلکہ اس کا حیض والی عورت ہونا یقینی امر ہوتا ہے۔

اس صورت میں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس کی عدت کی مدت ایک سال ہو جبکہ یہ معلوم ہو کہ وہ آیسہ نہیں ہے بلکہ حیض والی عورت ہے۔دو حیضوں کے درمیان مدت کی طوالت اسے حیض والی عورتوں کے دائرے سے خارج نہیں کرتی۔

اس لئے جو شخص ایسی عورت پر مہینوں کے حساب سے عدت واجب کرتا ہے وہ دراصل کتاب اللہ کی مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیض والی عورتوں کی عدت حیض کے حساب سے مقرر کی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء اور طلاق یافتہ عورتیں تین قروء یعنی حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں گی۔ آیت میں یہ فرق نہیں رکھا گیا ہے کہ کسی عورت کی حیض کی مدت طویل ہوتی ہے اور کسی کی قصیر۔

یہاں یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ شک سے مراد حمل سے مایوسی کے بارے میں شک ہے اس لئے کہ حیض سے مایوسی دراصل حمل سے مایوسی کی صورت ہوتی ہے۔ ہم نے دلائل سے ان لوگوں کے قول کا بطلان بھی ثابت کر دیا ہے جن کے نزدیک آیت میں مذکور شک حیض کی طرف راجع ہے۔

اس لئے اب تیسری صورت ہی باقی رہ گئی یعنی قول باری (ان ارتبتم) سے آیسہ اور صغیرہ کی عدت کے بارے میں مخاطبین کا شک مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ انہیں آیسہ اور صغیرہ کی عدت کے بارے میں شک ہوا تھا اور پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا تھا۔

نیز اگر ایاس کے بارے میں شک مراد ہوتا تو اس میں آیت کا خطاب مردوں کو ہونے کی بجائے عورتوں کی طرف ہونا اولیٰ ہوتا کیونکہ حیض کے بارے میں معلومات کا حصول عورت کی جہت سے ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حیض کے بارے میں عورت کے بیان کی تصدیق کی جاتی ہے۔

اس صورت میں آیت میں (ان ارتبتم) کی بجائے۔ ان ارتبتن یا ان ارتبن۔ (اگر تم عورتوں کو شک ہو یا ان عورتوں کو شک ہو) کے الفاظ ہوتے۔ لیکن جب شک کے بارے میں خطاب کا رخ عورتوں کی بجائے مردوں کی طرف ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس سے عدت کے بارے میں مخاطبین کا شک مراد ہے۔

قول باری (واللائی لم یحضن) سے مراد یہ ہے کہ جن عورتوں کو ابھی تک حیض نہیں آیا ان کی عدت کی مدت تین ماہ ہے۔ کیونکہ یہ فقرہ ایسا کلام ہے جسے مستقل بالذات قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے اس کے ساتھ پوشیدہ لفظ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہ پوشیدہ لفظ وہ ہے جس کا ذکر ظاہر لفظ میں گزر چکا ہے یعنی (فعدتھن ثلثة اشھر) دوسرے الفاظ میں ان عورتوں کی عدت کا حساب مہینوں کے ذریعے ہوگا۔

حاملہ عورت کی عدت کا بیان

قول باری ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے)

ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ سلف کے مابین اور ان کے بعد آنے والے اہل علم کے مابین اس مسئلے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ طلاق یافتہ حاملہ عورت کی عدت کی حد یہ ہے کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ البتہ ایسی حاملہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اس کی عدت کی مدت کے بارے میں سلف کے مابین اختلاف رائے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ دونوں مدتوں میں سے جو زیادہ طویل ہوگی وہ اس کی عدت کی مدت ہوگی۔ ایک مدت تو وضع حمل ہے اور دوسری مدت چار مہینے دس دن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ البدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اس کی مدت کی حد وضع حمل ہے۔ جب وضع حمل ہو جائے گا تو اس کے لئے کسی سے نکاح کر لینا جائز ہوگا۔ فقہاء امصار کا بھی یہی قول ہے۔

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ ابراہیم نے علقمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ اس امر پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ قول باری (واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن) کا نزول اس آیت کے بعد ہوا ہے جس میں بیوہ ہو جانے والی عورت کی عدت کی مدت بیان ہوئی ہے۔

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول دو معنوں کو متضمن ہے۔ ایک تو درج بالا آیت کے نزول کی تاریخ کا اثبات نیز یہ کہ اس کا نزول بیوہ ہو جانے والی عورت کے لئے عدت کے مہینوں کے ذکر کے بعد ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ درج بالا آیت اپنی ذات کے لحاظ سے اس حکم کو بیان کرنے میں خود کفیل ہے جو اس کے عموم کے اندر پایا جاتا ہے، اور اسے ماقبل کی آیت کے ساتھ جس میں مطلقہ عورت کا ذکر ہے جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس بنا پر تمام طلاق یافتہ اور بیوہ ہو جانے والی عورتوں میں جبکہ وہ حاملہ ہوں عدت کے لئے وضع حمل کا اعتبار واجب ہوگا اور وضع حمل کے حکم کو صرف طلاق یافتہ عورتوں تک محدود نہیں رکھا جائے گا کیونکہ اس میں دلالت کے بغیر عموم کی تخصیص لازم آئے گی۔

آیت زیر بحث میں بیوہ ہو جانے والی عورت جبکہ حاملہ ہو داخل اور مراد ہے اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ اگر اس کی بیوگی کی عدت کے مہینے گزر جائیں لیکن وضع حمل نہ ہوا ہو تو سب کے نزدیک اس کی عدت نہیں گزرے گی بلکہ وضع حمل تک یہ عدت میں رہے گی۔

اگر مہینوں کے اعتبار کا اس بنا پر جواز ہوتا کہ اس کا دوسری آیت میں ذکر ہے تو پھر طلاق یافتہ عورت کے سلسلے میں حمل کے ساتھ حیض کا بھی اعتبار کرنا جائز ہوتا کیونکہ قول باری (والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء) میں اس کا ذکر ہے۔

اب جبکہ حمل کے ساتھ حیض کا اعتبار نہیں ہوتا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حمل کے ساتھ مہینوں کا اعتبار بھی نہیں ہوگا۔ منصور نے ابراہیم سے، انہوں نے اسود سے، انہوں نے ابوالسائل بن بعکک سے روایت کی ہے کہ سبیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت الحارث نے اپنے شوہر کی وفات کے تیئیس دن بعد بچے کو جنم دیا اور نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔

اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا تو آپ نے فرمایا ان تعفل قد خلا اجلھا، اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کر سکتی ہے کیونکہ اس کی عدت کی مدت گزر گئی ہے) یحییٰ بن ابی کثیر نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کی ہے کہ اس واقعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیج کر سبیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے بارے میں دریافت کروایا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ شوہر کی وفات کے چند دنوں بعد سبیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نکاح کر لینے کی اجازت دے دی تھی۔

محمد بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم التیمی، انہوں نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے سبیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ ان کے ہاں اپنے شوہر کی وفات کے دو ماہ بعد بچے کی پیدائش ہو گئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نکاح کر لینے کی اجازت دے دی تھی۔

ہمارے اصحاب نے نابالغ لڑکے کی بیوی کی عدت وضع حمل ہی رکھی ہے جب اسے حمل ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے کیونکہ قول باری ہے (واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن) آیت میں بالغ اور نابالغ کی بیویوں کے درمیان نیز نسب کے ساتھ ملحق ہونے والے اور ملحق نہ ہونے والے نوزائیدہ بچوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ (احکام القرآن ،جصاص، بیروت)

عدت میں حق رجوع اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ} أي في القروء الثلاثة۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی تین حیاض جو عدت کے اس کے اندر حق رجوع حاصل ہے۔

خاوند کیلئے حق رجوع میں زیادہ حق ہونے کا بیان

بُعُوْلَتُهُنَّ (اور ان کے خاوند) بعول، بعل کی جمع ہے اور ۃ اس میں جمع کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ عمومۃ میں اور اصل میں بعل کے معنی مالک اور سردار کے ہیں خاوند کا نام اس لیے بعل رکھ دیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنی بیوی کا کار مختار ہوتا ہے اور ھن کی ضمیر رجعی طلاق والی عورتوں کی طرف ہے اور اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ جیسا کہ اگر ظاہر کو مکرر کر کے دوبارہ اس کی تخصیص کرتے یا بعولۃ مصدر ہے۔ مضاف محذوف کے قائم مقام ہے یعنی اهل بعولتهن۔

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (ان کو (اپنی زوجیت میں) واپس لینے کے حق دار ہیں) یعنی نکاح کی طرف رجعت کرنے کے ساتھ خواہ عورت رضامند ہو یا نہ ہو اور افعل یہاں بمعنی فاعل ہے یعنی حقیق۔

فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (اس (انتظار کرنے کے زمانہ) میں اگر انہیں (اس رجعت سے) اصلاح منظور ہو) نہ کہ عورت کو ستانا جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ کرتے تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا اور جب اس کی عدت پوری ہونے کو ہوتی تھی تو پھر رجعت کر لیتا تھا بعد اس کے پھر طلاق دے دیتا تھا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ رجعت کے لیے اصلاح کا قصد شرط ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے ستانے ہی کے قصد سے رجعت کی تو بھی رجعت نہ ہو گی۔ بلکہ یہ ستانے سے منع کرنے اور اصلاح (کا قصد کرنے) کی رغبت دلانے کی لیے ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر انہیں اصلاح کرنی منظور ہو تو رجعت کرنے میں

کوئی گناہ نہیں ہے۔رجعی طلاق سے رجعت کرنے پر سب کا اتفاق ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس عدت میں وطی کرنا بھی جائز ہے یا نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد کا قول اظہر روایت میں یہ ہے کہ جائز ہے اور دوسری روایت میں ان کا قول بھی امام شافعی کے قول کے موافق ہے کہ جائز نہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاطع یعنی طلاق ہونے کی وجہ سے زوجیت کا علاقہ بالکل جاتا رہا۔

ہم کہتے ہیں کہ طلاق کا عمل عدت پوری ہونے تک بالاتفاق نہیں ہوتا کیون کہ دونوں (میاں بیوی) میں میراث جاری ہوتی ہے اور عورت کی رضامندی بغیر رجعت جائز اور اس کا نان نفقہ واجب ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ (عدت میں) نکاح قائم رہتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا قول و بعھولتھن بھی دلالت کرتا ہے وہ کہتے ہیں بعل کا اطلاق تو ہوسکتا ہے کہ باعتبار گذشتہ زمانہ کے ہو اور رد کا لفظ نکاح نہ رہنے پر دلالت کرتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بعل کے مجازی معنی رد کے مجازی معنی لینے سے بہتر نہیں ہیں کیونکہ اس طرح بولا جاتا ہے ردّ البیع فی البیع اس سے بالغ کے لیے اختیار ثابت ہوجاتا ہے اس کے علاوہ جب اس آیت میں لفظ بعل اور لفظ رد کے مجازی معنی مراد لینے میں تعارض ہوا تو ان دونوں کا اعتبار کرنا ساقط ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کا قول: فامساک بمعروف اور امسکوھن بمعروف سالم رہا کیونکہ امساک (نکاح کے) باقی رہنے پر دلالت کرتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ رد کو پہلی حالت کی طرف رد کرنے پر محمول کرلیا جائے اور وہ حالت عورت کی اس طرح ہوتی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد وہ حرام نہ ہو پس اس وقت کوئی اشکال نہ ہوگا اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ رجعت میں (عورت سے) کہنا شرط ہے یا نہیں۔امام شافعی کا قول یہ ہے کہ بلا عورت سے کہے رجعت نہ ہوگی ان کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ رجعت ان کے نزدیک بمنزلہ نئے سرے سے نکاح کرنے کے ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ جب خاوند نے اس سے صحبت کرلی یا اس کا بوسہ لے لیا یا شہوت سے اسے ہاتھ لگایا یا شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا تو ان سب سے رجعت ہوجائے گی جیسے کہ کہنے سے رجعت ہوتی ہے ان کے اس قول کی وجہ وہی ہے جو پہلے ہم بیان کرچکے ہیں کہ ان دونوں کے نزدیک رجعت بمنزلہ جدید نکاح کے نہیں ہے بلکہ وہ پہلے ہی نکاح کو باقی رکھنے کے لیے ہے۔لہٰذا اس میں ایسا فعل کافی ہے جو اس کے باقی رکھنے پر دلالت کرے جیسا کہ خیار ساقط کرنے میں اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مشہور روایت میں یہ ہے کہ اگر صحبت کرنے سے رجعت کی نیت کرلی ہے تو رجعت ہوجائے گی ورنہ نہ ہوگی اس میں بھی اختلاف ہے کہ رجعت پر گواہ کرنے شرط ہیں یا نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شرط ہے اور یہی ایک قول امام شافعی سے بھی مروی ہے اس قول کی بنا ایک آیت پر ہے جو سورۃ طلاق میں ہے: واشھدو ذوی عدل منکم (کہ تم اپنے میں سے دو منصف گواہ کرلیا کرو) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام مالک فرماتے ہیں اور ایک صحیح قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔

اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی مذہب یہی ہے کہ یہ شرط نہیں ہے اور آیت میں امر استحباب پر محمول ہے کیونکہ اگر (

رجعت پر) گواہ کرنا واجب ہے تو طلاق پر بھی کرنا واجب ہوگا کیونکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے قول: فارقوھن بمعروف کے ساتھ ہی ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور اگر وہاں بھی واجب ہے تو بالاستقلال واجب ہوگا اور فقط رجعت کے لیے شرط نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول: فامسکوھن بمعروف اور سرحوھن بمعروف عام ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کے حق میں حق رجوع کے منسوخ ہونے کا بیان

فنسخ منها المطلقة ثلاثا قال الله عز وجل: {فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ}.

جبکہ یہ رجوع مطلقہ ثلاثہ کے حق میں منسوخ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلیے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں۔ (البقرہ، 230)

بیک وقت دی گئی طلاقوں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل:

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقوں کے بعد بھی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان طلاقوں سے رجوع کر لے اور چاہے تو رجوع نہ کرے لیکن:

(آیت) "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره"۔ (البقرہ: ۲۳)

ترجمہ: پس اگر اس نے اس کو ایک اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے۔

اس آیت سے پہلے "الطلاق مرتان" کا ذکر ہے یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ دی جاسکتی ہے، اس کے بعد "فان طلقها" فرمایا: اس کے شروع میں حرف "فا" ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد خاوند نے اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے، اس آیت میں اگر حرف "ثم" یا اس قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو علی التعیین یہ کہا جاسکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی، لیکن قرآن مجید میں "ثم" کی بجائے، "فا" کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید نے "الطلاق مرتان" فرمایا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق دی جائے اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد فوراً اگر تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی

اس پر حرام ہو جائے گی اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا: میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ غیر مقلدوں کے مشہور' مستند اور ان کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ آیت بیک وقت دی گئی تین طلاقوں اور الگ الگ دی گئی طلاقوں دونوں پر صادق آتی ہے اور اس آیت کو بغیر کسی نص کے طلاق کی بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ' ۱۳۵۲ھ)

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی جمہور فقہاء اسلام کا استدلال ہے:

(آیت) "اذا نکحتم المؤمنت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا"۔ (الاحزاب: ۴۹)

ترجمہ: جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو' پھر ان کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو' تو ان پر تمہارے لیے کوئی عدت نہیں جس کو تم گنو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے اور طلاق دینے کو اس سے عام رکھا ہے کہ بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں یا الگ الگ طلاقیں دی جائیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق اور عام رکھا ہو اس کو اخبار آحاد اور احادیث صحیحہ سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ماوشما کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اس کو مقید کیا جا سکے۔

قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات:

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے: دوسری آیت اور سنت نبوی ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے' اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا ہے' نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاق دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں۔ (دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۴' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بیک وقت اجتماعی طور پر دی گئی تین طلاقین ایک ہوں گی جس کو اس آیت کے عموم کی تخصیص پر قرینہ بنایا جا سکے نہ کسی حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا موجب ہے اور بدعت اور گناہ ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے' اور سنت طریقہ الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دینا ہے لیکن اس میں گفتگو نہیں ہے' گفتگو اس میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خلاف سنت طریقہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو آیا وہ نافذ ہوں گی یا نہیں! البتہ بکثرت احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جائیں گی' جیسا کہ عنقریب واضح ہو گا۔ غیر مقلدوں کے امام ثانی ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عموم ہے اور تین دو اور ایک طلاق دینے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

(المحلی ج ۱۰ ص ۱۷۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ' ۱۳۵۲ھ)

جمہور فقہاء اسلام نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

(آیت)۔للمطلقت متاع بالمعروف۔ (البقرہ:۲۴۱)

ترجمہ: مطلقہ عورتوں کو رواج کے مطابق متاع (کپڑوں کا جوڑا) دینا چاہیے۔

شیخ ابن حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو عام رکھا ہے خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ ہو یا دو سے یا تین سے اور ان میں سے کسی کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا۔ (المحلی ج۱۰ص۱۷۰ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ'۱۳۵۲ھ)

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کو متعہ (کپڑوں کا جوڑا) دینے کی ہدایت کی ہے خواہ وہ عورتیں تین طلاقوں سے مطلقہ ہوں یا دو طلاقوں سے مطلقہ ہوں یا ایک سے اور کسی ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ کی تخصیص نہیں فرمائی' یہی چیز شیخ ابن حزم نے بیان کی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے عموم اور اطلاق کی اور بھی آیات ہیں۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ بتلایئے کہ ایک شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے تو اس کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن مجید میں لعان کا مسئلہ ذکر فرمایا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا' حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے میرے سامنے مسجد میں لعان کیا' جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو اس شخص نے کہا: اب اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں خود جھوٹا ہوں' پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے پہلے لعان سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' اور نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی' آپ نے فرمایا: سب لعان کرنے والوں کے درمیان یہ تفریق ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں: اس کے بعد یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ سب لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ (صحیح بخاری ج۲ص۸۰۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی'۱۳۸۱ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی کی "شرح مسلم" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اس نے اس لیے تین طلاقیں دی تھیں کہ اس کا گمان یہ تھا کہ لعان سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی تو اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں۔ (فتح الباری ج۹ص۴۵۱ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور'۱۴۰۱ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور مقرر تھی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے' اسی وجہ سے اس شخص نے اپنی بیوی سے تفریق اور تحریم کے لیے نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کو تین طلاقیں دیں' اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو اس صحابی کا یہ فعل عبث ہوتا اور نبی کریم ﷺ اسے فرماتے: بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری مفارقت نہیں ہو گی۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:

حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کیا درآں حالیکہ میں بھی لوگوں کے ساتھ تھا۔ حضرت عویمر نے کہا: یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں پھر حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

(صحیح بخاری ج ٤ ص، ۸۰۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱ (امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۱ ص ٤۸۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے ۲ (امام عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور محمد بن ابی صفرہ مالکی نے کہا ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر نفس لعان سے تفریق ہوتی تو حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے اور شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا مباح ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ٤۸۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے یہ بات بہرحال واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور متفق علیہ تھی کہ تین طلاقوں سے تفریق اور تحریم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد رجوع جائز نہیں ہے ورنہ حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تفریق کے قصد سے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں نہ دیتے۔

اس واقعہ میں "سنن ابوداؤد" کی درج ذیل حدیث نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص، ۳۰٦ مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور ۱٤۰۵ھ)

اس حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد کسی انصاف پسند شخص کے لیے اس مسئلہ میں تردد کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت عویمر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات:

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث سے جمہور فقہاء اسلام کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے لیکن کیا اس حدیث سے

استدلال درست ہے تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے' خود ابوبکر الجصاص اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (دعوت فکر ونظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۵ 'مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

پیر محمد کرم شاہ صاحب کا یہ استدلال سخت حیرت کا باعث ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تین طلاقیں اگر بیک وقت دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں' علامہ ابوبکر جصاص اور علامہ سرخسی نے اس استدلال کا رد نہیں کیا' بلکہ یہ کہا ہے کہ احناف کے نزدیک بیک وقت تین طلاقین دینا گناہ ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین طلاقیں دینے پر انکار فرماتے اور آپ کا انکار نہ فرمانا بیک وقت تین طلاقوں کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ ابوبکر الجصاص اور علامہ سرخسی نے ان کے اس استدلال کا رد فرمایا ہے۔ اب ہم پہلے علامہ ابوبکر الجصاص کی اصل عبارت ذکر کرتے ہیں

علامہ ابوبکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا کہ جب شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقیں بیک وقت دینے سے منع فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے۔ (علامہ جصاص فرماتے ہیں) اس حدیث سے امام شافعی کا استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لعان سے پہلے خاوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور عورت اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد طلاق لاحق نہیں ہوتی' اور جب طلاق واقع ہوئی نہ اس کا حکم ثابت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کیسے انکار فرماتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ تمہارے یعنی احناف کے مذہب پر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ طلاق دینے کا طریقہ اور وقت مقرر کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو اور ایک طہر میں تین طلاقوں کو جمع کرنے کی ممانعت سے پہلے انہوں نے تین طلاقیں دی ہوں۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۴ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ جصاص کی بحث اس بات میں ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ممنوع ہے یا مباح ہے اس میں بحث نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین۔

اب ہم آپ کے سامنے علامہ سرخسی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں' علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تین طلاقوں کے جمع کا بدعت ہونا اور ان کو الگ الگ دینے کا سنت ہونا' میں نہیں جانتا' بلکہ سب طرق طلاق دینا مباح ہے اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو جمع کر کے دینا سنت ہے حتیٰ کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم کو سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کر لے تو تینوں اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ الفاظ کے برخلاف نیت کرنا باطل ہے۔ امام شافعی نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سے استدلال کیا ہے' جب حضرت عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کر لیا تو کہا: یا رسول اللہ! میں نے اگر اب اس عورت کو رکھ لیا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا' اس کو تین طلاقیں۔ (المبسوط ج ٦ ص ٤ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ

الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

اس کے بعد علامہ سرخسی نے امام شافعی کے اور بھی دلائل ذکر کیے ہیں اور اخر میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اور احناف کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا' انہوں نے پوچھا: یہ بتلائیے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دوں تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں' تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تین طلاق دینا گناہ ہے (یہی احناف کی دلیل ہے۔ سعید غفرلہ) ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ نے حضرت عویمر عجلانی کو تین طلاقیں دینے سے اس وجہ سے نہیں روکا تھا کہ وہ اس وقت سخت غصہ میں تھے اور آپ کو علم تھا کہ اس وقت وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے اور اس وجہ سے کافر ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے ازروئے شفقت انکار کو کسی اور وقت کے لیے مؤخر کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جاؤ تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے تو یہی آپ کا انکار تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو بیک وقت دینا اس وقت مکروہ ہے جب وہ بلا ضرورت ہوں اور ان کی تلافی اور تدارک ممکن ہو' اور حضرت عویمر عجلانی کے حق میں یہ وجہ متحقق نہیں تھی' کیونکہ جو میاں بیوی آپس میں لعان کرنے پر مصر ہوں ان کی طلاق کا تدارک نہیں ہو سکتا اور حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعان کرنے پر مصر تھے۔ (المبسوط ج ٦ ص ٦۔ ٥' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

دیکھئے شمس الائمہ سرخسی کیا فرما رہے ہیں: اور پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری ان کے حوالے سے کیا سمجھا رہے ہیں؟ فیا للاسف۔

صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کا جواب:

امام بخاری "باب من اجاز الطلاق الثلاث" جس نے بیک وقت تین طلاقوں کو جائز قرار دیا" کے باب میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' اس عورت نے کہیں اور شادی کر لی' اس نے بھی طلاق دے دی' پھر نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیا یہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' جب تک کہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس کی مٹھاس نہ چکھ لے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ٤٦٣' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے اس کو تین طلاقیں مجموعی طور پر (ایک مجلس میں) دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲٦۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ

المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث کی باب سے مطابقت بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۷ مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱٤٠١ھ)

صحیح بخاری ومسلم کی اس حدیث سے بھی واضح ہوگیا کہ بیک وقت تین طلاقوں کے بعد تحریم ہوجاتی ہے اور رجوع جائز نہیں رہتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیک وقت تین طلاقیں دی جانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس شوہر پر حلال نہیں ہے' اور یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ بیک وقت تین طلاقوں کے بعد رجوع کا ناجائز ہونا' رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہے۔ بیک وقت تین طلاقوں کی تحریم میں یہ حدیث بھی بالکل واضح ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث سے جمہور کے استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں تھیں بلکہ "طلق ثلاثا" کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں' اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔(دعوت فکر ونظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲٦' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

جمہور فقہاء اسلام کا اس حدیث سے استدلال بالکل درست ہے اور طلق ثلاثا کا یہی معنی ہے کہ اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں۔ پیر صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ اس کا مطلب ہے: اس نے تین بار طلاقیں دیں اس کے لیے "طلق ثلاثا" کی جگہ "طلق ثلث مرات" کا لفظ ہونا چاہیے تھے اور اس سے بھی پیر صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین بار طلاق دی جائے تو وہ بھی ان کے نزدیک ایک طلاق ہوتی ہے۔ پیر صاحب کا مدعا تب ثابت ہوتا جب حدیث کے الفاظ یوں ہوتے: "طلق ثلاث تطلیقات فی ثلاثۃ اطہار' تین طہروں میں تین طلاقیں دیں" لیکن بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے: "طلق ثلاثا" یعنی انہوں نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور اس سے جمہور فقہاء اسلام ہی کا مدعا ثابت ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے جمہور کا استدلال بالکل درست ہے۔

سوید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق:

امام بیہقی روایت کرتے ہیں: سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ' حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں ج' جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا: آپ کو خلافت مبارک ہو' حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو' تم کو تین طلاقیں دیں' اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی' حتی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی' حضرت حسن نے اس کو طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا' جب اس کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے' جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا: اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرا نانا سے سنا ہے: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک

حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۶ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

یہ حدیث انتہائی واضح اور صریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔

امام دار قطنی نے بھی اس حدیث کو سوید بن غفلہ سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ٤ ص ۳۱ ۔ ۳۰ مطبوعہ نشر السنۃ 'ملتان)

امام الہیثمی نے بھی اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے سوید بن غفلہ اور ابو اسحاق سے روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص ۳۳۹ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱٤۰۲ھ)

غیر مقلدوں کے عالم شیخ شمس الحق عظیم آبادی' امام دار قطنی کی بیان کردہ اس حدیث کی پہلی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں عمرو بن قیس رازی ارزق ہے' یہ راوی بہت سچا ہے لیکن اس کے ادہام میں' امام ابوداؤد نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی حدیث میں خطاء ہے اور اس کی سند میں سلمہ بن فضل قاضی رہے ہے۔ ابن راھویہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاری نے کہا: اس کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں' ابن معین نے کہا: یہ تشیع کرتا تھا میں نے اس کی احادیث لکھی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' ابو حاتم نے کہا: اس کی احادیث سے استدلال نہیں ہوتا۔ ابوزرعہ نے کہا کہ رے کے لوگ اس کی غلط رائے اور ظلم کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے (التعلیق المغنی علی دار قطنی ج ٤ ص ۳۰ 'مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

شیخ عظیم آبادی نے اس حدیث کے دو راویوں کے بارے میں صرف جرح کے اقوال نقل کر دیئے ہیں' حالانکہ ان دونوں کی زیادہ تعدیل کی گئی ہے' حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: عمر ابن حجر لکھتے ہیں: عمرو بن قیس رازی ازرق سے' امام بخاری نے تعالیق میں روایت کی ہے' امام ترمذی' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان کی روایات کو ذکر کیا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے رے کے لوگ امام ابوسفیان ثوری کے پاس گئے اور ان سے احادیث سننے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے پاس عمرو بن ابی قیس نہیں ہیں؟ امام ابوداؤد نے ایک جگہ کہا کہ ان کی حدیث میں خطاء ہوتی ہے اور دوسری جگہ فرمایا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبان اور ابن شاہین نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا: ان سے روایت کیا میں کوئی حرج نہیں ہے' ہاں ان سے حدیث میں کچھ وہم بھی ہے۔ امام بزار نے فرمایا: یہ مستقیم الحدیث ہیں' یعنی ان کی روایت صحیح ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۹۵ ۔ ۹٤ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند)

اس حدیث کی سند کے دوسرے راوی پر شیخ عظیم آبادی نے جرح کی ہے' وہ ہیں سلمہ بن فضل قاضی رے (طہران) حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: امام ابن معین ان کو ایک روایت میں ثقہ اور ایک میں "لیس بہ باس" کہتے ہیں ابن سعد ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں' محدث ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیث میں غرائب و افراد تو ہیں' لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث نہیں دیکھی جو حد انکار تک پہنچتی ہو' ان کی احادیث متقارب اور قابل برداشت ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں "یخطی ویخالف" امام ابوداؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: میں ان کے بارے میں سوائے خیر

کے اور کچھ نہیں جانتا۔ (تہذیب التہذیب ج ٤ ص ١٥٤-١٥٣ ' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف ' ہند' ١٣٢٥ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی سند کے دوراویوں عمرو بن ابی قیس رازی اور سلمہ بن فضل قاضی رے (طہران) کے بارے میں جوائمہ حدیث کی آراء پیش کی ہیں ان میں ان کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے اوران کے حفظ اور اتقان کی توثیق' اور حافظ الہیثمی اس حدیث کی سن کے راویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کے راویوں میں کچھ ضعف ہے لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص ٣٤٠-٣٣٩ ' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ١٤٠٢ھ)

حافظ نورالدین الہیثمی کا علم رجال میں بہت اونچا مقام ہے' اور جب انہوں نے یہ تصریح کردی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو ایک انصاف پسند شخص کو اس کی سند میں تردد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے' دو سندوں سے امام دارقطنی نے روایت کیا ہے' دو سندوں سے امام طبرانی نے روایت کیا ہے' امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سوید بن غفلہ سے اس کو عمرو بن شمر اور ابراہیم بن عبدالاعلی نے بھی روایت کیا ہے' اس طرح اس حدیث کی سات اسانید کا بیان آگیا ہے جس سے اس حدیث کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔١ (پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس حدیث کو بیہقی کی ایک سند کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس سند پر جرح کی ہے جب کہ ہم نے "سنن دارقطنی" کی ایک روایت کی سند کی صحت کو ثابت کیا ہے اور اس کی سند کی جرح کا جواب دیا ہے اور "مجمع الزوائد" سے اس کی توثیق کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب:

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث بھی بہت واضح اور صریح ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

محمود بن لبید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں۔ آپ غصہ سے کھڑے ہوگئے اور فرمایا: میرے سامنے کتاب اللہ کو کھیل بنایا جا رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کردوں۔ (سنن نسائی ج ٢ ص ١٨١ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اگر بیک وقت دی گئی طلاقوں کے نافذ ہونے کا عہد رسالت میں معمول نہ ہوتا اور تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے کا معمول ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر ناراض کیوں ہوئے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایک طلاق تو سنت ہے اور اگر بیک وقت دی گئی طلاقیں بھی ایک طلاق کے مترادف ہیں تو وہ حکماً سنت قرار پائیں گی اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غضب اور ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت اور گناہ ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ناراض نہ ہوتے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضور کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تین طلاقیں ایک بار دی تھیں اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ایسا کرنا حکم الٰہی کے سراسر خلاف ہے (دعوت فکر ونظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص

۲۳۱ 'مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

یقیناً خلاف ہے اور یہ احناف کا مذہب ہے' اسی لیے وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ کہتے ہیں لیکن پیر صاحب کا مدعا یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے ایک طلاق ہوتی ہے اور وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے برخلاف جمہور فقہاء اسلام کا موقف ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

حافظ الہیثمی روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی' پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے' اس میں علی بن سعید ایک راوی ہے۔ دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے اس کو عظیم قرار دیا اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص' ٣٣٦ مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ١٤٠٢ھ)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کی فنی حیثیت بھی متعین کر دی ہے کہ امام دارقطنی نے اس کے ایک راوی علی بن سعید رازی کی ثقاہت سے اختلاف کیا ہے اور اس حدیث کے باقی تمام راویوں کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور امام دارقطنی کے اختلاف سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ فعل گناہ ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین:

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ واقع ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ (المصنف ج ٦ ص ٣٩٥ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ٤٧٦ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے (طنزاً) فرمایا: یا ابا عباس پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے طلاق دیتا ہے' پھر کہتا ہے: اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ٦ ص ٣٩٧ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام

ہوگئی۔(المصنف ج ٥ ص ١١ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کردیتے تھے۔(المصنف ج ٥ ص ١١ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

زہری کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دے دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی۔(المصنف ج ٥ ص ١١ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

شعبی سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہے؟ اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں دے دے۔(المصنف ج ٥ ص ١٢ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں ؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے اس کی بیوی حرام ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔(المصنف ج ٥ ص ١٢ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

حبیب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر ایک شخص کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں' آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدی ہوگئی' باقی طلاقیں اپنی بیویوں میں تقسیم کردو۔(المصنف ج ٥ ص ١٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

معاویہ بن ابی یحیٰی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی اور باقی ستانوں طلاقیں' حد سے تجاوز ہیں۔(المصنف ج ٥ ص ١٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔آپ نے فرمایا: تین طلاقوں نے اس پر اس کی بیوی کو حرام کردیا اور ستانوں طلاقیں زائد ہیں۔(المصنف ج ٥ ص ١٤۔١٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

شعبی کہتے ہیں کہ شریح سے کسی نے پوچھا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہوگئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔(المصنف ج ٥ ص ١٤ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

حسن بصری سے ایک شخص نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔(المصنف ج ٥ ص ١٤ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی

بیوی کو تین طلاقیں دے دی۔ آپ نے فرمایا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک دوسرا شوہر اس سے مقاربت نہ کرلے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تینوں پر فتویٰ دیتے تھے کہ جس شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

مذکور الصدر تینوں روایات میں غیر مدخولہ پر جن تین طلاقوں کے واقع کرنے کا حکم کیا گیا ہے اس سے مراد بیک وقت دی گئی لفظ واحد سے تین طلاقیں ہیں کیونکہ اگر الفاظ متعددہ سے تین طلاقیں دی جائیں تو پہلی طلاق سے غیر مدخولہ عورت بائنہ ہوجاتی ہے اور بقیہ طلاقوں کا محل نہیں رہتی اور وہ طلاقیں لغو ہوجاتی ہیں۔ حسب ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص دخول سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اور اگر اس نے متفرق الفاظ سے یہ طلاقیں دی ہیں تو عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہوجائے گی۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

ہم نے مذکور الصدر روایات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسے گیارہ جلیل القدر فقہاء صحابہ اور امہات المؤمنین کے فتاوی اور تصریحات پیش کی ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور فقہاء تابعین میں سے ابن شہاب زہری، شعبی، شریح، حسن بصری اور ابراہیم نخعی کے فتاوی پیش کیے ہیں، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت کے بعد جمہور فقہاء اسلام کا مؤقف انہی نفوس قدسیہ کی اتباع پر مبنی ہے۔

وارث کیلئے وصیت کے منسوخ ہونے کا بیان

وصیت وارث اور نسخ حکم کا بیان

وعن قوله عز وجل: { كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ } 4 والخير المال كأن يقال ألف فمافوق ذلك فأمر أن يوصي لوالديه وأقربيه.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو موت آئے (سو) اگر اس نے مال چھوڑا ہے (تو) اس پر ماں باپ اور رشتہ

داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے‘ یہ پرہیزگاروں پر حق ہے۔(البقرہ،180) بہترین مال وہ جس کو ایک ہزار سے زائد کہا جاتا ہے پس حکم دیا گیا کہ وصیت کرنے والا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کیلئے وصیت کرے۔

وصیت کے حکم حوجوب اور منسوخ کا بیان

ارشاد باری ہے: کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ن الوصیة للوالدین والا قربین بالمعروف حقا علی المتقین (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر)

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ سلف سے مروی روایات میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قول باری: خیراً سے مال مراد ہے، البتہ جس مال میں اللہ تعالیٰ نے وصیت واجب کی ہے اس کی مقدار کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ یاد رہے کہ ایسا وقت بھی گزرا ہے جس وصیت فرض تھی۔ کیونکہ قول باری: کتب علیکم کے معنی ہیں، تم پر فرض کر دیا گیا جس طرح یہ قول ہے: کتب علیکم الصیام (تم پر روزے فرض کر دیئے گئے) نیز: ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موتوتا (نماز در حقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کر دیا گیا) حضرت علی سے مروی ہے کہ وہ اپنے ایک بیمار آزاد شدہ غلام کے پاس عیادت کے لیے گئے۔ اس کے پاس چھ یا سات سو درہم تھے، اس نے پوچھا کہ میں اس کی وصیت نہ کر جاؤں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: ان ترک خیراً اور تمہارے پاس کثیر مال نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ چار ہزار درہم اور اس سے کم رقم نفقہ ہے یعنی انہیں روزمرہ کے اخراجات پر خرچ کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ آٹھ سو درہموں میں کوئی وصیت نہیں۔ ایک عورت ک اپن مال میں وصیت کا ارادہ کیا۔ اس کے خاندان والوں نے اسے اس بات سے روکا اور کہا کہ اس کی اولا ہے اور اس کا تھوڑا سا مال ہے۔ جب یہ معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ عورت کے کتنے بچے ہیں؟ جواب ملا کہ چار بچے ہیں۔ پھر پوچھا کہ اس کے پاس کتنا مال ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ تین ہزار درہم۔ یہ سب کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس ملا میں کوئی کثرت نہیں ہے۔

ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ پانچ سو سے لے کر ہزار درہم تک ہمام نے قتادہ سے قول باری: ان ترک خیراً کی تفسیر میں روایت بیان کی ہے کہ: کہا جاتا تھا کہ بہترین مال ایک ہزار اور اس سے زائد درہم ہے، زہری نے کہا ہے کہ: اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر مال کے اسم کا اطلاق کیا جا سکے خواہ وہ تھوڑا ہو زیادہ۔ مذکورہ بالا تمام حضرات نے مال کی مقدار کی تفسیر استحباب کے طور پر کی ہے، مذکورہ مقداروں کے ایجاب کے طور پر نہیں کی۔

ان حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لے کر ان مقادیر کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے مال کو خیر کی صفت لاحق ہونے کے سلسلے میں اجتہاد سے کام لیا ہے۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک درہم چھوڑ جائے تو عرف میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے خیر چھوڑا ہے۔ جب مال کو خیر کا نام دینا عرف اور عادت پر موقوف ہے۔ اس بارے میں اندازہ لگانے کا طریقہ اجتہاد اور

غالب ظن ہے، جبکہ یہ بات بھی معلوم ہے کہ تھوڑی مقدار کو خیر کا نام نہیں دیا جاتا بلکہ کثیر مقدار کو یہ نام دیا جاتا ہے تو اس تسمیہ کا طریقہ اجتہاد اور غالب ظن ہوگا۔ اس کے ساتھ ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی معرفت بھی حاصل تھی کہ تہائی مال، اور تہائی کثیر ہے۔ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ جانا اس بات سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ اپنے گزارے کے لیے یہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ زیر بحث آیت میں مذکور وصیت کے بارے میں اختلاف رائے ہے کہ آیا یہ واجب تھی یا نہیں، کچھ حضرات کا قول ہے کہ یہ واجب نہیں تھی، بلکہ یہ مستحب تھی۔ اس کی بس ترغیب دی گئی تھی۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ فرض تھی اور پھر منسوخ ہوگئی۔

ان کے درمیان یہ اختلاف بھی ہے کہ اس کا کتنا حصہ منسوخ ہوا ہے۔ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ وصیت واجب نہیں تھی، ان کا استدلال ہے کہ آیت کے سیاق اور اس کے مضمون کے اندر اس کے وجوب کی نفی کی دلالت موجود ہے۔ یہ وہ ارشاد باری ہے: الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف جب آیت میں بالمعروف کا لفظ ذکر ہوا نیز یہ بیان ہوا کہ یہ متقی لوگوں پر ہے تو اس کے عدم وجوب پر تین وجوہ سے دلالت ہوگئی۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ قول باری: بالمعروف ایجاب کا مقتضی ہے۔ دوسری وجہ قول باری: علی المتقین ہے۔ ہر شخص پر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ متقی لوگوں میں ہے۔ تیسری وجہ متقین کے ساتھ اس کی تخصیص ہے۔ کیونکہ واجبات کے سلسلے میں متقی اور غیر متقی کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں وصیت کے وجوب کی نفی پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ وصیت کا معروف طریقے کے تحت ایجاب اس کے وجوب کی نفی نہیں کرتا۔ اس لیے کہ معروف کا مفہوم وہ اعتدال ہی جس میں نہ تو کسی تقصیر کا وجود ہو اور نہ ہی کسی زیادتی کا جس طرح یہ قول باری ہے: وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف (اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا) اس کھانے اور کپڑے کے وجوب کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح قول باری ہے وعاشروھن بامعروف (اور معروف طریقے سے ان کے ساتھ زندگی گزارو) معروف واجب ہی ہے۔ ارشاد باری ہے: والمر بالمعروف وانہ عن المنکر (اور بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو) نیز ارشاد ہے: یامرون بالمعروف (معروف کا حکم دیتے ہیں) اس لیے وصیت کے ایجاب کے سلسلے میں معروف کا ذکر وصیت کے وجوب کی نفی نہیں کرتا، بلکہ اس کے وجوب کو اور موکد بناتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحان کے تمام اوامر معروف ہیں منکر نہیں ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ معروف کی ض منکر ہے اور جو چیز معروف نہیں ہے وہ منکر ہے اور منکر مذموم ہے اور اس سے روکا گیا ہے اس لیے معرفو واجب قرار پائے گا۔ قول باری: حقا علی المتقین کے اندر وصیت کے ایجاب کی تاکید ہے کیونکہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ متقی بنیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: یایھا الذین امنوا اتقو (اے ایمان والو متقی بنو) اہل اسلام کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تقویٰ فرض ہے۔ جب اللہ سبحان نے مذکورہ فرضیت کی تنقید کو تقویٰ کی شرط قرار دی تو گویا اس کے ایجاب کی وضاحت کردی۔ متقین کے ساتھ اس کی تخصیص کے اندر اس کے وجوب کی نفی پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ اس کے اندر بس اتنی ہی بات ہے کہ آیت متقین پر وصیت کے وجود کی مقتضی ہے۔ اس میں غیر متقین سے وصیت کی نفی کی بات نہیں ہے جس طرح قول باری: ھدی للمتقین کے اندر اس بات کی نفی

نہیں ہے کہ یہ کتاب، یعنی قرآن مجید غیر متقین کے لیے ہدایت بن جائے جب آیت کے مقتضا کے تحت متقین پر وصیت واجب ہوگئی۔

تو دوسروں پر بھی اس کا وجوب ہوگیا، متقین کے ساتھ اس وجوب کی تخصیص کا فائدہ یہ ہے کہ وصیت کرنا تقویٰ کی نشانی ہے اور لوگوں پر چونکہ لازم ہے کہ وسب کے سب متق بنیں۔ اس لیے ان پر وصیت کا فعل لازم ہے۔ وصیت کے ایجاب اور اس کی فرضیت کی تاکید پر زیر بحث آیت کی دلالت واضح ہے اس لیے قول باری: کتب علیکم کے معنی ہیں تم پر فرض کردی گئی یعنی وصیت جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں پھر قول: بالمعروف حقا علی المتقین کے ذریعے اسے اور مؤکد کردیا۔

وجوب کے الفاظ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو قائل کے اس قول سے بڑھ کر موکد ہو کہ یہ تم پر حق ہے۔ الفاظ کے اندر اس وجوب کی متقین کے ساتھ تخصیص تاکید کے طور پر ہے جیسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس کے ساتھ اہل تفسیر سلف کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زیر بحث آیت کے ذریعے وصیت کا وجوب ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیثیں بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وصیت واجب تھی۔ عبدالباقی بن قانع نے روایت بیان کی۔ ان سے سلیمان بن افضل بن جبریل نے، ان سے عبداللہ بن ایوب نے ان سے عبدالوہاب نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ تین راتیں گزارے مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس ہو۔

ہمیں عبدالباقی ہی نے روایت بیان کی، ان سے بشر بن موسیٰ نے، ان سے الحمیدی نے، ان سے سفیان نے، ان سے ایوب نے کہ میں نے نافع کو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کسی مسلمان کا جس کے پاس مال ہو اور اس نے اس مال میں وصیت کی ہو، یہ حق نہیں ک اس دو راتیں گزر جائیں مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو۔ اسی حدیث کی روایت ہشام بن الغازی نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ دو راتیں گزراے مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو۔ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں ک وصیت واجب تھی لیکن جو حضرات ابتداء میں اس کے وجوب کے قائل ہیں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کا قول ہے کہ زیر بحث آیت میں وصیت کے ایجاب کی تمام باتیں منسوخ ہوگئیں۔ ان حضرات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔

ابو محمد جعفر بن محمد بن احمد الواسطی نے روایت بیان کی ہے، ان سے ابوالفضل جعفر بن محمد بن الیمان المودب نے، ان سے ابوعبید القاسم بن سلام نے، ان سے حجاج نے ابن جریج اور عثمان بن عطاء الخراسانی سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ قول باری: ان ترک خیرن لوصیۃ للوالدین والاقربین کو اس آیت سے منسوخ کردیا ہے: للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا (مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے) ابن جریج ن عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قول باری: ان ترک خیرا کی تفسیر میں نقل

کیا ہے کہ اس سے وہ لوگ منسوخ ہو گئے جو وارث قرار پائے ہیں اور وارث قرار نہ پانے والے منسوخ نہیں ہوئے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔

ایک روایت میں ذکر رہے کہ تمام لوگ منسوخ ہو گئے اور دوسری میں ہے کہ وارث قرار پانے والے رشتہ دار منسوخ ہو گئے اور وارث قرار نہ پانے والے رشتہ دار منسوخ نہیں ہوئے۔

ابو محمد جعفر بن محمد نے روایت بیان کی ہے ان سے ابو الفضل المودب نے، ان سے ابو عبید نے، ان سے ابو مہدی نے عبد اللہ بن المبارک سے، انہوں نے عمارہ ابو عبد الرحمن سے کہ میں نے عکرمہ کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ قول باری: ان ترک خیرن الوصیۃ للوالدین والاقربین کو فرائض کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

ابن جریج نے مجاہد سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ ولد کے لیے میراث تھی اور والدین نیز رشتہ داروں کے لیے وصیت تھی، یہ اب منسوخ ہے۔ دوسرے گروہ کا قول ہے کہ وصیت والدین اور رشتہ داروں کے لیے واجب تھی، پھر ان لوگوں کے حق میں منسوخ ہو گئی جو وارث قرار پائے اور اسے والدین کے لیے نیز وارث نہ بننے والے رشتہ داروں کے لیے خاص کر دیا گیا۔ یہ روایت یونس اور اشعث نے حسن بصری سے کی ہے۔ حسن بصری، جابر بن زید اور عبد الملک بن یعلیٰ سے اس شخص کے متعلق مروی ہے جو غیر رشتہ دار کے لیے وصیت کرے جبکہ اس کا ایسا رشتہ دار بھی موجود ہو جو وارث نہ بن رہا ہو۔

ایسی صورت میں موصی کے تہائی مال کے دو حصے رشتہ داروں کو مل جائیں گے اور ایک حصہ غیر رشتہ دار کو، جبکہ اس صورت کے متعلق طاؤس کا قول ہے کہ ساری وصیت رشتہ داروں کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ ضحاک کا قول ہے کہ وصیت صرف رشتہ دار کے حق میں ہو گی الا یہ کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو۔ تیسرے گروہ کا قول ہے کہ وصیت فی الجملہ رشتہ داروں کے لیے واجب تھی۔ لیکن موصی پر لازم نہیں تھا کہ وہ تمام رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے۔ بلکہ اسے صرف قریبی رشتہ داروں پر اقتصار کرنے کی اجازت تھی۔ دور کے رشتہ داروں کے رشتہ دار اپنی اصلی حالت پر باقی رہ گئے یعنی ان کے لیے وصیت کرنا بھی جائز تھا اور ترک وصیت کا بھی جواز تھا۔

جو حضرات وصیت کے نسخ کے قائل ہیں ان کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ کس آیت کے ذریعے وصیت کا یہ حکم منسوخ ہوا۔

ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عکرمہ سے نقل کر دیا کہ آیت مواریث نے وصیت کو منسوخ کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قول باری: للرجان نصیب مماترک الوالدان تا آخر آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد: وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ نے وصیت کے حکم کو منسوخ کیا ہے۔

یہ حدیث شہر بن جوشب نے عبد الرحمن بن عثمان سے، انہوں نے حضرت عمر بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وارث کے لیے کوء وصیت نہیں۔ عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے عمرو کے دادا سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے کہ آپ ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔ اسماعیل بن عیاش نے شرجیل بن مسلم سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

کہتے سنا تھا کہ میں نے حضور ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبے میں فرماتے سنا تھا کہ: لوگو، اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اس لیے اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔

حجاج بن جریج نے عطاء الخراسانی سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں الا یہ کہ باقی ماندہ ورثا اسے برقرار رکھیں۔ یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ اسے حجاج نے ابواسحاق سے انہوں نے الحارث سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ: کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ عبداللہ بن بدر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ: کسی وارث کے لیے کوئی وصیت جائز نہیں۔ اس مسئلے میں حضور ﷺ سے منقول یہ حدیث جس کا ورود ان جہادت سے وا ہے ہمارے نزدیک درجہ تواتر میں ہے۔

اللہ سبحانہ کی طرف سے ورثا کے لیے میراث کا ایجاب وصیت کے نسخ کا موجب نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وصیت اور میراث دونوں کا اجتماع جائز ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ حضور ﷺ نے وارث کے لیے وصیت کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب باقیماندہ ورثاء اس کی اجازت دے دیں، اس لیے ایک ہی شخص کے حق میں وصیت اور میراث کا اجتماع محال نہ ہوتا۔ اگر آیت میراث کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اللہ سبحانہ نے وصیت کی تنفید کے بعد میراث کی تقسیم کا حکم دیا ہے، تو پھر اس بات میں مانع کون سی چیز ہے کہ ایک شخص کو وصیت سے اس کا حصہ دے دیا جائے اور پھر میراث میں اس کا حصہ اسے مل جائے۔ امام شافعی نے "کتاب الرسالۃ" میں کہا ہے کہ احتمال تھا کہ آیت مواریث وصیت کی ناسخ ہو اور یہ بھی احتمال تھا کہ آیت مواریث کے ساتھ وصیت بھی ثابت رہے۔

پھر جب مجاہد کے واسطے سے حضور ﷺ سے یہ روایت منقول ہوئی کہ: وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ تو ہم نے آپ ﷺ سے مروی اس روایت کے ذریعے جو منقطع ہے یہ استدلال کیا کہ آیت مواریث والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کے حکم کی ناسخ ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ امام شافعی نے وصیت اور میراث کے اجتماع کے احتمال کی بات تسلیم کی ہے۔ اس لیے جب آیت مواریث کے نزول کے اندر ایسی بات نہیں ہے جو وارث کے لیے وصیت کے نسخ کی موجب بن سکے تو یہی کہا جائے گا کہ وصیت میراث کی بنا پر منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ ان دونوں کے اجتماع کا جواز موجود ہے۔ نیز مذکورہ بالا حدیث امام شافعی کے نزدیک ثابت شدہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک منقطع سند کے واسطے سے منقول وئی ہے، حالانکہ وہ حدیث مرسل کو بھی قبول نہیں کرتے خواہ اس کا ورود اتصال اور تواتر کی جہت سے کیوں نہ ہو۔ انہوں نے اس منقطع حدیث کے ذریعے آیت کے حکم کو ختم کر دیا حالانکہ ان کے نزدیک سنت کے ذریعے قرآن کا نسخ جائز نہیں ہے تو پھر ضروری ہے کہ والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کا حکم ثابت رہے اور اسے منسوخ قرار نہ دیا جائے کیونکہ اس حکم کو منسوخ کرنے والی کوئی چیز وارد نہیں ہوئی۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ: حضور ﷺ نے ان چھ غلاموں کے بارے میں جنھیں ایک ایسے شخص نے آزاد کر دیا تھا جس کے

پاس ان غلاموں کے سوااور کوئی مال نہیں تھا، یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ ان کے تین حصے کر کے ان میں سے دو کو آزاد قرار دیا اور چار کو غلام ہی رہنے دیا۔ جس شخص نے انہیں آزاد کیا تھا وہ ایک عرب تھا اور اہل عرب صرف ان عجمیوں کے مالک ہوتے ہیں جن کی ان سے کوئی رشتہ داری نہ ہو، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے وصیت جائز قرار دے دی۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اگر غیر رشتہ داروں کے لیے وصیت باطل ہوتی تو آزادہ شدہ غلاموں کے لیے بھی یہ باطل ہوجاتی کیونکہ وہ میت کے رشتہ دار نہیں تھے۔ اور والدین کی وصیت باطل ہوجاتی۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ امام شافعی کے درج بالا کلام میں ظاہری طور پر ابڑا اختلال ہے ان کے اصولوں پر اس کا انتقاض ہوجاتا ہے۔ اختلال کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ: عرب کے لوگ صرف ان عجمیوں کے مالک ہوتے ہیں جن سے ان کی کوئی رشتے داری نہ ہو۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ ایک عرب کی ماں عجمی ہوسکتی ہے۔ ان صورت میں ماں کی طرف سے اس کے تمام رشتہ دار عجمی ہوں گے۔ ایسی صورت میں اگر مریض غلام آزاد کرے تو اس کی دی ہوئی آزادی اس کے اقرباء کے لیے وصیت قرار پائے گی۔

اسے ایک اور جہت سے دیکھئے، اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ آیت مواریث نے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کے حکم کو منسوخ کردیا ہے۔ تو یہ نسخ صرف ان رشتہ داروں کے بارے میں ہوگا جو وارث بن رہے ہوں لیکن غیر وارث رشتہ داروں کا جہاں تک تعلق ہے تو میراث کے اثبات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ کرنے کی موجب بن جائے۔ امام شافعی کے درج بالا قول کی اصل پر انتقاض کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے رشتہ داروں کے لیے وصیت کو منسوخ کرنے کا ایجاب حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے کیا ہے جس میں ایک مریض کا اپنے غلاموں کو آزاد کرنے کا ذکر ہے، حالانکہ امام شافعی کی بیان کردہ ایک اصل یہ ہے کہ قرآن کو سنت کے ذریعے منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

صدر اول کے بزرگوں اور تابعین کی ایک جماعت سے غیروں کے لیے وصیت کے جواز کی روایت منقول ہے، نیز یہ کہ ایسی وصیت اسی طور پر نافذ العمل ہوجاتی ہے جس طور پر موصی نے وصیت کی ہو۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ام ولد لونڈیوں کے لیے وصیت کی تھی اور یہ وصیت فی ام ولد چار ہزار درہم کے حساب سے تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابرہیم نخعی، سعید بن المسیب، سالم بن عبداللہ، عمرو بن دینار اور زہری سے منقول ہے کہ موصی کی وصیت اسی طرح نافذ ہوگی جس طرح اس نے کی ہے۔ تابعین کے عصر کے بعد آنے والے فقہاء کے درمیان اس بات پر اتفاق ہوگیا تھا کہ رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں دونوں کے لیے وصیت جائز ہے۔

ہمارے نزدیک والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کو جس قول نے منسوخ کردیا وہ آیت موریث کے سیاق میں اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد ہے: من بعد وصیة یعصی بھا اودین (اس وصیت کے بعد جو کی گئی ہو یا دین کے بعد) اللہ سبحانہ نے مطلق صورت میں وصیت کی اجازت دے دی اور اسے صرف رشتہ داروں تک محدود نہیں رکھا کہ غیر رشتہ دار اس میں شامل نہ ہوسکیں۔ اس حکم میں والدین اور رشتہ داروں کے یے وصیت کے نسخ کا ایجاب موجود ہے، اس لیے کہ ان کے حق میں وصیت فرض تھی اور اس آیت میں

ان کے حق میں وصیت ترک کرنے اور غیروں کے لیے وصیت کرنے کی اجازت ہے، نیز باقیماندہ ترکہ کو ورثاء کے مقرر شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ یہ بات صرف اسی وقت درست ہوسکتی ہے جب والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کو منسوخ قرار دیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ یہ احتمال ہ کہ اللہ سبحانہ نے آیت مواریث میں مذکورہ وصیت اور اس کے بعد مواریث کے ایجاب سے وہ وصیت مراد لی ہو جو والدین اور رشتہ داروں کے لیے واجب ہے۔

اس صورت میں وصیت کا حکم ان رشتہ داروں کے لیے ثابت رہے گا جو وارث نہ بن رہے ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اس بنا پر غلط ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس مقام پر وصیت کو اسم نکرہ کی صورت میں مطلق رکھا ہے جو جنس کے اندر اس کے شیوع کا مقتضی ہے۔ کیونکہ اسماء نکرہ کا یہی حکم ہے۔ جبکہ والدین اور رشتہ داروں کے لیے مذکورہ وصیت اسم معرفہ کی صورت میں ہے۔ اس لیے اسے اس کی طرف موڑ دینا جائز نہیں ہوگا۔ اللہ سبحانہ اس کا ارادہ فرماتا تو ارشاد ہوتا: من بعد الوصیة تاکہ کلام اس معرف و معہود وصیت کی طرف راجع ہو جاتا جس کا علم پہلے سے تھا۔ جس طرح یہ قول باری ہے: والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شھدآء فاجلدوھم (جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے انہیں (اسی) کوڑے لگاؤ) پھر دوسری آیت میں جب ان ہی گواہوں کا ارادہ فرمایا تو ارشاد ہوا: فان لم یاتوا بالشھدآء (اگر وہ یہ گواہ پیش نہ کرسکے) یہاں گواہوں کا ذکر معرف باللام کی شکل میں ہوا کیونکہ ان سے مراد وہی گواہ ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا تھا۔ اس لیے جب آیت مواریث میں وصیت کا ذکر اسم نکرہ کی شکل میں ہوا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ یہاں وہ وصیت مراد نہیں ہے جس کا ذکر والدین اور رشتہ داروں کے سلسلے میں ہوا ہے، بلکہ یہ مطلق ہے اور تمام لوگوں کے لیے جائز ہے، سوائے ان لوگوں کے جنہیں سنت یا اجماع نے خاص کر دیا ہے، یعنی وارث کے لیے وصیت یا قاتل وغیرہما کے لیے وصیت اس بات کے اندر والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کی منسوخی موجود ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن نے قول باری: لوصیة للوالدین والاقربین سے استدلال کیا ہے کہ ماں باپ، رشتہ داروں میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی اور کے ذریعے اپنی اولاد کی طرف منسوب نہیں ہوتے، بلکہ اولاد کے ساتھ ان کی رشتہ داری بذات خود ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے سوا باقی تمام رشتہ دار دوسروں کے ذریعے منسوب ہوتے ہیں۔ اس لیے قریبی رشتہ دار وہ ہیں جو کسی اور کے ذریعے قریب ہوئے ہوں۔ امام صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے صلبی بیٹا بھی اقرباء میں شامل نہیں ہے، کیونکہ وہ بذات خود اپنے والد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اسی بنا پر امام محمد کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص خاندان کے اقربا کے لیے وصیت کرے تو اس وصیت میں اس کا بیٹا داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا باپ۔ بلکہ اس میں پوتا اور دادا داخل ہوں گے۔ نیز اس کا بھائی اور اسی طرح کے دوسرے رشتہ دار۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کی طرف یک واسطے کے ذریعے منسوب ہوتا ہے۔ ویسے اقرباء کے مفہوم میں اختلاف رائے ہے۔ واللہ اعلم۔

وصیت میں عزیزوں کی رائے کا احترام

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ماقبل بیان کے ذریعے ورثا کے حق میں وصیت کا نسخ واضح کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے مروی ہے کہ: وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں الا یہ کہ دیگر ورثاء اسے برقرار رکھیں، یعنی اس کی اجازت دے دیں۔ اس حدیث میں یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ مورث کی وفات کے بعد ان کی اجازت معتبر ہوگی کیونکہ اس کی زندگی میں مذکور ورثا درحقیقت وارث قرار نہیں پائے ہوں گے۔ انہیں ورثاء ہونے کی صفت موری کی وفات کے بعد ہی حاصل ہوگی۔ اس لیے اگر کوئی وارث وصیت کو بھی دے تو اس کی یہ اجازت باطل ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کے ارشاد: وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں میں عموم ہے۔ اس حدیث میں یہ دلالت موجود ہے کہ جب دیگر ورثاء اس وصیت کی اجازت دے دیں تو یہ بات ان کی طرف سے کسی ایسے ہبہ کی بات نہیں ہوگی جسے نئے سرے سے عمل میں لایا گیا ہو اور اس کے نتیجے میں اس وصیت پر ہمہ کے احکام جاری ہوں، یعنی قبضہ اور حوالگی کی اس میں شرط لگائی جائے نیز قابل تقسیم ہونے کی صورت میں شیوع اور اشتراک کی نفی کر دی جائی اور اس میں رجوع کی گنجائش بھی رکھی جائے وغیرہ وغیرہ، بلکہ مذکورہ وصیت کو جائز وصایا کے احکام پر محمود کیا جائے گا، اس امر پر محمول نہیں کیا جائے گا کہ اجازت دینے والے ورثاء کی طرف سے یہ ہبہ ہے۔

اس حدیث میں ایسے عقود کے جواز پر بھی دلالت موجود ہے جو موقوف صورت میں ہوں اور ان کی اجازت دینے والا بھی کوئی موجود ہو۔ کیونکہ میت نے ایسے مال پر عقد وصیت کیا تھا جو وصیت کے وقوع کے وقت وارث کا مال تھا۔ ایسی وصیت کو حضور ﷺ نے وارث کی اجازت پر موقوف رکھا ہے۔ اس لیے یہ بات اس امر کی بنیاد بن گئی کہ اگر کوئی شخص کسی غیر کے مال کے سلسلے میں بیع کا عقد کرلے یا عتق یا رہن یا ہبہ یا اجارہ وغیرہ کا عقد کرلے، تو ی عقد مال کے مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ یہ ایسا عقد ہوگا جس کا ایک مال ہے۔ جو اس عقد کی ابتداء اور اس کے ایقاع کا مالک ہے۔ اس حدیث میں اس امر پر بھی دلالت موجود ہے کہ اگر موصی تہائی سے زائد کی وصیت کرے گا تو یہ وصیت ورثاء پر موقوف ہوگی جس طرح حضور ﷺ نے اس وصیت کو دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف رکھا ہے جو کسی وارث کے حق میں کی گئی ہو۔

یہ تمام معانی حضور ﷺ کی زیر بحث حدیث: کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں، اِلا یہ ک دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں کے ضمن میں موجود ہیں۔ اگر ایک شخص اپنے تہائی مال سے زائد کی وصیت کر دے اور موصی کے ورثاء اس کی موت سے اس وصیت کی اجازت دے دیں تو اس کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، حسن بن صالح اور عبید اللہ بن الحسن نے فرمایا ہے ک اگر ورثا موصی کی زندگی میں اس کی اجازت دے دیں تو یہ وصیت جائز نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اس کی موت ک بعد وہ اس کی اجازت دے دیں۔

اسی طرح کا قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی سے بھی منقول ہے ابن ابی لیلیٰ اور عثمان البتی کا قول ہے کہ موصی کی وفات کے بعد ورثا کو اس وصیت سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا اور یہ وصیت ان پر نافذ ہو جائے گی۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت بیان کی ہے کہ اگر وصیت کنندہ اپن ورثاء سے وصیت کی اجازت لے چکا ہو تو ایسے وارثوں کو اس وصیت سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا جو اس سے بائن اور جدا ہو چکے ہوں، مثلاً بیٹا جو اپنے باپ سے جدا ہو چکا ہو، نیز بھائی اور چچا زاد بھائی جو اس کے عیال میں شامل نہ ہو۔ لیکن اس کی بیوی اور بیٹیاں جو اس سے علیحدہ نہ ہوئی ہوں، نیز ہر وہ فرد جو اس کے

عیاں میں ہو خواہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔ ان سب کو مذکورہ وصیت سے رجوع کر لینے کا حق ہوگا۔ اسی طرح چچا اور چچا کا بشغا نیز وہ رشتہ دار جسے یہ خوف ہو کہ اگر وہ مذکورہ وصیت کی اجازت نہ دے تو اجازت کا طلبگار موصی جو ابھی بیمار ہے تندرست ہونے کے بعد اس کا نفقہ بند کر دے گا، ایسے افراد بھی مذکورہ وصیت سے رجوع کر سکتے ہیں۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت بیان کی ہے کہ اگر مریض مورث اپنے ورثا سے کسی وارث کے حق میں وصیت کرنے کی اجازت طلب کرے اور وہ اسے اس کی اجازت دے دیں تو پھر انہیں اس وصیت کے کسی حصے سے بھی رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اگر اس نے حالت صحت میں ان سے اجازل لی ہو تو اس صورت میں اگر وہ چاہیں تو مذکورہ وصیت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ ان کی اجازت صرف موصی کی بیماری کی حالت میں جائز ہوگی۔ کیونکہ دوہ اس وصیت کے ذریعے اپنے مال سے ان ک حق کو محروم کر دے گا اس لیے یہ وصیت ان پر نافذ ہو جائے گی۔

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارشاد: کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں الا یہ کہ دیگر ورثا اس کی اجازت دے دیں کا عموم ہر حالت میں وصیت کے جواز کی نفی کرتا ہے۔ جب اس عموم کی تخصیص حضور ﷺ نے اپنے ارشاد الا یہ کہ دیگر ورثا اس کی اجازت دے دیں، کے ذریعے کر دی اور دوسری طرف مذکورہ ورثاء موصی کی وفات کے بعد ہی حقیقت میں ورثا بنیں گے اس سے پہلے نہیں۔ تو پھر عموم سے مخصوص شدہ صورت موت کے بعد ورثا کی اجازت کی صورت میں ہوگی۔ اس کے علاوہ دیگر صورتیں وصیت کی باقیماندہ صورتوں کے عموم پر محمول ہوگی۔ نظر یعنی عقلی استدلال بھی اس پر دلال ہے۔ کیونکہ مورث کی زندگی میں ورثا مال کے مالک نہیں ہوتے اس لیے اس مال کے سلسلے میں ان کی اجازت کوئی عمل نہیں کرے گی جس طرح ان کی طرف سے اس مال کا ہبہ اور اس کی بیع جائز نہیں۔

اگر اس کے بعد موت واقع ہو جائے تو اجازت اور بھی زیادہ دور چلی جائے گی۔ چونکہ موصیٰ لہ (وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو) ک لیے وصیت کا وقوع موصی کی موت کے بعد ہوگا۔ اسی طرح اجازت کا حکم بھی ہوگا کہ وہ وصیت کے وقوع کی حالت میں دی گئی ہو، نیز یہ کہ وصیت کے وقوع سے پہلے اجازت کوئی عمل نہیں کرتی، نیز جب میت کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اندر وصیت کو باطل کر دے حالانکہ وہ مالک ہوتا ہے، تو ورثا کو اس اجازت سے رجوع کر لینے کا زیادہ حق ہوگا جو انہوں نے دی تھی۔ جب ان کے لیے اجازت لے رجوع کر لینا جائز ہوگا تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اجازت درست نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ موصی، یعنی مورث کے مال کے اندر اس کی بیماری کی وجہ سے ورثاء کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور اسی لیے اسے اپنے مال میں تہائی سے زائد میں تصرف کرنے سے روک دیا جاتا ہے جس طرح کے بعد یہ تصرف ممنوع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اگر ورثا وصیت کی اجازت دے چکے ہوں تو ان پر اس اجازت کے لزوم کے باب میں موصی کی بیماری کی حالت کو موت کی حالت شمار کیا جائے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہمارے نزدیک مریض کا اپنے پورے مال کے اندر، ہبہ، صدقہ عتق اور تصرفات کی دیگر تمام وجوہ کے ذریعے تصرف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس کی موت کے بعد ان تصرفات میں سے صرف وہی صورتیں منسوخ قرار پاتی ہیں جو تہائی سے زائد ہوں، کیونکہ موت کے بعد ورثاء کے حق کا ثبوت ہو جاتا ہے لیکن موت سے پہلے

مذکورہ مال کے سلسلے میں کسی وارث کے قول کے اعتبار نہیں ہوتا۔

آپ نہیں دیکھتے کہ مورث کی موت سے پہلے اس کے عقود کو وارث فسخ نہیں کرسکتا۔ یہ حق اس کے لیے مورث کی موت کے بعد اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس کے مال میں اس کا حق ثابت ہو جائے۔ اسی طرح مورث کی موت سے پہلے وارث کی دی ہوئی اجازت کالعدم ہوتی ہے جس طرح مورث کی موت سے پہلے وارث کی طرف سے اس کے عقود کا فسخ کالعدم ہوتا ہے۔ مورث کی طرف سے اپنا ورثا سے وصیت کی اجازت مانگنے پر اجازت نہ دینے کی صورت میں مورث کی طرف سے کسی ضرر کے لاحق ہونے کا اندیشہ کونے والے ورثا اور اندیشہ نہ کرنے والے ورثا کے درمیان امام مالک نے جو فرق رکھا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی طرف سے ضرر کا خطرہ وارث کے عقود کی صحت کے لیے مانع نہیں ہے کیونکہ یہ خطرہ وارث کے اندر مکرہ راء کے زبر کے ساتھ) کی صفت پیدا نہیں کرے گا۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اگر وارث مورث کے مطالبہ پر کوئی چیز اس کے ہاتھ فروخت کردے اور پھر کہے کہ: اگر میں اس کی بات قبول نہ کرتا تو مجھے خطرہ تھا کہ کہیں وہ میرا خرچ بند نہ کردے"۔ تو اس کی یہ بات مذکورہ بیع کے ابطال کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔ اسی طرح اگر مریض مورث اپنے وارث سے کوئی چیز ہبہ کے طور پر طلب کرے اور وہ اسے ہبہ کردے، تو اس کی بات نہ ماننے کی صورت میں وارث کو لاحق ہونے والے ضرر کا اندیشہ اس کے اس ہبہ پر کسی طرح اثر انداز نہیں وہ گا اور اس کی حیثیت اس شخص جیسی ہوگی جسے مورث کی طرف سے کسی ضرر کا خطرہ لاحق نہ ہو۔ اس لیے عتق کے ایجاب کے سلسلے میں خرچ اور وظیفہ بند ہو جانے کے ضرر کے اندیشے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اس لحاظ سے ان لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا جو مورث کے عیال میں شامل ہوں یا اس کے عیاں میں شامل نہ ہوں۔ واللہ الموفق۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

وارثوں کیلئے حکم وصیت کے منسوخ ہونے کا بیان

ثم نسخ بعد ذلك في سورة النساء، فجعل للوالدين نصيباً معلوماً وألحق لكل ذي ميراث نصيبه منه وليست لهم وصية فصارت الوصية لمن لا يرث من قريب وغير قريب.

وينظر ابن حزم 124. النحاس 18. ابن سلامة 16. مكي 19. ابن الجوزي 200. العتائقي 30. ابن المتوج 49.

اس کے سورت نساء کی اس آیت سے پہلے والا حکم منسوخ ہو گیا۔ جس میں والدین کیلئے حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور وراثت میں سے ہر وارث کیلئے حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا ان کیلئے کوئی وصیت نہیں۔ لہذا وصیت اس کیلئے ہوگی جو قریبی وغیر قریبی کسی بھی طرح مقرر کردہ حصوں میں سے وارث نہ ہو۔ (ناسخ آیت یہ ہے)۔

اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے، سو اگر صرف بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے، (اور باقی سب باپ کا ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی

ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے (یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بیشک اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔ (النساء، 11)

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے آیت (کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ للوالدین والاقربین، تم پر والدین اور اقرباء کے لیے وصیت کرنا فرض کر دیا گیا جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجائے اگر وہ مال چھوڑ کر جا رہا ہو) تلاوت کی اور فرمایا کہ اس حکم کو قول باری (للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون) مجاہد کا قول ہے کہ میراث ولد کو ملتی تھی اور والدین اور اقرباء کے لیے وصیت ہوتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں جو چاہا منسوخ کر دیا۔

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بنوسلمہ میں اپنے گھر کے اندر بیمار تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں اپنے مال کو اپنی اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ میت کے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اولاد کے احوال:

اولاد کئی صورتوں میں وارث ہوتی ہے، ایک حال یہ ہے کہ میت کی اولاد کے ساتھ میت کے والدین بھی ہوں اور دوسرا حال یہ ہے کہ میت کی وارث صرف اس کی اولاد ہو اور اسکی تین صورتیں ہیں یا تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں وارث ہوں گے یا صرف بیٹیاں یا صرف بیٹے، اگر میت نے بیٹے اور بیٹیاں دونوں چھوڑے ہیں تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا مثلاً اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ہے تو امور متقدمہ علی الارث کے بعد میت کے ترکہ کے تین حصے کریں دو حصص بیٹے کو اور ایک بیٹی کو ملے گا۔ علی ہذا القیاس اور دوسری صورت یہ کہ اگر میت نے زوجہ، ماں باپ اور بیٹے اور بیٹیوں کو چھوڑا ہو تو اس صورت میں زوجہ اور ماں باپ اصحاب الفرائض ہیں یعنی ان کے حصص مقرر ہیں زوجہ کا آٹھواں حصہ، ماں کا چھٹا حصہ اور باپ کا بھی چھٹا حصہ، تو اصحاب الفرائض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ سب اولاد میں تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ اولاد عصبات ہیں اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ عصبات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ کے مطابق مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کرو اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ (میت کے) سب سے اقرب مرد کو دو۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۷۴۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۳۷، ۶۷۳۵، ۶۷۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۱۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۰۹۸)

سواس صورت میں کل ترکہ کے ۲۴ حصص کئے جائیں اس میں سے ۳ حصے اس کی بیوی کو، ۴ حصے اس کے باپ اور ماں کو اور باقی ماندہ ۱۳ حصص اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کردیں کہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ ملے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے صرف بیٹیاں چھوڑی ہوں اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے اور اگر صرف ایک بیٹی چھوڑی ہو تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اور اس کے بعد جو ترکہ بچے گا تو وہ دیگر اصحاب الفرائض کو ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے عصبات کو مل جائے گا، اور اگر میت نے صرف بیٹے چھوڑے ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اگر بیٹوں کے ساتھ اصحاب الفرائض بھی ہوں تو اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی تمام مال بیٹوں کو دے دیا جائے گا۔

مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کی وجوہات:

عورت کو وراثت میں مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت مرد کی بہ نسبت پیسوں کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ مرد آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر گھر سے باہر نکل سکتا ہے اور عورت اپنے شوہر یا والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل نہیں سکتی اور اگر باہر جائے تو اس کی عزت اور عصمت کے لئے متعدد خطرات ہیں نیز چونکہ اس کی عقل کم ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خرید وفروخت کرے تو اس کے لٹ جانے یا دھوکا کھانے کا بہت اندیشہ ہے اور جسمانی طور پر وہ کمزور صنف ہے اس لئے اگر اس کو مرد سے دگنا حصہ نہ دیا جائے تو کم از کم برابر حصہ دینا چاہیے۔

اس سوال کے حسب ذیل متعدد جوابات ہیں:

(۱) مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں کیونکہ مرد پر اپنی بیوی اور بچوں کی اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہیے۔

(۲) سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ملک اور وطن کے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ملک اور وطن کے دفاع کے لئے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود اور قصاص میں وہی گواہ ہوسکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے سو جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس کا وراثت میں حصہ بھی دگنا ہونا چاہیے۔

(۳) عورت چونکہ صنفا کمزور ہوتی ہے اور اس کو دنیاوی معاملات کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو زیادہ پیسے مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اس کے وہ سب پیسے ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بحث ذکر کی ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ قطعی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جائیں گے وہ ظنی ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظنی حکم کے مقابلہ میں قطعی کو کیوں

ترک کر دیا اور حضرت سیدنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وراثت سے حصہ کیوں نہیں دیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے ظنی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ اس کو زبان رسالت سے تھا اس لئے ان کے لئے یہ حدیث قرآن مجید کی طرح قطعی تھی۔

اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ (النساء:۱)

والدین کے احوال:

اولاد کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے اس لئے میت کے ماں باپ کے ساتھ اگر اولاد ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے: کہ ماں باپ کے ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ بیٹے ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا'

تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی صرف ایک بیٹی ہو اور ماں باپ ہوں تو بیٹی کو نصف ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا البتہ باقی مال بھی باپ کو بہ طور عصبہ ہونے کے مل جائے گا۔

اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تہائی مل جائے گا اور باقی دو تہائی مال باپ کو بطور عصبہ دے دیا جائے گا اور اس صورت میں مرد (باپ) کو عورت (ماں) سے دگنا حصہ مل جائے گا۔

اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ والدین کے احوال میں سے تیسرا حال ہے، جس میں میت نے والدین کے ساتھ اپنے بہن بھائیوں کو بھی چھوڑا ہو' اس پر اتفاق ہے کہ ایک بہن یا بھائی ماں کے تہائی حصہ کے لئے حاجب بن کر اس کو چھٹا نہیں کرتے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب بہن یا بھائی کا عدد تین کو پہنچ جائے تو وہ ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور اگر دو بہنیں یا دو بھائی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اکثر صحابہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بھی ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دو بہنیں ماں کا حصہ تہائی سے کم نہیں کرتیں۔ فقہاء احناف کا مذہب اکثر صحابہ کے قول کے مطابق ہے' یہ بھی واضح رہے کہ دو بہنیں کسی قسم کی ہوں سگی یا سوتیلی خواہ ماں کی طرف سے خواہ باپ کی طرف سے۔ اسی طرح سے بھائی بھی۔ وہ ماں کے لئے حاجب ہیں اور اس کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور ایک بہن ہو یا ایک بھائی وہ ماں کے لئے حاجب نہیں ہیں خواہ وہ بہن یا بھائی عینی ہوں علاتی ہوں یا اخیافی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد' اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے۔ (النساء:۱۱)

قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کے دلائل:

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ وارثوں میں ترکہ کی تقسیم پر قرض کی ادائیگی مقدم ہے۔ اگر میت پر لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ وہ اس کے تمام ترکہ پر محیط ہے تو وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا اور میت کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر میت کا قرض ادا کرنے کے بعد مال بچ رہتا ہے اور میت نے وصیت بھی کی ہوئی ہے تو ایک تہائی مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد

اس کا باقی ماندہ ترکہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس آیت میں میت کی وصیت پوری کرنے کا قرض کی ادائیگی سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن اس پر امت کا اجماع ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(آیت) "ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا"۔ (النساء: ۵۸)

ترجمہ: اور بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانات امانتوں والوں کو ادا کر دو۔

اور نفلی وصیت پوری کرنے کی بہ نسبت امانت کو ادا کرنا مقدم ہے (قرض بھی ایک طرح سے امانت ہے)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حارث' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کو پورا کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا حالانکہ تم قرآن مجید میں وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو۔ امام ترمذی نے کہا عام اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۱۲۹' ۲۱۰۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۷۱۵)

حارث اعور کے ضعف کا بیان:

یہ حدیث حارث نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے' حارث کے ترجمہ میں حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

حارث بن عبداللہ ہمدانی اعور (یک چشم) کبار علماء تابعین میں سے ہے اور اس میں ضعف ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کرتا ہے اور اس سے عمرو بن مرہ' ابواسحاق اور ایک جماعت حدیث روایت کرتی ہے شعبی نے کہ ابواسحاق نے اس سے صرف چار احادیث کا سماع کیا ہے نیز شعبی نے کہا مجھے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ کذاب تھا' نیز مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت میں حارث کی تصدیق نہیں کی جاتی تھی۔ ابن المدینی نے کہا یہ کذاب ہے۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی عام روایات غیر محفوظ ہیں۔ دارقطنی نے کہا ضعیف ہے۔ حصین نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت علی کی طرف حارث نے جتنی جھوٹی احادیث منسوب کی ہیں اتنی اور کسی نے نہیں کیں۔ ابن سیرین کا یہ گمان تھا کہ اس کی حضرت علی سے عام روایات باطل ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو کذاب کہا۔ ابن حبان نے کہا حارث تشیع میں غالب تھا اور حدیث میں ضعیف تھا۔

ابوبکر بن ابی داؤد نے کہا حارث بہت بڑا فقیہ تھا اور علم میراث کا ماہر تھا اس نے یہ علم حضرت علی سے سیکھا تھا حارث اعور نے ۶۵ھ میں وفات پائی (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۰ ملخصا)

نیز اس کے ترجمہ کے متعلق دیکھیں: تاریخ صغیر للبخاری ج۱ ص ۱۴۱' الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۳۶۳' ضعفاء ابن الجوزی ج۱ ص ۱۸۱' النجوم الزاھرۃ ج۱ ص ۱۸۵' شذرات الذھب ج۱ ص ۷۳' طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۸' مراۃ الجنان ج۱ ص ۱۴۱۔

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام مسلم بن الحجاج نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا' ابو معاویہ نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا ابن معین سے ایک روایت ہے کہ حارث ثقہ ہے۔ امام ابو زرعہ نے کہا اس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جائے گا' امام نسائی سے ایک روایت ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور ایک روایت ہے کہ اس کی روایت کردہ حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جابر جعفی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حارث سے حضرت علی کرم اللہ الوجہ الکریم کی روایات کے متعلق سوال کرتے تھے۔ امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس کی روایات درج کی ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۴۴ - ۳۹ ملخصا' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے بھی زیادہ تر یہی نقل کیا ہے کہ حارث اعور کذاب اور ضعیف ہے۔ اور بعض ائمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۳۵ - ۱۳۳ ملخصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ کی اس کے متعلق رائے یہ ہے:

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاگرد تھا شعبی نے اس کو کذاب کہا ہے' اور اس پر رفض کی تہمت ہے اور اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ امام نسائی نے اس کی صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں فوت ہوا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج۱ ص ۱۷۵ ملخصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف کی تقویت:

ہر چند کہ حارث کی جس روایت میں قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کا ذکر ہے اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقا درج کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے باوجود علماء امت کا اس حدیث پر عمل ہے' جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے' حالانکہ حدیث ضعیف سے استدلال کرنا ان کی عادت نہیں ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۷۸ - ۳۷۷' مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔

حرمت شراب اور نسخ وتدریج حکم کا بیان

ناسخ ومنسوخ احکام شراب کا بیان

وعن قوله عز وجل: {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ} القمار كله {قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ} وذمهما ولم يحرمهما وهي لهم حلال يومئذ ثم أنزل الله عز وجل: بعد ذلك هذه الآية في شأن. الخمر وهي أشد منها فقال {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ} فكان السكر منها حراما عليهم۔

ثم إن الله عز وجل: أنزل الآية التي في سورة المائدة فقال {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ} إلى قوله {فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ} فجاء تحريمها في هذه الآية قليلها وكثيرها ما أسكر وما لم يسكر.

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں' اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے' اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا چیز خرچ کریں' آپ کہیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تا کہ تم تدبر کرو۔ (البقرہ 219)

اس آیت میں خمر کی مذمت کی اور نقصان بیان کیا لیکن حرمت کی تصریح بیان نہیں ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جو آیت نازل فرمائی اس میں زیادہ شدید نقصان کو ذکر کیا۔

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتی کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتی کہ تم غسل کرلو' اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو' پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ سو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرو' بیشک اللہ نہایت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔ (النساء، 43) اس میں نشہ کو حرام قرار دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورت مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی۔

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں' شیطانی کاموں میں سو تم ان سے اجتناب کرو' تا کہ تم کامیاب ہو۔ (المائدہ، 90)

شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے' تو کیا تم آنے والے ہو۔ (المائدہ 91)

ان آیات میں شراب کی قلیل وکثیر اور مسکر وغیر مسکر سب کو حرام قرار دیا۔

شراب کی حرمت

ارشاد باری ہے یسئلونک عن الخمر والمسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا نقصان ان کے فائدے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ آیت تحریم خمر کا تقاضا کرتی ہے اگر اس کی تحریم کے لئے کوئی اور آیت نازل نہ بھی ہوتی پھر بھی یہی آیت اس مقصد کے لئے کافی ہوتی۔ اس لئے کہ ارشاد باری ہے قل فیھما اثم کبیر اور گناہ سارے کا سارا حرام ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ قول باری ہے قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھما وما بطن والاثم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو چیزیں میرے رب نے حرام کی ہیں وہ یہ ہیں بے شرمی کے کام، خواہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ گناہ حرام ہے۔ پھر شراب کے متعلق صرف اتنی بات پر اکتفا نہیں کیا کہ اس میں گناہ ہے بلکہ فرمایا گناہ کبیر ہے تا کہ اس کی ممانعت کی اور تاکید ہو جائے اور ومنافع للناس میں اس کی اباحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مراد دنیاوی فوائد ہیں اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ دنیاوی لحاظ سے محرمات کے مرتکبین کو کوئی نہ کوئی فائدہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن یہ فوائد انہیں اس عذاب سے نہیں بچا سکتے جو انہیں ملنے والا ہے۔

شراب کے فوائد کا ذکر اس کی اباحت کی دلیل نہیں ہے۔۔ اس بنا پر شراب کے فوائد کا ذکر اس کی اباحت کی دلیل نہیں ہے۔ خاص طور پر جب کہ آیت کے سیاق میں اس کے منافع کے ذکر کے ساتھ اس کی ممانعت کی بھی تاکید کر دی ہے چنانچہ فرمایا واثمھما اکبر من نفعھما یعنی شراب کے استعمال پر ملنے والے اس فوری فائدے کے مقابلہ میں بہت بڑھ کر ہے جو اسے حاصل ہو سکتی ہے۔

شراب کے متعلق جو دوسری آیتیں نازل ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے یایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ماتقولون۔ اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ تمھیں یہ معلوم ہونے لگے کہ تم کیا کہہ ہو۔ اس آیت میں شراب کی اتنی مقدار کی تحریم پر دلالت نہیں ہے جس سے نشہ آ جائے۔ اس میں نشہ آور مقدار کی حرمت پر دلالت ہے۔ اس لئے کہ نماز ایک فرض عبادت ہے جس کی ادائیگی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جو چیز نماز کی وقت پر ادائیگی میں رکاوٹ ہو وہ ممنوع ہو گی۔ اب جبکہ نماز حالت سکر میں ممنوع ہے اور شرب خمر سے ترک صلوۃ لازم آتی ہے اس بنا پر اس کے پینے کی ممانعت ہو گی اس لئے کہ ایسا کام جو فرض کے لئے رکاوٹ بن جائے وہ ممنوع ہوتا ہے۔ شراب کے متعلق ایک اور آیت ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔ یہ شراب، یہ جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو تا قول باری فھل انتم منتھون کیا تم باز آ جاؤ گے۔ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کئی وجوہ سے ذکر ہے۔ اول یہ قول باری ہے رجس من عمل الشیطان۔ رجس کا اطلاق صرف اسی چیز پر کرنا درست ہوتا ہے جو ممنوع اور حرام ہو پھر اس کی تاکید اپنے اس ارشاد فاجتنبوہ سے کی۔ یہ امر ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کے اجتناب کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔ پھر یہ فرمایا فھل انتم منتھون جس کا مفہوم یہ ہے کہ فانتھوا یعنی باز آ جاؤ۔

کیا شراب کی قلیل مقدار بھی حرام ہے؟۔۔۔اگر یہ کہا جائے کہ قول باری فیھما اثم کبیر۔ میں شراب کی قلیل مقدار کی تحریم پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آیت میں مراد یہ ہے کہ وہ مقدار جسے استعمال کر کے سکر، ترک صلوۃ غیر انسانی حرکات اور جنگ وجدل کی وجہ سے پینے والا گنہگار ٹھہرے۔ جب ان باتوں کی وجہ سے اس پر گناہ میں ملوث ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا تو اس صورت میں ہم ظا[illegible]یت کا مقتضیٰ یعنی حکم تحریم کو پورا کریں گے اور ظاہر ہے کہ قلیل مقدار میں شراب کے استعمال سے یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں قلیل مقدار کی تحریم پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ فیھما اثم کبیر میں ایک لفظ پوشیدہ ہے وہ ہے شوبھا اس لئے عبارت یوں ہوگی۔ فی شربھا اثم کبیر، شراب پینے میں بڑا گناہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس شراب میں کوئی گناہ نہیں اس لئے کہ یہ اللہ کا فعل ہے۔ گناہ میں ملوث ہونے کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہمارا بھی اس شراب میں کوئی کردار پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے ہم سزا اور عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

جب لفظ شرب کو پوشیدہ مان لیا جائے تو عبارت یوں ہوگی فی شربھا فعل المیسر اثم شراب پینے اور جوا کھیلنے میں بہت بڑا گناہ ہے۔ عبارت کی یہ صورت شراب کی قلیل اور کثیر دونوں مقداروں کو شامل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ حرمت الخمد (شراب حرام ہوگئی) تو یہی بات سمجھ میں آتی کہ اس سے مراد شراب نوشی اور اس سے نفع اندوزی ہے۔ یہ مفہوم اس کی قلیل اور کثیر دونوں مقدار کی تحریم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے ہمیں جعفر بن محمد الواسطی نے، انہیں جعفر بن محمد الیمان نے، انہیں ابوعبید نے، انہیں عبداللہ بن صالح نے معاویہ بن صالح سے، انہوں نے علی بن طلحہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا قول باری یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر۔ میں المیسر سے مراد جوا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص جوا کھیلتے ہوئے اہل وعیال اور اپنے مال کو داؤ پر لگا دیتا تھا۔ پھر فرمایا قول باری لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ماتقولون کی صورت یہ ہے کہ ابتداء میں مسلمان نماز کے قریب شراب نہیں پیتے تھے جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو پی کر سو جاتے، پھر ایسا ہوا کہ کچھ مسلمانوں نے شراب پی کر دنگا فساد کیا اور زبان سے ایسے کلمات کہے جو اللہ کو پسند نہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی انما الخمد والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔ آپ نے فرمایا المیسر جوا ہے، انصاب بت ہیں اور الازلام وہ پانسے ہیں جن کے ذریعے وہ آپس میں کسی چیز کے حصوں کی تقسیم کا عمل کرتے تھے۔ جعفر بن محمد نے کہا کہ ہمیں ابوعبید نے، انہیں عبدالرحمن مہدی نے سفیان سے، انہوں نے ابواسحاق سے، انہوں نے ابومیسرہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ یہ دعا مانگی کہ اے اللہ ہمارے لئے شراب کا حکم واضح کر دے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ماتقولو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ یہی دعا مانگی جس پر یہ آیت اتری قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس پھر آپ نے دعا مانگی تو یہ آیت اتری انما الخمر والمیسر تا قول باری فھل انتم منتھون۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت سن کر فرمایا: "ہم باز آئے، یہ شراب تو ہمارا مال بھی ضائع کر دیتی ہے اور ہماری عقل بھی مار دیتی ہے۔ جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعبید نے، انہیں ہشیم نے، انہیں مغیرہ نے ابورزین سے، بیان کیا کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کی آیتوں کے نزول کے بعد بھی شراب خوری جاری رہی۔ لوگ

شراب پیتے رہتے حتیٰ کہ نماز کا وقت ہو جاتا، اس وقت ہاتھ روک لیتے پھر سورۃ المائدہ کی آیت کے ذریعے اس کی تحریم ہوگئی جس میں قول باری ہے فھل انتم منتھون۔ لوگ اس سے باز آ گئے اور پھر کبھی انہوں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قول باری قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس۔ تحریم پر دلالت نہیں کرتی۔ اگر تحریم پر اس کی دلالت ہوتی تو لوگ پھر پیتے کیوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کیوں ایسا کرنے دیتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی وضاحت کے لئے کیوں سوال کرتے! ہمارے نزدیک یہ بات اس طرح نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ لوگوں نے ومنافع للناس کا مطلب یہ لیا ہو کہ اس کے منافع کو مباح سمجھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ گناہ کو بعض خاص حالتوں میں محصور کر دیا گیا تھا۔ اس طرح جو لوگ اس آیت کے نزول کے بعد بھی شراب پیتے رہے انہوں نے آیت سے تاویل کی بنا پر روگردانی کی تھی۔ رہ گیا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایسا کیوں کرنے دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی روایت میں یہ بات نہیں بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا یا یہ کہ علم ہو جانے کے بعد آپ نے انہیں ایسا کرنے دیا ہو۔ اس آیت کے نزول کے بعد جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے وضاحت حاصل کرنے کی غرض سے سوال کرنے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ اس کے حکم میں تاویل کی گنجائش تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس آیت کی تحریم پر دلالت کی وجہ کا بھی شعور تھا لیکن آپ نے وضاحت اس لئے چاہی تا کہ اس کے ذریعے تاویل کا احتمال ختم ہو جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انما الخمر والمیسر تا قول باری فھل انتم منتھون نازل فرمائی۔ اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شراب ابتداء اسلام میں مباح تھی اور مسلمان مدینے آنے کے بعد بھی پیتے تھے اور اس کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور آپ نے انہیں ایسا کرنے سے روکا نہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کا حکم صادر فرما دیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی علی الاطلاق تحریم آیت انما الخمر والمیسر تا قول باری فھل انتم منتھون میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے یہ صرف بعض حالات میں حرام تھی مثلاً اوقات صلوٰۃ میں جس کے لئے اس آیت میں ممانعت کا حکم تھا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری۔ اس وقت اس کے بعض منافع مباح تھے اور بعض ممنوع جس کے لئے یہ آیت تھی قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس۔ یہاں تک کہ اس کی تحریم کی تکمیل فھل انتم منتھون کے ذریعے ہوگئی ہم نے سابقہ سطور میں حکم تحریم کے متعلق ہر ایک آیت کے ظاہر کے مقتضیٰ کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

خمر کسے کہتے ہیں؟

اسم خمر کن کن مشروبات کو شامل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ فقہاء کی اکثریت نے کہا ہے کہ حقیقت میں اسم خمر کا اطلاق انگور کے کچے رس پر ہوتا ہے جس میں جوش یا جھاگ پیدا ہوگئی ہو۔ اہل مدینہ کے ایک گروہ، امام مالک اور امام شافعی کا یہ خیال ہے کہ ہر ایسا مشروب جس کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کر دے وہ خمر ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ خمر نام ہے انگور کے کچے رس کا جس میں جھاگ پیدا ہو جائے کسی اور چیز کو خمر نہیں کہتے۔ اگر کسی اور چیز پر خمر کے نام کا اطلاق ہوا ہو تو وہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ اس چیز کو انگور کے رس پر محمول کیا گیا ہے اور مجازاً اسے اس کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جو نشہ کی حالت میں تھا [illegible]

اس نے کہا میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا جب سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام قرار دے دیا ہے۔ اس پر آپ نے پوچھا، پھر تم نے کیا پی رکھا ہے؟ اس نے جواب دیا "خلیطین" دو چیزوں کو ملا کر بنایا جانے والا مشروب۔ اس کی کئی شکلیں ہوتی تھیں جن میں سے بعض نشہ آور تھیں۔ حضور ﷺ نے خلیطین کو حرام قرار دیدیا۔ اس شخص نے حضور ﷺ کے سامنے اس مشروب سے اسم خمر کی نفی کر دی لیکن حضور ﷺ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اگر لغت یا شریعت کے لحاظ سے اس پر خمر کا اطلاق ہو سکتا تو حضور ﷺ اس شخص کو ایسا کہنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے اس لئے کہ جس نام کے ساتھ حکم کا تعلق ہو اس کی نفی گویا حکم کی نفی ہوتی ہے۔ اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے کسی مباح چیز کی ممانعت یا کسی ممنوع چیز کی اباحت کو کبھی باقی رہنے نہیں دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ تمام مشروبات سے اسم خمر کی نفی ہو گئی ہے صرف انگور کے کچے، تیز اور جھاگ دینے والے رس پر یہ بولا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب خلیطین پر خمر کے اسم کا اطلاق نہیں ہوتا حالانکہ اس میں سکر پیدا کرنے کی قوت ہوتی ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسم خمر صرف اسی چیز کے لئے ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کی روایت ہمیں عبدالباقی بن قانع نے، انہیں محمد بن زکریا العلائی نے، انہیں العباس بن بکار نے، انہیں عبدالرحمن بن بشیر الغطفانی نے حارث سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، آپ نے فرمایا حرام الخمر بعینھا والسکر من کل شراب خمر بعینہ حرام ہے اور ہر مشروب سے پیدا ہونے والا نشہ بھی حرام ہے۔ عبدالباقی نے کہا ہمیں محمد بن زکریا العلائی نے روایت کی، انہیں شعیب بن واقد نے، انہیں قیس بن قطن سے، انہوں نے منذر سے، انہوں نے محمد بن الحنفیہ سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور آپ نے حضور ﷺ سے اسی قسم کی روایت کی۔

ایک اور روایت ہمیں عبدالباقی نے کی۔ انہیں حسین بن اسحاق نے، انہیں عیاش بن ابوالولید نے، انہیں علی بن عباس نے، انہیں سعید بن عمار نے، انہیں الحارث بن النعمان نے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ الخمر بعینھا حرام والسکر من کل شواب خمر بعینہ حرام ہے اور ہر مشروب سے پیدا ہونے والا نشہ بھی حرام ہے۔ عبداللہ بن شداد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے یہ حدیث مرفوعاً بھی روایت کی ہے۔ یہ روایت بہت سے معانی پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ اسم خمر شراب کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور مشروب کو شراب کا نام نہیں دیا جاتا۔ خمر انگور کے رس کو کہتے ہیں۔ انگور کے رس پر خمر کے اطلاق پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دیگر مشروبات پر اس اسم کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا والسکو من کل شواب، ہر مشروب سے پیدا ہونے والا نشہ حرام ہے۔ اس حدیث کی اس بات پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ بقیہ تمام مشروبات میں وہ مقدار حرام ہے جو سکر یعنی نشہ پیدا کرے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان مشروبات میں سکر پیدا کرنے والی صورت پر حرمت کا حکم محدود نہ دیا جاتا اور تحریم کے لحاظ سے ان میں اور خمر میں فرق نہ رکھا جاتا۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ تحریم خمر کا حکم خمر تک محدود ہے۔

دوسرے مشروبات تک یہ حکم متعدی نہیں ہے۔ نہ از روئے قیاس اور نہ از روئے استدلال اس لئے کہ تحریم کے حکم کو عین خمر کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے اور اس کی کسی صفت کا خیال نہیں کیا گیا ہے۔ یہ چیز قیاس کے جواز کی نفی کرتی ہے کیونکہ ہر وہ اصل جس میں

قیاس کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس منصوص حکم کا تعلق بعینہ اس اصل کی ذات سے نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے اندر محدود ہوتا ہے بلکہ اس کے کسی وصف سے ہوتا ہے جو اس اصل کے فروغ میں پایا جاتا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ حکم اس وصف کے تابع ہو کر اس کے موضوعات یا معلومات میں جاری ہو جاتا ہے۔ اس بات پر کہ تمام نشہ آور مشروبات کو اسم خمر شامل نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث دلیل ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا الخمر من هاتين الشجرتين لعنبة والخلة ۔شراب ان دو درختوں یعنی انگور کی بیلوں اور کھجور کے درخت سے پیدا ہوتی ہے۔ اب حضور ﷺ کے اس ارشاد میں لفظ الخمر اسم جنس ہے کیونکہ اس پر الف لام داخل ہے اس لئے یہ لفظ ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے جس پر اسم کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اب کوئی ایسا مشروب باقی نہیں رہا جس پر اس نام کا اطلاق ہوتا ہو اور جو اس کے مدلول سے باہر ہو۔ اس کلیے سے اس کی نفی ہو گئی کہ ان دو درختوں سے حاصل ہونے والے مشروب کے سوا کسی اور مشروب کو خمر کے نام سے پکارا جائے۔ پھر ہم نے اس پر غور کیا کہ آیا ان دونوں درختوں سے نکلنے والی ہر شے کو خمر کہا جاتا ہے یا نہیں؟ جب سب کو اس پر اتفاق ہے کہ ان دونوں سے نکلنے والی ہر شے کو خمر نہیں کہا جاتا، کیونکہ شیرہ، سرکہ اور پکا ہوا گاڑھا شیرہ وغیرہ بھی ان ہی دو درختوں کے ہوتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی خمر نہیں کہا جاتا۔ تو ہمیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس سے مراد ان درختوں سے نکلنے والی بعض اشیاء ہیں لیکن حدیث میں ان بعض اشیاء کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی ضرورت پیش آگئی کہ اس حدیث کے معنی مراد پر استدلال کے لئے کسی اور حدیث کا سہارا لیں تا کہ ان دونوں درختوں میں سے نکلنے والی بعض اشیاء پر اسم خمر کے اطلاق کو ثابت کیا جا سکے۔

اس صورتحال کے پیش نظر ان دونوں درختوں سے نکلنے والی تمام اشیاء کی تحریم اور ان پر اسم خمر کے اطلاق کے لئے اس حدیث سے استدلال ساقط ہو گیا۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ ان دونوں میں سے ایک درخت میں شراب ہے۔ جیسا کہ قول باری ہے یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان۔ ان دونوں میں سے موتی اور مرجان یعنی مونگے نکلتے ہیں) یا جس طرح کہ یہ قول باری ہے یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم ۔اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے؟) دونوں آیتوں میں مراد احدھما یعنی مذکورہ دو چیزوں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہ جائز ہے کہ حضور ﷺ کے قول میں دونوں درختوں میں سے ایک مراد ہو۔ اگر دونوں ہی مراد ہوں تو ظاہر لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو چیز خمر کا مسمی ہے وہ پہلا مشروب ہے جو ان دونوں سے تیار کیا جائے اس لئے کہ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضور ﷺ نے من هاتين الشجرتين فرما کر ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعض مشروبات مراد نہیں لئے کیونکہ ان میں سے بعض کا خمر ہونا محال ہے۔ یہ تو اس بات کی دلیل ہو گئی کہ اس سے مراد ان دونوں سے نکلنے والا پہلا مشروب ہے اس لئے کہ حرف من لغت میں کئی معانی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تبعیض کے لئے ہوتا ہے اور یہ ابتداء کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں خرجت من الکوفہ (میں کوفہ سے نکلا) یا هذا کتاب من فلان، (یہ فلاں کی طرف سے خط ہے) یا اسی طرح کے اور جملے۔ اس لئے حدیث میں آنے والا لفظ من۔ ان دونوں درختوں سے ابتدائی طور پر نکلنے والی اشیاء کا معنی دے گا اور یہ صرف جھاگ والے شیرے، اور کھجور کے بہنے والے شیرے کو جب اس میں جھاگ آ جائے پر محمول ہو گا۔ اس بنا پر ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں اس کھجور کے درخت سے نہیں کھاؤں گا تو اس کی قسم کو اس سے

پیدا ہونے والی تر کھجور، خرما اور شیرے پر محمول کیا جائے گا اس لئے کہ انہوں نے من کو ابتداء کے معنوں میں لیا ہے۔ ابوبکر حصاص کہتے ہیں کہ درج بالا سطور میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مشروب کے سوا جس کی خاصیت ہم نے بیان کر دی ہے یعنی انگور کا تیز کچا جھاگ دار رس، بقیہ تمام مشروبات سے اسم خمر کا انتفاء ہو گیا ہے۔ اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جس دن شراب حرام ہوئی اس دن مدینے میں شراب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مادری زبان عربی تھی اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ تحریم خمر کے نزول کے وقت مدینے میں نشہ آور مشروبات اور خرما سے بنائی جانے والی دیگر مشروبات بھی تھیں، اس لئے کہ اہل مدینہ کی مشروبات اسی طرح کی تھیں۔

اسی بنا پر حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا "تحریم خمر کا حکم جب نازل ہوا تو اس وقت لوگ خشک کھجور اور بشر یعنی گدر کھجور سے بنی ہوئی مشروبات کے سوا اور کوئی مشروب استعمال نہیں کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب تحریم خمر کی آیت اتری تو اس وقت میں اپنے ماموں کے خاندان کے افراد کو مشروب پلانے کا کام میرے ذمہ تھا، اس وقت وہ لوگ فضیح یعنی سرخ یا زرد کھجور سے بنی ہوئی مشروبات استعمال کرتے تھے۔ جب انہوں نے تحریم خمر کا اعلان سنا تو جس قدر بھی مشروبات تھیں انہوں نے سب کو بہا دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تمام مشروبات سے اسم خمر کی نفی کر دی تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے نزدیک شراب صرف انگور کا تیز جھاگ دار کچا رس تھی اور اس کے سوا کوئی مشروب بھی شراب نہیں کہلاتا تھا۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ عرب کے لوگ شراب کو سبیئۃ (پینے کے لئے خریدی ہوئی شراب بھی کہتے تھے لیکن کھجور سے بنی ہوئی تمام مشروبات پر اس نام کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ غیر ممالک سے اسے درآمد کیا جاتا تھا۔ اعشیٰ کا شعر ہے)

وسبیئۃ مما یعتق ببابل کدم المذبیح سلب تہا جریالھا... ایسی شراب جو بابل میں تیار ہوئی تھی جس کا رنگ اس ذبح شدہ جانور کے خون کی طرح تھا۔ جس کی کھال تم نے اتار لی ہو۔ جب آپ شراب پئیں تو آپ کہیں گے سبئات الخمر (میں نے شراب پی) اس اسم کا اطلاق تو پہلے خمر پر اس لئے ہوتا تھا کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا پھر کلام میں اتساع کی بنیاد پر جو عربوں کی عادت تھی اس اسم کا اطلاق خریدی ہوئی شراب پر ہونے لگا۔ ابوالاسود الدولی کے یہ دو شعر بھی ہمارے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں: دع الخمو تشربھا الغواۃ فاننی رایت اخاھا مغنیب المکانھا.. فان لاتکنہ اویکنھا فانہ اخوبھا غذتہ امہ بلبانھا۔ الف۔ شراب کو بے راہ رو لوگوں کے لئے رہنے دو کہ وہی اسے پیتے پلاتے رہیں کیونکہ میں نے اس کے بھائی (دوسری مشروبات) کو اس کی ضرورت سے بے پروا کر دینے والا پایا ہے۔ ب۔ اگر شراب ہو بہو اپنے بھائی جیسی نہیں یا بھائی ہو بہو شراب جیسا نہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہر حال یہ اس کا بھائی ہے جسے اس کی ماں نے اپنا دودھ پلا کر اس کی پرورش کی ہے۔ شاعر نے دوسری مشروبات کو شراب کا بھائی قرار دیا اور ظاہر ہے کہ دوسری مشروبات پر اگر خمر کا اطلاق ہوتا تو شاعر انہیں اس کا بھائی قرار نہ دیتا۔ پھر شاعر نے اپنے قول کی یہ کہہ کر تاکید کر دی کہ چاہے شراب اور دیگر مشروبات ہو بہو ایک جیسی نہیں ہیں تاہم دیگر مشروبات بہر صورت اس کے بھائی ہیں جنہیں اس کی ماں نے اپنا دودھ پلا کر پالا ہے۔ اس طرح شاعر نے یہ

بتادیا کہ شراب یعنی خمر علیحدہ چیز ہے اور دیگر مشروبات علیحدہ چیز ہیں۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث، اقوال صحابہ اور اہل لغت کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ خمر کے اسم کا اطلاق صرف اس مشروب پر ہوتا ہے جو ہم نے بیان کیا یعنی انگور کا جھاگ دار کچا رس کسی اور مشروب پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ خشک اور گدر کھجور سے بنی ہوئی مشروبات کا استعمال اہل مدینہ میں شراب کے استعمال سے زیادہ عام تھا چونکہ اہل مدینہ کے ہاں شراب کی قلت تھی اس لئے اس کا استعمال بھی بہت کم تھا۔ اب جبکہ تمام صحابہ کرام انگور کے کچے جھاگ دار رس کی تحریم پر متفق تھے لیکن دوسرے مشروبات کے متعلق وہ مختلف الرائے تھے اور جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہم سے گاڑھے نبیذ کا استعمال منقول ہے۔ اسی طرح تمام تابعین اور ان کی جگہ لینے والے فقہائے اہل عراق بھی ان مشروبات کی حرمت کے قائل نہیں اور نہ ہی ان پر خمر کے اسم کا اطلاق کرتے ہیں بلکہ اس کی نفی کرتے ہیں تو اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ دیگر مشروبات پر لفظ خمر کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس کے ذیل میں آتی ہیں اس لئے کہ تمام لوگ شراب پینے والے کی مذمت پر متفق ہیں اور شراب ممنوع اور حرام ہے۔ دوم یہ کہ نبیذ حرام نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب لوگ اس کی حرمت سے اسی طرح واقف ہوتے جس طرح وہ شراب یعنی خمر کی حرمت سے واقف تھے کیونکہ اہل مدینہ میں شراب کے مقابلے میں دوسری مشروبات کا زیادہ رواج تھا اس بنا پر شراب کی حرمت کے مقابلے میں دوسری مشروبات کی حرمت سے باخبر ہونے کی انہیں زیادہ ضرورت تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ عموم بلویٰ (ایسی بات جس میں عامۃ الناس مبتلا ہوں) کی ذیل میں آنے والے احکام کے ثبوت کیا یک ہی صورت ہوتی ہے کہ تواتر کے ساتھ وہ منقول ہوں کہ اس تواتر کی وجہ سے علم بھی حاصل ہو جائے اور عمل بھی واجب ہو جائے۔ اس بنا پر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں نے تحریم خمر کے حکم سے ان مشروبات کی تحریم نہیں سمجھی اور نہ ہی ان مشروبات کو خمر کا نام دیا گیا۔ جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ایسی مشروبات جن کی کثیر مقدار نشہ آور ہو وہ سب کی سب خمر ہیں۔ ان کی دلیل ذیل کی روایات ہیں۔ اول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا (کل مسکو خمر ہر نشہ آور چیز خمر ہے)

شراب کن اشیاء سے بنتی ہے؟۔۔۔ دوم شعبی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الخ مو من خمسۃ اشیاء التمر والغب و الشعیر والحنطۃ والعل۔ شراب پانچ چیزوں سے کشید ہوتی ہے، کھجور، انگور، گندم، جو اور شہد سے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے۔ سوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا: خمر اسے کہتے ہیں جو عقل میں خمار پیدا کر دے" یعنی عقل کام کرنے سے عاجز رہ جائے۔ چہارم طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کل مخمر خمر وکل مسکو حرام۔ ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈال دے خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ پنجم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جب شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو میں اس وقت ابوطلحہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا۔ اس زمانے میں ہماری شراب سرخ اور زرد رنگ کی کھجوروں کی کشید ہوتی تھی۔ جیسے ہی شراب کی حرمت کی آواز کان میں پڑی ان سب نے برتنوں

سے شراب انڈیل دی اور برتن توڑ دیئے ساتھ ہی انہوں نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے ان تمام مشروبات کو شراب کا نام دیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تحریم خمر سے فضیح یعنی گدر کھجور سے کشید کی ہوئی شراب کی تحریم بھی سمجھ لی چنانچہ انہوں نے اسے بہا دیا اور برتن توڑ ڈالے، ان مشروبات پر شراب کے نام کا اطلاق یا تو لغت کے لحاظ سے ہوا ہوگا یا شریعت کی طرف سے۔ تاہم جس طرف سے بھی یہ اطلاق ہو جائے اس سے دلیل کا ثبوت ہو جائے گا اور ان مشروبات کو شراب کا نام دینا درست ہوگا غرض اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایسی تمام مشروبات جن کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو وہ خمر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انکی حرمت کا ثبوت لفظ خمر کی بنا پر موجود ہے۔
اس اعتراض کا اللہ کی توفیق سے جواب درج ذیل ہے۔ جتنے اسم ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تو وہ ہے جس میں ایک اسم کا اطلاق اپنے مسمی پر حقیقی طور پر ہوتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں ایک اسم کا اطلاق اپنے مسمی پر مجازی طور پر ہوتا ہے۔ پہلی قسم کا حکم ہے کہ وہ جہاں بھی ملے اسے اس کے حقیقی معنی میں استعمال کرنا واجب ہوتا ہے دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کا استعمال اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی دلیل موجود ہو۔ پہلی قسم کی مثال یہ قول باری ہے یرید اللہ لیبین لکم اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر واضح کر دے) نیز واللہ یرید ان یتوب علیکم اور اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے) یہاں لفظ ارادہ کا اطلاق اس کے حقیقی معنی پر ہوا ہے۔ دوسری قسم کی مثال یہ قول باری ہے فوجدا فیھا جداراً یرید ان ینقض ان دونوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت خضر (علیہ السلام) نے بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی) اس مقام پر لفظ ارادہ کا اطلاق مجازاً ہوا ہے، حقیقتاً نہیں۔ قول باری انما الخمر والمیسو۔ میں لفظ خمر کا اطلاق حقیقی طور پر ہوا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے انی ارانی اعصر خمراً۔ میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے پا رہا ہوں) یہاں لفظ خمر کا اطلاق مجازاً ہوا ہے اس لئے کہ انگور نچوڑے جاتے ہیں شراب نہیں نچوڑی جاتی۔ اسی طرح قول باری ہے ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔
اے ہمارے پروردگار ہمیں اس گاؤں سے نکال جس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں) یہاں قریہ کا نام اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہو رہا ہے اور اس سے مراد گاؤں کی عمارات ہیں۔ پھر قول باری ہے واسئل القریۃ التی کنا فیھا۔ جس گاؤں میں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے تھے اس سے پوچھ لو) یہاں قریہ کا لفظ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے اور مجاز مرسل کے طور پر مراد اہل قریہ ہیں۔
حقیقت مجاز سے اس لحاظ سے جدا ہوتی ہے کہ جو معنی اس کے مسمی کو لازم ہو جائے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے منتفی نہ ہو۔ وہ معنی اس مسمی کے لئے حقیقت ہوتا ہے اور اگر اس معنی کا اس مسمی سے منتفی ہونا جائز ہو تو وہ اس کے لئے مجاز ہوتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا تو آپ کی بات سچی ہوگی لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا" یا" انسان عاقل کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا" تو اس کی یہ بات غلط ہوگی۔ اسی طرح آپ کا یہ کہنا تو درست ہوگا کہ" شیرہ شراب نہیں ہے" لیکن یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ" انگور کا کچا رس جس میں تیزی اور جھاگ آجائے وہ خمر نہیں ہے۔ لغت اور شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایسے اسمائے شرعیہ جو معنی میں اسمائے مجاز ہوں ان کے استعمال کے سلسلے میں ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ جن مواقع پر ان کا اطلاق ہوا ہے ان سے آگے بڑھ کر کسی اور موضع میں بھی ہم انہیں استعمال کر لیں۔

جب ہم نے یہ دیکھا کہ لفظ خمر کا اطلاق دیگر تمام مشروبات سے منتفی ہے تو یہ ہمیں معلوم ہوگیا کہ یہ مشروبات شراب کے ذیل میں نہیں آتی ہیں، لفظ خمر کا اطلاق صرف انگور کے اس کچے رس پر ہوتا ہے جس میں تیزی اور جھاگ پیدا ہو جائے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدری کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس وقت وہ نشے میں مست تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تونے شراب پی رکھی ہے؟ وہ کہنے لگا کہ بخدا میں نے اس دن سے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا جس دن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ حضور نے پھر اس سے پوچھا کہ آخر تم نے کیا چیز پی ہے جس سے تم کو نشہ ہوگیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے خلیطین پی رکھی ہے (اس سے مراد وہ مشروب ہے جو دو چیزوں کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیطین کو بھی حرام قرار دیدیا۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خلیطین سے اسم خمر کا انتفاء کردیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ خلیطین شراب نہیں ہے۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جس وقت شراب حرام ہوئی ہے اس وقت مدینہ منورہ میں شراب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور سے بنی ہوئی تمام مشروبات سے شراب کے نام کی نفی کردی جبکہ یہ مشروبات تحریم خمر کے وقت ان کے پاس موجود تھیں۔ نیز اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ الخ مومن ھاتین الشجر تین شراب ان دو درختوں سے بنتی ہے) اس روایت کی سند اس روایت کی سند سے زیادہ صحیح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مندرج ہے کہ الخمر من خمسة اشیاء شراب پانچ چیزوں سے تیار ہوتی ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ ان دونوں درختوں کے سوا کسی اور چیز سے نکلنے والے مشروب سے شراب ہونے کی نفی کردی) اس لئے کہ آپ کا یہ قول الخ مومن ھاتین الشجر تین) اسم جنس سے ہے جو اس اسم یعنی خمر کے ذیل میں آنے والی تمام مسمیات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ روایت اس روایت کی معارض ہے جس میں یہ مذکورہ ہے کہ شراب پانچ اشیاء سے بنتی ہے یہ روایت سند کے لحاظ سے اس روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ سب کا اتفاق ہے کہ خمر کو حلال سمجھنے والا کافر ہے جبکہ ان مشروبات کو حلال سمجھنے والے پر فسق کا دھبہ بھی نہیں لگ سکتا چہ جائیکہ اسے کافر کہا جائے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ مشروبات حقیقت میں خمر نہیں ہیں۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ ان مشروبات سے بنا ہوا سرکہ خمر کا سرکہ نہیں کہلاتا ہے بلکہ خمر کا سرکہ وہ ہوتا ہے جو انگور کے کچے اور تیز رس سے بنایا جاتا ہے جو جھاگ دار ہوتا ہے۔
ہمارے مذکورہ بالا بیان سے جب ان مشروبات پر خمر کے اسم کے اطلاق کی نفی ہوگئی تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حقیقت میں خمر ان مشروبات کے لئے اسم ہی نہیں ہے اور اگر کسی وجہ سے ان مشروبات کو خمر کا نام دیا بھی جاتا ہے تو وہ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ ان مشروبات میں سکر بھی پایا جائے۔

اس لئے ان مشروبات پر تحریم خمر کا اطلاق جائز نہیں ہوگا کیونکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حقیقی معنوں میں استعمال ہونے والے اسماء کے تحت اسمائے مجاز کا دخول درست نہیں ہوتا۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول الخمر من خمسة اشیاء) کو اس حال پر محمول کرنا چاہیے جس میں سکر یعنی نشہ پیدا ہو جائے اسے خمر کا نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں وہی عمل ہوا جو خمر کا ہے یعنی نشہ پیدا کرنا اور سزا میں حد کے اجرا کا مستحق ہونا۔ اگر دیگر مشروبات نشہ پیدا کردیں تو اس حالت میں وہ خمر کہلانے کی مستحق ہو جاتی ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ "خمر وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے"۔ نبیذ کی قلیل مقدار عقل پر پردہ نہیں ڈالتی ہے۔ اس لئے کہ ماخامد العقل کے معنی ہیں وہ چیز جو عقل کو پوری طرح ڈھانپ لے، یہ بات ان مشروبات کی قلیل مقدار میں موجود نہیں بلکہ کثیر مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ جب ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان مشروبات پر اسم خمر کا اطلاق بطور مجاز ہوتا ہے تو اب اس اسم کا استعمال صرف اسی مقام میں ہوگا جہاں اس کے استعمال کے لئے دلالت موجود ہوگی۔

اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ تحریم خمر کے اطلاق کے تحت ان مشروبات کو بھی مندرج کر دیا جائے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ ایک دفعہ جب مدینہ منورہ میں ایک ہراس کی کیفیت پیدا ہوگئی تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر صورت حال معلوم کرنے کے لئے شہر کا چکر لگایا۔ واپس آ کر آپ نے فرمایا کہ وجدناہ بحرا۔ ہم نے اس گھوڑے کو سمندر پایا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے کی تیز رفتاری اور لمبے لمبے ڈگ بھرنے کی وجہ سے اسے سمندر کا نام دیا لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ سمندر کے لفظ کے اطلاق سے تیز رفتار گھوڑے کا معنی سمجھ میں آئے۔ نابغہ ذبیانی نے نعمان بن المنذر کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے۔ فانک شمس والملوک کواکب۔۔ اذا اطلعت لم یبد منھن کوکب۔ اے نعمان! تو سورج ہے اور تیرے مقابلے میں باقی تمام بادشاہ ستارے ہیں جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ نہ تو نعمان کا نام سورج تھا اور نہ ہی دوسرے بادشاہوں کے نام ستارے تھے۔ غرض ہمارے بیان سے یہ بات درست ہوگئی کہ خمر کا اسم ان مشروبات کے لئے نہیں بولا جاتا۔ اس کا حقیقی استعمال انگور کے تیز اور جھاگ دار کچے رس کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری مشروبات پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جوئے کی حرمت

ارشاد باری ہے یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اس ارشاد باری کی جوئے کی حرمت پر دلالت خمر کی حرمت پر دلالت کی طرح ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ لغت کے لحاظ سے میسر کا اسم تجزیہ یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے معنی ادا کرتا ہے۔ محاورے میں جس چیز کے آپ ٹکڑے ٹکڑے کریں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ یسرتہ (میں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے)۔ اسی طرح اونٹ کو ذبح کر کے اس کے ٹکڑے کرنے والے (جازر) کو یاسو کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اونٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے خود اونٹ کو بھی میسر کہا جاتا ہے جب کہ اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا کہ وہ اونٹ ذبح کر کے اس کے ٹکڑے کر دیتے اور ان ٹکڑوں پر جوئے کے تیروں کے ذریعے پانسے ڈالتے جس کا پانسہ نکلتا اس پر لئے ہوئے نشان کو دیکھتے۔ پھر اسی نشان کے حساب سے انہیں حصے ملتے۔ اس بنا پر جوئے کی تمام شکلوں پر لفظ میسر کا اطلاق کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قتادہ، معاویہ بن صالح، عطاء، طاؤس اور مجاہد کا قول ہے کہ المیسر سے مراد قمار یعنی جوا ہے۔ عطاء، طاؤس، اور مجاہد کا یہ بھی قول ہے کہ اس کا اطلاق اس کھیل پر بھی ہوگا جو بچے اخروٹ اور نرد کے مہروں کے ذریعے کھیلتے ہیں۔ علی بن زید سے یہ روایت ہے جو انہوں نے قاسم سے، انہوں نے ابوامامہ سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی ہے۔ آپ نے فرمایا اجتنبوا ھذہ الکعاب الموسومۃ التی یزجر بھا زجراً فانھا من المیسر نرد

کے ان نشان زدہ مہروں سے بچو جن سے شگون لیا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی جوئے کی ایک صورت ہے)۔
سعید بن ابی ہند نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسولہ۔ جو شخص نرد کے مہروں سے کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی)۔ حماد بن سلمہ نے قتادہ سے، انہوں نے کلاس سے یہ روایت کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم اتنے انڈے کھالو گے تو تمہیں فلاں چیز دے دوں گا۔ جب یہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے قمار قرار دے کر اس سے روک دیا۔ اہل علم کے درمیان جوئے کی حرمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے نیز یہ کہ شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ شرط لگانا جوا ہے۔ پہلے شرط لگانا جائز تھا پھر حرام ٹھہرا۔۔۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنا مال اور اپنی بیوی تک کی شرط لگا دیتے تھے۔ یہ بات ان کے ہاں درست تھی حتی کہ اس کی حرمت نازل ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے شرط لگائی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی الم غلبت الروم۔ رومی مغلوب ہوگئے) اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ شرط میں اضافہ کردو اور مدت بڑھا دو۔ پھر آپ نے شرط لگانے کی ممانعت کردی اور جوئے کی حرمت کے ساتھ شرط لگانے کی اباحت منسوخ ہوگئی۔ اس کی ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یکطرفہ شرط جائز ہے۔۔۔ البتہ اونٹوں، گھوڑوں کی دوڑ اور تیر اندازی کے مقابلے میں شرط لگانے کی اجازت ہے۔ جب اس کی صورت یہ ہو کہ جیتنے کی صورت میں لینے والا ایک ہو لیکن اگر دوسرا جیت جائے تو وہ کچھ بھی نہ لے۔ اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ جو جیت جائے گا وہ لے لے گا اور جو ہار جائے گا وہ دے دے گا تو یہ شرط باطل ہوگی۔

اگر ان دونوں نے اپنے درمیان ایک تیسرے شخص کو اس شرط پر داخل کرلیا کہ اگر وہ جیت جائے گا تو مستحق ہو جائے گا اور اگر نہیں جیتے گا تو اسے کچھ نہیں ملے گا تو یہ شرط جائز ہوگی۔ اس تیسرے شخص کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل یعنی حلال کر دینے والا رکھا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا لاسبق الا فی خف او حافر او نصل مسابقت صرف اونٹوں یا گھوڑوں یا تیروں میں ہوسکتی ہے)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے گھوڑوں میں مسابقت کرائی تھی۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعے گھوڑوں کو دوڑنے کی مشق ہوتی ہے اور انہیں دوڑ کی عادت ہو جاتی ہے۔ نیز اس کے ذریعے دشمن کے خلاف اپنی قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قول باری ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ دشمنوں کے مقابلے کے لئے جہاں تک تم سے وہ سکے طاقت اور قوت تیار کرو) روایت میں ہے کہ اس سے مراد تیر اندازی ہے نیز ومن رباط الخیل۔ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے) اس قول باری کا اقتضا یہ ہے کہ گھڑ دوڑ کے مقابلے جائز ہوں کیونکہ دشمن کے خلاف اس کے ذریعے طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے۔ یہی کیفیت تیر اندازی کی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جوئے کی حرمت کا جو ذکر فرمایا ہے وہ غلاموں میں قرعہ اندازی کی تحریم کا بھی موجب ہے جبکہ انہیں آزاد کرنے والا شخص بیمار ہو اور پھر وہ مرجائے۔ اس لئے کہ اس میں جوئے کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی کسی کو کامیاب بنا دینا اور کسی کو ناکام۔ البتہ تقسیم میں قرعہ اندازی جائز ہے کیونکہ اس صورت میں ہر شخص کو اس کا پورا پورا حصہ مل جاتا ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے صرف اس کی تعیین ہوتی ہے۔ اس میں

کسی ایک کے غالب آ جانے کا امکان نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (احکام القرآن، بقرہ، بیروت)

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء:

قرآن مجید' احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں' جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ' مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ڈھانپنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں:

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو' کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ابوحنیفہ دینوری نے کہا کہ دانوں سے جو شراب بنائی جاتی ہے' اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ دینوری کا تسامح ہے کیونکہ خمر کی حقیقت انگور ہیں' نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابوحنیفہ دینوری نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا: کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے آ "انی ارانی اعصر خمرا" میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں یہاں خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کو خمر حاصل کرنا اور جب انگور نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابوحنیفہ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انہوں نے یمن کے ایک شخص کو دیکھا جو انگور اٹھائے جا رہا تھا' انہوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا اٹھایا ہوا ہے؟ اس نے کہا خمر' سو اس نے انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا۔ (السان العرب' ج ٤' ص ۲۵۵ 'مطبوعہ ایران' تاج العروس' ص ۱۸۷-۱۸۶ 'مطبوعہ مطبعہ خیریہ' مصر' اقرب الموارد' ج ۱ ص ۱' ۳ 'مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی ۵۹۳ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے' انگور کا کچا پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ (صحیح مسلم الاشربہ' ٦٧' (۲۰۰۱) ۵۱۱۳ 'صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۳۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳٦۸۲' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۵۹۲)

اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے خمر ان دو درختوں سے (بنائی جاتی) ہے یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح مسلم' الاشربہ' ۱۳' (۱۹۸۵) ۵۰۵۰ 'ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳٦۷۸' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۵۷٤-۵۵۷۳-۵۵۷۲)

نیز خمر کا لفظ مخامرة العقل سے بنا ہے اور یہ وجہ اشتقاق ہر نشہ آور چیز میں پائی جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس

پر اتفاق ہے کہ انگور کے نشہ آور شیرہ کو خمر کہتے ہیں۔ اسی بناء پر خمر کا استعمال صرف اس معنی میں مشہور ہے۔ نیز خمر کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ اور ان کی حرمت کے دلائل بھی ظنی ہیں اور باقی نشہ آور مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے' وہ مخامرة العقل کی وجہ سے نہیں کہا جاتا ہے' بلکہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا ذائقہ بھی خمر کی طرح کڑوا ہوتا ہے۔ (یعنی یہ اطلاق بطور مجاز و استعارہ ہے) نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خمر کا لفظ مخامرة العقل سے مشتق ہے' تب بھی یہ وجہ اشتقاق اس بات کے منافی نہیں ہے کہ خمر انگور کے ساتھ مخصوص ہو' کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ظہور ہے' اس کے باوجود نجم کا لفظ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ظاہر چیز کو نجم نہیں کہا جاتا۔ ائمہ ثلاثہ نے جو پہلی حدیث پیش کی ہے (ہر نشہ آور چیز خمر ہے) اس کو یحییٰ بن معین نے مطعون قرار دیا ہے۔ (یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین امام' حافظ اور ثقہ ہیں' حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانتے ہوں' وہ حدیث نہیں ہے۔ عنایہ) اور دوسری حدیث: (خمر ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے) اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء کھجور کی شراب کا حکم بیان کرنا تھا اور یہی بیان منصب رسالت کے لائق ہے۔ (یعنی جب کھجور کی شراب کی مقدار کثیر نشہ آور ہو' تو وہ بھی خمر کی طرح ہے اور حرام ہے' اور اس سے حد لازم آتی ہے۔ عنایہ) (ہدایہ اخیرین' ص ۴۹۲' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے' خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں' اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس' اور ان کا پینا حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

۱۔ امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ (سنن النسائی: ج ۸' رقم الحدیث: ۵۷۰۲۔ ۵۷۰۱۔ ۵۶۹۹' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۲۹۷' کتاب الاثار لابی یوسف' ص ۲۲۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۵' ص ۸' سنن دارقطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۱۱۹' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۸۴۰۔ ۱۰۸۴۰۔ ۱۰۸۳۷۔ ۱۰۸۳۷' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۲۶۳۳۔ ۱۲۳۸۹' مجمع الزوائد ج ۵' ص ۵۳)

جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو' اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز:

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو' اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کر کے اور اس کی حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے' اور یہ عمل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا' حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اس سے عذر طلب کیا۔ جب وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو جب اس کو ہوش آ جائے تو اس کو کوڑے لگا دینا' پھر حضرت عمر نے اس اعرابی کے مشکیزہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوایا' پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور سخت تلخ نبیذ تھا' آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا' پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا' پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آ جائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمد فرماتے ہیں' ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الاثار لامام محمد' ص ۱۸۴۔ ۱۸۳' کتاب الآثار لامام ابی یوسف' ص ۲۲۶' مصنف عبدالرزاق' ج ۹' ص ۲۲۴)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبیل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیذ کا ایک پیالہ لے کر آئے' آپ نے اس کو چکھا' پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ پھر آپ نے اس میں پانی ملایا' پھر دو یا تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ' اور فرمایا جب تم کو (نبیذ) تیز لگے' تو اسی طرح کیا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۱۴۰۔ ۱۳۹' مصنف عبدالرزاق' ج ۹' ص ۲۲۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۰۰۔ ۳۰۰۵۔ ۳۰۰۴)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے' آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا' آپ کے پاس ایک برتن سے نبیذ لایا گیا' آپ نے اس کو سونگھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا: میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ' پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا' ایک شخص نے پوچھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۱۴۰' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۳۰۴' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۷۱۹)

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل:

علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو' اور خمر بعینہ حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور مثلث اور کشمش اور چھواروں کے پکے ہوئے پانی (یعنی نبیذ) میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے۔ اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور جس گھونٹ کے بعد نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے اور وہ کثیر مقدار کا آخری گھونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو پیالہ نشہ آور ہو' صرف وہ حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اس کی مثال کپڑے میں خون کی طرح ہے۔ اگر کپڑے میں قلیل خون ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے' اور اس کی مثال نفقہ کی طرح ہے' اگر انسان اپنی کمائی سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو جائز ہے اور اگر خرچ میں اسراف کرے (یعنی ناجائز محل پر خرچ کرے) تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح نبیذ ہے' اگر اس کو کھانے کے بعد پیا تو کوئی حرج نہیں ہے' اور اگر اس کو بقدر نشہ پیا تو ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ

اسراف ہے اس لیے جب نبیذ پیتے ہوئے نشہ ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دے۔ دیکھئے مثلاً دودھ حلال ہے لیکن کسی شخص کو زیادہ دودھ پینے سے نشہ ہونے لگے تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی اور اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت کا مدار نشہ لانے والے جز پر ہے۔ البتہ خمر مطلقاً حرام ہے نیز خمر کو تھوڑی مقدار میں پینا زیادہ پینے کا محرک ہوتا ہے اس لیے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اس کے برخلاف مثلث (انگور کا شیرہ جب جوش دے کر پکایا جائے اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو اگر وہ شیریں ہو تو سب کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور جب وہ جوش دینے سے گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں اس کو مثلث کہتے ہیں۔

(ردالمختار ج ۵ ص ۲۹۰)

اس کی قلیل مقدار کثیر کی محرک نہیں ہوتی' بلکہ اس کی قلیل مقدار کھانے کو ہضم کرتی ہے اور عبادت کرنے کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار سر میں درد پیدا کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ جو لوگ نشہ آور مشروبات کو پیتے ہیں وہ مثلث میں بالکل رغبت نہیں کرتے۔ (المبسوط ج ۲۴ ص ۹۔۸' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہیے' لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا' کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ کے ذکر سے روکتی ہے' نہ نماز سے اور نہ بغض وعداوت پیدا کرتی ہے۔ (البنایہ' ج ۱۱' ص ۴۴۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں' تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے' یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے' یا اعداء اسلام سے قتال کی قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے' یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے' تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں۔ خواہ ان کے مقدار قلیل ہو یا کثیر' اور چونکہ اب فساد عام ہو گیا ہے اور لوگ عیش وطرب اور لہو ولعب کے لیے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں' اس لیے متاخرین نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (ردالمختار ج ۵ ص ۲۹۳۔ ۲۹۲ ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

بیوہ کا نفقہ وسکنیٰ اور حکم منسوخ کا بیان

جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کا نفقہ وسکنیٰ اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ}قال كانت المرأة إذا توفي عنها زوجها كان لها السكنى والنفقة حولا من مال زوجها مالم تخرج۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے منتفع ہونے کی ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس بات میں جو وہ اپنی جانوں کے لئے قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیں، اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے۔ (البقرہ، 240)

اس آیت میں بیان ہوا کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کیلئے ایک سال کیلئے مال شوہر سے مال اور ایک سال تک اس کو گھر سے نکالا بھی نہیں جائے گا۔

بیوہ کیلئے ایک سال کا نفقہ وسکنیٰ سے متعلق حکم ناسخ کا بیان

(۱) بخاری، بیہقی نے سنن میں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ پ لفظ آیت "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا "اس آیت (کے حکم) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا۔ پھر تم اس کو کیوں لکھتے ہو یا آپ اس کو کیوں نہیں چھوڑتے ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں اس کہ جگہ سے کسی چیز کو نہیں بدلتا۔

(۲) ابن ابی حاتم نے عطاء سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ آیت " والذین یتوفون منکم. " کے بارے میں روایت کیا کہ وہ عورت جس کا خاوند مر جاتا ہے۔ اس عورت کا نفقہ اور اس کی رہائش (خاوند کے) گھر ایک سال تک ہوتی تھی۔ پھر میراث والی آیت نے اس (آیت کے حکم) کو منسوخ کر دیا۔ اب ان کے لئے چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا گیا خاوند کے ترکہ میں سے۔

(۳) ابن جریر نے عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ عورت کی میراث اس کے خاوند (کے ترکہ میں) سے یہ ہوتی تھی کہ اگر عورت چاہے تو خاوند کے مرنے کے دن سے لے کر ایک سال تک اس کے گھر میں رہے۔ جیسا کہ فرمایا لفظ آیت "فان خرجن فلا جناح علیکم" پھر (یہ حکم) منسوخ ہو گیا اس میراث کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے (عورت کے لئے) مقرر فرما دی۔

(۴) ابوداؤد، نسائی، بیہقی نے عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت لفظ آیت "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا. وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج " کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ

تعالیٰ نے اس آیت کو میراث والی آیت سے منسوخ فرما دیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرر فرما دیا۔ اور ایک سال کی مدت کو چار ماہ اور دس دن کے ساتھ منسوخ فرما دیا۔

(۵) سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی نے ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ لوگوں کو خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور ان کے لئے سورۃ بقرہ پڑھی اور اس میں (احکام) بیان فرمائے پھر جب اس آیت پر پہنچے۔ لفظ آیت " ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين " (البقرہ آیت ۱۸۰) اور فرمایا یہ آیت منسوخ کر دی گئی۔ پھر پڑھا یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے لفظ آیت " والذين يتوفون منكم " سے " غیر اخراج " تک اور فرمایا یہ آیت منسوخ ہے پھر قرأت کی۔

(۶) شافعی، عبد الرزاق نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ عورت جس کا خاوند مر جائے اب اس کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔ اس کو میراث کافی ہے۔

(۷) ابوداؤد نے الناسخ میں اور نسائی نے عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لازواجهم متاعا الى الحول " اس آیت کو منسوخ کر دیا اس (دوسری) آیت نے (یعنی)۔ والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا "۔

(۸) ابن الانباری نے اعصاف میں زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت " والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لازواجهم " کے بارے میں روایت کیا ہے عورت کے لئے اس کا خاوند ایک سال کا نفقہ اور گھر سے نہ نکالنے اور نہ (دوسری جگہ) شادی کرنے کی وصیت کر جاتا تھا۔ یہ حکم اس آیت " والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا " سے منسوخ ہو گیا (یعنی) اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اب ان پر چار ماہ اور دس دن ٹھہرنا (یعنی عدت گزارنا) فرض کر دیا گیا۔ اور ان کے لئے چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔

(۹) ابن الانباری نے زید بن اسلم سے انہوں نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ عورت کے لئے اس کا خاوند ایک سال کے نفقہ کی وصیت کر جاتا تھا جب تک کہ وہ نہ اس گھر سے نکلے اور نہ دوسرے خاوند سے شادی کرے۔ پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اور اس کے لئے اولاد نہ ہو تو ایک چوتھائی اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ مقرر کر دیا گیا اور اس آیت " يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا " نے ایک سال تک وصیت کرنے کا حکم بھی منسوخ کر دیا۔

جس عورت کا شوہر مر جائے اس کا نفقہ

(۱۰) ابن راہویہ نے اپنی تفسیر میں مقاتل بن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ طائف والوں میں سے ایک آدمی مدینہ منورہ آیا اس کی اولاد میں بچے اور بچیاں تھیں اور اس کے ساتھ اس کے والدین اور اس کی بیوی بھی تھی وہ آدمی مدینہ منورہ میں مر گیا اس کی میراث کا مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا۔ آپ نے والدین کو اور اس کو دستور کے مطابق (اس کے ترکہ میں) عطا فرما دیا اور اس کی عورت کو کچھ بھی عطا نہ فرمایا سوائے اس کے کہ ان کو حکم دیا کہ خاوند کے ترکہ میں سے ایک سال تک اس

پر خرچ کرتے رہیں اس بارے میں (یہ آیت) نازل ہوئی۔" والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا " (الآیہ)۔

(۱۱) عبد بن حمید، ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لفظ آیت " فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف " کے بارے میں روایت کیا کہ عورت کا (دوسری جگہ) نکاح کرنا حلال ہے۔ اور پاکیزہ ہے (اور تم پر کوئی حرج نہیں)۔

بیوہ کیلئے ایک سال کا نفقہ وسکنیٰ کے حکم منسوخ ہونے کا بیان

ثم نسخ ذلك بعد في سورة النساء، فجعل لها فريضة معلومة الثمن إن كان له ولد والربع إن لم يكن له ولد وعدتها {أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً}

فنسخت هذه الآية ما كان قبلها من أمر الحول ونسخت الفريضة الثمن والربع ما كان قبلها من النفقة في الحول.

ينظر: ابن حزم 125، النحاس 72، ابن سلامة 26، مكى 153، ابن الجوزى 201، العتائقى 37، ابن المتوج 70.

اس کے بعد سورت نساء کی آیت نمبر بارہ جس میں فریضہ مقرر کیا گیا ہے یعنی اگر اولاد ہو تو آٹھوان حصہ اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ وراثت سے ہوگا۔ اور اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

پس یہ آیت پہلے سال والی آیت کی ناسخ ہے۔ اور آٹھویں اور چوتھے حصے کے سبب سال کا نفقہ منسوخ ہو گیا۔

ایک سال تک عدت وفات کے منسوخ ہونا کا بیان:

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ موت کی آہٹ محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورۃ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے، جس میں فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (عورتیں) اپنے آپکو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳٤)

امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو خاوند کے مال سے اس کے لیے ایک سال کی رہائش اور خرچ مہیا کیا جاتا تھا' پھر جب سورۃ نساء میں عورت کی میراث مقرر کردی گئی کہ اگر اس کے خاوند کی اولاد نہ ہو تو اس کو خاوند کے مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر اس کی اولاد ہو تو پھر اس کو خاوند کے مال کا آٹھواں حصہ ملے گا' تو پھر رہائش اور نفقہ کا یہ حکم منسوخ ہو گیا' البتہ مجاہد کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' انکے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا تو واجب ہے جیسا کہ البقرہ: ۲۳٤ میں مذکور ہے' اس کے بعد سال کے باقی ماندہ سات ماہ بیس دن میں عدت گزارنے کا اسے اختیار ہے چاہے وہ یہ عدت گزارے یا نہ گزارے۔ (جامع البیان ج۱ ص۳٦۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن الزبیر نے حضرت عثمان سے کہا: (آیت) "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا"۔ (البقرہ: ۲۴۰) الی قولہ غیر اخراج" اس آیت کو سورۃ بقرہ کی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں لکھا ہے؟ حضرت عثمان نے کہا: اے بھتیجے ہم اس آیت کو اسی طرح رہنے دیں گے' قرآن مجید کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کریں گے (یعنی قرآن مجید کی آیات کو لکھنا امر توفیقی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آیت کی جو جگہ بتائی تھی اس کو وہیں لکھا گیا تھا) (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک عدت گزارتی' اس پر اس کی وراثت سے ایک سال تک خرچ کیا جاتا' جب ایک سال پورا ہو جاتا تو وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکلتی اور اس کے پاس ایک مینگنی ہوتی' وہ ایک کتے کو مینگنی مارتی اور شوہر کی عدت سے باہر آجاتی اور مینگنی کو مارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہتی کہ میرے نزدیک خاوند کی وفات کے بعد میرا اس کی عدت گزارنا میرے نزدیک اس مینگنی کو مارنے سے زیادہ آسان تھا' اسلام نے اپنے ظہور کے بعد ان کو پہلے اپنے اسی دستور پر قائم رکھا اور بیوہ کی عدت ایک سال ہی برقرار رہی۔ پھر اس کے بعد اس حکم کو سورۃ البقرہ: ۲۳۴ سے منسوخ کر دیا گیا اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء:

امام مالک کے نزدیک اگر خاوند کا اپنا یا کرایہ کا مکان ہو تو بیوہ کا اس گھر میں عدت گزارنا واجب ہے اور عدت سے پہلے گھر سے نکلنا مطلقا جائز نہیں ہے' امام شافعی کا ظاہر قول یہ ہے کہ خاوند کے مال سے بیوہ کے لیے عدت تک رہائش مہیا کرنا واجب ہے۔ امام احمد کے نزدیک اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے عدت کی رہائش کا استحقاق نہیں ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر ان کے دو قول ہیں' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیوہ کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنا واجب ہے لیکن وہ دن کے اوقات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

حدیث سے عدت وفات کا بیان:

امام مالک روایت کرتے ہیں: زینب بنت کعب بن عجرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فریعہ بنت مالک بن سنان جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں وہ روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ بنو خدرہ میں اپنے خاندان میں جا سکتی ہیں' کیونکہ انکے شوہر اپنے چند بھاگے ہوئے غلاموں کو ڈھونڈنے گئے تھے حتی کہ جب وہ قدوم کے راستہ میں پہنچے تو انہوں نے ان غلاموں کو جالیا' سوان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا' وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ آیا میں بنو خدرہ میں اپنے میکہ میں جا سکتی ہوں تا کہ وہاں عدت وفات گزاروں کیونکہ میرے خاوند نے اپنی ملکیت میں کوئی مکان چھوڑا ہے نہ نفقہ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ کہتی ہیں کہ جب میں واپس ہوئی حتی کہ میں (ابھی) حجرہ میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی' یا مجھے کسی سے آواز دے کر بلوایا' آپ نے پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟

میں نے پھر آپ سے اپنے خاوند کی وفات کا پورا قصہ دہرایا' آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو' حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے' وہ کہتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن عدت گزاری جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت تھا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا' میں نے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔
(موطا امام مالک میں ۵۳۱۔ ۵۳۰ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی بیان کرتے ہیں: زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جو عورت عدت وفات گزارے اس کے لیے بھی رہائش مہیا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریعہ سے فرمایا تھا: تم اپنے شوہر کے گھر میں رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے سو انہوں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری' امام ترمذی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے جس طرح نفقہ کا استحقاق نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے رہائش کا بھی استحقاق نہیں ہے اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ رہائش اس کے پانی (منی) کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اور وہ اس کی وفات کے بعد بھی موجود ہے' اور نفقہ کا وجوب خاوند کے تسلط کی وجہ سے ہوتا ہے اور موت سے وہ منقطع ہو گیا' نیز نفقہ عورت کا حق ہے اور وہ میراث سے ساقط ہو گیا اور رہائش اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ ساقط نہیں ہوا۔ (نہایۃ المحتاج ج ۷ ص ۱۵۴ دار الکتب العلمیہ 'بیروت)

عدت وفات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

علامہ قرطبی مالکی حضرت فریعہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حجاز اور عراق کے علماء کے درمیان یہ حدیث معروف ہے اور اس حدیث کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ بیوہ شوہر کے گھر عدت گزارے اور گھر سے باہر نہ نکلے۔ داؤد ظاہری یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے بیوہ پر عدت گزارنا لازم کیا ہے یہ لازم نہیں کیا کہ وہ شوہر کے گھر عدت گزارے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا بھی یہی قول ہے' موطا امام مالک' میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیوہ عورتوں کو عدت سے پہلے حج پر جانے سے بھی منع کرتے تھے' یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد تھا' ان کے نزدیک بیوہ خاوند کے گھر عدت گزارنا لازم تھا' اور قرآن اور سنت کا یہی مقتضیٰ ہے' اس لیے عدت سے پہلے بیوہ کا حج اور عمرہ کے لیے بھی جانا جائز نہیں ہے' امام مالک نے کہا: جب تک بیوہ نے احرام نہ باندھا ہو اس کو گھر لوٹا دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب خاوند کا گھر اس کی ملکیت میں ہو۔ امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام احمد اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے جیسا کہ حضرت فریعہ کی حدیث میں ہے اور اگر خاوند اس گھر میں رہتا ہو لیکن اس کا مالک نہ ہو تو عدت کے دوران بیوہ کے لیے اس میں رہنے کا استحقاق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت فریعہ کے خاوند اس گھر کے مالک نہیں تھے پھر بھی آپ نے حضرت فریعہ سے فرمایا: تم عدت پوری ہونے تک اس گھر میں رہو' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے' یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا خاوند اس مکان کا کرایہ دیتا رہا ہو لیکن اگر خاوند نے اس مکان کا کرایہ نہ دیا ہو تو خاوند خواہ امیر ہو اس کے مال سے

بیوہ کے لیے رہائش کا کوئی استحقاق نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا رہائش پر استحقاق اس وقت ہوگا جب خاوند کی مکان پر مکمل ملکیت ہو۔
(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۸۔۱۷۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

عدت وفات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ:

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: مطلقہ اور بیوہ اس گھر سے باہر نہ نکلے جس میں وہ رہتی تھی' البتہ بیوہ دن میں باہر جاسکتی ہے لیکن رات اس گھر میں آ کر گزارے' مطلقہ کے باہر نہ نکلنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ"۔ (الطلاق:۱)

ترجمہ: ان مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اور بیوہ کے گھر سے باہر نہ جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) 'متاعا الی الحول غیر اخراج"۔ (البقرہ:۲٤۰)

ترجمہ: بیوہ عورتوں کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نکالا نہ جائے۔

پھر چار ماہ دس دن سے زائد مدت کو البقرہ:۲۳٤ سے منسوخ کر دیا اور چار ماہ دس دن کی مدت تک یہ حکم باقی رہا' اور حضرت فریعہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فریعہ کو ان کے خاوند کے گھر سے منتقل ہونے سے منع فرمایا دیا تھا' اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں' اول یہ کہ بیوہ خاوند کے گھر سے منتقل نہ ہو اور ثانی یہ کہ بیوہ کا گھر سے باہر نکلنا ممنوع نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کا یہی قول ہے کہ بیوہ عورت دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن رات میں گھر میں گزارے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ٤۱۹۔٤۱۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱٤۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے۔
(البقرہ:۲٤۲)

مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب:

اس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے' اور اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو ان کو پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے ان کا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر کی علیحدگی ہوجاتی ہے اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہوجاتی ہے۔ مہر کی پوری تفصیل اور تحقیق انشاء اللہ ہم النساء:٤ میں

بیان کریں گے۔

اس آیت میں مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو کیونکہ جن عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو ان کا حکم البقرہ:۲۳۶ میں بیان کیا جا چکا ہے اور متاع سے مراد مہر ہے' اور طلاق کے بعد مہر کا ادا کرنا واجب ہے' خواہ مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثل' بعض علماء نے کہا ہے کہ متاع سے مراد عورت کا لباس وغیرہ ہے یعنی مطلقہ عورتوں کو مہر کے علاوہ لباس وغیرہ بھی دیا جائے' اور جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو لباس دینا واجب ہے اور باقی تین قسم کی مطلقہ عورتوں (جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ' اور وہ مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو) کو لباس دینا مستحب ہے۔

1 النساء 43. قال الرضى في حقائق التأويل 345: "فالصحيح أن الآية منسوخة بقوله تعالى: {إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ....} وبقوله تعالى "البقرة 219": {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ..}. 2 المائدة 9 _ 91. 3 ينظر: ابن حزم 124. النحاس 9,3. ابن سلامة 20. مكى 139. ابن الجوزى 201. العتائقى 34. ابن المتوج 58. 4 البقرة 240. 5 الآية 12. 6 البقرة 234. 7

روزے کی طاقت نہ رکھنے والوں کیلئے حکم فدیہ اور حکم نسخ کا بیان

روزے کی طاقت نہ رکھنے والے اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ـ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ـ}

كانت فيها رخصة الشيخ الكبير والعجوز الكبيرة وهما لا يطيقان الصوم أن يطعما مكان كل يوم مسكيناً أو يفطرا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے رکھنا فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ معدودے چند دنوں میں' سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر (اور وہ روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے) اور جن لوگوں پر روزے رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے' پھر جو خوشی سے فدیہ کی مقدار بڑھا کر زیادہ نیکی کرے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اگر تمہیں علم ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ (البقرہ 183، 184)

اس آیت میں بہت بوڑھے مرد اور بہت بوڑھی عورت جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے ان کیلئے رخصت ہے کہ وہ ہر دن مسکین کو کھانا کھلائیں۔ یا وہ افطار کریں۔

(آیت)"الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار:

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے' آیا اس کا معنی ہے: جولوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ میں دیں' اور پھر یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی۔

(آیت)"فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ"۔ (البقر: ۱۸۵)

ترجمہ: تم میں جوشخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ میں روزہ رکھے۔

یا اس آیت میں "یطیقونہ" "یطوقونہ" کے معنی میں ہے: یعنی جن لوگوں پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو' وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

اول الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

(آیت)"وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین"۔ (البقرہ: ۱۸٤)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: اس کو اس آیت نے منسوخ کردیا"۔ (آیت) "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ"۔ (البقرہ: ۱۸۵)

ابن ابی لیلی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیان کرتے ہیں کہ رمضان نازل ہوا اور صحابہ پر روزہ رکھنا دشوار ہوا تو بعض صحابہ جو روزہ کی طاقت رکھتے تھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے اور روزہ ترک کردیتے' انہیں اس کی رخصت دی گئی تھی' پھر اس رخصت کو اس آیت نے منسوخ کردیا۔ (آیت)" وان تصوموا خیر لکم"۔ (البقرہ: ۱۸٤) روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے" تو انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (آیت)۔ فدیۃ طعام مسکین"۔ (البقرہ: ۱۸٤) کو پڑھا اور فرمایا: یہ منسوخ ہے۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۲٦۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اور ثانی الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے' امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب بوڑھا شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو وہ ایک مد (ایک کلو) طعام کھلا دے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سنن دارقطنی ج۲ ص ۲۰٤ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے روایت کیا:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے (آیت) "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین"۔ (البقرہ: ۱۸٤) کی تفسیر میں فرمایا: ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور (آیت)۔ فمن تطوع خیرا"۔ (البقرہ: ۱۸٤) کی تفسیر میں فرمایا: اگر ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو زیادہ بہتر ہے' اور فرمایا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے' البتہ اس میں بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کو طعام کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی سند ثابت اور صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند سے اس حدیث کو عطاء سے روایت کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: (آیت) "یطیقونہ" کا معنی ہے: "یکلفونہ" یعنی جو سخت دشواری سے روزہ رکھیں وہ اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور جو ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے' یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس مریض کے لیے ہے جس کو بیماری سے شفا کی توقع نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ مجاہد اور عطاء سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کیا: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بوڑھے شخص کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلائے اور اس پر قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۷' ۔ ۲۰۵ مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

نیز امام دارقطنی روایت کرتے ہیں: نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے ایک حاملہ عورت نے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم روزہ نہ رکھو اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ اور قضاء نہ کرو۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی بیٹی ایک قرشی کے نکاح میں تھیں' وہ حاملہ تھیں' ان کو رمضان میں پیاس لگی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

ایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ایک کمزوری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو انہوں نے ایک تھال میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں) بنایا اور تین مسکینوں کو سیر کر کے کھلایا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ موت سے پہلے حضرت انس کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہ رکھے اور گھر والوں سے کہا: ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' تو انہوں نے تیس مسکینوں کو کھلایا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قیس بن سائب نے کہا: رمضان کے مہینہ میں ہر شخص روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلاتا ہے تم میری طرف سے دو مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو بڑھاپا آجائے اور وہ روزہ نہ رکھ سکے اس پر لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک کلو گندم دے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۸' ۔ ۲۰۷ مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

ان تمام آثار صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور جو کسی دائمی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ فدیہ دے اور اس کے بعد جو (آیت) "وان تصوموا خیر لکم" ہے اس کا معنی ہے: مسافر اور مریض کا روزہ رکھنا بہتر ہے یہ

آیت فدیہ کی ناسخ نہیں ہے۔امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت انس بن مالک بوڑھے ہو گئے حتی کے وہ روزہ رکھنے پر قادر نہ رہے تو وہ فدیہ دیتے تھے۔(موطا امام مالک ص۲۵۰ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا گیا کہ حاملہ عورت کو جب اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو اور اس پر روزہ دشوار ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو ایک کلو گندم کھلائے۔(موطا امام مالک ص۲۵۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جن لوگوں پر روزہ سخت دشوار ہو وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' یہ رخصت صرف اس بوڑھے کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس مریض کے لیے جس کو شفا کی امید نہ ہو۔(سنن کبری ج۲ ص۱۱۳۔۱۱۲ مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب موت سے ایک سال پہلے کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا۔(المعجم الکبیر ج۱۸ ص۳۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(مجمع الزوائد ج۳ ص۱۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت قیس بن سائب نے کہا: رمضان کے مہینہ میں انسان ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا ہے تم میری طرف سے ایک مسکین کو ہر روز ایک صاع (چار کلو) طعام دو۔(المعجم الکبیر ج۱۸ ص۳۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب روزہ نہ رکھ سکیں تو فدیہ دیں' اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حامل عورت کے متعلق فدیہ دینے کی روایت ذکر کی ہے۔(سنن کبری ج۴ ص۲۳۰ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جو بہت مشکل سے روزہ رکھیں ان کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ دینا جائز ہے اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں' اور حضرت انس جب کمزور ہو گئے تو انہوں نے فدیہ دیا۔(شرح السنۃ ج۳ ص۴۰۵۔۴۰۴ 'مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام دارقطنی' امام مالک' امام نسائی' امام طبرانی' امام بیہقی اور امام بغوی نے متعدد اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ آثار نقل کیے ہیں کہ بوڑھا شخص اور دائمی مریض جن پر روزہ رکھنا دشوار ہے' وہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دیں۔

(آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں مفسرین کی آراء:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے (آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی اور اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متعدد آثار اور اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

عکرمہ نے (آیت) "الذین یطیقونہ" کی تفسیر میں کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد

بوڑھا شخص ہے۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: (آیت)۔ الذین یطیقونہ ۔اس کا معنی ہے: جو مشقت اور تکلیف سے روزہ رکھیں۔ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ الذین یطیقونہ۔ کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے ہے جس کو شفا کی امید نہ ہو' مجاہد نے بھی اس اسی طرح روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۸۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

جو صحابہ اور فقہاء تابعین یہ کہتے ہیں کہ (آیت)۔ الذین یطیقونہ ۔ سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' بلکہ محکم ہے' اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مختار ہے' اور نسخ کا قول بھی صحیح ہے' البتہ یہ احتمال ہے کہ نسخ بمعنی تخصیص ہو (الی قولہ) اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزے کی طاقت نہیں رکھتے یا جو بہت مشقت سے طاقت رکھتے ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے' ربیعہ اور امام مالک کے نزدیک ان پر فدیہ واجب نہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹ ۔ ۲۸۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الحسن ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

(آیت)۔ الذین یطیقونہ ۔اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جو لوگ تکلیف اور مشقت سے روزہ رکھیں جیسے بوڑھے' حاملہ اور دودھ پلانے والی' یہ لوگ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں' ان پر قضا نہیں ہیں (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کے متعلق نازل ہوئی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس نے اس آیت میں یہ قرأت کی (آیت)۔ الذین یطوقونہ " (جو مشکل سے روزہ رکھیں) اس سے بوڑھے لوگ مراد ہیں۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۸۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

صحابہ اور تابعین میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں روزہ رکھنے کا اختیار تھا' جو شخص روزہ کی طاقت رکھتا ہو خواہ وہ روزے رکھے خواہ فدیہ دے' بعد میں روزہ کی طاقت رکھنے والوں سے یہ اختیار (آیت)۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ۔ سے

منسوخ ہوگیا (الی قولہ) اس آیت کا ایک اور معنی یہ ہے کہ جو لوگ مشقت اور صعوبت سے روزہ رکھتے ہیں وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والے نہیں ہیں' وہ بھی روزے کے مکلف ہیں لیکن ان پر روزہ کے قائم مقام فدیہ ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو وہ بھی پانی سے طہارت حاصل کرنے کا مکلف ہے لیکن اس کے لیے مٹی کو پانی کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۷۔۱۷۶ مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک پہلے روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے لیے روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا اختیار تھا بعد میں یہ منسوخ ہوگیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت کو "یطوقونہ" پڑھا' یعنی جو مشکل سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دے دیں اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور بعض علماء نے اس آیت کو (آیت) "الذین یطیقونہ" قرأت متواترہ کے مطابق پڑھا اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ وسعت اور طاقت میں فرق ہے' وسعت کا معنی ہے: کسی چیز پر سہولت سے قدرت ہونا اور طاقت کا معنی ہے: کسی چیز پر مشقت سے قدرت ہونا' تو آیت کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دیں یا اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھیں وہ فدیہ دیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۵۹۔۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جب بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طاؤس' ثوری اور اوزاعی کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ آیت بوڑھے شخص کی رخصت کے لیے نازل ہوئی ہے' اور اس لیے کہ روزہ رکھنا واجب ہے اور جب عذر کی وجہ سے اس سے روزہ ساقط ہوگا تو اس کے بدلہ میں قضا کی طرح کفارہ لازم آئے گا۔

نیز وہ مریض جس کے مرض کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہے' وہ بھی روزہ نہیں رکھے گا اور یہ روزہ کے بدلہ میں ایک مریض کو کھانا کھلائے گا کیونکہ وہ بھی بوڑھے شخص کے حکم میں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۳۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام شافعی اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھا شخص جس کو روزہ رکھنے میں شدید مشقت ہو اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو اس پر بالاجماع روزہ فرض نہیں ہے اور اس پر وجوب فدیہ کے متعلق دو قول ہیں' زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فدیہ واجب ہے۔ (شرح المہذب ج ٦ ص ۲۵۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا سخت مشقت سے روزے رکھتے ہیں' ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان پر کیا واجب ہے؟ ربیعہ اور امام مالک نے کہا: ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ البتہ امام مالک نے کہا: اگر وہ ہر روزے کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں تو یہ مستحب ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص بہت بوڑھا اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو' اسی طرح جس مریض کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو وہ ہر روزہ کے لیے فدیہ دیں۔ (درمختار علی ھامش ردالمختار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

ایک روزہ کے لیے نصف صاع یعنی دو کلو گندم یا اس کی قیمت فدیہ دے' روزہ کے فدیہ میں فقراء کا تعدد شرط نہیں ہے اور ایک فقیر کو متعدد ایام کا فدیہ دے سکتا ہے اور مہینہ کی ابتداء میں بھی دے سکتا ہے (درمختار علی ھامش ردالمختار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

روزہ کی اصلی کیفیت، فدیہ کی رخصت اور نسخ سے متعلق احادیث و آثار کا بیان

(۱) امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔

نماز و روزے کے حکم میں تبدیلی

(۲) امام احمد، ابوداؤد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے سنن میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نماز تین احوال میں پھیری گئی اور روزہ تین احوال میں پھیرا گیا۔ نماز کے تین احوال یہ ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لئے تو آپ نے سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمایا۔ لفظ آیت "قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رخ مکہ کی طرف کر لیا یہ تبدیلی تھی۔ حضرت معاذ نے (پھر) فرمایا نماز کے لئے پہلے لوگ جمع ہوتے تھے اور ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع کرتے تھے یہاں تک کہ وہ اس طریقے کو اچھا نہ سمجھنے لگے پھر انصار میں سے ایک آدمی جس کو عبداللہ بن زید کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے اس بارے میں جو نیند کرنے والا دیکھ رہا ہے اور اگر میں کہوں کہ میں نیند میں نہیں تھا تو بھی میں سچا ہوں گا۔ میں نیند اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا جب میں نے ایک شخص کو دیکھا جو دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھا اس نے قبلہ رخ ہو کر یوں کہا لفظ آیت "اللہ اکبر اللہ اکبر اشهد ان لا اله الا الله" دو مرتبہ یہاں تک کہ اذان سے فارغ ہو گیا پھر وہ تھوڑی دیر ٹھہرا رہا پھر اس نے اسی طرح کہا اور اس میں "قد قامت الصلوة" کو زیادہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ (کلمات) سکھادو تا کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ اذان دیں حضرت بلال پہلے شخص تھے جنہوں نے ان کلمات کے ساتھ اذان دی راوی کہتے ہیں کہ (اتنے میں) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے آئے۔ اور عرض کیا یارسول اللہ! میرے پاس بھی اس قسم کا آدمی آیا تھا لیکن یہ مجھ سے (آپ کے پاس پہلے آئے ہیں) سبقت لے گیا یہ دوسری تبدیلی ہے۔

پہلے صحابہ اکرام نماز کی طرف آتے تھے (اور) نبی اکرم ﷺ کچھ نماز پہلے پڑھ چکے ہوتے تھے ایک آدمی (دوسرے نماز پڑھنے والے) کے پاس جاتا اور (نماز کی حالت میں اس سے پوچھ لیتا تھا) کتنی رکعتیں پڑھی جاچکی ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ ایک یا رو رکعتیں (پڑھ لی ہیں) پھر وہ ان دونوں رکعتوں کو پہلے پڑھ لیتا پھر جماعت میں شریک ہوتا۔ حضرت معاذ تشریف لائے اور فرمایا میں آپ کو ہمیشہ اس حال میں نہیں پایا مگر اس حالت میں آپ کے پاس شریک ہوجاتا تھا (کہ میری ایک دو رکعت رہ جاتی تھی) پھر میں بعد میں قضا کر لیتا تھا (اس رکعت کو) جو مجھ سے رہ جاتی تھی۔ (ایک دفعہ) میں آیا تو نبی اکرم ﷺ آگے جا چکے تھے ایک دو رکعت پڑھ چکے تھے تو میں آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہوگیا جب رسول اللہ ﷺ نے نماز کو پورا فرمایا تو میں نے کھڑے ہو کر بقیہ نماز کو پورا کرلیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا کہ تمہارے لئے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت قائم کردی ہے۔ تم بھی اسی طرح کیا کرو یہ تیسری تبدیلی ہوئی۔

اور روزے کے احوال یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ہر مہینہ کے تین دن کے روزے اور عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے روازے آپ پر فرض فرمادیئے اور اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت " یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم "۔

الی قوله: وعلی الذین یطیقونه فی فدیة طعام مسکین:

پس جو شخص چاہے روزے رکھے اور جو شخص چاہے مسکین کا کھانا کھلائے یہ اس کا قائم مقام ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمائی لفظ آیت " شهر رمضان الذی انزل فیه القران هدی للناس - الی قوله " فمن شهد منکم الشهر فلیصمه - (اس طرح) اللہ تعالیٰ نے مقیم اور تندرست پر روزہ فرض فرمادیا اور مریض اور مسافر کے لئے رخصت عطا فرمادی اور بوڑھے آدمی کے لئے کھانا کھلانے کو ثابت فرمادیا جو روزوں کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ دو حالتیں ہوئیں۔

اور فرمایا لوگ کھاتے پیتے رہتے تھے اور اپنی عورتوں کے پاس آتے تھے جب تک کہ سوتے نہ تھے جب سو جاتے تھے تو (پھر کھانے پینے اور عورتوں کے پاس آنے سے) منع کر دیئے جاتے تھے انصار میں سے ایک آدمی جس کو صرمہ کہا جاتا تھا روزہ کی حالت میں شام تک کام کرتا تھا (شام کے وقت) وہ اپنی بیوی کے پاس آیا، عشا کی نماز پڑھی اور سوگیا صبح تک اس نے نہ کھایا نہ پیا صبح کو پھر روزہ رکھ لیا نبی اکرم ﷺ نے اس کو سخت تکلیف میں دیکھا اور فرمایا میں تجھ کو انتہائی تکلیف اور مشقت میں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میں کل سارا دن کام کرتا رہا (روزے کی حالت میں) تو میں پیٹ گیا اور میں سو گیا پھر میں نے (بغیر کھائے پیئے) صبح کا روزہ رکھ لیا (کیونکہ سو جانے کے بعد کھانا پینا جائز نہیں تھا (پھر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (کچھ دیر)

نیند کرنے کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستری کی (کیونکہ نیند کرنے کے بعد عورتوں سے ملنا جائز نہ تھا) نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر اپنا واقعہ بیان فرمایا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی "احل لکم لیلة الصیام الرفث" الی قوله "ثم اتموا الصیام الی الیل"۔

(۳) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "کما کتب علی الذین من قبلکم" یعنی اس سے اہل کتاب مراد ہیں۔

(٤) ابن جریر نے شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ نصاریٰ پر رمضان کا مہینہ فرض کیا گیا جیسے ہم پر فرض کیا گیا ان کے روزے موسم گرما میں آتے تو وہ انہیں دوسرے موسم کی طرف پھیر دیتے تھے (کفارے کے طور پر) ان میں اضافہ کر دیتے تھے یہاں تک کہ پچاس دن ہو گئے پس اس آیت کا یہی مطلب ہے لفظ آیت "کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم"۔

(٥) ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "کما کتب علی الذین من قبلکم" سے مراد وہ نصاریٰ ہیں جو ہم سے پہلے تھے ان پر رمضان (کے روزے) فرض کئے گئے اور ان پر (یہ بھی) فرض کیا گیا کہ نیند کے بعد کھاؤ اور پیو اور نہ رمضان کے مہینہ میں نکاح کرو رمضان کے روزے نصاریٰ پر بھاری پڑ گئے۔ وہ اکٹھے ہوئے اور روزوں کو دوسرے موسم گرمی اور سردی کے درمیان کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم بیس دن زیادہ کر دیں گے یہ ہمارے اس تبدیلی کا کفارہ ہوگا جو کچھ ہم نے (اللہ کے حکم کے خلاف) کیا (اور بعد میں) مسلمان بھی وہی کرتے رہے (یعنی نیند کے بعد کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے) یہاں تک کہ ابو قیس بن صرمہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ پیش آیا (جو پہلی روایت میں گذر چکا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کھانا پینا اور جماع کو طلوع فجر سے پہلے تک حلال فرما دیا۔

(٦) ابن حنظلہ نے اپنی تاریخ میں النحاس نے ناسخ میں اور طبرانی نے معقل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نصاریٰ پر رمضان کے روزے (فرض) تھے۔ ان کا بادشاہ بیمار ہوا تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دے دی تو ہم دس (روزے) زیادہ کر دیں گے پھر دوسرا بادشاہ ہوا اس نے گوشت کھایا تو وہ منہ کے درد میں مبتلا ہو گیا کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرما دی تو ہم سات (روزے) اور زیادہ کر دیں گے پھر ان کا ایک اور بادشاہ تھا تو کہنے لگے ہم بقیہ تین روزوں کو نہیں چھوڑیں گے ہم دس روزے پورے کریں گے اور ہم اپنے روزوں کو موسم ربیع میں کر دیں گے انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس طرح ان کے پچاس روزے ہو گئے۔

(۷) ابن جریر نے ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم" سے مراد ہے کہ ان پر روزے فرض کئے گئے ایک عشاء سے دوسری عشاء تک۔

(۸) ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "کتب علی الذین من قبلکم" سے مراد اہل کتاب۔

(۹) ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ۔ لعلکم تتقون " تا کہ تم پہلے لوگوں کی طرح کھانے پینے اور عورتوں سے بچتے رہو۔

(۱۰) ابن جریر اور ابی ابی حاتم نے عطار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ۔ ایاما معدودات ۔ سے مراد ہے کہ ہر مہینے کے تین دن روزے تھے اور پورے مہینہ کو ۔ ایاما معدودات ۔ کا نام نہیں دیا گیا۔ (اور) فرمایا کہ اس سے پہلے لوگوں کے یہی تین روزے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رمضان کے مہینے کو فرض فرمادیا۔

(۱۱) سعید بن منصور نے ابوجعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ رمضان کے مہینے نے سب روزے منسوخ کر دیئے۔

(۱۲) ابن ابی حاتم نے مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " ایاما معدودات " سے مراد رمضان کے تیس دن کے روزے ہیں۔

(۱۳) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ۔ کتب علیکم الصیام ۔ سے مراد ہے کہ ہر ماہ تین دن کے روزے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کے بارے میں (حکم) نازل فرما کر ان کو منسوخ فرمادیا سو یہ پہلا روزہ عشاء سے شروع ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا فدیہ بھی رکھا تھا پس جو مسافر چاہتا ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزہ افطار کر لیتا اور جوان کے لئے رخصت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ آیت " فعدۃ من ایام اخر " کا حکم نازل فرمایا اور اس دوسرے حکم میں مسکین کے کھانے کے دفیہ کا ذکر نہیں فرمایا تو فدیہ منسوخ ہو گیا اور دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا ثابت ہو گیا (اور) فرمایا لفظ آیت " یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر " اور افطار کرنا ہے سفر اجازت ہے اور پھر اس کی قضا دوسرے دنوں میں کرتے۔

(۱۴) عبد بن حمید نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ۔ سے مراد وہ رمضان کے روزے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا تھا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے اور پہلے وہ لوگ ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے تھے اور دو رکعت صبح کو اور دو رکعت شام کو پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان پر (اللہ تعالیٰ) نے رمضان کا مہینہ فرض کر دیا۔

(۱۵) ابن ابی حاتم نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ پہلا روزہ وہ تھا جس کو نوح (علیہ السلام) نے اور ان کے بعد والوں نے رکھا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے بھی اسی طرح روزہ رکھا۔

(۱۶) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے روزے اللہ نے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض فرمائے تھے۔

(۱۷) ابن ابی حاتم نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ہر امت پر پورے رمضان کے روزے فرض کئے گئے تھے جو پہلے گزر چکی۔ جیسا کہ ہم پر پورے ماہ کے روزے فرض ہیں۔

(۱۸) عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نصاری پر اس طرح روزے فرض کئے گئے جیسا

کہ تم پر فرض کئے گئے اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں ہے یعنی لفظ آیت "کتب علیکم" پھر فرمایا کہ نصاریٰ کا معاملہ یہ ہوا کہ ایک دن انہوں نے پہلے روزہ رکھا کہنے لگے ہم نہیں چوکیں گے پھر انہوں نے ایک دن بڑھایا اور ایک دن پیچھے کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ ہم نہیں چوکیں گے پھر ان کا آخری معاملہ یہ ہو گیا انہوں نے کہا کہ ہم دس (روزے) آگے کریں گے اور دس پیچھے کریں گے یہاں تک کہ ہم نہیں چوکیں گے پس وہ لوگ روزوں کا مہینہ ہی گم کر بیٹھے۔

(۱۹) ابن ابی حاتم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "کتب علیکم الصیام" سے مراد ہے کہ ان پر (روزے) اس طرح فرض کئے گئے جب ان میں سے کوئی عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتا تھا تو اس پر کھانا اور پینا اور عورتوں کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا۔

(۲۰) عبد بن حمید نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "کتب علیکم الصیام" سے مراد ہے کہ پہلے لوگوں پر روزہ اس طرح فرض تھا کہ جب ان میں سے کوئی کچھ کھانے سے پہلے سو جاتا تھا تو پھر اس کے لئے آئندہ رات تک کھانا حلال نہیں ہوتا تھا اور روزہ کی رات عورتیں ان پر حرام تھیں اور یہ حکم ان پر ثابت رہا لیکن تم کو اس کی رخصت دی گئی ہے۔

(۲۱) امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ عاشوراء کا دن روزہ رکھا جاتا تھا جب رمضان کا حکم نازل ہوا تو پھر جو شخص چاہتا (عاشوراء کا روزہ) رکھتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔

(۲۲) امام سعید اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام" (الآیہ) یعنی اس سے اہل کتاب مراد ہیں اور اس کا حکم محمد ﷺ کے اصحاب پر بھی تھا کہ ایک شخص عشاء کی نماز یا سونے سے پہلے کھا پی سکتا تھا اور جمع کر سکتا تھا۔ جب وہ عشاء کی نماز پڑھ لیتا یا سو جاتا تو یہ تمام کام آنے والی رات تک منع ہو جاتے تو اس آیت "احل لکم لیلۃ الصیام" نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

و أما قولہ تعالیٰ: وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ:

(۲۳) عبد بن حمید نے ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے اس آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" پڑھا اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ کر دی گئی۔

روزے کا فدیہ دینے کا حکم

(۲٤) ابن ابی حاتم، نحاس نے الناسخ میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ یہ آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" نازل ہوئی تو جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا روزہ نہ رکھتا اور مسکین کو کھانا کھلا دیتا پھر یہ آیت "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" نازل ہوئی تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا مگر بہت بوڑھے کے لئے باقی رہ گیا کہ اگر وہ چاہے تو ہر دن کے روزہ کے بدلہ کسی مسکین کا کھانا کھلا دے اور روزہ نہ رکھے۔

(۲۵) ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" سے مراد ہے کہ ان میں سے جو چاہے (روزہ کے بدلہ میں) ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے اور اپنے روزہ کو پورا کرے پھر فرمایا لفظ

آیت - فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ، وان تصوموا خیرلکم - اور فرمایا لفظ آیت - فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ -

(۲۶) سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابوداؤد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ بہت بوڑھا آدمی اور بوڑھی عورت کے لئے اجازت تھی جبکہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہوں اور ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت - فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ - جو تم میں سے اس مہینہ کو پائے روزہ رکھے اور ایسے بوڑھے شخص کے لئے افطار کی رخصت کو باقی رکھا کہ اگر روزے کی طاقت نہ رکھیں تو افطار کرلیں اور مسکین کو کھانا کھلا دیں اور (اس طرح) حمل والی عورت اور بچے کو دودھ پلانے والی عورت جب بچے کی ہلاکت کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھیں اور مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں ہر دن کے بدلہ اور ان پر روزہ کی قضا بھی نہیں ہے۔

(۲۷) امام دارمی، بخاری، مسلم، ابوؤود، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن خزیمہ، ابوعداوہ، ابن ابی حاتم، نحاس، ابن حبان، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے اپنی سنن میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت لفظ آیت " وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ " (الآیہ) طعام مسکین نازل ہوئی تو ہم میں سے جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا اس کے بدلہ میں فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے اور اس آیت لفظ آیت - فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ - سے سابقہ آیت منسوخ ہوگئی۔

(۲۸) ابن حبان نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول کے زمانہ میں مرضی سے روزے رکھتے تھے تو جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا روزہ نہ رکھتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ یہ آیت لفظ آیت - فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ - نازل ہوئی۔

(۲۹) امام بخاری نے ابویعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ہم میں سے کچھ ساتھیوں نے ہم کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ پر جب رمضان کے بارے میں حکم نازل ہوا تو ان پر یہ حکم مشکل ہوا جو شخص ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا وہ رمضان کے روزے چھوڑ دیتا تھا لیکن جو شخص روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا تھا اس کو روزہ چھوڑنا بھاری لگتا تھا اور ان کو رخصت دی گئی تھی پھر اس آیت لفظ آیت " وان تصوموا خیرلکم " نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔

ابتداء اسلام میں ہر ماہ تین روزے کا

(۳۰) ابن جریر نے ابویعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ہم کو محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے ان کو ہر ماہ تین دن کے روزوں کا حکم دیا جو نفلی تھے فرض نہ تھے پھر رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا اور لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے (یہ حکم) ان پر بھاری ہوا اور جو شخص روزہ نہ رکھتا تھا مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا پھر یہ آیت لفظ آیت " فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ، ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر - نازل ہوئی تو مریض اور مسافر کے لئے رخصت ہوئی اور ہم کو روزہ کا حکم ہوا۔

(۳۱) عبد بن حمید، ابن المنذر نے عامر شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت لفظ آیت " وعلی الذین یطیقونه فدیة " نازل ہوئی تو مالدار لوگ روزہ نہ رکھتے تھے اور (مساکین کو) کھانا کھلا دیتے تھے اور فقراء پر روزہ کر دیا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت "فمن شهد منكم الشهر فليصمه " تو سب لوگوں نے روزہ رکھا۔

( ) امام وکیع اور عبد بن حمید نے ابو یعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس رمضان کے مہینے میں آیا تو وہ کھا رہے تھے میں نے اس سے کہا کیا آپ کھا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا روزہ کے بارے میں جو حکم اول نازل ہوا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو شخص چاہے روزہ نہ رکھے اور ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دے جب یہ آیت لفظ آیت "فمن تطوع خيرا فهو خيرله " نازل ہوئی تو مسکینوں کو کھانا کھلانا مستحب تھا پھر جب یہ آیت لفظ آیت "فمن شهد منكم الشهر فليصمه " نازل ہوئی تو ہر مسلمان پر روزہ فرض ہو گیا مگر مریض یا مسافر یا میری طرح بہت بوڑھے آدمی پر فرض نہیں ہوا بیشک وہ افطار کرے اور ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دے۔

(۳۳) امام وکیع ،سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ نے المصنف میں، بخاری، ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ لفظ آیت " فدیۃ طعام مسکین" پڑھتے تھے اور فرماتے تھے یہ منسوخ ہے اس آیت کو اس کے بعد والی آیت لفظ آیت - فمن شهد منكم الشهر فليصمه - نے منسوخ کر دیا۔

(۳٤) امام وکیع ،سفیان، عبد الرزاق، الفریابی، بکاری، ابو داؤد نے الناسخ میں، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری نے مصاحف میں، طبرانی، دار قطنی، بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " وعلى الذين يطيقونه فدية - پڑھت تھے (تشدید کے ساتھ) مطلب یہ ہے کہ وہ مشقت اور تکلیف کے ساتھ روزہ رکھتے ہیں اور فرماتے تھے کہ (یہ آیت) منسوخ نہیں ہے۔ اس سے مراد بوڑھا آدمی اور بوڑھی عورت ہے (جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے) وہ ہر دن کے لئے مسکین کو کھانا کھلائیں اور روزے قضا بھی نہ کریں۔

(۳۵) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، دار قطنی، حاکم (ان دونوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت - وعلى الذين يطيقونه فدية - سے مراد ہے کہ وہ تکلیف کے ساتھ روزے رکھتے ہو تو ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں لفظ آیت - فمن تطوع خيرا - یعنی اور جو ایک مسکین سے زائد دیں لفظ آیت - فهو خيرله - تو یہ اس کے لئے بہتر ہے لفظ آیت - وان تصوموا - اور تمہارے لئے روزہ رکھنا بہتر ہے فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس میں اس بوڑھے کے لئے رخصت دی گئی ہے جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہو یا اس مرض کے لئے جو جانتا ہو کہ اب اسے شفایاب ہونا مشکل ہے۔

(۳٦) ابن جریر، بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ وہ - يطيقونهٗ - پڑھتی تھیں۔

(۳۷) ابن ابی داؤد نے المصاحف میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ وہ لفظ آیت - وعلى الذين يطيقونه - پڑھتے تھے۔

(۳۸) امام وکیع، عبد بن حمید، ابن الانباری نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ لفظ آیت - وعلی الذین یطیقونہ - پڑھتے تھے پھر فرمایا یہ آیت منسوخ نہیں ہے جو لوگ بڑی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہیں جیسے بہت بوڑھا شخص تو ان پر فدیہ ہے۔

(۳۹) ابن جریر، ابن الانباری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ لفظ آیت - وعلی الذین یطیقونہ - (یعنی جو لوگ طاقت رکھتے ہیں) ان کو مشقت میں ڈالا گیا اور انکو مکلف بنایا گیا پڑھتے تھے اسکا معنی مشکل سے روزہ رکھنا۔

(۴۰) سعید بن منصور، ابوداؤد نے الناسخ میں اور ابن جریر نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ لفظ آیت "وعلی الذین یطیقونہ" پڑھتے تھے اور فرمایا اگر وہ روزے کی طاقت نہیں رکھیں تو وہ روزہ نہ رکھیں۔

(۴۱) ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت" وعلی الذین یطیقونہ " بہت بوڑھے آدمی کے لئے نازل ہوئی جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا اس کو اجزات دی گئی ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں ہر دن مسکین کا کھانا کھلا دیا کرے۔

(۴۲) عبد بن حمید، ابوداؤد نے الناسخ میں، ابن جریر، ابن ابی حاتم، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت" وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ "منسوخ نہیں ہے اس سے مراد وہ بہت بوڑھا آدمی ہے جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن آدھا صاع گیہوں میں سے ایک مد اس کے کھانے کے لئے اور ایک مد اس کے سالن کے لئے صدقہ کر دیں۔

(۴۳) ابن سعد نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ یہ آیت مولی قیس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی لفظ آیت" وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین " کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے لئے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

(۴۴) ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت - وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ - سے مراد ہے کہ جو شخص مشقت کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے اور اسی طرح حاملہ عورت، دودھ پلانے والی، بہت بوڑھا آدمی اور جو شخص ہمیشہ بیمار رہے (روزہ کے بدلہ میں صدقہ دیدے)۔

(۴۵) ابن جریر نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ آیت - وعلی الذین یطیقونہ - کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے مراد بہت بوڑھا آدمی ہے جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اس کے بدلہ میں ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔

(۴۶) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ اپنی موت سے ایک سال پہلے کمزور ہو گئے (روزہ نہ رکھ سکے) تو انہوں نے ایک بڑے پیالہ میں ثرید بنالیا اور تیس مسکین کو بلا کر

کھانا کھلا دیا۔

(۴۷) امام طبرانی نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انسان روزہ رکھنے سے ضعیف ہوجائے اپنی موت سے ایک سال پہلے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن مسکین کو کھانا کھلائے۔

حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزے کی رخصت

(۴۸) عبد بن حمید، ابن جریر، دار قطنی (انہوں نے اسے صحیح بھی کہا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنی ام ولد سے فرمایا جو حاملہ تھی یا مرضعہ بچے کو دودھ پلانے والی تھی کہ تو ان لوگوں کی طرح ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تجھ پر مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور تجھ پر قضا نہیں ہے۔

(۴۹) عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، دار قطنی نے نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹیوں میں ایک بیٹی کو حضرت ابن عمر کے پاس حمل کی حالت میں رمضان کے روزے کے بارے میں پوچھنے کے لئے بھیجا انہوں نے فرمایا نہ رکھے اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

(۵۰) عبدالرزاق اور عبد بن حمید نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حامل عورت اس ماہ روزہ نہ رکھے اور اسی طرح دودھ پلانے والی جو اپنے بچے پر خوف کرے تو وہ روزہ نہ رکھے اور دونوں ہر دن مسکین کو کھانا کھلاتی رہیں اور ان پر قضا بھی نہیں ہے۔

(۵۱) عبد بن حمید نے عثمان بن اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ہے کہ میں نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو حاملہ ہو اور اس پر روزہ رکھنا دشوار ہو انہوں نے فرمایا کہ اس کو حکم کردو کہ روزہ رکھے اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرو جس صحت مند ہوجائے تو اسے چاہیے کہ قضا کرلے۔

(۵۲) عبد بن حمید نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ دودھ پلانے والی کو جب خوف ہو تو روزہ نہ رکھے اور مسکین کو کھانا کھلا دے اور حاملہ عورت کو جب اپنی جان پر خوف ہو تو وہ بھی روزہ نہ رکھے اور (بعد میں) قضا کرلے یہ عورت مریض کی طرح ہے۔

(۵۳) عبدالرزاق، عبد بن حمید نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (حاملہ اور مرضعہ) دونوں روزہ نہ رکھیں اور (بعد میں) قضا کرلیں۔

(۵۴) عبد بن حمید نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حاملہ اور مرضعہ جب دونوں کو خوف ہو تو روزہ نہ رکھیں اور (بعد میں) قضا کرلیں۔

(۵۵) عبد بن حمید نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جب رمضان میں انسان کو اپنی جان پر خوف ہو (کہ روزہ رکھوں گا تو مر جاؤں گا) تو اس کو چاہیے کہ روزہ نہ رکھے۔

وما قولہ تعالیٰ: طعام مسکین:

(٥٦) سعید بن منصور نے ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ بقرہ ممبر پر پڑھی جب آیت پر آئے تو پڑھا لفظ آیت "طعام مسکین"۔

(٥٧) عبد بن حمید نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت " فدیۃ طعام مسکین - کے بارے میں کہ اس سے مراد ہے ایک مسکین۔

(٥٨) امام وکیع نے عطار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت - فدیۃ عام مسکین - سے اہل مکہ کا مد مراد ہے۔

(٥٩) عبدالرزاق، عبد بن حمید نے عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنی والدہ کے بارے میں پوچھا جن کو پیاس تھی اور روزہ نہیں رکھ سکتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ روزہ رکھے اور ہر دن (مسکین کو) گیہوں کا ایک مد کھلائیں میں نے کہا کون سا مد؟ فرمایا تیری زمین (یعنی تیرے علاقے) ولا مد۔

(٦٠) دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جس کو بڑھاپا پہنچ جائے اور رمضان کا پہلا روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روز ایک مد گندم کھلائے۔

(٦١) عبدالرزاق، عبد بن حمید نے سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ صدقات اور کفارات کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے مد کے ساتھ ہوگا۔

وما قولہ تعالیٰ: فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ:

(٦٢) امام وکیع نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فمن تطوع خیرا " سے مراد ہے کہ مسکین کو ایک صاع کھانا کھلائے۔

(٦٣) عبد بن حمید نے عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فمن تطوع خیرا " سے مراد ہے کہ دو مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

(٦٤) عبد بن حمید نے طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فمن تطوع خیرا " سے مراد ہے کئی مساکین کو کھانا کھلا دے

(٦٥) امام وکیع، عبد بن حمید نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھتے تھے کیونکہ وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ہر دن چار مسکینوں کو کھانا کھاتے تھے۔

(٦٦) دار قطنی نے سنن میں مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے قیس بن سائب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رمضان کا مہینہ کا انسان فدیہ دے تو ہر دن کے لئے مسکین کو کھانا کھلائے۔ سوتم لوگ مری طرف سے ہر روز دو مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔

قولہ تعالیٰ: وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون:

(٦٧) ابن جریر نے ابن شہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت" وان تصوموا خیر لکم "یعنی روزہ بہتر ہے تمہارے لئے فدیہ سے۔

(۶۸) امام مالک، ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حزیمہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کے ہر عمل دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے اللہ عزوجل نے فرمایا کہ خبردار روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا وہ میری وجہ سے اپنا کھانا، اپنا پینا اور اپنی خواہش کو چھوڑتا ہے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور ایک خوشی (قیامت کے دن) اپنے رب سے ملاقات کے وقت اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

(۶۹) ابن ابی شیبہ، مسلم، نسائی، بیہقی نے ابو ہریرہ وابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور روزہ دار کے لئے خوشیاں ہیں ایک خوشی جب افطار کرے اور دوسری خوشی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا اور وہ اس کو جزا دے گا خوش ہوگا اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

روزہ ڈھال ہے

(۷۰) امام احمد اور بیہقی نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے رب نے فرمایا روزہ ڈھال ہے بندہ اس کی ذریعہ آگ بچاؤ کرتا ہے اور وہ (روزہ) میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا راوی نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ آگ سے بچانے والی مضبوط ڈھال ہے۔

(۷۱) امام بیہقی نے ایوب بن حسان واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ایک آدمی کو سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرتے ہوئے سنا کہ اے ابو محمد (یہ ان کی کنیت تھی) ان احادیث میں ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لئے ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے اور میں اس کا بدلہ دوں گا (یہ حدیث کیسی ہے) ابن عیینہ نے فرمایا یہ حدیث عمدہ اور محکم احادیث میں سے ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب فرمائیں گے اور اس کے مظالم کی وجہ سے اس کے سارے اعمال دوسرے لوگوں کو دیئے جائیں گے یہاں تک کہ صرف روزہ اس کے لئے باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے باقی مظالم کو اٹھالیں گے اور اس کو روزہ کے بدلہ میں جنت میں داخل فرمادیں گے۔

(۷۲) امام مالک، ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جل شانہ فرماتے ہیں ابن آدم کا ہر عمل اس کے اپنے لئے ہے سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو فحش گوئی نہ کرے اور نہ شور مچائے اگر کوئی اس کو برا کہے یا گالی دے تو اس کو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی جب افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ اور دوسری خوشی جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔

(۷۳) ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن خزیمہ، بیہقی نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس میں سے ایک دروازہ جس کا نام ریان ہے قیامت کے دن اس میں روزہ دار داخل ہوں گے ان کے علاوہ کوئی بھی ان کے ساتھ داخل نہ ہوگا کہا جائے گا کہاں ہیں روزہ دار؟ تو وہ لوگ اس سے داخل ہوں گے جب ان میں آخری آدمی داخل ہو جائے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر ان میں سے داخل نہ ہوگا۔

ابن خزیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زیادہ کہا کہ جو آدمی اس میں سے داخل ہوگا وہ پیئے گا اور جو شخص پیئے گا وہ پیاسا نہ ہوگا۔

(۷۴) امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزہ میں کوئی ریا کاری نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا میری وجہ سے اپنے کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے۔

(۷۵) ابن ابی شیبہ، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پہلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔

(۷۶) امام نسائی اور بیہقی نے عمرو بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا اور انہوں نے اپنے باپ دادا سے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔

(۷۷) امام بیہقی نے عبداللہ بن روفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزہ دار کی نیند عبادت ہے اس کا خاموش رہنا تسبیح ہے اس کا عمل دوگنا ہے۔ اس کی دعا قبول کی جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف ہے۔

(۷۸) ابن عدی نے، ابوالحسن، محمد بن جمیع العسائی، ابوسعید بن الاعرابی اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کوئی بندہ جب روزہ کی حالت میں صبح کرتا ہے تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس کے اعضاء تسبیح کرتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ جاتا ہے اگر وہ ایک رکعت یا دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے آسمان نور سے روشن ہو جاتے ہیں اور حور عین میں سے اس کی بیویاں کہتی ہیں کہ اے اللہ اس کو ہماری طرف بھیج دے ہم اس کو دیکھنے کی مشتاق ہیں اور اگر وہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے یا تسبیح بیان کرتا ہے یا تکبیر کہتا ہے تو اس سے ستر ہزار فرشتے ملاقات کرتے ہیں اور اس کے اس ذکر کا ثواب سورج غروب ہونے تک لکھتے رہتے ہیں۔

روزے دار کے لئے جنت کی بشارت

(۷۹) بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو روزہ نے کھانے اور پینے سے روکے رکھا جس کی اس کو خواہش تھی تو اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کے مطابق جنت کے پھل کھلاتے ہیں اور اس کو جنت میں سے پلائے گا۔

(۸۰) امام بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس یہ وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو یہ بتا دیجئے جب کوئی بندہ کسی دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روزہ رکھے گا تو میں اس کے جسم کو صحت عطا کروں گا اور اس کے اجر کو بڑا کر دوں گا۔

(۸۱) ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم سمندری جنگ میں جا رہے تھے کہ ایک آواز دینے والے نے آواز دی اے کشتی والوں اپنی خبر دو ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کہا کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ ہوا ہمارے لئے اچھی ہے (یعنی سازگار ہے) لنگر ہمارے لئے اٹھائے گئے ہیں کشتی ہمارے لئے سمندر کی گہرائی میں چل رہی ہے ؟ تو اس آواز دینے والے نے کہا کیا میں تم کو اس فیصلہ کے متعلق نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر لازم رکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں ضرور بتاؤ۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ فیصلہ فرمالیا ہے کہ جو بندہ دنیا میں اللہ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو ایک دن پیاسا رکھے گا (یعنی روزہ رکھے گا) تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اس کو قیامت کے دن سیراب فرمائیں گے۔

(۸۲) امام احمد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو میں آپ سے حاصل کرلوں اور اللہ تعالیٰ اس سے مجھے نفع عطا فرمادیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزہ کو لازم پکڑ لے کہ اس کی مثل کوئی (عمل) نہیں۔

(۸۳) امام بیہقی نے عبداللہ بن اُبی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ قیامت کے دن روزے داروں کے لئے دسترخوان رکھے جائیں گے وہ کھا رہے ہوں گے اور لوگ حساب دینے کی مشقت میں ہوں گے۔

(۸۴) بیہقی نے کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ہر کاشتکار کو اپنی کھیتی کا بدل دیا جاتا ہے اور زیادہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اہل قرآن اور روزوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔

(۸۵) ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نیک عمل کرنے والوں کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک مخصوص دروازہ ہوگا جس سے وہ بلائے جائیں گے اور روزہ والوں کے لئے ایک دروازہ ہے جس کو ریان کہا جاتا ہے۔

(۸۶) امام مالک نے مؤطا میں، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، نسائی اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزہ ڈھال ہے (آگ سے)

(۸۷) امام بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب عزوجل سے یہ روایت فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے رب نے فرمایا روزہ ڈھال ہے میرا بندہ اس کے ذریعہ آگ سے بچاؤ حاصل کرتا ہے۔

(۸۸) امام احمد اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا روزہ ڈھال ہے اور آگ سے بچاؤ کا مضبوط قلعہ ہے۔

(۸۹) ابن ابی شیبہ، نسائی اور ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی نے عثمان بن ابی عاصم ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ آگ سے ڈھال ہے جیسے تم میں سے کسی کے لئے ڈھال ہوتی ہے لڑائی سے (بچاؤ کے لئے)۔

(۹۰) ابن ابی شیبہ، نسائی، ابن خزیمہ، اور بیہقی نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو نہ پھاڑ دیا جائے۔

(۹۱) امام طبرانی نے الاوسط میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زورہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑا نہ جائے پوچھا گیا یہ کس طرح پھٹتا ہے؟ آپ نے فرمایا جھوٹ اور غیبت سے۔

(۹۲) امام ترمذی اور بیہقی نے بنوسلیم کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا سبحان اللہ نصف میزان ہے اور الحمدللہ میزان کو بھر دیتا ہے اور اللہ اکبر زمین وآسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے اور وضو (بھی) نصف ایمان ہے۔ اور روزہ آدھا صبر ہے۔

(۹۳) ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور بیہقی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ آدھا صبر ہے اور ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔

(۹۴) ابن عدی اور بیہقی نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔

روزہ دار کے سامنے کھانا

(۹۵) ابن سعد، ابن ابی شیبہ، ترمذی (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ کو کھانا پیش کیا آپ نے فرمایا تم بھی کھاؤ میں نے عرض کیا میں روزہ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا جب روزہ دار کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے تو اس کے لئے ہر فرشتے دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ دوسرے لوگ کھانے سے فارغ ہوجاتے ہیں یا کھانا ختم کر دیتے ہیں۔

(۹۶) ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ کا کھانا تناول فرما رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال کھانے میں حاضر ہوجاؤ انہوں نے عرض کیا میں روزہ سے ہوں یا رسول اللہ! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں باقی ہے کیا تم جانتے ہو اے بلال رضی اللہ عنہ بلاشبہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں اور فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں جب تک اس کے پاس کھانا کھایا جائے۔

(۹۷) ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ روزہ دار کے پاس جب کھایا جاتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

(۹۸) ابن ابی شیبہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ روزہ دار کے پاس جب کھایا جاتا ہے تو فرشتے اس کے

لئے دعا کرتے ہیں۔

(۹۹) ابن ابی شیبہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ روزہ دار کے پاس جب کھایا جاتا ہے تو اس کے مفاصل تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔

(۱۰۰) ابویعلی، طبرانی، بیہقی نے امام ابن ابی شیبہ نے یزید بن خلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اسی طرح روایت ہے سلمہ بن قیصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے (صرف) ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے اتنی دور کر دے گا جتنی دور تک کو بچپن سے مرنے تک اڑنا شروع کرے۔ یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر مر جائے۔

(۱۰۱) البزار اور بیہقی نے احمد اور بزار نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح روایت کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین دعائیں قبول ہوتی ہیں روزہ دار کی دعا، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔

(۱۰۲) بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مسجد کی طرف تشریف لائے اور اس میں اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرمایا جس کے پاس طاقت ہو اس کو چاہیے کہ نکاح کرے ورنہ اس پر روزہ لازم ہیں کیونکہ وہ شہوت کو کم کر دیتا ہے اور ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے۔

(۱۰۳) ترمذی، ابن ماجہ نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریان کہا جاتا ہے اس سے روزہ داروں کو بلایا جائے گا۔ جو شخص روزہ داروں میں سے ہوگا اس سے داخل ہوگا اور جو شخص اس (دروازہ) سے داخل ہوگا اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔

(۱۰۴) ابن ماجہ حاکم بیہقی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ افطار کے وقت روزہ دا کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

(۱۰۵) البزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ داروں کے لئے ایک حوض ہوگا کہ غیر روزہ دار اس پر نہیں آئیں گے۔

(۱۰۶) ابن ابی الدنیا اور البزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمندر کی ایک لڑائی میں بھیجا اس درمیان کہ وہ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے اور اندھیری رات میں (کشتیوں کے) بادبان اٹھا دیئے گئے تھے ان کے اوپر سے غیب سے ایک آواز آئی کہ اے کشتی والوں ٹھہر جاؤ میں تم کو اپنے فیصلہ کی خبر دیتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ فیصلہ لازم کر رکھا ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اگر تو خبر دینے والا ہے تو ہم کو خبر دے اس نے کہا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ فیصلہ لازم کر رکھا ہے کہ جو گرمی کے دن میں اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے لئے پیاسا رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو پیاس کے دن (یعنی قیامت کے دن) پلائے گا۔

حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کو پانچ کلمات کا حکم

(۱۰۷) ابن سعد، ترمذی (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) نسائی۔ ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے الدعوات میں الحرث الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کو پانچ کلمات پہ عمل کرنے کا حکم فرمایا اور نبی اسرائیل کو بھی عمل کرنے کا حکم فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ وہ تھوری سی دیر تاخیر کریں عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ کلمات پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور بنی اسرائیل کو بھی عمل کرنے کا حکم فرمائیں یا تو آپ انہیں ان باتوں کا حکم دیں ورنہ میں ان کو حکم دیتا ہوں یحییٰ (علیہ السلام) نے فرمایا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اگر آپ ان کلمات کے ساتھ مجھ سے سبقت لے گئے تو مجھے دھنسا دیا جائے یا عذاب دیا جائے (اگر میں نے ان کاموں کا حکم نہ کیا) (پھر) تمام لوگ بیت المقدس میں جمع ہوئے اور وہ ہجوم سے بھر گیا اور آپ ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پانچ کلمات کا حکم فرمایا ہے کہ میں ان پر عمل کروں اور تم کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کروں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو مثال اس شخص کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرتا ہے اس آدمی کی مثال ہے جس نے خالص سونے اور چاندی سے ایک غلام خریدا اور اس سے کہا یہ میرا گھر ہے اور یہ مرا کام ہے سو تو کام کر اور اس کا صلہ مجھے پہنچا وہ کام کرتا ہے مگر اس کا صلہ اپنے مالک کے علاوہ دوسرے کو پہنچاتا ہے کون تم میں سے اس بات کو پسند کرتا ہے اس کا غلام اس طرح کا ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر توجہ نہ کرو بلا شبہ اللہ تعالیٰ بندہ کے سامنے ہوتا ہے جب تک بندہ اپنی نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم فرمایا اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو جماعت کے ساتھ ہے اور اس کے پاس ایک تھیلی ہو جس میں مشک ہو اور جماعت کا ہر آدمی اس کی خوشبو کو پسند کرتا ہو اور بلا شبہ روزہ دار کی بو اللہ کے نزدیک اس مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم فرمایا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو دشمن قید کرلے اور اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے ہوں اور وہ سب لوگ اس کی گردن مارنے کے لئے آگے بڑھیں تو وہ کہے کہ میں اپنی جان کا قلیل و کثیر کے ساتھ فدیہ دیتا ہوں۔ تو (اس طرح) اس نے اس کو اپنی جان کا فدیہ دے دیا (اور اپنی جان کو چھڑا لیا) اور اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ اس کا دشمن (اس کو مارنے کے لئے اس کے نشانات قدم پر تیزی سے نکلا یہاں تک کہ ایک مضبوط قلعہ کی طرف آ گیا اور اپنی جان کو دشمن سے بچا لیا اسی طرح بندہ اپنی جان کو شیطان سے نہیں بچا سکتا مگر اللہ کے ذکر سے۔

(۱۰۸) امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد کرو غنیمت (کامال) پاؤ گے روزے رکھو صحت مند ہو جاؤ گے۔ اور سفر کرو مالدار ہو جاؤ گے۔

(۱۰۹) امام احمد، ابن ابی الدنیا نے کتاب الجوع اور حاکم نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندہ کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس کو کھانے سے اور شہوت کے پورا کرنے سے روکے رکھا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرمایئے قرآن کہے گا میں نے

اس کو رات کو سونے سے روکے رکھا اس لئے میری سفارش اس کے متعلق فرمایئے پھر فرمایا کہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(۱۱۰) ابویعلی اور طبرانی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک آدمی کسی دن نفلی روزہ رکھے پھر اس کو زمین بھر سونا دے دیا جائے تو حساب کے دن سے پہلے اس کا ثواب مکمل نہ ہوگا۔

(۱۱۱) امام طبرانی نے الاوسط میں اور الصغیر میں ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں ایک دن کا روزہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور آگ کے درمیان (اتنی بڑی) خندق بنا دیں گے جتنا آسمان و زمین کے درمیان (فاصلہ) ہے۔

(۱۱۳) طبرانی نے عمرو بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں ایک دن کا روزہ رکھے گا جہنم اس سے ایک سو سال کی مسافت تک دور کر دی جائے گی۔

(۱۱٤) ترمذی، نسائی، ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے راستہ میں ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن (کے روزہ) کی وجہ سے اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال دور فرما دیں گے۔

(۱۱۵) ترمذی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے راستے میں ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان (اتنی بڑی) خندق بنا دیں گے جتنا زمین و آسمان کے درمیان (فاصلہ) ہے۔

(۱۱۶) امام احمد، ترمذی (انہوں نے اسے حسن کہا ہے) ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی روزہ دار کی یہاں تک کہ وہ افطار کرے، عادل بادشاہ کی، مظلوم کی دعا، اللہ تعالیٰ بادل کو اوپر اٹھا لیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میری عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ عرصہ کے بعد ہو۔

(۱۱۷) ابن ابی الدنیا نے کتاب الجوع میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ داروں کے منہ سے مشک کی خوشبو پھوٹتی ہوگی اور قیامت کے دن عرش کے نیچے ان کے لئے دستر خوان بچھایا جائے گا وہ اس میں سے کھائیں گے اور لوگ (قیامت کے دن کی) سختی میں ہوں گے۔

(۱۱۸) الطبرانی نے الاوسط میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک ایسا دستر خوان لگائیں گے کہ کسی آنکھ نے ایسا نہیں دیکھا، کسی کان نے ایسا نہیں سنا کسی آدمی کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آیا (اور) اس (دستر خوان) پر صرف روزہ دار بیٹھیں گے۔

(۱۱۹) ابوالشیخ بن حسان نے الثواب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اور روزہ دار اپنی قبروں سے نکلیں گے اپنے روزے کی خوشبو سے وہ پہچانے جائیں گے ان کے مونہوں سے

مشک سے زیادہ خوشبو ہوگی ان کے لئے دستر خوان اور لوٹے رکھے جائیں گے جن پر مشک کی مہر لگی ہوگی ان سے کہا جائے گا کھاؤ تم (دنیا میں) بھوکے رہے اور پیو تم (دنیا میں) پیاسے رہے لوگوں کو چھوڑ دو اور تم آرام کرلو اس کے لئے کہ تم نے اس وقت تھکاوٹ برداشت کی جب کہ لوگ آرام میں ہوتے تھے اور کھاتے پیتے تھے وہ آرام کریں گے جبکہ لوگ مشقت میں ہوں گے اور پیاسے ہوں گے۔

(۱۲۰) ابن ابی الدنیا نے کتاب الاھوال میں مغیب بن سمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ سورج کے سروں کے اوپر ایک ہاتھ کی بلندی پر ہوگا اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، آگ کی لپیٹ اور گرم لوان پر چلے گی اور دوزخ کے شعلے ان پر نکل رہے ہوں گے یہاں تک کہ زمین پر لوگوں کے پسینے سے ایسی بدبو اٹھے گی جیسے مردار کی بدبو ہوتی ہے اور روزہ دار اس وقت عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔

(۱۲۱) الاصبہانی نے الترغیب میں، احمد بن ابی الھوری کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ابو سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس ابو علی اصم ایک عمدہ حدیث لے کر تشریف لائے کہ میں نے اس حدیث کو دنیا میں ان سے سنی تھی کہ روزہ داروں کے لئے دستر خوان لگایا جائے گا جس سے وہ کھائیں گے اور لوگ حساب (کی سختی میں) مبتلا ہوں گے عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم تو حساب دے رہے ہیں اور یہ لوگ کھانا کھا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے انہوں نے برابر روزے رکھے اور تم نے نہیں رکھے اور یہ راتوں کو قیام میں ہوتے تھے۔ اور تم سوئے ہوئے ہوتے تھے۔

جنت کا اعلیٰ مقام

(۱۲۲) امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا کمرہ ہے کہ اس کا باہر اس کے اندر سے دکھائی دیتا ہے اور اس کا اندر اس کے باہر سے دکھائی دیتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیار فرما رکھا ہے جو نرم بات بات والا (بھوکوں کو) کھانا کھلاتا ہے، لگا تار روزے رکھتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے جبکہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔

(۱۲۳) بیہقی نے نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مومن کی دعا افطار کے وقت ہوتی ہے یا تو دنیا میں اس کو جلدی دے دیا جاتا ہے یا اس کی دعا آخرت میں ذخیرہ کر لی جاتی ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار کے وقت فرمایا کرتے تھے لفظ آیت " واسع المغفرۃ اغفر لی " (اے وسیع رحمت والے مجھ کو بخش دیجئے)۔

(۱۲٤) احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا (آج) تم میں سے کون جنازہ میں حاضر ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا " میں " پھر پوچھا آج کس نے مریض کی عیادت کی؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے۔ پھر پوچھا (آج) کس نے صدقہ کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے۔ پھر پوچھا آج کس نے روزہ رکھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (جنت)

واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔

(۱۲۵) ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن ریاح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نکلے تو ایک راہب کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا (قیامت کے دن) دسترخوان لگائے جائیں گے تو سب سے پہلے اس میں سے روزہ دار کھائیں گے۔

(۱۲۶) ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، دار قطنی، بیہقی نے شعب الایمان میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کا ایک روزہ بغیر رخصت اور بغیر فرض کے چھوڑ دیا تو ساری عمر کے روزے بھی اس کی قضا نہ کریں گے اگر چہ وہ روزے رکھ بھی لے۔

(۱۲۷) دارقطنی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر عذر کے رمضان کے ایک دن کا روزہ نہ رکھے تو (بطور قضا کے) اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں۔

(۱۲۸) دارقطنی نے رجاء بن جمیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص رمضان کے ایک دن کا روزہ نہ رکھے تو وہ پھر (بطور قضا کے) بارہ دن کے روزے رکھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بارہ مہینوں میں س ءایک مہینہ پر راضی ہو۔

(۱۲۹) ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے رمضان کے روزے کا ایک دن کا روزہ بھی نہیں رکھا آپ ﷺ نے فرمایا تو صدقہ کر اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور روزہ کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھ۔

(۱۳۰) ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جس شخص نے جان بوجھ کو بغیر سفر اور مرض کے رمضان کا روزہ رکھا تو کبھی اس کی ادائیگی نہ ہوگی۔ اگر چہ ساری عمر کے روزے رکھے۔

(۱۳۱) ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے وہ ساری عمر ان کو پورا کر سکے گا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ بقرہ، بیروت)

ناسخ آیت اور حکم روزے کا بیان

ثم نسخ تلك الآية التي بعدها فقال: {شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدىً لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

فنسختها هذه الآية فكان أهل العلم يرون ويرجون أن الرخصة قد ثبتت للشيخ الكبير والعجوز الكبيرة إذا لم يطيقا القيام أن يطعما مكان كل يوم مسكينا وللحبلى إذا خشيت على ما في بطنها والمرضع إذا خشيت على ولدها.

حدثنا قتادة عن يزيد بن عبد الله4 أخي مطرف بن عبد الله5 أن النبي صلى الله عليه وسلم رخص للحبلى

والمرضع.

4 من المحدثين. توفي سنة 108ھ وقيل: 111ھ "طبقات ابن سعد 155/7. طبقات ابن خياط 497. تهذيب التهذيب 341/11". 5 من المحدثين الثقات. توفي سنة 87ھ "طبقات ابن خياط 467. حلية الأولياء 198/2. تذكرة الحفاظ 64.

اس کے بعد یہ آئی اس نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔

اہل علم کے مطابق اسی آیت نے حکم کو منسوخ کیا ہے ہاں البتہ امید ہے کہ بوڑھے مرد اور عورت کیلئے رخصت ثابت ہے جب ان میں روزہ اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی طاقت ہو۔ اور جب حاملہ کو پیٹ میں بچے کا ڈر ہو اور دودھ پلانے والے کو بچے کا ڈر ہو۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن عبد اللہ جو مطرف بن عبد اللہ کے بھائی ہیں ان سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو رخصت دی ہے۔

تکلیف مالا یطاق اور حکم نسخ کا بیان

احکام شرعیہ میں آسانی اور سہولت کے منصوص ہونے کا بیان

وعن قتادة وإن {وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ} ثم أنزل الله عز وجل: الآية التي بعدها فيها تخفيف ويسر وعافية {لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً} أي طاقتها {لَهَا مَا كَسَبَتْ} فنسختها هذه الآية.

حدثنا قتادة عن زرارة بن أوفى 1 عن أبي هريرة 2 قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله عز وجل: تجاوز لأمتي عن كل شيء تحدث أنفسها ما لم تكلم به أو تعمل به" 3.

1 من المحدثين. توفي سنة 93ھ "طبقات ابن خياط 467. الإصابة 559/2. تهذيب التهذيب 322/3. 2 هو عبد الرحمن بن صخر. أحفظ الصحابة للحديث. توفي سنة 58ھ "صفة الصفوة 685/1. أسد الغابة 318/6. الإصابة 543/1". 3 صحيح مسلم 117. سنن ابن ماجة 658.

حضرت قتادہ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس حساب لے گا سو جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ، 284)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسانی اور تخفیف اور معاف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ کسی شخص کو اس کی اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا، جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے۔ (البقرہ 286)

تکلیف مالا یطاق سے متعلق حکم ناسخ ومنسوخ پر احادیث وآثار کا بیان

(۱) سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت شہادت کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۲) ابن جریر، ابن المنذر مقسم کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ۔" کے بارے میں روایت کیا کہ یہ آیت شہادت کو چھپانے اور اس کو قائم کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۳) احمد، مسلم، ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت "للہ ما فی السموت وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر۔ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر یہ حکم بھاری ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ان اعمال کے مکلف بنائے گئے جس کی ہم طاقت رکھتے ہیں (جیسے) نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ اور یہ آیت ہم پر اتاری گئی اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات کے کہنے کا ارادہ رکھتے ہو جیسے تم سے پہلے اہل کتاب والوں نے کہی تھی کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، بلکہ تم یوں کہو لفظ آیت "سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر" جب قوم نے اس کو پڑھا اور ان کی زبانیں اس کے ساتھ چلنے لگیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے یہ آیت اتاری "امن الرسول ۔۔ الخ" جب انہوں نے اس کام کو کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت اتاری لفظ آیت "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" آخر تک۔

(٤) احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، انم المنذر، حاکم اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" نازل ہوئی تو اس میں سے کوئی چیز (پریشانی) ان کے دلوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا آپ نے فرمایا تم کہو ہم نے سن لیا ہم نے اطاعت کی اور ہم نے تسلیم کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو ڈال دیا (اس پر) اللہ تعالیٰ نے اتار الفظ آیت۔

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل امن باللہ وملئکتہ و کتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ربنا لا تؤخذنا ان نسینا او اخطانا" پھر فرمایا (اے اللہ) آپ نے اس کام کو کر لیا (اور اب) "ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا" (یعنی ہم پر ایسا بوجھ کو نہ اٹھوایئے جو آپ نے ان لوگوں پر اٹھوائے تھے جو ہم سے پہلے تھے پھر فرمایا (اے اللہ) آپ نے اس کام کو کر لیا (اور اب) "ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ" پھر فرمایا اے اللہ! آپ نے یہ کام بھی کر لیا، (اور اب) "واعف عنا واغفرلنا وارحمنا" پھر فرمایا اے اللہ! آپ نے اس کام کو

کرلیا یعنی ہم سے درگزر فرمایا ہم کو بخش دیا اور ہم پر رحم فرمایا۔

صحابہ پر خوف کا طاری ہونا

(۵) عبدالرزاق، احمد، ابن جریر، ابن المنذر نے روایت کیا کہ مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور انہوں نے اس آیت کو پڑھا تو وہ رونے لگے انہوں نے پوچھا کون سی آیت؟ میں نے کہ یہ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بلاشبہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو شدید غم ہوا اور شدید پریشانی میں ڈوب گئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو ہلاک ہو جائیں گے اگر ہم اپنے بولنے پر اور اپنے عمل کرنے پر پکڑے گئے، لیکن ہمارے دل ہاتھوں میں نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کہو ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، راوی نے کہا پھر اس آیت "آمن الرسول" نے اس (حکم) کو منسوخ کر دیا "وعلیھا ما اکتسبت" تک اب ان کے لیے دل کی بات جائز ہوگئی لیکن وہ اعمال سے پکڑے جائیں گے۔ (یعنی اعمال کا مواخذہ ہوگا)۔

(۶) عبد بن حمید، ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں، ابن جریر (یعنی اعمال کا مواخذہ ہوگا) طبرانی نے شعب میں سعید بن مرجانہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا اس درمیان کے ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے یہ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ" پڑھی اور فرمایا اللہ کی قسم! اگر ہم کو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ پکڑنا چاہیں تو ہم ضرور ہلاک ہو جائیں گے پھر (اتنا) روئے یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ گئی ابن مرجانہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں وہاں سے اٹھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور ان کو وہ بات بتائی جو ابن عمر نے فرمائی تھی، اس کی تلاوت کے وقت جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ بھی بتایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمن کی مغفرت فرمائے، مجھے قسم ہے اپنی عمر کی جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے اس میں سے مسلمانوں کو ایسے ہی پایا جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پایا گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" آخر سورت تک (پھر) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ وسوسہ تھا ان چیزوں میں سے جس کی مسلمانوں کو طاقت نہیں تھی، اور یہ کام ہو گیا اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا، کہ ہر ایک آدمی کے لیے وہی (بدلہ) ہوگا جو اس نے کمایا اور اس کے لیے وہی سزا ہوگی قول سے اور عمل سے جو اس نے کمایا۔

(۷) ابن ابی شیبہ، ابن جریر، نحاس نے اپنی ناسخ میں اور حاکم نے (اس کو صحیح کہا) سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ان کے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی لفظ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" تو ان کی آنکھیں بہہ پڑیں یہ بات جب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا ابو عبدالرحمن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بھی ایسا ہی کیا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، اس آیت (کے حکم) کو منسوخ کر دیا (اس آیت نے) جو اس کے بعد ہے لفظ آیت "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا"۔

(۸) ابن ابی شیبہ، احمد نے الزہد میں، عبد بن حمید نے نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت پر (جب) آتے تھے مگر روتے تھے (وہ آیت یہ تھی) لفظ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" آخری آیت تک۔ اور فرماتے تھے کہ یہ گنتی بہت سخت ہے۔

۹) بخاری، وبیہقی نے شعب میں مروان اصغر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی جس کو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ" (کے حکم) کو بعد والی آیت نے منسوخ کر دیا۔

(۱۰) عبد بن حمید اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی جس کو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" نازل ہوئی تو (اس آیت نے) ہم کو غمگین کر دیا ہم نے عرض کیا ہم میں سے کوئی ایک اپنے دل میں بات کرتا ہے تو اس کا بھی حساب لیا جائے گا ہم نہیں جانتے کہ اس سے مغفرت ہوگی یا نہیں اس کے بعد یہ آیت "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت" نازل ہوئی۔ تو (پہلی آیت کے حکم کو) اس (آیت) نے منسوخ کر دیا۔

(۱۱) سعید بن منصور ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اس آیت "لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت" کے نازل ہونے سے پہلے محاسبہ تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھی۔

(۱۲) ابن جریر نے قتادہ کے طریق سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اس آیت کو لفظ آیت "لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت" نے منسوخ کر دیا۔

(۱۳) سفیان، عبد بن حمید، بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اور ابن المنذر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو وہ خیال معاف کر دیئے ہیں جو دل میں آئیں جب تک زبان سے نہ نکالیں یا ہاتھ پاؤں سے ان پر عمل کریں۔

ہر آسمانی کتاب میں موجود آیت

(۱٤) الفریابی، عبد بن حمید اور ابن المنذر نے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو یا کسی رسول کو نہیں بھیجا کہ جس پر کتاب اتاری ہو اور اس میں یہ آیت نازل نہ ہو لفظ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر۔" تو امتوں نے اپنے انبیاء اور رسولوں پر انکار کیا اور کہنے لگا کہ ہم پکڑے جائیں گے جو کچھ ہم دلوں میں سوچتے ہیں لیکن ہمارے اعضاء وجوارح نے عمل نہیں کیا تو وہ کافر اور گمراہ ہو جاتے تھے جب یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا

ہم پکڑے جائیں گے ان باتوں سے جو ہم اپنے دلوں میں سوچتے ہیں حالانکہ ہمارے اعضاء و جوارح نے عمل نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں! تم لوگ (اللہ تعالیٰ کے فرمان کو) سنو اور اطاعت کرو اور اپنے رب سے (مغفرت) طلب کرو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول (نازل ہوا) لفظ آیت "امن الرسول" (آخر تک) تو اللہ تعالیٰ ان کے دل کی بات کو ان سے معاف کر دیا مگر جو اعضاء جوارح نے کام کیا (وہ معاف نہیں ہوگا) ان کے لیے اجر ہوگا جو کچھ انہوں نے خیر کا کام کیا اور ان پر ہی وبال ہوگا جو کچھ بھی انہوں نے گناہ کا کام کیا پھر فرمایا (یوں کہو) لفظ آیت "ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا" تو (اس آیت سے) اللہ تعالیٰ نے یوں خطا اور نسیان کو بھی معاف کر دیا (پھر فرمایا) لفظ آیت "ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا" یعنی وہ لوگ اس کام کی تکلیف نہیں دیئے گئے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور ان پر وہ بوجھ نہیں اٹھوایا گیا جو ان سے پہلی امتوں پر تھا ان سے معاف کر دیا ان کو بخش دیا اور ان کی مدد فرمائی۔

(۱۵) ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ" سے تمہاری چھپی ہوئی باتیں اور ظاہری مراد ہیں" یحاسبکم به الله۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا حساب لیں گے اس (حکم) کو منسوخ نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب ساری مخلوق کو جمع فرمائیں گے تو فرمائیں گے میں تم کو بتاتا ہوں تمہاری وہ باتیں جو تم دلوں میں چھپاتے تھے جو میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہیں لیکن ایمان والوں کو جب ان کو بتائیں گے تو ان کے دلوں کی باتوں کو معاف کر دیں گے اور فرمایا۔ یحاسبکم به الله۔ سے مراد ہے یعنی تم کو (تمہارے چھپے ہوئے اعمال) بتا دیں گے لیکن شک کرنے والوں کو یعنی کافروں اور منافقوں کو بتائیں گے جو کچھ وہ تکذیب (یعنی اللہ کے دین کو جھٹلایا کرتے) تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے لفظ آیت۔ ولکن یؤخذ کم بما کسبت قلوبکم۔ (یعنی تم پکڑے جاؤ گے جو کچھ تمہارے دلوں نے کمایا یعنی دلوں میں برے کاموں کے بارے میں سوچا)۔

(۱۶) عبد بن حمید، ابو داؤد نے اپنی نحاسخ میں ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم اور نحاس نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت۔ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ۔ سے مراد ہے یقین میں سے ہے اور شک میں سے (جو کچھ تم ظاہر کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے)۔

(۱۷) ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ۔ سے مراد ہے کہ تیرے عمل کا چھپانا اور اس کا اعلانیہ کرنا لفظ آیت "یحاسبکم به الله" سے (اللہ تعالیٰ حساب لیں گے اس چیز کا بھی جو مؤمن بندہ اپنے دل میں خیر (کی نیت) کو چھپاتا ہے تاکہ اس پر عمل کرے اگر اس نے عمل کر لیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گے اور اگر وہ اس کے کرنے پر قادر نہیں ہوا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اس وجہ سے کہ وہ مؤمن ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے چھپے ہوئے اور اعلانیہ (نیک) کاموں سے راضی ہوتے ہیں اگر اس نے اپنے دل میں برے کام کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس دن بتائیں گے جس دن بھیدوں کا بھی امتحان لیا جائے گا اگر اس نے عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو نہیں پکڑیں گے یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ عمل نہ کرے اگر اس نے عمل کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ

اس سے درگذر فرمادیں گے جیسا کہ فرمایا لفظ آیت " اولئك الذین نتقبل عنهم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سیاتهم " (الاحقاف آیت ۱٦)۔

(۱۸) ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت " وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ " (کا حکم) منسوخ کر دیا گیا اور فرمایا لفظ آیت "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها "۔

(۱۹) طبرانی اور بیہقی نے شعب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت " وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ " جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر (یہ حکم) بھاری ہوا اور ان پر مشقت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے (یہ حکم) منسوخ فرمادیا اور اللہ تعالیٰ نے (یہ حکم) نازل فرمایا لفظ آیت "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها "۔

(۲۰) طبرانی نے مسند الشامیین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت " وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ " نازل ہوئی تو ابوبکر، عمر، معاذ بن جبل اور سعد بن زارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرج کیا کہ ہم پر اس سے زیادہ سخت آیت نازل نہیں ہوئی۔

(۲۱) ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے بلاشبہ میری کتاب نے تمہارے ان اعمال کو لکھا جو اس میں سے ظاہر تھے اور جو کچھ تم نے اپنے دلوں میں چھپایا تھا، تو میں آج ان کا حساب لوں گا، جس کو چاہوں گا بخش دوں گا، اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔

(۲۲) ابن جریر، ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ آیت محکم ہے کوئی چیز منسوخ نہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بتائیں گے جو تو نے اپنے دل میں اس طرح اور اس طرح چھپایا تھا، اور (پھر) اس کا مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

(۲۳) الطیالسی، احمد، ترمذی (نے اس کو حسن کہا) ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے شعب میں امیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت " وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ " اور " من یعمل سوء یجزبہ " کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کسی نے مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا پھر فرمایا یہ اللہ کا عذاب ہے بندہ کو اس چیز میں جو اسے بخار یا کسی مصیبت سے پہنچے، یہاں تک کہ سامان تجارت جو اس نے اپنی قمیص کی آستین میں رکھا تھا پھر اس کو گم کر دیا اور گھبرا گیا پھر اس کو اپنے کنبہ کے پاس پایا، یہاں تک کہ آدمی نکل جاتا ہے اپنے گناہوں سے (پاک ہوکر) جیسا کہ سونا نکل آتا ہے بھٹی سے (صاف ہوکر)۔

(۲٤) سعید بن منصور، ابن جریر نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس آیت " وان تبدوا ما فی انفسکم " کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا اس کے گناہ کے بقدر اس پر غم اور رنج کو بھیجا جاتا ہے، تو یہ محاسبہ ہوا۔

(۲۵) ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہر بندہ (جب) کسی برے کام کا اور گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے نفس کو (گناہ کرنے پر) آمادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا حساب لے لیتے ہیں وہ ڈرتا ہے اور غمگین ہوتا ہے اور مضبوط ارادہ کرتا ہے مگر اس میں سے کسی چیز کو نہیں پاتا، جیسا کہ وہ برے کام کا ارادہ کرتا ہے مگر اس پر ذرا بھی عمل نہیں کرتا۔

(۲۶) عبد بن حمید نے عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت "فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" پڑھا یعنی دونوں کو رفع کے ساتھ۔

(۲۷) اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۲۸) ابن ابی داؤد نے المصاحف میں اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں یوں ہے لفظ آیت "یحاسبکم به الله فیغفر لمن یشاء" بغیر فاء کے۔

(۲۹) ابن ابی داؤد نے المصاحف میں اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں یوں ہے لفظ آیت "فیغفر لمن یشاء" سے مراد ہے کہ (اللہ تعالیٰ) جس کے لیے چاہیں گے اس کے بڑے گناہ معاف کردیں گے اور چھوٹے گناہوں پر عذاب دیں گے جس کے لیے چاہیں گے۔ (تفسیر درمنثور، سورہ بقرہ، بیروت)

رات کے روزے کا منسوخ ہونے کا بیان

روزے کی اصلی کیفیت اور حکم نسخ کا بیان

۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۸۳۔

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس آیت میں روزے کی فرضیت پہلے کی طرح اور اس میں راتوں کو جماع اجازت نہ تھی۔ جبکہ اس کے بعد والی آیت میں راتوں کو اپنی بیوی سے جماع کو حلال قرار دیا اور پہلے حکم کو منسوخ کردیا۔

۞ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔

حلال کیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا، وہ لباس ہیں تمہارے لئے اور تم ان کا لباس ہو، اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم کو معاف فرمادیا، سو اب ان سے میل ملاپ کرو، اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے، یعنی فجر کا تاگی، پھر تم روزے پورے کرو رات تک اور بیویوں سے ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم

اعتکاف کئے ہوئے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہٰذا ان کے پاس نہ بھٹکو اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تا کہ لوگ پرہیز گار بنیں۔ (البقرہ، 187)

شروع میں رات کا روزہ بھی فرض تھا

(۱) امام وکیع، عبد بن حمید، بخاری، ابو داؤد، ترمذی النحاس (الناسخ میں) ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی نے سنن میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے جب کوئی آدمی روزہ رکھتا پھر وہ افطاری کے وقت افطار کرنے سے پہلے سو جاتا تو پھر وہ نہ کھا سکتا تھا رات کو اور نہ دن کو یہاں تک کہ (دوسرے دن کی) شام ہو جاتی۔ قیس بن مردوہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزہ سے تھے۔ دن بھر اپنی زمین میں کام کرتے رہے۔ جب افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور کہا کیا تیرے پاس کھانا ہے۔ اس نے کہا نہیں ہے لیکن میں تیرے لئے کھانا ابھی تلاش کرتی ہوں (اتنے میں) ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گئے ان کی بیوی آئی اور جب ان کو نیند کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگی میرے لئے خسارہ ہو گیا تم سو گئے دوسرے دن جب آدھا دن گزرا تو (بھوک کی وجہ سے) ان پر غشی طاری ہو گئی یہ بات نبی اکرم ﷺ کو ذکر کی گئی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "احل لکم لیلة الصیام الرفث" الی قولہ "من الفجر" تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بہت خوش ہوئے۔

(۲) امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تھا تو لوگ سارا رمضان عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے تو کچھ لوگ اس سلسلے میں اپنی جانوں میں خیانت کرتے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت "علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم"۔

(۳) امام احمد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رمضان میں لوگ روزہ رکھ لیتے تھے پھر افطاری کے وقت سو جاتے تو ان پر کھانا پینا اور عورتیں حرام ہو جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ پھر دوسرے دن شام کو افطار کرتے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات نبی اکرم ﷺ کے پاس سے (دیر میں) واپس لوٹے اور آپ کے پاس رات کو دیر تک باتیں کرتے رہے (گھر لوٹے) تو اپنی بیوی کو سویا ہوا پایا اس کو جگایا اور (اس سے جماع کرنے کا) ارادہ کیا۔ اس نے کہا میں سو چکی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نہیں سویا تھا پھر اس سے جماع کیا اور اس طرح کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کیا صبح کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو یہ واقعہ بتایا اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت "علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم"۔

رات کا روزہ بعد میں منسوخ ہو گیا

(٤) ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے تو ان پر کھانا پینا اور عورتیں حرام ہو جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ دوسرے دن شام کو افطار کر لیتے اور حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کے بعد اپنی بیوی کو پہنچ گئے (یعنی اس سے جماع کرلیا) اور صرمہ بن قیس کو مغرب کے بعد نیند غالب ہوگئی اور وہ سو گئے کھانا نہ کھا سکے اور نہ جاگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ چکے تھے آپ اس وقت اٹھے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بتایا (اس پر) اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت "احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم " اور رفث سے مراد ہے عورتوں سے جماع کرنا۔" کنتم تختانون انفسکم "یعنی تمہارا عورتوں سے جمع کرنا، کھانا اور پینا عشاء کے بعد (حلال کردیا گیا)" فلئن باشروھن "یعنی ان سے اب جماع کرو۔" وابتغوا ما کتب اللہ لکم "یعنی بچے طلب کرو" وکلوا واشربوا " (یعنی کھاؤ اور پیو) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درگزر ہے اور رحمت ہے۔

(۵) ابن جریر، ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مسلمان رمضان کے مہینہ میں جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے تو ان پر عورتیں اور کھانا حرام ہو جاتا تھا یہاں تک کہ دوسرے دن شام ہو جاتی پھر مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے رمضان میں عشاء کے بعد کھانا کھالیا اور عورتوں سے جماع کرلیا ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے اتار الفظ آیت" احل لکم لیلة الصیام " الی قولہ " فالئن باشروھن "یعنی ان سے (اب) مباشرت کرو۔

(٦) ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لوگوں میں جو پہلے مسلمان ہوئے تھے ان میں سے جب کوئی روزہ رکھتا تو دن بھر روزہ رکھتا تھا یہاں تک کہ جب شام ہو جاتی تو کھانا نہ کھاتا تو دوسرے دن شام تک روزے کی پابندیوں کے ساتھ رہتا۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو گئے ان کے دل میں حقوق زوجیت کا خیال آیا تو وہ اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا فرماتے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں معذرت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آپ کی طرف اس خطا کار نفس کی میرے نفس نے رات کو جماع پر آمادہ کیا تو میں جماع کرلیا کیا آپ میرے لئے رخصت پاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رخصت تو نہ تھی (پھر) جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا پھر ان کو عذر کی قبولیت کی خبر دی کہ قرآن میں اجازت آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ اس آیت کو سورۃ بقرہ کے درمیان میں رکھو۔ پھر فرمایا لفظ آیت" احل لکم لیلة الصیام " الی قولہ " تختانون انفسکم " یعنی وہ کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے معاف کردینے کو نازل فرمایا پھر فرمایا لفظ آیت" فتاب علیہ" الی قولہ " من الخیط الاسود "سو ان کے لئے جماع کرنا کھانا اور پینا حلال کردیا حتی کہ ان کے لئے صبح ظاہر ہو جائے۔

(۷) ابن جریر نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک کی رات میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرلی ء۔ تو آپ کو انتہائی پریشانی ہوئی اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری" احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم "۔

(۸) ابو داؤد اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت" یایھا الذین امنوا

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم " کے بارے میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگ جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے تو ان پر کھانا پینا اور عورتوں سے ملنا حرام ہو جاتا تھا اور اگلی رات تک روزہ سے رہتے تھے ایک آدمی نے اپنی جان میں خیانت کی (اور) اس نے اپنی عورت سے جماع کر لیا حالانکہ وہ عشاء کی نماز پڑھ چکا تھا اور افطار نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا باقی لوگوں کو آسانی و رخصت دینے کا تو آپ نے یہ آیت نازل فرما کر رخصت دے دی اور آسانی پیدا فرما دی۔

(۹) ابن ابی حاتم نے ابن جریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (یہ آیت) " وکلوا واشربوا " بنو خزرج میں سے قیس بن صرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

طلوع فجر تک کھانے پینے کی اجازت

(۱۰) امام وکیع، عبد بن حمید نے عبد الرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا فرمایا کہ لوگ جب روزہ رکھتے تھے اور کوئی ان میں شام کو کھانا کھانے سے پہلے سو جاتا تھا تو پھر اگلے دن کی شام تک کوئی چیز نہ کھا سکتا تھا۔ اور جب جماع کرنے سے پہلے سو جاتا تھا تو پھر آئندہ رات تک جماع نہ کر سکتا تھا۔ انصار میں سے ایک بوڑھا آدمی جس کو صرمہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا تھا ایک رات اپنے اہل کی طرف آیا اور وہ روزہ سے تھا اس نے شام کا کھانا طلب کیا گھر والوں نے کہا ہم تیرے لئے گرم کھانا پکاتے ہیں اس سے روزہ کو افطار کرنا شیخ انصاری نے اپنا سر رکھا ان پر نیند کا غلبہ ہوا تو وہ سو گئے گھر والے کھانا لے کر آئے تو وہ سو چکے تھے۔ انہوں نے کہا کھا لو شیخ نے کہا میں تو سو چکا تھا کھانا چھوڑ دیا۔ اور رات کروٹیں بدلتے ہوئے گزاری۔ جب صبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر سارا واقعہ بیان فرمایا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے ہم بستری کی جیسے آدمی اپنی بیوی سے کیا کرتا ہے وہ سو چکی تھی میں گمان کیا کہ وہ ایسے ہی کہہ رہی ہے۔ تو میں اس پر واقع ہو گیا۔ مجھے اس نے بتایا کہ وہ واقعی سو چکی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے صرمہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں (یہ آیت) اتاری لفظ آیت " کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر " اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں (یہ آیت) اتری لفظ آیت " احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم "۔

(۱۱) عبد بن حمید، ابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لفظ آیت " علم اللہ کنتم تختانون انفسکم " کے بارے میں روایت کیا کہ رمضان کے روزوں سے پہلے ہر ماہ تین دن اور ہر دس دنوں میں سے ایک دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور ان کو صبح کو دو رکعت اور شام کو دو رکعت (پڑھنے کا) حکم دیا گیا اور یہ نماز اور روزہ کی ابتداء تھی لوگ یہی روزے رکھتے تھے پھر رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد جب لوگ سو جاتے تو یہ عورتوں کے پاس جا سکتے اور نہ کھانا کھا سکتے تھے آئندہ رات تک اور مسلمانوں میں سے کچھ لوگ سونے کے بعد اپنی عورتوں کے پاس پہنچ گئے اور کھانا بھی کھا لیا اور یہ ان کی اپنی جانوں کے ساتھ خیانت تھی تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت " علم اللہ انکم کنتم تختانون " (الآیہ)

(۱۲) عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ محمد ﷺ کے اصحاب رمضان کے مہینہ میں

روزے رکھتے تھے جب شام ہوتی افطار کے وقت کھاتے اور پیتے اور (اپنی) عورتوں سے جماع کرتے لیکن جب کوئی سو جاتا تو یہ چیزیں اس پر حرام ہو جاتیں آئندہ رات تک اور ان میں سے بعض لوگ اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور ان کے لئے سونے کے بعد اور اس سے پہلے ساری رات ان کے لئے یہ کام حلال فرما دیا۔

(۱۳) عبد بن حمید نے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مسلمان ابتدائے اسلام میں وہی کرتے تھے جیسے اہل کتاب کرتے تھے (یعنی) جب ان میں سے کوئی سو جاتا تو کھانا تھا یہاں تک کہ آئندہ شام آجاتی تو اس پر (یہ آیت نازل ہوئی) "کلوا واشربوا" الی آخرہ۔

سحری کھانا سنت ہے

(۱۴) ابن ابی شیبہ، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق صرف سحری کھانے کا ہے۔

(۱۵) امام وکیع، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ "الرفث" سے مراد جماع ہے۔

(۱۶) ابن المنذر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ الرفث سے مراد جماع ہے۔

(۱۷) عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر، بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ دخول تغشی افضاء مباشرہ، رفث لمس، قس، مسیس ان سب سے مراد جماع ہے اور روزہ میں رفث سے مراد بھی جماع ہے اور حج میں رفث سے مراد ہے جماع پر آمادہ کرنے والی گفتگو۔

(۱۸) الفریابی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ھن لباس لکم وانتم لباس لھن" سے مراد ہے کہ وہ تمہارے لئے آرام کا باعث ہیں اور تم ان کے لئے آرام کا باعث ہو۔

(۱۹) امام الطستی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نافع بن ازرق نے ان سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول "ھن لباس لکم" کے بارے میں بتائیے تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد ہے وہ (عورتیں) تمہارے لئے سکون ہیں کہ تم ان کی طرف رات اور دن میں آرام پاتے ہو پھر انہوں نے عرض کیا کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے نابغہ بن ذبیان کا شعر نہیں سنا وہ کہتا ہے۔

اذا ما الضجیع ثنی عطفھا تثنت علیہ فکانت لباسا

ترجمہ: جس وقت عورت کے پہلو میں اس کا شوہر ہوتا ہے تو وہ اس پر لوٹتا ہے اور وہ اس پر لوٹتی وہ اس کے لئے لباس یعنی سکون کا باعث ہوتی ہے۔

(۲۰) عبد الرزاق نے المصنف میں یحییٰ بن انعیم سے روایت کیا ہے سعد بن مسعود کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے حیا آتی ہے کہ میری

بیوی میری شرم گاہ کو دیکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو ان کے لئے لباس بنایا اور ان کو تیرے لئے لباس بنایا پھر کہا کہ میں تو یہ چیز ناپسند کرتا ہوں آپ نے فرمایا میں حق زوجیت ادا کرتا ہوں اور ایسا کام ہوتا ہی ہے حضرت عثمان نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا میں تو ایسا کرتا ہوں حضرت عثمان نے عرض کیا آپ ایسا کرتے ہیں تو پھر آپ کے بعد کون ایسا حیادار ہوسکتا ہے جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت حیا کرنے والے اور شرمیلے ہیں۔

(۲۱) ابن ابی حاتم نے ابن سعد نے سعید بن مسعود اور عمارہ بن غراب الیعصبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کو روایت کیا سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ "تختانون" سے مراد ہے کہ تم واقع ہوتے ہوان پر خیانت کرتے ہوئے (یعنی اپنی ازواج سے جماع کرتے ہو)

(۲۲) ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فلئٰن باشروھن" سے مراد ہے" انکحوھن" (ان سے نکاح کرو) یعنی ان سے جماع کرو۔

(۲۳) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مباشرت سے مراد جماع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہیں انہوں نے کنایہ فرمایا۔

(۲۴) عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مباشرت اللہ تعالیٰ کی پوری کتاب میں جماع کو کہتے ہیں۔

(۲۵) ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا" اوبتغوا ما کتب اللہ لکم" سے اولاد مراد ہے۔

(۲۶) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے عبد بن حمید، مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی معنی روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ" وابتغوا ما کتب اللہ" سے لیلۃ القدر مراد ہے۔

(۲۷) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا" وابتغوا ما کتب اللہ " سے لیلۃ القدر مراد ہے۔

(۲۸) عبدالرزاق نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ" وابتغوا ما کتب اللہ " سے مراد ہے کہ رخصت کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی۔

(۲۹) عبدالرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ یہ آیت کیسے پڑھتے ہیں" وابتغوا ما کتب اللہ لکم - یا - واتبعوا" انہوں نے فرمایا جو میں چاہتا ہوں، پڑھتا ہوں، تجھ پر پہلی قرأت لازم ہے۔

(۳۰) امام مالک، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ نے رمضان میں فجر کے طلوع ہونے کے بعد جنبی ہوتے تو آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

(۳۱) امام مالک، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو صبح جنبی حالت میں کرتا ہے کیا وہ روزہ رکھ لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں جماع کی وجہ سے جنبی حالت میں صبح کرتے بغیر احتلام کے پھر روزہ رکھتے تھے۔

(۳۲) امام مالک، شافعی، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! میں جنبی حالت میں صبح کرتا ہوں اور میں روزہ (رکھنے) کا بھی ارادہ رکھتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں بھی جنبی حالت میں صبح کرتا ہوں اور روزہ (رکھنے) کا ارادہ بھی کرتا ہوں تو میں غسل کرتا ہوں اور اس دن روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اس آدمی نے کہا آپ ہماری طرح نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے ہیں آپ اس بات پر غصہ ہوئے اور فرمایا اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ میں تم سے اللہ کے لئے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تقویٰ کو زیادہ جاننے والا ہوں۔

(۳۳) ابوبکر الانباری نے کتاب الوقف والابتداء میں اور الطستی نے اپنے مسائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نافع بن ازرق نے ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول "حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے رات کے اندھیرے سے دن کی سفیدی مراد ہے اور وہ صبح ہے پھر پوچھا کیا عرب کے لوگ اس (معنی) سے واقف ہیں انہوں نے فرمایا ہاں! کیا تو نے امید کا مقولہ نہیں سنا۔

الخیط الابیض ضوء الصبح متعلق والخیط الاسود لون اللیل مکموم

ترجمہ: خیط الابیض سے مراد صبح کی روشنی ہے جو مشکل سے پھوٹتی ہے اور خیط الاسود سے مراد رات کا رنگ ہے جو لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

(۳۴) امام بخاری، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے سنن میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود " (جب یہ آیات نازل ہوئیں اور فجر میں سے (کچھ بھ) نازل نہ ہوا تو لوگ جب روزے کا ارادہ کرتے تو اس میں سے ایک آدمی اپنے پاؤں میں سفید اور کالا دھاگہ باندھ لیتا (اور) وہ برابر کھاتا اور پیتا رہتا یہاں تک کہ وہ ان دونوں دھاگوں کو واضح طور پر دیکھ لیتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لفظ آیت "من الفجر" (کا لفظ) نازل فرمایا پس انہوں نے جان لیا کہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی ہے۔

(۳۵) سفیان بن عیینہ، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت لفظ آیت " وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" نازل ہوئی تو میں نے دو رسیاں لے لیں ایک ان میں سے کالی تھی اور دوسری سفید تھی۔ دونوں (رسیوں) کو میں نے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیا میں ان دونوں کو دیکھتا رہا تو مجھ کو سفید سیاہ سے واضح نہ ہوئی جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے کیا تھا آپ کو بتلایا۔ آپ نے فرمایا تیرا تکیہ تو بہت چوڑا ہے۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) اس سے روات کی تاریکی دن کی سفیدی مراد ہے۔

انتہاءسحر کی پہچان

(۳۶) ابن جریر، ابن ابی حاتم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا آپ نے مجھ کو اسلام کے احکام سکھائے اور مجھ کو پانچوں نمازوں کے بارے میں بیان فرمایا کہ کس طرح میں ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھوں پھر آپ نے فرمایا جب رمضان (کا مہینہ) آجائے تو کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہوجائے تیرے لئے فجر کے سیاہ دھاگہ سے سفید دھاگے سے پھر رات تک روزہ کو پورا کرو میں نے نہیں سمجھا اس سے کیا مراد ہے! میں نے دو دھاگہ سفید اور کالا بٹ لیا فجر کے وقت ان کی طرف دیکھنے لگا اور برابر دیکھتا رہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! جو آپ نے مجھے وصیت فرمائی تھی میں نے یاد کر لی تھی سوائے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے (کہ یہ میری سمجھ میں نہ آیا) اور آپ ﷺ نے فرمایا اے ابن حاتم تجھے (پوچھنے سے) کس نے منع کیا تھا؟ اور آپ ﷺ نے تبسم فرمایا گویا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا آپ اس کو جان چکے تھے میں نے عرض کیا میں نے دو دھاگے سفید اور کالا بٹ لئے تھے پھر ان کو رات کو دیکھتا رہا تو دونوں کو برابر پایا (کوئی فرق معلوم نہ ہوا) رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑیں مبارک نظر آگئیں پھر فرمایا میں نے تجھے بتایا نہیں تھا کہ اس سے مراد فجر کی سفیدی ہے اس سے مراد رات کے اندھیرے سے دن کی روشنی مراد ہے۔

(۳۷) عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کالے دھاگے سفید دھاگے سے کیا وہ دونوں دھاگے مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو چوڑی گدی والا ہے گا ران دھاگوں کو دیکھ لیتا ہے پھر آپ نے فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس سے رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔

(۳۸) ابن ابی شیبہ نے جابر الجیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں پوچھا لفظ آیت ۔ حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود۔ (تو فرمایا) کہ اس سے روات اور دن مراد ہیں۔

(۳۹) الفریابی، عبد بن حمید، ابن جریر نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب فجر طلوع ہوئی تو فرمایا اب تمہارے لئے سفید دھاگہ کالے دھاگہ سے واضح ہوگیا۔

(۴۰) امام وکیع، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابوالضحیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا سحری کب تک کھائی جائز ہے؟ پھر اس نے کہا جب مجھے شک ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تک تجھے شک رہے کھاتا رہ یہاں تک کہ تیرے لئے سیاہی سے سفیدی واضح ہوجائے۔

(۴۱) وکیع نے ابوالضحیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ فجر پھیلنے والی ہے آسمان میں۔

(۴۲) عبد الرزاق، ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان دھاگوں سے مراد دونوں فجریں ہیں ایک وہ فجر (فجر کاذب) جو آسمان میں پھیلتی ہے وہ نہ کسی چیز کو حلال کرتی ہے اور نہ حرام کرتی ہے لیکن وہ فجر (فجر صادق) جو ظاہر

ہوتی ہے پہاڑوں کی چوٹیوں پر وہ پینے کا حرام کر دیتی ہے۔

اصل اعتبار طلوع فجر کا ہے

(۴۳) امام وکیع، ابن ابی شیبہ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن جریر نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلال کی اذان تم کو سحری کھانے سے نہ روکے اور نہ وہ فجر جو لمبائی میں پھیلتی ہے۔ لیکن وہ فجر جو افق پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس فجر کے وقت سحری سے رک جاؤ۔

(۴۴) امام بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم کو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان تمہارے کھانے سے نہ روک دے کیونکہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان سن لو کیونکہ وہ اذان نہیں دیتے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔

(۴۵) ابن ابی شیبہ، احمد، ابوداؤد، ترمذی نے (انہوں نے اس کو حسن کیا ہے) طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھاؤ اور پیو اور نہ روکے تم کو اوپر کی طرف پھیلنے والی صبح اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سرخی (عرضا) پھیل جائے۔

(۴۶) احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ فجر وہ نہیں ہے جو افق پر لمبائی پر پھیلتی ہے لیکن فجر وہ ہے جو سرخی (عرضا) پھیلتی ہے۔

(۴۷) امام وکیع، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، دارقطنی، بیہقی نے محمد بن عبداللہ عمان سے اور انہوں نے ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر دو فجریں ہیں وہ جو سرحان کے دم کی طرح ہوتی ہے وہ کسی چیز کو نہ حلال کرتی ہے نہ حرام کرتی ہے۔ اور وہ فجر جو افق میں طولا پھیلتی ہے وہ نماز کو حلال کر دیتی ہے اور کھانے کو حرام کر دیتی ہے۔ حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو موصولا روایت کیا ہے۔

(۴۸) دارقطنی، حاکم (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر دو فجریں ہیں ایک وہ فجر جو کھانے اور پینے کو حرام کر دیتی ہے اور نماز حلال کر دیتی ہے اور دوسری وہ فجر جس میں کھانا حلال ہوتا ہے اور نماز حرام ہوتی ہے۔

(۴۹) ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو روزہ رکھنے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ سحری کھائے کوئی چیز بھی کھائے۔

(۵۰) ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کرے۔

(۵۱) ابن ابی شیبہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آپ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے افطار کر لیا پھر سورج نکل آیا تو وہ روزہ کی قضا کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت "ثم اتموا الصیام الی الیل" (روزہ رات

تک مکمل کرو)۔

(۵۲) حاکم نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اس دوران کہ میں سو رہا تھا اچانک میرے پاس (دو آدمی) آئے انہوں نے میرے دونوں پہلوؤں کو پکڑ لیا اور مجھے ایک خوفناک پہاڑ پر لے آئے پھر مجھ سے کہا اس کے اوپر چڑھ یہاں تک کہ جب میں پہاڑ کے درمیان میں تھا میں نے سخت آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا آوازیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ دوزخ والوں کی آوازیں ہیں پھر مجھے لے چلے اچانک میں ایسی قوم کے پاس تھا جو سینوں کے بل لٹکے ہوئے تھے ان کی باچھیں بندھی ہوئی تھیں (اور) ان کی باچھوں سے خون بہہ رہا تھا میں نے کہا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے روزے کھولنے (کے وقت) سے پہلے روزہ کھول دیتے تھے۔

صوم وصال ممنوع ہے

(۵۳) امام احمد، بعد ابن حمید، ابن ابی حاتم، طبرانی نے لیلیٰ بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ میں نے (اپنے شوہر سے) کہا میں دو دن ملا کر روزہ رکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے بشیر نے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے نصاریٰ ایسا کیا کرتے ہیں لیکن تم روزے رکھو جیسا تم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور روزہ کو رات تک پورا کرو۔ جب رات (یعنی مغرب کا وقت) ہو جائے تو افطار کر لو۔

(۵۴) طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عساکر نے ابوذرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دن اور ایک رات متواتر روزہ رکھا آپ کے پاس جبرئیل (علیہ السلام) تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کے صوم وصال کو قبول فرمالیا ہے لیکن آپ کے بعد کسی کے لئے ایسا کرنا حلال نہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت " ثم اتموا الصیام الی الیل " (یعنی روزہ کو رات تک پورا کرو)۔

(۵۵) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا لفظ آیت " ثم اتموا الصیام الی الیل " اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رات تک روزہ کو پورا کرو۔ اس لیے وہ صوم وصال کو ناپسند کرتے ہیں۔

(۵۶) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید نے ابو العالیہ سے روایت کیا کہ ان کے پاس صوم وصال ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے روزہ دن کو فرض فرمایا اور فرمایا لفظ آیت " ثم اتموا الصیام الی الیل " جب رات آ جائے تو افطار کرنے والا ہو جا اگر چاہے تو کھالے اگر چاہے تو مت کھا۔

(۵۷) ابن ابی شیبہ، نسائی، حاکم (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے بلاشبہ یہود اور نصاریٰ (افطار میں) تاخیر کرتے ہیں۔

(۵۸) امام مالک، شافعی، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم اور ترمذی نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت، کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک افطار کرنے میں جلدی کریں گے۔

(۵۹) مالک بن ابی شیبہ، بخاری، مسلم نے ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم میری طرح نہیں ہوں میں کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

(٦٠) ابن ابی شیبہ اور بخاری۔نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم لوگ صوم وصال نہ رکھو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہو بلا شبہ میں رات گزارتا ہوں اس حال میں کہ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(٦١) بخاری، ابوداؤد نے ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم صوم وصال نہ رکھو اگر کوئی تم میں سے صوم وصال کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ سحری تک وصال کرے۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا ایک کھلانے والا ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور میرا ایک پلانے والا ہے جو مجھے پلاتا ہے۔

(٦٢) امام بخاری، مسلم، نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام پر رحم کرتے ہوئے صوم وصال سے منع فرمایا صحابہ نے عرض کیا آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں بلا شبہ میرا رب مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

آپ ﷺ کو صوم وصال کی اجازت تھی

(٦٣) مالک، ابن ابی شیبہ، بخاری، نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میری طرح تم میں سے کون ہے؟ میں رات گزارتا ہوں اس حال میں کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

(٦٤) حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانے پینے سے رکے رہنا روزہ نہیں بلکہ روزہ فضول باتوں اور جماع سے رکنا ہے۔اگر کوئی تجھ کو گالیاں دے یا تیرے ساتھ جہالت پر اتر آئے تو اس کو کہہ دو میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں۔

(٦٥) بخاری، نسائی، بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو روزہ دار جھوٹ کو اور اس پر عمل کرنے کو اور جہالت کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنے کھانے اور پینے کو چھوڑ دے۔

(٦٦) امام حاکم (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بسا اوقات رات پھر قیام کرنے والے کو اس کا حصہ قیام سے صرف جاگنا اور بسا اوقات روزہ رکھنے والے کو اس کے روزے میں بھوک اور پیاس ہے۔(یعنی قیام کرنے والے کو صرف جاگنا ملتا ہے) اور روزہ رکھنے والے کو بھوک اور پیاس کا ثواب نہیں ملتا۔

(٦٧) بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ غیبت روزہ کو پھاڑ دیتی ہے اور استغفار اس کو جوڑ دیتا ہے سو جو شخص تم میں سے اس بات کی طاقت رکھے کہ کل کو ایسے روزے کے ساتھ آئے جس کو جوڑا گیا ہو۔ تو اس کو چاہیے کہ ایسا کرے (یعنی روزہ کے ساتھ استغفار کرے)۔

(٦٨) ابن ابی شیبہ، بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب تم روزہ رکھو تو چاہیے کہ تو اپنے کانوں اپنی آنکھوں اور اپنی زبان کو جھوٹ اور حرام کے کاموں سے روکے رکھو اور خادم کو تکلیف دینا چھوڑ دو لیکن لازم پکڑو روزہ والے دن وقار اور سکینہ کو اور اپنے روزہ والے دن اور اپنے افطار کے دن کو برابر نہ کرو۔

(٦٩) ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے طلق بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تو روزہ رکھے تو اپنی طاقت کے مطابق اس کی حفاظت کر تو طلق جس دن روزہ رکھتے تھے تو (گھر میں) داخل ہو جاتے اور صرف نماز کے لئے باہر نکلتے تھے۔

(٧٠) ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جو شخص دو چیزوں کی حفاظت کرے گا اس کا روزہ اس کے لئے سلامت رہے گا (دو چیزیں یہ ہیں) غیبت اور جھوٹ۔

(٧١) ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ روزہ عبادت میں ہوتا ہے جب تک غیبت نہ کرے۔

(٧٢) ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا کوئی روزہ نہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتا رہا (یعنی غیبت کرتا رہا)۔

(٧٣) ابن ابی شیبہ نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیہ عنہم کہا کرتے تھے جھوٹ روزہ دار کے روزے کو توڑ دیتا ہے۔

(٧٤) بیہقی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی تم میں سے ہرگز یوں نہ کہے میں نے سارے رمضان کا قیام کیا اور اس کے روزے رکھے میں نہیں جانتا کہ کیا انہوں نے اپنی تعریف کو ناپسند فرمایا یا فرمایا ضروری ہے سونا اور جاگنا۔

(٧٥) بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ آیت "ولا تباشروھن وانتم عکفون" کے بارے میں روایت کیا کہ مباشرہ سے مراد ہے کہ جماع کرنا اور مس کا معنی ہے جماع کرنا لیکن اللہ تعالیٰ کنایہ فرمادیتے ہیں جس کے ساتھ چاہتے ہیں۔

(٧٦) ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "ولا تباشروھن" کے بارے میں روایت کیا کہ یہ آیت اس مرد کے بارے میں ہے جو رمضان میں اعتکاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام فرمادیا ہے رات یا دن میں عورتوں سے جماع کرنا یہاں تک کہ رک کر اپنا اعتکاف پورا کرے۔

(٧٧) وکیع، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ

عنہ اپنی عورتوں سے اعتکاف کے حالت میں جماع کر لیتے تھے یہاں تک (یہ) آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ولا تباشروھن وانتم عکفون فی المسجد"۔

(۷۸) عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ پہلے جب کوئی آدمی اعتکاف میں بیٹھتا تھا تو مسجد سے باہر نکل جاتا اگر چاہتا تو (اپنی بیوی سے) جماع کر لیتا تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی (جس سے اعتکاف کے زمانہ میں جماع سے روک دیا گیا)۔

(۷۹) ابن جریر نے ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لوگ اعتکاف کی حالت میں اپنی عورتوں سے جماع کر لیتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

حالت اعتکاف میں ہمبستری جائز نہیں

(۸۰) ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ پہلے جب اعتکاف بیٹھتے تھے تو (ایک) آدمی پیشاب کی غرض سے نکلتا تھا وہاں اپنی عورت سے جماع بھی کر لیتا تھا۔ پھر غسل کر کے اپنے اعتکاف میں لوٹ آتا تھا تو اس سے منع کر دیا گیا۔

(۸۱) ابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ مسجدوں میں اپنی عورتوں سے جماع کرنے سے روک دیا گیا جیسے انصار کیا کرتے تھے۔

(۸۲) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب اعتکاف کرنے والا اگر (اپنی عورت سے) جماع کرے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا پھر وہ نئے سرے سے اعتکاف کرے۔

(۸۳) عبد بن حمید نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس معتکف کے بارے میں روایت کیا کہ جو اپنی بیوی پر واقع ہو گیا تھا کہ وہ اپنا اعتکاف دوبارہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرے اور جتنا ہو سکے اس کی طرف قربت حاصل کرے۔

(۸۴) ابن ابی شیبہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جب کوئی معتکف جماع کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ دو دینار صدقہ کرے۔

(۸۵) ابن ابی شیبہ نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایسے معتکف کے بارے میں روایت کیا کہ جس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان میں جماع کر لیا اس پر وہی سزا ہے جو اس شخص کی ہے جس نے رمضان میں جماع کر لیا۔

(۸۶) ابن ابی شیبہ نے زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جو معتکف اپنی عورت سے جماع کرے تو اس پر وہی کفارہ ہے جو رمضان میں معتکف پر ہے جو جماع کرے۔

(۸۷) ابن ابی شیبہ نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ معتکف (اپنی بیوی کا) نہ بوسہ لے اور نہ جماع کرے۔

(۸۸) ابن ابی شیبہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ معتکف خرید و فروخت نہ کرے۔

وقوله تعالیٰ: "وانتم عکفون فی المسجد"

(۸۹) دارقطنی، بیہقی نے زہری سے انہوں نے سعید بن المسیب کے طریق سے اور انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں مرتے دم تک اعتکاف فرمایا کرتے تھے آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا اور سنت طریقہ معتکف کے بارے میں یہ ہے کہ (اعتکاف کی جگہ) سے نہ نکلے مگر انسانی ر ت کے لئے اور جنازہ کے پیچھے نہ جائے مریض کی عیادت نہ کرے۔ عورت کو ہاتھ نہ لگائے، اپنی عورت سے جماع نہ کرے اور جماع مسجد میں اعتکاف کرے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آخری جملہ عروہ کا قول ہے (دارقطنی فرماتے ہیں یہ زہری کا کلام ہے اور جنہوں نے اس کو حدیث میں داخل کیا ہے ان کو وہم ہوا ہے۔

(۹۰) ابن ماجہ، بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے رکنے والا اور اس کے لئے ایسا اجر جاری ہوتا ہے جیسے نیک کام کرنے والے کا اجر ہوتا ہے۔

(۹۱) طبرانی نے الاوسط میں، الحاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) بیہقی نے (انہوں نے اسے ضعیف کہا ہے) اور الخطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں معتکف تھے ایک آدمی ان کے پاس کسی حاجت سے آیا تو اس کے ساتھ چل پڑے اور فرمایا کہ میں نے اس قبر والے صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت میں چلتا ہے اور اس کام کو انتہاء تک پہنچا دیتا ہے تو یہ (عمل) دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے ایک دن کا اعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور آگ کے درمیان تین خندقیں بنا دے گا جو زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت سے زیادہ چوڑی ہوں گی۔

(۹۲) بیہقی نے علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے واپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف کیا وہ دو حجوں اور دو عمروں کی طرح ہے۔

(۹۳) بیہقی نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ معتکف کے لئے ہر دن حج (کا ثواب ہے) بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت حسن ایسی بات نہیں کرتے تھے مگر جو انہیں کسی سے پہنچی ہوتی تھی۔

(۹۴) بیہقی نے زیاد بن سکن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ زبید الیامی اور (ان کی) جماعت جب یوم النیر وز اور یوم المہر جان ہوتا تو وہ اپنی مسجدوں میں اعتکاف کر لیتے تھے پھر کہتے تھے کہ انہوں نے اپنے کفر پر اعتکاف کیا اور ہم نے اپنے ایمان پر اعتکاف کیا (اے اللہ) ہم کو بخش دیجئے۔

اعتکاف کرنے کی فضیلت

(۹۵) بیہقی نے عطا خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ اعتکاف کرنے والا المحرم کی طرح سے ہے جو اپنے آپ کو رحمن کے آگے ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے اللہ کی قسم! میں نہیں پیوں گا یہاں تک کہ مجھ پر رحم فرمائے۔

(۹۶) ابن ابی الدنیا نے کتاب قضاء الحوائج میں حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص حسین بن علی کے پاس آیا اور اس سے سوال کیا کہ میرے ساتھ میری حاجت میں چلیں فرمایا میں معتکف ہوں۔ وہ آدمی حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

پاس آیا اور ان کو (یہ بات) بتائی حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اگر وہ تیرے ساتھ چلے جاتے تو وہ ان کے اعتکاف سے بہتر ہوتا اللہ کی قسم میں تیرے ساتھ تیری حاجت میں چلوں یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک مہینہ اعتکاف بیٹھوں۔

(۹۷) امام بخاری نے جزء تراجم میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اپنے بھائی کے ساتھ اس کی حاجت میں چلوں تو یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اپنی اس مسجد میں ایک ماہ کا اعتکاف کروں اور جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اس کی حاجت میں چلا۔ یہاں تک کہ اس کی حاجت پوری کر دی تو اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو اس دن ثابت رکھیں گے جس دن قسم ڈگمگا جائیں گے۔

(۹۸) عبد الرزاق نے محمد بن واسع الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کی کسی دن مدد کی تو اس کے لئے ایک ماہ کے اعتکاف بیٹھے سے بہتر ہے۔

(۹۹) دار قطنی نے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر مسجد جس کے لئے مؤذن اور امام ہو اس میں اعتکاف کرنا بہتر ہے۔

(۱۰۰) ابن ابی شیبہ نے حضرت مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ اعتکاف صرف مسجد میں ہوتا ہے۔

(۱۰۱) دار قطنی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں ہوتا اعتکاف مگر روزہ کے ساتھ۔

(۱۰۲) مالک نے قاسم بن محمد اور نافع مولی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں اعتکاف نہیں ہوتا مگر روزہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ یعنی لفظ آیت" **وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض** - الی قولہ" **ولا تباشروهن وانتم عكفون فى المسجد**- کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کو روزہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔

(۱۰۳) ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رحی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ معتکف پر روزہ لازم ہے۔

(۱۰۴) ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا نہیں ہے اعتکاف مگر روزہ کے ساتھ۔

ابن شیبہ نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

(۱۰۵) ابن ابی شیبہ نے ایک دوسرے طریق سے حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات سے روایت کیا کہ معتکف پر روزہ واجب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ انہوں نے اپنے اوپر شرط کر لیا ہو۔

(۱۰۶) دار قطنی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا معتکف پر روزہ نہیں مگر یہ کہ اس کو اپنے اوپر لازم کرے۔

(۱۰۷) ابن ابی شیبہ دار قطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ معتکف مریض کی تیمارداری کر سکتا ہے جنازہ میں جا سکتا ہے۔ جمعہ (کی نماز) میں آ سکتا ہے اور اپنے اہل وعیال کے پاس آ سکتا ہے لیکن ان کے پاس بیٹھ نہیں سکتا۔

(۱۰۸) امام مالک، بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ

رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کو میرے حجرے میں داخل فرماتے اور آپ خود مسجد میں ہوتے تھے میں آپ کو کنگھی کر دیتی تھی اور جب آپ معتکف ہوتے تھے تو گھر میں داخل نہ ہوتے تھے مگر (ضروری) حاجت کے لئے۔

(۱۰۹) امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے [illegible]ی دس دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے۔

بیس دن کا اعتکاف

(۱۱۰) امام بخاری، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ پر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال میں آپ نے بیس دنوں کا اعتکاف فرمایا۔

(۱۱۱) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہل فضل ودین سے روایت کیا کہ وہ لوگ رمضان کے مہینہ کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کے پاس نہ لوٹتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوتے تھے۔

(۱۱۲) ابن ابی شیبہ نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ علماء معتکف کے لئے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ عید الفطر کی رات (مسجد میں) گزارے تاکہ صبح کے وقت عید گاہ کی طرف جانا مسجد سے ہو۔

(۱۱۳) ابن ابی شیبہ نے أبو مجلز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لیلۃ القدر کی رات اس مسجد میں گزارے جس میں اس نے اعتکاف کیا ہے تاکہ صبح کے وقت عید گاہ کی طرف جانا مسجد سے ہو۔

(۱۱٤) حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں عمرو بن شعیب سے روایت کیا کہ وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو محبت کے ساتھ دیکھا اس کا یہ عمل میری اس مسجد میں ایک سال کا اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔

(۱۱۵) ابن ابی شیبہ نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعض ازواج مطہرات مستحاضہ ہونے (وہ خون جو بیماری کی وجہ سے آتا ہے) کے باوجود اعتکاف کرتی تھیں۔

(۱۱٦) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "تلك حدود الله" سے مراد ہے طاعۃ اللہ یعنی اللہ کی اطاعت۔

(۱۱۷) ابن ابی حاتم نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "تلك حدود الله" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یعنی اعتکاف میں بیوی سے جماع کرنا۔

(۱۱۸) ابن ابی حاتم نے مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "تلك حدود الله فلا تقربوها" سے جماع مراد ہے۔

(۱۱۹) ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ "كذلك" سے مراد ہے یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ بقرہ، بیروت)

ومن سورۃ آل عمران

سورت آل عمران سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورت کا نام

سورۃ آل عمران: یہ سورت ترتیب مصحف کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے سورۃ انفال کے بعد ہے یہ سورت مدنی ہے اور اس میں بالاتفاق دوسو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔

سورۃ آل عمران کے اسماء:

اس سورت کا نام' آل عمران ہے کیونکہ اس سورت میں آل عمران کو فضیلت دینے کا ذکر ہے آل عمران میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور یحییٰ (علیہ السلام) ہیں حضرت مریم اور ان کی والدہ حضرت عمران کی زوجہ بھی ان میں شامل ہیں۔ آل عمران کے متعلق سب سے زیادہ آیات اس سورت میں نازل ہوئی ہیں جن کی تعداد اسی سے زیادہ ہے اس سورت کی جس آیت میں آل عمران کا لفظ ہے وہ یہ آیت ہے۔

(آیت) "ان اللہ اصطفی ادم ونوحا وال ابراھیم وال عمران علی العلمین (ال عمران: ۳۳)

ترجمہ: بیشک اللہ نے آدم' نوح' آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ آل عمران کا نام سورۃ زہراء بھی رکھا ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین کو پڑھا کرو یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو کیونکہ وہ قیامت کے روز بادلوں کی طرح آئیں گی' یا پرندوں کی جماعتوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کریں گی۔ سورۃ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے اور کا چھوڑنا حسرت ہے' جادو کرنے والے اس کو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم ج۱ ص: ۲۷۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

زہراء کا معنی ہے صاف اور روشن' چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میں جو نور اور ہدایت ہے اس کی وجہ سے آپ نے ان دونوں کو زہراء فرمایا ہے نیز حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق یہود ونصاریٰ کو جو شبہات تھے اور ان کے متعلق غلط عقائد تھے اس سورت سے ان کا ازالہ ہو جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا اللہ کا برگزیدہ بندہ اور معزز نبی ہونا واضح ہو جاتا ہے' تو چونکہ یہ سورت آل عمران کے مقام اور ان کی عظمت کو منکشف کرتی ہے اس لیے آپ نے اس کو زہراء فرمایا:

اس سورت کا نام سورۃ الکنز بھی ہے۔ کنز کا معنی ہے خزانہ۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ آل عمران فقیر کا کیا خوب کنز (خزانہ) ہے۔ وہ اس کو رات کے آخری حصہ میں پڑھتا ہے (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۵ 'مطبوعہ نشر السنہ ملتان) اس سورت کو کنز اس لیے فرمایا کہ اس میں فرمایا عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے اور نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو مباحثہ فرمایا تھا اس سے متعلق اسی سے زیادہ آیات ہیں۔

اس کا نام سورۃ طیبہ بھی ہے' حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں: امام سعید بن منصور نے ابو عطاف سے روایت کیا ہے کہ تورات میں آل عمران کا نام طیبہ ہے۔ (درمنثور ج ۲ ص ۲ مطبوعہ ایران)

احکام کے مطابق خوف اور حکم نسخ کا بیان

○ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ} أن يطاع فلا يعصى {وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ}

○ نسختها الاية التي في التغابن {فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا} وعليها بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم السمع والطاعة ما استطاعوا.

ابن حزم 125، النحاس 88، ابن سلامة 30، مكي 171 وفيه قول قتادة، ابن الجوزي 202، العتائقي 39، ابن المتوج 80.

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ (آل عمران، 102) یعنی اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اور سورت تغابن کی اس آیت سے یہ منسوخ ہے۔

سو تم اللہ سے ڈرو جہاں تمہاری طاقت ہے اور بات سنو اور فرمانبرداری کرو اور اچھے مال کو اپنی جانوں کے لیے خرچ کرو۔ اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ (تغابن 16) اس حکم کی اطاعت پر نبی کریم ﷺ نے بیعت لی۔

طاقت کے مطابق ڈرنا اور حکم کے منسوخ ہونے کا بیان

(۱) ابن المبارک نے زہد میں وعبدالرزاق والفریابی وعبد بن حمید وابن ابی شیبہ ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم ونحاس نے ناسخ میں طبرانی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "اتقوا اللہ حق تقتہ" سے مراد ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اور بھولا یا نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور ناشکری نہ کرے۔

(۲) حاکم نے اس کو صحیح کہا ابن مردویہ نے ایک اور سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لفظ آیت۔ اتقوا الله حق تقته۔ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے اور اللہ کو یاد کرے اور بھول نہ جائے۔

(۳) عبد بن حمید نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "اتقوا اللہ حق تقتہ" سے مراد ہے کہ وہ اطاعت

کرے اور نا فرمانی نہ کرے اور اس کو یاد کرے اس کو بھولائے نہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ حکم مسلمانوں پر سخت گذرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ (آیت) نازل فرمائی لفظ آیت "وتقوا اللہ ما استطعتم" (التغابن آیت ۱۶)

(٤) ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے لفظ آیت "اتقوا اللہ حق تقتہ" سے مراد ہے کہ اس کی اطاعت کرے اور نا فرمانی نہ کرے تو لوگوں میں اس کی طاقت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت "فاتقوا اللہ ما استطعتم"۔

(٥) ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کرنا سخت ہو گیا وہ (عبادت کے لیے) کھڑے ہوئے تو ان کی پنڈلیاں سوج گئیں اور ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کرتے ہوئے مسلمانوں پر (یہ حکم) نازل فرمایا لفظ آیت "فاتقوا اللہ ما استطعتم" تو پہلی آیت منسوک ہو گئی۔

(٦) ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "اتقوا اللہ حق تقتہ" کے حکم کو "فاتقوا اللہ ما استطعتم" نے منسوخ کر دیا۔

(٧) ابن جریر نے ربیع بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت "اتقوا اللہ حق تقتہ" نازل ہوئی پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی "فاتقوا اللہ ما استطعتم" تو اس آیت نے آل عمران والی آیت کو منسوخ کر دیا۔

(٩) عبدالرزاق عبد بن حمید ابوداؤد نے اپنے ناسخ میں اور ابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لفظ آیت "اتقوا اللہ حق تقتہ" کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس (آیت کے حکم) کو اس آیت نے منسوخ کر دیا جو سورۃ تغابن میں ہے یعنی لفظ آیت "فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعو اواطیعوا" اور اسی حکم پر رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے بیعت فرمائی) استطاعت کے مطابق سننے اور اطاعت کرنے کی بیعت لی تھی۔

(١٠) عبد بن حمید، ابن المنذر وابن ابی حاتم نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "اتقوا اللہ حق تقتہ" کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت اوس اور خزرج کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کے درمیان جنگ بعاث ہوئی تھی نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جب نبی ﷺ تشریف لائے تو ان کے درمیان صلح ہو گئی تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

(١١) ابن ابی حاتم نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈر سکتا جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے یہاں تک کہ روک دے اپنی زبان کو۔

(١٢) الطیالسی احمد وترمذی نے اس کو صحیح کہا نسائی وابن ماجہ ابن المنذر ابن ابی حاتم ابن حبان اور طبرانی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور بیہقی نے بعث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لفظ آیت "یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون" کے بارے میں فرمایا کہ اگر زقوم میں سے ایک قطرہ (دنیا میں)

ٹپک پڑے تو دنیا والوں پر ان کی زندگی کڑوی ہو جائے چہ جائیکہ جس کا کھانا ہی زقوم کا ہو۔

(۱۳) ابن جریر ابن ابی حاتم نے طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "یایھا الذین امنوا اللہ حق تقتہ" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اگر تم ایسا نہ کر و اور نہ ہی تم میں اس کی طاقت ہو (پھر فرمایا)۔ "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" سے مراد ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

(١٤) الخطیب نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا "حق تقتہ" یعنی جیسا حق ہے اس سے ڈرنے کا یہاں تک کہ وہ جان لے کہ جو مجھ کو مصیبت (یعنی) تکلیف پہنچی ہے وہ خطاء نہیں ہو سکتی تھی اور جو مصیبت نہیں پہنچی وہ نہیں پہنچ سکتی تھی۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت اتقوا اللہ حق تقتہ (آل عمران آیت ۱۰۲) اللہ سے ڈرو جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ عمل کرنا سخت ہو گیا۔ وہ عبادت کرنے کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی ٹانگیں سوج گئیں اور ان کی پیشانیوں پر پھوڑے نکل آئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تخفیف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو تو اس آیت نے پہلی والی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ آل عمران، بیروت)

ومن سورة النساء

سورت نساء سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورۃ النساء

سورۃ النساء مدنی ہے اس میں ۲۴ رکوع ہیں اور ۱۷۶ آیتیں ہیں۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ چوتھی سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ ممتحنہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ سورۃ البقرہ کے بعد سب سے بڑی سورت ہے۔

سورۃ النساء کا زمانہ نزول اور وجہ تسمیہ:

بعض قرائن کی بناء پر علماء نے یہ کہا ہے کہ سورۃ النساء کا زمانہ نزول ۳ ھ کے اواخر سے لے کر ۴ ھ کے اواخر یا ۵ ھ کے اوائل تک ہے شوال ۳ ھ میں جنگ احد ہوئی تھی جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور اس وقت ان مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا تھا اس لیے مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت سے متعلق آیات میں اس موقع پر نازل ہوئیں۔ نماز خوف غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی گئی تھی اور یہ غزوہ ۴ ھ میں پیش آیا تھا اس لئے نماز خوف سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں اور تیمم کی اجازت غزوہ بنو مصطلق میں دی گئی تھی یہ غزوہ ۵ ھ میں ہوا تھا اور اسی موقع پر تیمم کی آیات نازل ہوئی تھیں۔ ۴ ھ میں بنو کا مدینہ سے اخراج ہوا تھا اس لئے اس سے متعلق آیتیں اس موقع پر نازل ہوئیں۔
حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں: امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء جب نازل ہوئیں تو میں حضور کے پاس تھی۔ اس سورت میں عورتوں کے احکام بہ کثرت بیان کئے گئے ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ النساء ہے۔

سورۃ النساء کے فضائل:

امام احمد، امام حاکم نے تصحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس نے سات سورتوں کو یاد کر لیا ہے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ (ان میں سورۃ النساء بھی ہے)
امام ابویعلیٰ، امام ابن خزیمہ امام ابن حبان، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تکلیف محسوس کی صبح کو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر تکلیف کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا الحمد للہ میں نے سات بڑی سورتیں پڑھ لی ہیں۔
امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے جس نے سورۃ نساء کو پڑھ لیا وہ جان لے گا کہ وراثت میں کون کس سے محروم ہوتا ہے اور کون کس سے محروم نہیں ہوتا۔ (الدر المنثور، ج ۲ ص ۱۱۶ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی

ایران)

قرآن مجید کی پہلی سات بڑی سورتوں کو السبع الطوال کہتے ہیں وہ یہ ہیں: البقرہ' آل عمران' النساء' المائدہ' الانعام' الاعراف' الانفال' اور جن سورتوں میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں ان کو مئین کہتے ہیں اور جن سورتوں میں ایک سو سے آیتیں ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں اور مثانی کے بعد مفصل ہیں۔ سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک کی سورتوں کو طوال مفصل کہتے ہیں۔ سورۃ بروج سے سورۃ لم یکن تک اوسط مفصل ہیں اور لم یکن سے لے کر آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔

فرائض کے نزول سے قبل حکم وراثت اور حکم نسخ کا بیان

{وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا}

عن قتادة عن سعيد بن المسيب أنه قال إنها منسوخة كانت قبل الفرائض كان ما ترك الرجل من مال أعطى منه اليتيم والمسكين وذوي القربى إذا حضروا القسمة۔ثم نسخ ذلك بعد ذلك ثم نسختها المواريث فنسخ الله عز وجل: لكل ذي حق حقه ثم صارت وصية من ماله يوصي بها لقرابته وحيث شاء. حدثنا قتادة قال قال الأشعري ليست منسوخة.

8من التابعين، توفي سنة 94ھ "طبقات الفقهاء 57، تذكرة الحفاظ 54، طبقات القراء 308/1".

اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قرابت دار، یتیم اور مسکین (بھی) موجود ہوں، تو (اس ترکہ سے) انہیں بھی کچھ دے دو، اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو۔ (النساء:۸)

حضرت قتادہ سعید بن مسیب سے بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور فرائض کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی۔ کیونکہ اس وقت ترکہ کے مال سے یتیم، مسکین اور قریبی رشتہ داروں کو تقسیم کے وقت دیئے جاتے تھے۔ اس کے احکام مواریث کے نازل ہونے کے بعد یہ منسوخ ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا متعین کر دیا۔ اس کے بعد وہ وصیت کر سکتا ہے خواہ قریبی رشتہ داروں کیلئے ہو یا جس کیلئے چاہے۔ قتادہ نے حضرت اشعری سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

شرح

سعید بن المسیب، ابو مالک اور ابو صالح کا قول ہے کہ یہ حکم آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عطاء حسن، شعبی، ابراہیم، مجاہد، اور زہری کا قول ہے کہ یہ محکم ہے یعنی منسوخ نہیں ہوئی۔

عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ میراث کی تقسیم کے وقت، یہ بات آیت میراث کے نزول سے پہلے کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آیت میراث میں فرائض نازل فرما کر ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا اور مرنے والا اگر کسی کو کچھ دینے کے لیے کہہ جائے تو اسے صدقہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس سے منقول یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ میراث تقسیم کرتے وقت زیر بحث آیت میں مذکورہ حکم واجب تھا پھر

آیت میراث کی بنا پر منسوخ ہو گیا۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

ورثاء میں ترکہ کی تقسیم کی تفصیل:

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اے ایمان والو جب تم اپنے کسی رشتہ دار کا ترکہ تقسیم کرو اور تقسیم کے وقت ایسے رشتہ دار اور یتیم آجائیں جن کو اس ترکہ سے ازروئے شریعت کچھ نہ مل رہا ہو یا دوسرے غریب اور مسکین آجائیں تو اس ترکہ سے انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نرمی اور خیر خواہی کی بات کرو مثلاً یہ کہو کہ تم یہ مال لے لو تمہیں اللہ برکت دے وغیرہ وغیرہ۔

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوئے اول یہ کہ میانہ روی کے ساتھ اس کی تجہیز اور تکفین کی جائے ثانی یہ کہ اس کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اگر قرض ہو۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی میت پر قرض ہے اور تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ ثالث یہ کہ اس کے ثلث (ایک تہائی) مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے اگر اس نے وصیت کی ہو۔ رابع یہ کہ اس کے باقی ماندہ مال کو اس کی ورثاء میں قرآن، حدیث اور اجماع کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

تقسیم میں اصحاب الفرائض سے ابتداء کی جائے۔ اصحاب الفرائض وہ ہیں جن کے حصص قرآن مجید میں مقرر کر دیئے گئے ہیں مثلاً ایک بیٹی کو نصف مال ملے گا دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو ثلث (دو تہائی) اور ان کے لینے والے بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں: باپ، جد صحیح (دادا اور نانا، نانا، جد فاسد ہے) اخیافی بھائی (ماں کی طرف سے) اور خاوند اور آٹھ عورتیں ہیں: بیوی بیٹی، پوتی، عینی بہن (سگی بہن) اخیافی بہن، علاتی بہن (باپ کی طرف سے) ماں اور جدہ صحیحہ (نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے) ان کے حصوں کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے، یا اصحاب الفرائض نہ ہوں تو پھر وہ تمام ترکہ عصبات کو دیا جاتا ہے۔ باپ کی طرف سے قرابت داروں کو عصبات کہا جاتا ہے عصبات بنفسہ چار ہیں: بیٹا پوتا، باپ یا دادا، بھائی اور چچا، عصبات میں جو قریب ہو اس کو ملے گا اور بعید محروم ہو گا۔ اگر بیٹے کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبات بالغیر ہیں، اور اگر بیٹیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو وہ عصبات مع الغیر ہیں۔ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر تمام مال ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، ذوی الارحام وہ ہیں جو ماں کی طرف سے میت کے رشتہ دار ہوں ان کے چار درجات ہیں پہلا درجہ ہے بیٹی کی اولاد اور پوتی کی اولاد۔ دوسرا درجہ ہے: جد فاسد اور جدات فاسدہ یعنی نانا اور نانا کی ماں، اور تیسرا درجہ ہے۔ بہنوں کی اولاد اور عینی اور علاتی بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بھائی کی اولاد، اور چوتھا درجہ ہے پھوپھیاں، اخیافی چچا اور ماموں اور خالہ ان میں درجہ بدرجہ ترتیب ہے اور اقرب کے مقابلہ میں ابعد محروم ہو گا۔

اگر ذوی الارحام نہ ہوں تو پھر میت کا ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں داخل کر دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ہم نے ترکہ کی تقسیم میں لونڈی، غلام، مولی الموالات اور مقرلہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اب ان کا رواج نہیں ہے، ہم نے اکثر پیش آمدہ صورتیں بیان کی ہیں جو حضرات پوری تفصیل جاننا چاہیں وہ سراجی اور شریفیہ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کو دینا احسان نہیں ان کا حق پہنچانا ہے

اب اس آیت کی تفسیر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کا ایک بیٹا' دو بیٹیاں اور اس کا ایک چچا اور بھانجا ہو تو اس صورت میں بیٹا عصبہ بنفسہ ہے اور بیٹیاں عصبہ بالغیر ہیں۔ چچا بھی عصبہ ہے مگر بیٹے کی بہ نسبت بعید ہے اور بھانجا ذوی الارحام کے تیسرے درجہ میں ہے۔ اس صورت میں کل ترکہ کے چار حصے کئے جائیں گے دو حصہ ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ دو بیٹیوں کو ملے گا۔ چچا عصبہ بعید ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا اور بھانجا عصبہ کی موجودگی میں ذوالارحام ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا تاہم چچا اور بھانجہ کو ورثاء انسانی ہمدردی کے تحت اپنی طرف سے تبرعا کچھ دے دیں تو یہ اس آیت پر عمل ہوگا اسی طرح اگر کوئی اور مسکین ہو تو اس کو بھی دے دیا جائے اور ان سے نرم اور ملائم گفتگو کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "وات ذالقربی حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيرا"۔ (بنواسرائیل:۲۶)

ترجمہ: اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور فضول خرچ نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں کو کچھ دے رہا ہے تو ان پر احسان نہیں کر رہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "وفی اموالهم حق للسائل والمحروم"۔ (الذاریات:۱۹)

ترجمہ: اور ان کے اموال میں سوال کرنے والے اور محروم کا حق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکینوں' حاجت مندوں اور سائلوں کو انسان کچھ دیتا ہے تو ان پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔

آیت تقسیم وراثت کے منسوخ وعدم منسوخ سے متعلق آثار کا بیان

(۱) ابن ابی شیبہ وبخاری وابن المنذر وابن جریر وابن ابی حاتم اور بیہقی نے عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ (یہ آیت) "واذا حضر القسمة اولوا القربى واليتمى والمسكين" محکم ہے اور منسوخ نہیں ہے۔

(۲) ابن جریر وابن المنذر نے مقسم کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "واذا حضر القسمة" (یہ آیت) محکم ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا۔

(۳) ابن ابی شیبہ نے وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے حطان بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے مطابق فیصلہ کیا۔

(٤) سعید بن جبیر وابن جریر وابن المنذر نے یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "تین آیات جو مدنی ہیں اور محکم ہیں بہت لوگوں نے ان کو ضائع کر دیا (پہلی آیت) "واذا حضر القسمة" اور آیت استئذان "والذين لم يبلغوا

الحلم منکم - اور تیسری آیت - انا خلقنکم من ذکر وانثی "۔

(۵) سعید بن منصور وعبد بن حمید والبخاری وابوداؤد نے اپنی ناسخ میں وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم اور بیہقی نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ کردی گئی یعنی لفظ آیت - واذا حضر القسمة - اور یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی اللہ کی قسم! لیکن ان حکموں میں سے ہے جن کے ساتھ (عمل کرنے میں) لاپروائی کرتے ہیں۔ والی دو قسم پر ہیں ایک وہ والی ہے جو وارث ہوتا یہ وہ ہے جو کچھ کھانا اور کپڑے دے دیتا ہے اور دوسرا وہ والی ہے جو وارث نہیں ہوتا وہ اچھی بات کرتا ہے وہ کہتا ہے یہ یتیم کا مال ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں۔

(۶) ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں وابن جریر اور حاکم نے (اس کو صحیح کہا) عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت - واذا حضر القسمة اولوا القربى - سے مراد ہے کہ کچھ مال ان کو دے دیا جائے اگر مال میں کچھ کمی ہے تو ان سے معذرت کر لی جائے اور یہی " قولا معروفا " ہے۔

(۷) ابن المنذر نے عمر بنت عبدالرحمن بن عبداللہ عبدالرحمن بن ابی بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کے باپ کی میراث تقسیم کرنے لگے تو انہوں نے ایک بکری کا حکم فرمایا جو بن مال سے خریدی گئی کھانا پکایا گیا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا انہوں نے کتاب پر عمل کیا یہ آیت منسوخ نہیں کی گئی۔

غیر وارث رشتہ دار کو کچھ دے دیا جائے

(۸) ابن جریر وابن ابی حاتم ونحاس نے اپنی ناسخ میں علی کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم فرمایا کہ جب میراث تقسیم کریں تو اپنے رشتہ داروں پر اور اپنے یتیموں پر اور اپنے مسکینوں پر صلہ رحمی کریں اگر ان کے لیے وصیت کی گئی ہو اور اگر ان کے لیے وصیت نہیں کی گئی تو وراثت میں سے ان کو کچھ دے دیں۔

(۹) ابن جریر وابن ابی حاتم نے عوفی کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ حکم فرائض کے نازل ہونے سے پہلے تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرائض کو نازل فرمایا تو ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا اور صدقہ صرف اس کے لیے مخصوص کر دیا گیا جس کا متوفی نام لے۔

(۱۰) ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں وابن ابی حاتم نے عطا کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت - واذا حضر القسمة - کا حکم میراث والی آیت سے منسوخ ہے اب ہر انسان کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا گیا ترکہ میں سے تھوڑا ہے یا زیادہ۔

(۱۱) عبدالرزاق وعبد بن حمید وابوداؤد نے اپنی ناسخ میں ابن جریر وابن ابی حاتم اور بیہقی اور ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق اور قاسم بن محمد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کو خبر دی کہ عبداللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والد عبدالرحمن کی میراث تقسیم کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ تھیں دونوں

نے بیان کیا کہ انہوں نے گھر میں موجود نہ کسی مسکین کو چھوڑا نہ کسی رشتہ دار کو چھوڑا مگر اس کو اپنے باپ کی میراث میں سے عطا کر دیا اور یہ آیت پڑھی" واذا حضر القسمة " قاسم نے فرمایا کہ میں نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتائی تو انہوں نے فرمایا جو انہوں نے کیا ہے حکم اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ حکم وصیت کی صورت میں ہے بلاشبہ یہ آیت وصیت کے بارے میں ہے وصیت سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ان کے لیے وصیت کرے۔

(۱۲) نحاس نے اپنی ناسخ میں مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس (آیت)" واذا حضر القسمة " (کے حکم کو)۔ یوصیکم اللہ فی اولاد کم - نے منسوخ کر دیا۔

(۱۳) عبد الرزاق، ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم ونحاس اور بیہقی نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے فرائض (کی آیت) سے پہلے (اس کا حکم) تھا جو آدمی ترکہ میں مال چھوڑتا ہے (اس کے) مال میں سے یتیم، فقیر، مسکین اور رشتہ داروں کو دیا جاتا تھا جب وہ تقسیم کے وقت حاضر ہوتے تھے پھر اس (آیت کے حکم) کو میراث والی آیت نے منسوخ کر دیا اب اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کے حق کو مقرر فرما دیا اب اس کی وصیت ہوگی اس کے مال میں سے کہ جس کے ساتھ وہ وصیت کر جائے اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے اگر چاہے۔

(۱٤) ابن ابی شیبہ وابن جریر نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اگر حاضر ہونے والے بڑے ہوں تو کچھ مال ان کو دے دیا جائے اگر وہ چھوٹے ہیں تو ان سے معذرت کر لی جائے اسی کو فرمایا لفظ آیت " قولا معروفا۔

(۱۵) عبد بن حمید نے ابو صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ لوگ کچھ مال اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دیتے تھے یہاں تک کہ فرائض کے احکام نازل ہو گئے۔ (۱٦) ابن ابی شیبہ نے ابو مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اس کو میراث کی آیت نے منسوخ کر دیا۔ (تفسیر در منثور، سورہ نساء، بیروت)

حد زنا کے ابتدائی حکم کے منسوخ ہونے کا بیان

وعن قتادة {وَ اللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ} إلى {أَوْ يَجْعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلاً} {وَ الَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَ أَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللهَ كَانَ تَوَّاباً رَّحِيماً}.

قال كان هذا بدء عقوبة الزنا كانت المرأة تحبس فيؤذيان جميعا فيعيران بالقول جميعا في الشتيمة بعد ذلك ثم أن الله عز وجل: نسخ ذلك بعد في سورة النور فجعل لهن سبيلا فقال {الزَّانِيَةُ وَ الزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَ لَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ} وصارت السنة فيمن أحصن جلد مائة ثم الرجم بالحجارة وفيمن لم يحصن جلد مائة ونفي سنة هذا سبيل الزانية والزاني.

:ابن حزم 126، النحاس 96، ابن سلامة 33، مكی 179، ابن الجوزی 202، العتائقی 40، ابن المتوج 87.

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی طلب کرو، پس اگر وہ

گواہی دے دی تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتی کہ انھیں موت آجائے' یا اللہ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے۔ کہ یہ ابتدائی سزا تھی کہ عورت کو قید کر دیا جاتا اور ان دونوں کو برا بھلا کہہ کر عار دلائی جاتی تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورت نور میں حکم بیان فرمایا اور ان کیلئے راستہ بنایا گیا۔

زانیہ عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔ (النور 2)

اس حکم کے سبب پہلا حکم منسوخ ہوا اس میں غیر شادی شدہ کیلئے سو کوڑے اور شادی شدہ کیلئے رجم کی سزا ہے۔ اور راستہ دونوں کیلئے یہی ہے کہ سال کی نفی ہے۔

حد زنا کا ابتدائی حکم اور اس کے منسوخ ہونے کا بیان

قول باری ہے (واللاتی یاتین الفاحشة من نساء کم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم ،تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو) تا آخر آیت۔ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ سلف میں اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں زنا کار عورت کی جو سزا بیان کی گئی ہے یعنی تا حکم ثانی اسے قید میں رکھا جائے یہ ابتدائی حکم تھا جو آغاز اسلام کے وقت دیا گیا تھا۔ اور اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

ہمیں جعفر بن محمد الواسطی نے روایت بیان کی، انہیں جعفر بن محمد بن الیمان لے، انہیں ابو عبید نے، انہیں حجاج نے ابن جریج اور عثمان بن عطاء الخراسانی سے ان دونوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ قول باری (واللاتی یاتین الفاحشة من نساء کم) تا قول باری (سبیلا) نیز مطلقہ عورتوں کے متعلق قول باری) (ولا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة ،دونوں سورۃ نور کے نزول سے پہلے کوڑے لگانے کے حکم پر مشتمل تھے۔

لیکن انہیں آیت (الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة ،جلدة ،زنا کار عورت اور زنا کار مردان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ) نے منسوخ کر دیا اور آیت میں جس سبیل کا ذکر رہے وہ زنا کار عورتوں کے لیے کوڑوں اور سنگساری کی سزائیں ہیں۔

اب آئندہ کوئی عورت بدکاری کی مرتکب پائی جائے گی تو حد زنا کی شرائط پوری ہو جانے پر اسے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا جائے گا۔

جعفر بن محمد بن الیمان کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عبید نے روایت بیان کی، انہیں عبداللہ بن صالح نے معاویہ صالح سے، انہوں نے علی بن ابی طلحہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت اور قول باری (والذان یاتیانها منکم فاذوهما، اور تم میں سے جو اس فعل کا ارتکاب کریں ان دونوں کو تکلیف دو) کے متعلق نقل کیا کہ عورت اگر زنا کا ارتکاب کرتی تو اسے گھر میں بند کر دیا جاتا حتی کہ وہیں پڑے پڑے وہ مرجاتی اور اگر مرد اس فعل قبیح کا ارتکاب کرتا تو اس کی جوتوں سے مرمت کی جاتی، سخت سست کہا جاتا اور تذلیل کی جاتی اور اس طرح اسے ایذا پہنچائی جاتی پھر یہ آیت (الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد

منہما مائۃ جلدۃ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فرمایا کہ اگر یہ دونوں محصن ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بنا پر اس سنگساری کی حد جاری کی جائے گی۔ یہی وہ سبیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت (حتی یتوفاھن الموت اویجعل اللہ لھن سبیلا، یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے) میں عورتوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ آغاز اسلام میں زنا کار عورت کا حکم یہی تھا جو اس مذکورہ بالا قول باری نے واجب کر دیا تھا یعنی اسے قید کی سزا دی جاتی یہاں تک کہ وہ مرجاتی یا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی اور راستہ نکال دیتا۔ اس وقت عورت کو اس کے سوا اور کوئی سزا نہ دی جاتی۔ آیت میں باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم باکرہ اور ثیبہ دونوں قسموں کی عورتوں کے لیے عام تھا۔

قول باری (واللذان یاتیانھا منکم فاذوھما) کے متعلق حسن اور عطاء سے مروی ہے کہ اس سے مراد مرد اور عورت ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ کنوارا مرد اور کنواری عورت یعنی بن بیاہا جوڑا مراد ہے۔

مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد دو زانی مرد ہیں۔ اس آخری تاویل کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ پھر یہاں لفظ کو تثنیہ کی صورت میں لانے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے وجہ یہ ہے کہ وعدہ اور وعید کا بیان ہمیشہ جمع کے صیغے سے ہوتا ہے یا پھر ان کا ذکر واحد کے لفظ سے ہوتا ہے کیونکہ واحد کا لفظ جنس کے معنی پر دلالت کرتا ہے جو سب کو شامل ہوتا ہے۔

حسن کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ سدی کی تاویل میں بھی احتمال موجود ہے دونوں آیتوں کا مجموعی طور پر اقتضاء یہ ہے کہ عورت کے لیے زنا کی حد میں ایذا دینا اور قید میں ڈال دینا دونوں باتیں شامل تھیں حتیٰ کہ اسے موت آجاتی اور زانی مرد کی حد سخت سست کہنا اور جوتوں سے مرمت کرنا تھی کیونکہ پہلی آیت میں قید میں ڈال دینا عورت کے لیے خاص تھا اور دوسری آیت میں ایذاء دینے کے سلسلے میں مرد کے ساتھ وہ بھی مذکور تھی اس لیے عورت کے حق میں دونوں باتیں جمع ہو گئیں اور مرد کے لیے صرف ایذاء ہی کا ذکر ہوا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہوں اور عورت کے لیے حبس کی سزا کا الگ سے ذکر ہوا ہے لیکن ایذا پہنچانے کی سزا میں عورت اور مرد دونوں کو اکٹھا کر دیا گیا۔ عورت کا الگ سے جو ذکر کیا گیا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ قید کی سزا صرف اس کے لیے تجویز کی گئی ہے یہاں تک کہ اسے موت آجائے۔ اس حکم میں مرد اس کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ ایذاء پہنچانے کی سزا میں مرد کے ساتھ اسے اس لیے اکٹھا کر دیا گیا ہے کہ اس سزا میں دونوں شریک ہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ عورت کے حق میں حبس کی سزا پہلے مقرر کی گئی پھر اس کی سزا میں اضافہ کر کے مرد پر بھی ایذاء پہنچانے کی سزا واجب کر دی گئی اس طرح عورت کے لیے دو سزائیں جمع ہو گئیں اور ایذاء پہنچانے کی سزا صرف مرد کے لیے رہ گئی اگر بات اس طرح ہو تو پھر موت تک گھر میں بند رکھنا یا کوئی اور راستہ پیدا کر دینا عورت کے لیے حد زنا تھی لیکن جب اس کے ساتھ ایذا پہنچانا بھی لاحق کر دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اس لیے کہ نص کے حکم کے استقرار کے بعد اس میں اضافہ نسخ کو واجب کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس

وقت حبس ہی عورت کے لیے حدزنا تھی لیکن جب اس میں اضافے کا حکم بھی وارد ہو گیا تو حبس اس کی حدا کا ایک حصہ بن گیا۔

یہ بات اس چیز کو واجب کر دیتی ہے کہ گھر میں بند رکھنا ایک منسوخ سزا شمار ہو۔ یہ بھی درست ہے کہ ایذا پہنچانا ابتداہی سے دونوں کی سزا ہو پھر عورت کی حد میں تا موت حبس یا کسی اور صورت کا اضافہ کر دیا گیا جو اللہ تعالیٰ اس کے لیے پیدا کر دیتا یہ بات عورت کے حق میں ایذاء پہنچانے کی سزا کو منسوخ کر دیتی ہے اس لیے کہ حبس کے حکم کے نزول کے بعد مذکورہ بالا سزا عورت کے لیے حدزنا کے ایک جز کے طور پر باقی رہ گئی۔ غرض مذکورہ بالا تمام وجوہات کا یہاں احتمال موجود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آیا یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے۔ کہ حبس کے حکم کو ساقط کر کے اسے منسوخ کر دیا گیا ہو اور بعد میں تکلیف یا ایذا دینے کا حکم نازل کر کے اس پر ہی اقتصار کر لیا گیا ہو۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا حبس کے حکم کو اس طریقے سے منسوخ کرنا درست نہیں ہے۔ کہ وہ بالکلیہ اٹھا لیا جائے کیونکہ ایذا دینے کے حکم میں کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو حبس کی نفی کا باعث بن رہا ہو کیوں کہ یہ دونوں سزائیں اکٹھی ہو سکتی ہیں۔

البتہ اسے اس طریقے سے منسوخ مانا جا سکتا ہے کہ یہ حدزنا کا ایک جز بن جائے جبکہ پہلے یہ زنا کی پوری حد شمار ہوتا تھا۔ اور یہ صورت درحقیقت نسخ کی ایک شکل ہے۔

ان دونوں آیتوں کی ترتیب کے متعلق بھی دو اقوال ہیں اول وہ ہے جس کی حسن سے روایت کی گئی ہے کہ قول باری (واللذان یاتیانھا منکم فاذوھما) کا نزول قول باری (واللاتی یاتین الفاحشۃ عن نساء کم) سے پہلے ہوا۔ پھر یہ حکم دیا گیا کہ تلاوت میں اسے اس کے بعد رکھا جائے اس طرح تکلیف یا ایذاء دینا مرد اور عورت دونوں کے لیے سزا کے طور پر مقرر کیا گیا اور پھر اس کے ساتھ حبس کی سزا عورت کے لیے مقرر کر دی گئی۔

لیکن یہ تاویل ایک وجہ سے بہت بعید معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ آیت (واللذان یاتیانھا منکم فاذوھما) میں حرف، الھاء، جو ضمیر تانیث ہے اس کے لیے کسی مرجع کا ہونا ضروری ہے جس کا خطاب کے اندر اسم ظاہر کی صورت میں یا ایسے معہود کی شکل میں پہلے ذکر چکا ہو جو مخاطب کے ہاں معلوم و متعین ہو۔ مذکورہ بالا قول باری میں دلالت حال سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اس ضمیر سے مراد الفاحشۃ، ہے۔

اس سے یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ یہ ضمیر لفظ، الفاحشۃ، کی طرف راجع ہو جائے جس کا ذکر آیت کے شروع میں ہو چکا ہے اس لیے کہ ایسا کیئے بغیر معنی مراد واضح کرنے اور کسی مفہوم کو واجب کرنے کے لحاظ سے سلسلہ کلام بے معنی ہو کر رہ جائے گا اس کی حیثیت قول باری (ماترك علی ظهرھا من دابة، پھر زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا)

نیز قول باری (انا انزلنه فی لیلة القدر، بیشک ہم نے اسے قدر کی رات میں نازل کیا) کی طرح نہیں ہے کیونکہ دوسری آیت میں اگرچہ ضمیر مذکر کا مرجع مذکور نہیں لیکن انزال کے ذکر سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ قرآن ہے۔

اسی طرح پہلی آیت میں ضمیر مؤنث سے زمین کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس لیے دلالت حال اور مخاطب کے علم پر اکتفا کرتے ہوئے مرجع کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا۔

بہر حال زیر بحث آیتوں میں ظاہر خطاب کا تقاضا ہے کہ ان دونوں آیتوں کے معانی کی ترتیب الفاظ کی ترتیب کے نہج پر ہو۔ اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں یا یہ کہ اذیت کی سزا کا حکم حبس کی سزا کے حکم کے بعد نازل ہوا اگر اذیت کی سزا میں بھی عورتیں مراد ہوں جو حبس کی سزا میں مراد ہیں۔

ا[illegible]نوں آیتوں کی ترتیب کے متعلق دوسرا قول سدی سے منقول ہے کہ قول باری (واللذان یاتیانها منکم) کا حکم کنوارے، مرد اور کنواری عورت یعنی بن بیاہے جوڑے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور پہلی آیت کا حکم ثیبہ عورتوں کے لیے ہے تاہم یہ قول کسی دلالت کے بغیر لفظ کی تخصیص کا موجب ہے۔

اور کسی کے لیے اس تاویل کے اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے جبکہ دونوں الفاظ کو ان کے مقتضیٰ کی حقیقت کی صورت میں استعمال کرنا ممکن بھی ہے۔ ان دونوں آیتوں کے حکم اور ان کی ترتیب کے سلسلے میں احتمال کی وجوہات میں سے جو وجہ بھی اختیار کی جائے امت کا بہر حال اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ زناء کے مرتکبین کے متعلق یہ دونوں احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔

آیت زیر بحث میں مذکور سبیل کے معنی کے متعلق سلف میں اختلاف رائے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عورتوں کے لیے اللہ نے جو سبیل مقرر کی ہے وہ غیر محصن کے لیے کوڑوں اور محصن کے لیے رجم کی سزا ہے۔ قتادہ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔ مجاہد سے ایک روایت کے مطابق قول باری (اؤیجعل الله لهن سبیلا) کے معنی یہ ہیں، یا ان عورتوں او وضع حمل ہو جائے۔

لیکن یہ ایک بے معنی سی بات ہے اس لیے کہ حکم کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں حاملہ اور غیر حاملہ دونوں قسم کی عورتوں کے لیے عموم ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ آیت میں سبیل کا ذکر سب عورتوں کے لیے تسلیم کیا جائے۔

ان دونوں حکموں کے ناسخ کے متعلق بھی اختلاف رائے ہے۔ کچھ حضرات کا یہ قول ہے کہ ان کا نسخ قول باری (الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة) کے ذریعے عمل میں آیا۔

حد زنا کے حکم سے متعلق تفصیلی وضاحت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے (النور:۲)

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا، سائے کا سکڑنا، پیشاب کو روک لینا، حدیث میں ہے: لا یصلی احدکم وھو زناء تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔ (مسند الربیع بن حبیب، ج ۱ ص ۶۰، مکتبۃ الثقافۃ العربیہ بیروت)

اسی طرح حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی

شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۲، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۵، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۵۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۶۶، ۱۷۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آجائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۸۰۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳۴ ص ۱۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)۔

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے کسی عورت کے ساتھ بغیر شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔ (مختار الصحاح ۱۷، النہایہ ج ۲ ص ۲۸۴، المفردات ج ۱ ص ۲۸۴)

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

الزنا: اس اندام نہانی میں وطی (مباشرت، جماع) کرنا جو وطی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔ (دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لغت میں زنا کا معنی کسی چیز پر چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنی ہے کسی ایسی شہوت انگیز اندام نہانی میں حشفہ (آلہ تناسل کے سر) داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ)۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو حرام ہو اور وطی کسی شبہ سے نہ ہو اور دبر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے۔ لہٰذا یہ قبل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(النساء: ۱۵) تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں۔

اور دبر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے متعلق فرمایا:

(الاعراف: ۸۰) کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟

یعنی مرد، مردوں کی دبر میں وطی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قوم لوط کے لوگ عورتوں کی دبر میں وطی کرتے تھے پھر مردوں کی دبر میں وطی کرنے لگے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے یہ امام اوزاعی کا قول ہے، کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے، نیز اس لئے یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس

پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔ ابو بکر نے کہا میرا بھی یہی قول ہے مردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے، کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لئے مشروع کیا گیا ہے...... اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالاجماع باطل ہے، اور اگر اس سے وطی کر لی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق پر اس پر حد واجب ہے۔ حسن، جابر بن زید، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، اسحاق، ابو ایوب، ابن ابی خیثمہ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہو گیا ہے اس لئے اس وطی سے حد واجب نہیں ہوگی، جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کر خرید کر اس سے وطی کرے۔ اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مثلاً بہن سے نکاح جائز تھا) اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی)۔ نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔ (جامع ترمذی ص ۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کراچی، اور یہی امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہ)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے، کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں میری اپنے چچا سے ملاقات ہوئی در آں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا کہاں جا رہے ہیں، انہوں نے کہا ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔"

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے۔ نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۹ ص ۵۵ ـ ۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: مراد اپنی حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کر دے جو طبعاً مشتہیٰ ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس

کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، اور اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے، اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محصن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے، اس لئے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی، دوسری شرط ہے حریت پس غلام، ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محصن نہیں ہیں، اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ (روضة الطالبين وعمدة المفتين ج١٠ ص٨٦، مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٥ھ)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابو عبد اللہ شتانی مالکی لکھتے ہیں: علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے، "کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو" فرج کی قید سے وطی خارج ہوگئی جو غیر فرج میں ہو، اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو، کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں، تعزیز ہے۔ (اکمال اکمال العلم ج ٤ ص ٤٤٥، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع قدیم)۔

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قبل (اندانی نہانی) میں وطی کرے دار آں حالیکہ وقبل حقیقتا ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ٧ ص ٣٣) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔ (فتح القدیر ج٧ ص ٣٣ سکھر)۔

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں بقدر سپاری آلہ تناسل کو داخل کرنا، پس جس وطی سے حد واجب ہوگی اس میں بقدر سپاری داخل ہونا ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہوگی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اجنبی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا، اگر چہ بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا، بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی (رقم: ١٤٢٣) اور امام ابو داؤد (رقم: ١٤٤٠١) نے روایت کیا ہے۔

قبل

عورت کی اندام نہانی کو کہتے ہیں اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی دبر (سرین) میں وطی امام ابو حنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، اس کے برخلاف امام ابو یوسف، امام محمد اور فقہاء مالکیہ، اور فقہاء حنبلیہ عورت کی دبر میں وطی کو بھی زنا قرار

دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دبر میں وطی کو لواطت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا، نیز زنا اس لئے حرام ہے کہ اس سے نسبت مشتبہ ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور لواطت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ وطی، زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبعیت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زندہ: اس قید کی وجہ سے مردہ کے ساتھ وطی، زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبعیت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشتہاۃ: یعنی اس عورت سے وطی کی جائے جس پر شہوت آتی ہو اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شہوت نہ آتی ہو اس سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ (ہر چند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)۔

حالتِ اختیار: یعنی وطی کرنے والے کو اختیار ہو، اسی طرح حد کے وجوب کے لئے وطی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے مکرہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے، کیونکہ حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے: حضرت عقبہ بن عامر، حجرت عمران بن حصین، حضرت ثوبان، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء، نسیان اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اٹھالیا گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰، دار الکتاب العربی)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کر کے اس کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور محققین مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کر کے اس سے وطی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے آلہ کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکراہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے وطی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ انتشار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے، اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابو یوسف، اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دار العدل:

دار العدل سے مراد دار اسلام ہے، کیونکہ دار الحرب اور دار الکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دار الحرب میں یا دار الکفر میں زنا کرے گا تو بھی وہ اسلامی سزا سو کوڑوں یا رجم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ قاضی اسلام، دار الکفر یا دار الحرب میں اسلام سزائیں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لئے اس پر حد جاری نہیں ہوگی، دار الکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سود، چوری، ڈاکہ، قتل اور دیگر جرائم اور دار الحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں، اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکام اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حربی مستامن خارج ہے، کیونکہ اس نے احکا اسلام کا التزام نہیں کیا، مسلمان اور ذمی

اور زنا کریں گے تو ان پر حد ہی جاری کی جائے گی۔

حقیقت ملک سے خالہ ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے وطی کر لی جو مشترکہ ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے، یا اس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی محرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لئے اس کا یہ فعل ہر چند کہ ناجائز ہے لیکن زنا نہیں ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

حقیقتِ نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض یا نفاس میں وطی کر لی یا روزہ دار یا محرمہ بیوی سے وطی کر لی یا ایلاء یا ظہار کے بعد وطی کر لی تو ہر چند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے، کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب ملک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہات کی بناء پر حدود ساقط کر دو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۴)

مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا میں مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ میرا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا: (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱) تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے، کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا

یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے بغیر ولی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے وطی کر لی، یا نکاح متعہ کر کے وطی کر لی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آ گیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی، رضاعی یا سسرالی کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کر لیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے وطی کر لی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہوگی خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو، کیونکہ اس وطی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ وطی زنا نہیں ہے البتہ اس پر تعزیر ہے۔

فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ، فقہاء حنبلیہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو وطی ابداً حرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو وطی ابداً حرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح، اس وطی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا اہل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قابل ہو تو وہ نکاح وجوب حد سے مانع ہے، خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم

متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو، جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس سے نکاح کرنا ابداً حرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے وطی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداً حرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے وطی پر حد لازم نہیں آتی۔ (بدائع صنائع ج ۷ ص ۳۵، مغنی المحتاج ج ٤ ص ١٤٥، المہذب ج ۲ ص ٢٦٨، المیزان الکبری ج ۲ ص ١٥٧، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۳ ص ٢٥١، المغنی ج ٨ ص ١٧٤، رحمۃ الامۃ ج ۲ ص ١٣٦)

حد زنا کی شرائط

حد زنا جاری کرنے کے لئے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

١۔ زنا کرنے والا بالغ ہو، نابالغ پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

٢۔ زنا کرنے والا عاقل ہو، پاگل اور مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

٣۔ جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی، البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اس نے حقوق الہیہ کا التزام نہیں کیا، فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے، البتہ تادیباً اس کو سزا دی جائے گی اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے زنا کیا تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

٤۔ زانی مختار ہو اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے۔

٥۔ عورت سے زنا کرے، اگر جانور سے وطی کی ہے تو مذاہب اربعہ میں بالاتفاق اس پر حد نہیں ہے، البتہ تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

٦۔ ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادتاً وطی ہو سکتی ہو اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے نابالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔

٧۔ زنا کرنے میں کوئی شبہ نہ ہو اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ وہ اس کی بیوی یا باندی ہے، اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر حد ہے، جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے، مثلاً بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح ہو، اور جو نکاح بالاتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔

٨۔ اس کو زنا کی حرمت کا علم ہو اگر وہ جہل کا دعویٰ کرے اور اس سے جہل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

۹۔ عورت غیر حربی ہو اگر وہ حربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

۱۰۔ عورت زندہ ہو اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وطی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔

۱۱۔ مرد کا حشفہ (آلہ تناسل کا سر) عورت کی قبل (اندام نہانی) میں غائب ہو جائے اگر عورت کی دبر میں وطی کرلے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے، اسی طرح لواطت (اغلام) پر بھی حد نہیں ہے، اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔

۱۲۔ زنا دار السلام میں کیا جائے، دار الکفر یا دار الحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے، کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (لفقہ الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

احصان کی تحقیق

فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محصن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس لئے احصان کا معنی سمجھنا ضروری ہے۔

سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

احصان کا اصل میں معنی ہے منع کرنا، عورت اسلام، پاکدامنی، حریت اور نکاح سے محصنہ ہوتی ہے، جوہری نے ثعلب سے نقل کیا ہے ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ حاملہ عورت کا بھی محصنہ کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے ممنوع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محصن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے "فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ" کی تفسیر میں کہا باندی کا احسان اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا باندی کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زجاج نے محصنین غیر مسافحین کی تفسیر میں کہا مرد کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احصان، زنا سے رکنا ہے، اور احصنت فرجھا کا معنی پاکدامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور والمحصنت من النساء کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۱۷۹، ۱۳۰۶ھ)

(۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر نکاح فاسد، عدم وطی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احصان ثابت نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۸۔ مطبوعہ کراچی، ۱۴۰۰ھ)

زنا کی ممانعت، اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات

(بنی اسرائیل: ۳۲) اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، بیشک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

(النور: ۲) زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ

کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

(الفرقان: ۲۹۔۲۸) اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا۔

اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لئے استغفار کریں۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

زنا کی ممانعت، مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہل برقرار رہے گا، شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۔ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۰۴۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۹۹۰)

(۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تاکہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔ (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۵۵۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۰۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۲۴، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لے دردناک عذاب ہوگا، بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ (سردار یا حاکم) اور متکبر فقیر۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۳۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۴۵)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے۔ جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے، اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو، اور وہ لوگ اس کو منع کر دیں، پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے، اور اس کے عطیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو، یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر

کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے پھر وہ ٹھہر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد وثنا کرے اور میری آیت کی تلاوت کرے، اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اس کا دشمن سے مقابلہ ہو وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو، اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی، متکبر فقیر اور مالدار ظالم۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۴، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث ۱۲۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۸۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا...... اس موقع پر آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔ پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو، اور صدقہ کرو پھر فرمایا: اے امت! اللہ کی قسم! کسی شخص کو اللہ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے اُمت! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۱۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۷۱، ۱۴۷۰)

(۶) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے، پھر کوئی شخص جو اللہ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا بیشک آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے، انہوں نے مجھ سے کہا آپ چلئے میں ان کے ساتھ چلتا رہا...... میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل میں تھے اس کا بالائی حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی جب آگ کے شعلے بھڑکتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے...... فرشتوں نے بتایا وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، ۱۳۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ اس سے ایمان کو نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص اتارتا ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶، الکبائر للذھبی ص ۸۳۔۸۲، الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۲۶۲، دار الحدیث قاہرہ)۔

(۸) حضرت ام المومنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہو، اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۰۹۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۷)

(۹) امام طبرانی نے حضرت شریک، ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان

نکل جاتا ہے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۲۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶، مجمع الزوائدج اص ۱۰۱، الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۳۵۲۹، حافظ عسقلانی نے کہا اس کی سند جید ہے ج ۱۲ ص ۶۱، الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۹، قدیم)۔

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کی نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۵۵۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۳، تاریخ ودمشق الکبیر جز ۵۶ ص ۸۶، ۸۵، رقم الحدیث: ۱۲۲۴۱، ۱۲۲۴۰، مطلوبہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے ان میں موت بہ کثرت ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، المؤطا رقم الحدیث: ۱۰۲۰، الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۱۱۔ ۲۱۰، رقم الحدیث: ۲۰۰۹۰)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ کو شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، اس نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ فرمایا تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو، اس نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، پھر اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: آیت.......... (الفرقان: ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحدیث: ۶۸۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶، سنن الترمذی رقم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحدیث: ۳۱۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

(۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم زنا سے بچتے رہو، کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں:

(۱) اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔

(۲) رزق منقطع ہو جاتا ہے۔

(۳) رحمان ناراض ہوتا ہے۔

(٤) اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے۔ (یعنی بہت دیر تک رہنا) (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۹۲، مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۰٤، اس کی سند میں عمرو بن جمیع متروک ہے)

(١٤) حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ (ریا کاری) کا خوف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲)

(١٥) حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، بوڑھا، زانی، امام کذاب اور متکبر فقیر۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳٤، مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۵۵)

(١٦) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل بہ کثرت کیا جائے گا تو اللہ مخلوق کے اوپر سے اپنا ہاتھ اٹھائے گا، پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں عبدالخالق بن زید بن واقد ضعیب ہے، مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۵۵)

(١٧) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۹٦، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک رواوی ہے موسیٰ بن سہل اس کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقافت ہیں)

(١٨) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۹۵، حافظ الہیثمی نے کہا اس کا ایک رواوی ابن لہیعہ ہے اس کی حدیث حسن بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۵۵)۔

(١٩) حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متکبر مسکین، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳٦، حافظ الہیثمی نے کہا اس کے ایک راوی الصباح بن خالد کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۵۵)

(٢٠) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی فروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذا ہوگی۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵٤۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۷، مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۵۵)۔

(٢١) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے، کوئی سائل ہو تو

اس کو عطا کیا جائے ، کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دور کر دی جائے پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کر لی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔ (مسند احمد ج ٤ ص ۲۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث : ۲۷۹۰، حافظ منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے الترغیب والترہیب ج ا رقم الحدیث : ۱۱۶۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۸)

(۲۲) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی و نے فرمایا زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث : ۳۰۲٤، مجمع الزوائد ج ٦ ص ۲۵۵، اس کی سند پر اعتراض ہے)

(۲۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زنا فقر پیدا کرتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث : ۵٤۱۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث : ۳۰۲۵)

(۲٤) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دو شخص آئے ان دونوں نے مجھے میری بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے ، اور مجھ سے کہا اس پر چڑھیے میں نے کہا اس میں کی طاقت نہیں رکھتا ، انہوں نے کہا ہم آپ کے لئے چڑھنا آسان کر دیں گے ، پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا ، ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں ؟ انہوں نے کہا یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں ، (الی قولہ) ہم چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی ، میں نے پوچھا یہ کون ہیں ؟ انہوں نے کہا یہ مقتولین کفار ہیں ، وہ پھر مجھے آگے لئے گئے وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی گویا کہ وہ پاخانے کی بدبو تھی میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں ؟ فرمایا یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں : الحدیث (صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث : ۱۹۸٦، صحیح ابن حبان رقم الحدیث : ۱٤۸۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث : ٤٦۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث : ۲٦۲۷، المستدرک ج ۱ ص ۲۲، سنن بیہقی ج ۱ ص ۳٦٦۵)

(۲٦) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور ہم اکٹھے جاتے۔ آپ نے فرمایا : اے مسلمانوں کی جماعت ! اللہ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو ، رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے اور بغاوت سے (یا زنا سے) بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے ، اور تم ماں باپ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں کبریائی صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث : ۳۰۱۹، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۵)

(۲۷) راشد بن سعد المقرائی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ای سے لوگوں

کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھی۔ میں نے کہا اے جبریل سے گزرا جس سے سخت بدبو آرہی تھی میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لئے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لئے جائز نہ تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۰۰ ٦٧٥، الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۰۰ ٣٥٤)

(۲۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔ (مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ٤٧٧، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ٣٠٤١، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جز ۲۳ ص ۱۷۳ رقم الحدیث: ٤٩٣١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ منذری نے کہا صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عادی شرابی بت پرست کی طرح اللہ سے ملاقات کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ زنا شرابی نوشی سے بڑا گناہ ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۷، بیروت، ١٤١٤ھ)

(۲۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہو انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کرلیا۔ (یہ حدیث صحیح ہے) (المستدرک ج ۲ ص ۳۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ٣٤٣، شعب الایمان رقم الحدیث: ٥٤١٧) (٣٠)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کرلیا۔ (مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ٤٩٨١، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ٣٠٤٤، ٢٧٧، مجمع الزوائد ج ٤ ص ١١٨)

عہد پر حقِ وراثت اور حکم نسخ کا بیان

وعن قتادة عن قوله عز وجل: {وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيداً} وذلك أن الرجل كان يعاقد الرجل في الجاهلية فيقول هدمي هدمك ودمي دمك وترثني وأرثك وتطلب بي وأطلب بك فجعل له السدس من جميع المال ثم يقسم أهل الميراث مواريثهم ثم نسخ ذلك في سورة الأنفال قال {وَأُولُوا الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} فنسخ ما كان في عهد يتوارث به وصارت المواريث لذوي الأرحام3.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لئے وارث مقرر کردیئے ہیں۔ اولاد، قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے سو تم انہیں ان کا حصہ دو بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ (النساء: ٣٣)

امام ابن جریر نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص دوسرے شخص سے (جس سے اس کی نسبی قرابت نہیں ہوتی تھی) یہ عہد کرتا کہ میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا نقصان تمہارا نقصان ہے تم میرے وارث ہو گے اور میں تمہارا وارث ہوں گا تم مجھ سے مطالبہ کرنا اور میں تم سے مطالبہ کروں گا پھر زمانہ اسلام میں اس کا چھٹا حصہ مقرر کردیا گیا اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ورثہ میں ترکہ تقسیم کیا جاتا تھا پھر جب سورۃ انفال میں یہ آیت نازل ہوئی:

(آیت)- واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ-- (الانفال: ۷۵)
ترجمہ: اور قرابت دار ایک دوسرے کے ساتھ اللہ کی کتاب میں زیادہ حقدار ہیں۔

شرح

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس انسان کا مال اور ترکہ ہے ہم نے اس کے لئے وارث بنادیئے ہیں پھر ان وارثوں کا بیان فرمایا وہ اس کی اولاد اور اس کے قرابت دار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد جس شخص سے کسی نے عہد کیا تھا اس کی وراثت منسوخ ہوگئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۳۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا تو اس کا دیت ادا کرنا صحیح ہے اور اگر اس کا کوئی اور نسبی وارث نہ ہو تو پھر وہ شخص اس کا وارث ہوگا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۲)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) جاہلیت میں جو لوگ ایک دوسرے سے ایک دوسرے کا وارث ہونے کا عہد کرتے اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں اور سورۃ انفال کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

(۲) اس سے وہ مہاجرین اور انصار مراد ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی بنادیا تھا۔

(۳) اس سے وہ لوگ ہیں مراد ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنا بیٹا بنالیا کرتے تھے حالانکہ وہ کسی اور کے بیٹے ہوتے تھے، پہلے قول کے متعلق امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے وہ سورۃ انفال کی آخری آیت سے منسوخ ہوگیا۔

(۴) امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے البتہ عصبات اور ذوالارحام اس شخص پر مقدم ہیں جس سے عہد کیا گیا وہ نہ ہوں تو اس کو عہد کرنے والے کی وراثت ملے گی۔

اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص سے تم نے وراثت کے علاوہ مدد کرنے اور خیر خواہی کا معاہدہ کیا ہے اس معاہدہ کو پورا کرو، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں صرف ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا تھا اس کے سوا نہیں ہوتا تھا اور اسلام نے اس کو متغیر نہیں کیا بلکہ اور پختہ کیا ہے۔ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے اور یہ آیت محکم ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۷۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام میں حلف نہیں ہے حلف صرف جاہلیت میں ہوتا تھا اور اسلام میں اس حلف کی شدت میں اور اضافہ کیا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۲۵، مسند احمد ج ۴ ص ۸۳)

اس حدیث میں غیر شرعی باتوں پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے کا وارث بنانے پر حلف اٹھانے کی ممانعت

ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے جو حلف اٹھایا جائے اس حلف کی شدت میں اور اضافہ کیا ہے۔

ولاء موالات کا بیان

قول باری تعالیٰ ہے (والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم) رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں توان کا حصہ انہیں دو) طلحہ بن مصرف نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے اس قول باری کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ ایک مہاجر عقد مواخات کی بنا پر اپنے انصاری بھائی کا وارث ہوتا، انصاری کے اپنے رشتہ دار اس کے وارث نہ ہوتے۔

پھر جب آیت (ولکل جعلنا موالی مماترك الوالدان والاقربون) نازل ہوئی تو یہ اول الذکر آیت میں ترکہ میں حصہ دینے کا حکم منسوخ ہو گیا، پھر حضرت ابن عباس نے اول الذکر آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ (فاتوھم نصیبھم) کی صورت یہ ہے ایسے شخص کی مدد کی جائے، اسے سہارا دیا جائے، اس کے لیے وصیت کر جائے، جہاں تک اس کے وارث ہونے کی بات تھی وہ اب ختم ہو گئی ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس قول باری کے سلسلے میں روایت کی ہے ایک شخص دوسرے شخص سے یہ عہد پیمان کر لیتا ہے کہ ہم میں سے جو پہلے وفات پائے گا دوسرا شخص اس کا وارث ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (واولوالارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین الاان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا، اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر ہاں تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ اگر اپنے دوستوں کے لیے جن کے ساتھ ان کا عہد و پیمان ہے وصیت کرنا چاہیں تو ان کے لیے میت کے تہائی ترکے سے ایسا کرنا جائز ہے۔

آیت میں مذکور معروف کے یہی معنی ہیں ابوبشر نے سعید بن جبیر سے اس قول باری کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے سے عہد و پیمان کرتا پھر اگر وہ مرجاتا تو وہ شخص اس کا وارث بن جاتا، حضرت ابوبکر نے بھی ایک شخص سے اسی قسم کا معاہدہ کیا تھا اور اس کی موت پر اس کے وارث بن گئے تھے۔

سعید بن المسیب کا قول ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے متعلق ہے، جو لوگوں کو متبنی بنا کر انہیں اپنا ورثا قرار دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی کہ ایسے لوگوں کے لیے وصیت کی جائے اور میراث کو اس کے حق دار رشتہ داروں اور عصبات کی طرف لوٹا دیا۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ہم نے سلف کے جو اقوال بیان کیے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ عہد و پیمان اور موالات کی بنا پر میراث کے استحقاق کا حکم زمانہ اسلام میں بھی جاری رہا تھا۔

پھر لوگوں نے یہ کہا کہ یہ حکم قول باری (واولوالارحام بعضھم اولی ببعض من کتاب اللہ) کی بنا پر منسوخ ہو گئی لیکن اقربا کی عدم موجودگی میں یہ حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح پہلے تھا۔

موالی الموالاۃ یعنی عہد و پیمان کی بنا پر بننے والے حلیف اور دوستوں کی میراث کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور زفر کا قول ہے کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہو اور پھر اس نے اس کے ساتھ

دوستی کا عہد و پیمان کرلیا ہوتو اس کی موت پر اگر اس کا کوئی وارث موجود نہ ہوتو اس کی میراث اس شخص کو مل جائے گی، امام مالک، امام شافعی، ابن شبرمہ، سفیان ثوری اور اوزاعی کا قول ہے، کہ اس کی میراث مسلمانوں کو ملے گی، یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص دشمنوں کی سرزمین سے آکر کسی کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تو اس کی ولاء اس شخص کو حاصل ہوگی جس کے ساتھ اس نے موالات ہو اور اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لے آیا ہوتو اس کی ولاء عامۃ المسلمین کے لیے ہوگی۔

لیث بن سعد کا قول ہے کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لے تو گویا اس نے اس کے ہی ساتھ عقد موالات کرلیا اور اس کی میراث اس کے لیے ہوگی اس کے سوا کوئی اور وارث موجود نہ ہو۔

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ آیت اس شخص کے لیے میراث کو واجب کرتی ہے جس کے ساتھ مرنے والے نے عہد و پیمان کا اس طریقے پر معاہدہ کیا تھا جو ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ حکم جاری تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں منصوص طریقے سے اس کا حکم دیا تھا۔

پھر یہ ارشاد ہوا، (واولو الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ذوی الارحام کو عہد و پیمان کرنے والے موالی سے بڑھ کو حق دار قرار دیا۔ اس لیے جب ذوی الارحام موجود نہ ہوں تو آیت کی رو سے میراث کا استحقاق ان موالی کے۔لیے واجب ہوگا۔

کیونکہ آیت نے وہ حق جو ان موالی کو حاصل تھا اسے ذوالارحام کی طرف ان کی موجودگی کی صورت میں منتقل کر دیا تھا، اگر ذوی الارحام موجود نہ ہوں تو اس صورت میں نہ تو قرآن میں اور نہ ہی سنت میں کوئی ایسا حکم موجود ہے جو اس آیت کے نسخ کا موجب بن رہا ہو۔

اس لیے اس آیت کا حکم ثابت اور غیر منسوخ ہے اور اپنے مقتضی کے مطابق قابل عمل ہے یعنی ذوالارحام کی عدم موجودگی میں موالی کے لیے میراث کا حکم ثابت اور جاری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت موجود ہے جو ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں اس حکم کے ثبوت و بقا پر دلالت کرتی ہے۔

ہمیں یہ روایت محمد بن بکر نے بیان کی، انہیں ابوداؤد نے، انہیں یزید بن خالد الرملی اور ہشام بن عمار الدمشقی نے، انہیں یحییٰ بن حمزہ نے عبدالعزیز بن عمر سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن موہب کو عمر بن عبدالعزیز سے زوایت کرتے ہوئے سنا ہے انہوں نے اس قبیصہ بن ذوہب سے بیان کیا اور انہوں نے تمیم الداری سے نقل کیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھوں اسلام سے آتا ہے، آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ اسے مسلمان کرنے والا یہ شخص اس کی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر اس سے قریب ہے، آپ کا یہ قول اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ شخص دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر اس کی میراث کا حق دار ہے کیونکہ اس کی موت کے بعد ان دونوں کے درمیان صرف میراث کے اندر ولاء کی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور یہ چیز اس قول باری کے ہم معنی ہے، (ولکل جعلنا موالی) یعنی ورثاء۔

اس کے متعلق ہمارے اصحاب کے قول کے مترادف اقوال حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حسن اور ابراہیم نخعی سے بھی مروی

ہے معمر نے زہری سے روایت کی ہے کہ ان سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا تھا جس نے مسلمان ہونے کے بعد ایک شخص سے عقد موالات کر لیا تھا آیا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے، زہری نے فرمایا تھا کہ، کوئی حرج نہیں، اس کی اجازت تو حضرت عمر نے بھی دے دی تھی۔

قتادہ نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی گروہ کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا ہو وہ اس شخص کے جرائم کا تاوان ادا کرے گا اور اس کی میراث اس گروہ کے لیے حلال ہو جائے گی، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کا قول ہے کہ جب کوئی کافر کسی مسلمان کے ہاتھ پر دشمنوں یا مسلمانوں کی سرزمین میں ایمان لے آیا ہو تو اس کی میراث اسے ملے گی، جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا تھا۔

ابوعاصم النبیل نے ابن جریج سے انہوں نے ابولزبیر سے اور انہوں نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ حضور نے حکم نامہ تحریر کیا تھا کہ (علی کل بطن عقبلہ) ہر قبیلے یا گروہ پر اس کے افراد کے کیے ہوئے جرائم کی دیتوں اور تاوانوں کی ادائیگی کی ذمہ داری ہوگی۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے (لایتولی مولی قوم الاباذنہم) کسی قوم کے ساتھ موالات رکھنے والا ان کی اجازت کے بغیر کسی سے رشتہ موالات قائم نہ کرے) اس ارشاد کی دو باتیں بیان کی گئی ہیں، اول، موالات کا جواز کیونکہ آپ کا ارشاد (الاباذنہم) اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی اجازت سے ہونے والے موالات کے جواز کا آپ نے حکم دے دیا۔

دوم یہ کہ رشتہ موالات کرنے والا ولاء کے لیے کسی اور رخ کر سکتا ہے، لیکن آپ نے اسے ناپسند فرمایا ہے تاہم اگر پہلوں کی اجازت سے ہو تو اس میں کوئی کراہت اور حرج کی بات نہیں۔

یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اس بارے میں حضور ﷺ کی مراد صرف ولاء موالات کی صورت ہے کیونکہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آزادی دینے کی بنا پر حاصل ہونے والی ولاء یعنی ولاء عتاقہ میں کسی اور کی طرف منتقل ہو جانا جائز نہیں ہوتا اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے (الولاء لحمہ کلحمہ النسف) ولاء کی قرابت بھی نسب کی قرابت کی طرح ہے) اگر کوئی شخص اس روایت سے استدلال کرے جو ہمیں محمد بن بکر نے بیان کی، انہیں ابوداؤد نے، انہیں عثمان بن ابی شیبہ نے، انہیں محمد بن بشر، ابن نمیر اور ابواسامہ نے زکریا سے انہوں نے سعد بن ابراہیم سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت جبیر بن مطعم سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

(الاحلف فی الاسلام وایما حلف کان فی الجاھلیۃ لم یزدہ الاسلام الاشدہ)، اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں، زمانہ جاہلیت میں بھی بھی معاہدہ ہوا تھا، اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا ہے) یہ روایت زمانہ اسلام میں معاہدہ کے بطلان اور اس کی بنا پر آپس کے توارث کی ممانعت کی موجب ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں ہونے والے معاہدوں کی طرز کے معاہدوں کی زمانہ اسلام میں نفی کر دی ہو، اس لیے زمانہ جاہلیت میں اس طرز کا جو معاہدہ ہوتا اس میں ایک شخص دوسرے سے یہ کہتا میرا گرانا تیرا گرانا ہے، میرا خون تیرا خون ہے، تو میرا وارث ہوگا اور میں تیرا وارث بنوں گا۔ اس طرز کے معاہدے میں بہت سی ایسی باتیں بھی ہوتی تھیں جن کی اسلام میں ممانعت ہے مثلاً اس میں یہ شرط ہوتی کہ ہر ایک دوسرے کا ساتھ دے گا اس کی

خاطر اپنا خوب نبھائے گا، اور جس چیز کو گرائے گا اسے بھی گرائے گا، اس طرح جائز نا جائز ہر کام میں اسکی مدد کرے گا، شریعت نے اس قسم کے اس معاہدے کو باطل قرار دیا ہے اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی حمایت اور معونت واجب کردی ہے یہاں تک کہ ظالم سے اس مظلوم کا بدلہ لے لیا جائے اور قرابت یا غیر قرابت کسی چیز کا لحاظ نہ کیا جائے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے (یا ایھا الذین امنوا کو نوا قوامین بالقسط... تا... ان تعدلوا) اے ایمان والو انصاف کے علمبر دار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو، لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو)۔

اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں اور جانب یعنی غیر رشتہ داروں کے معاملات میں عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں ان سب کو یکساں درجے پر رکھنے کا امر کیا اور اس طرح زمانہ جاہلیت کے اس طریق کار کو باطل کر دیا جس کی رو سے غیر کے مقابلے میں حلیف اور رشتہ دار کی معونت اور نصرت ضروری ہوتی تھی خواہ یہ حلیف یا رشتہ دار ظالم ہوتا یا مظلوم، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے (انصر اخاك الله ظالما او مظلوما، اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) صحابہ نے عرض کیا کہ بھائی اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد اور معونت کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں اسے مدد دینے کی بات کے کیا معنی ہیں؟۔

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا (ردہ عن انظلم فذالك معونة منك، اسے ظلم کرنے کرنے سے پیچھے ہٹادو یعنی اسے اس کام سے روک دو تمہاری طرف سے یہ اس کی مدد ہوگی) جاہلیت کے معاہدے میں یہ بات بھی ہوتی تھی کہ ایک شخص کی موت پر اس کی اقربا اس کے ترکہ کے وارث نہیں ہوتے بلکہ اس کا حلیف وراث ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول سے اسلام میں ایسے معاہدے کی نفی کردی جس میں فریق آخر کے دین ومذہب اور معاملے کے جواز اور عدم جواز کا لحاظ کیے بغیر ہر حالت میں اس کی مدد کرنا اور اس کا دفاع کرنا ضروری ہوتا، اس کے بالمقابل آپ نے احکام شریعت کی اتباع کرنے کا حکم دیا اور ان باتوں کی پیروی سے روک دیا جو حلیف ایک دوسرے کے لیے اپنے اوپر لازم کر لیتے تھے۔ اسی طرح آپ نے اس بات کی بھی نفی کردی کہ حلیف مرنے والے کی میراث کا اس کے اقرباء سے بڑھ کر حق دار ہوتا ہے حضور کے ارشاد (لا حلف فی الاسلام) کے یہ معنی ہیں۔ آپ کے ارشاد کے دوسرے حصے (وایما حلف کان فی الجاھلیۃ لم یزدہ الاسلام) میں یہ احتمال ہے کہ اسلام نے ایسے معاہدے سے روکنے اور اس کا ابطال کرنے میں اور زیادہ شدت اور سختی سے کام لیا ہے۔ گویا آپ نے یوں فرمایا کہ جب اسلام میں حلف کا کوئی جواز نہیں حالانکہ اس میں مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد اور ایک دوسرے سے تعاون کی صورت موجود ہے تو جاہلیت کے زمانے میں کیے گئے معاہدے کے لیے کہاں گنجائش ہو سکتی ہے۔

آیا مکمل جائیداد کی وصیت لا وارث شخص کر سکتا ہے؟

اصحاب کا اسی جیسا یہ قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی پوری جائیداد کی وصیت کر جاتا ہے جبکہ اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو اس کی یہ وصیت درست ہے، ہم نے گزشتہ ابواب میں اس کی وضاحت بھی کی ہے اس کی دلیل ہے کہ جب ایک شخص کے لیے عقد موالات کی بنا پر اپنی میراث غیر کو دے دینے اور بیت المال سے اسے دور رکھنے کی اجازت ہے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ جس کے لیے چاہے اس بات کی وصیت کر جائے کہ میری موت کے بعد یہ میراث اسے دے دی جائے۔

کیونکہ دو شخصوں کے درمیان موالات کا قیام اور اثبات عقد موالات اور اس کے ایجاب کے ذریعے ہوتا ہے اور جب تک کسی نے دوسرے کے کسی جرم کا جرمانہ نہ بھرا ہوا اس وقت تک اسے اپنی ولاء منتقل کر لینے کی گنجائش ہوتی ہے اس طرح یہ ولاء وصیت کے مشابہ ہوگئی جو وصیت کرنے والے کے قول اور اس کے ایجاب سے ثابت ہوتی ہے اور وہ جب چاہے اس میں رجوع بھی کر سکتا ہے۔

البتہ ولاء ایک بات میں وصیت سے مختلف ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وصیت کی صورت میں اگرچہ متعلقہ شخص مرنے والے کی جائیداد اس کے وصیت والے قول کی بنا پر لیتا ہے لیکن اس کا یہ لینا میراث کے طور پر ہوتا ہے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اگر میت ایک رشتہ دار چھوڑ کر مر جائے تو وہ مولی الموالات کے مقابلے میں اس کی میراث کا زیادہ حق دار ہوگا لیکن تہائی ترکہ میں اس کی حیثیت اس شخص کی طرح نہیں ہوگی جس کے لیے کسی نے اپنے مال کی وصیت کی ہو اور اس صورت میں اسے اس کے مال کا تہائی حصہ دے دیا جائے گا، بلکہ مولی الموالات کو تو وارث موجود ہونے کی صورت میں مرنے والے کے ترکے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، خواہ یہ وارث اس کا رشتہ دار ہو یا اسے آزادی دینے والا آقا ہو۔

اس طرح موالات کی بنا پر حاصل ہونے والی ولاء، ایک صورت میں وصیت بالمال کے مشابہ ہے جب یعنی جب مرنے والے کا کوئی وارث موجود نہ ہو، تو ایک صورت میں سے مختلف ہے جیسا کہ ہم نے درج بالا سطور میں بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم)۔

(احکام القرآن، سورہ نساء، بیروت)

معاہد سے لڑنے اور نسخ حکم کا بیان

وعن قوله عز وجل: {إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ} إلى قوله {وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا}

ثم نسخ بعد ذلك في براءة نبذ إلى كل ذي عهد عهده ثم أمر الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم أن يقاتل المشركين حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ}.

النحاس 108، ابن سلامة 38، مكي 191، وفيه قول قتادة ابن الجوزي 203، العتائقي 44، ابن المتوج 94.

ماسوا اس کے کہ وہ اس قول تک پہنچ جائیں جس (قوم) کے تمہارے درمیان معاہدہ ہو یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آ چکے ہوں یا وہ اپنی قوم سے لڑیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان کو تم پر مسلط

کردیا پس بیشک وہ تم سے لڑتے' سو اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے نہ لڑیں۔ اور تمہارے پاس صلح کا پیغام پہنچائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف (لڑنے کا) کوئی طریقہ نہیں رکھا۔ (النساء، 90)

اس کے بعد سورت برات کی اس آیت کے سبب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

پس جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو، اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (التوبہ، 5)

اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ مشرکین سے جہاد کریں حتیٰ کہ وہ گواہی دیں، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔

شرح

ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں وابن المنذر وابن المنذر وابن ابی حاتم والنحاس والبیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ آیت - الا الذین یصلون الی قوم بینکم - کے بارے میں روایت کیا کہ اس کو منسوخ کر دیا سورۃ براۃ کی آیت" فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم - نے۔

اس صورت میں اس آیت کو آیت قتال وسیف، یعنی، فاقتلوا المشرکین -- الایۃ سے منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کیونکہ جن مشرکوں سے مسلمان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہوں ان کے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں۔ تو اب جو ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ ملحق ہو جائیں وہ بھی اس حکم میں ان کے ساتھ شریک ہوں گے لیکن جنہوں نے کسی طرح کا کوئی معاہدہ نہ کیا ہو اور نہ ہی معاہدہ کرنے والوں سے ملحق ہوئے صرف مسلمانوں سے قتال نہ کرنے کی وجہ سے محفوظ رکھے گئے ان کے حق میں یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ قرار دی جائے گی۔ (تفسیر اشرفی، لاہور)

امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ (۱) ابن ابی شیبہ وابن ابی حاتم وابن مردویہ وابونعیم نے دلائل میں حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے ان کو بیان کیا کہ جب نبی ﷺ بدر اور احد والوں پر غالب ہو گئے اور مدینہ کے اردگرد کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے تو سراقہ نے کہا کہ مجھ کو یہ بات پہنچی کہ آپ ﷺ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میری قوم بنو مدلج کی طرف بھیج رہے ہیں میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ کو نعمت کی قسم دیتا ہوں صحابہ نے کہا کہ آپ رک جائیں آپ نے فرمایا ان کو بلا لو وہ کیا چاہتے ہیں میں نے عرض کیا مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ آپ میری قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جبکہ میں چاہتا ہوں آپ انہیں اس حال میں رہنے دیں اگر آپ ان کی قوم مسلمان ہو گئی تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اسلام میں داخل ہو جائیں اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو آپ ان پر اپنی قوم کے دلوں کی وجہ سے سخت نہ ہوں گے رسول اللہ ﷺ نے خالد کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اس کے ساتھ جاؤ تو ایسا ہی کرو جو وہ چاہتا ہے تو خالد نے ان سے صلح کر لی اس بات پر

کہ وہ رسول اللہ ﷺ نے خالد کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اس کے ساتھ جاؤ تو ایسا ہی کرو جو وہ چاہتا ہے تو خالد نے ان سے صلح کر لی اس

بات پر کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اگر قریش اسلام لے آئے تو وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو جائیں گے اور جو لوگ مدلج کے ساتھ ملیں گے تو وہ بھی ان کے عہد میں شامل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت "ودوا لو تکفرون" سے لے کر " الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق - تک پس جو آدمی ان کی طرف ملتا تھا تو وہ بھی ان کے ساتھ ان کے عہد میں ہوتا تھا۔

عہد شکنی اسلام میں حرام ہے

(۲) ابن جریر وابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ آیت " الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق " کے بارے میں روایت کیا کہ جب وہ اپنے کفر کو ظاہر کریں تو ان کو قتل کر دو جہاں ان کو پاؤ اگر کوئی ان میں سے ایسی قوم میں داخل ہو جائے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے تو ان کو پناہ دو جیسے کہ تم نے اہل ذمہ کو پناہ دی۔

عبدالرزاق وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والنحاس نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " فان اعتزلو کم " (اس حکم کو) منسوخ کر دیا سورۃ توبہ کی آیت " فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم " نے۔

ابن جریر نے حسن اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما دونوں حضرات سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اس آیت (کے حکم) کو براءۃ والی آیت نے منسوخ کر دیا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ نساء، بیروت)

ومن سورة المائدة

سورت مائدہ سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورۃ المائدہ:

سورۃ المائدہ قرآن کی مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے قراء کوفیین کے نزدیک اس میں ایک سوبیس آیتیں ہیں' ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں' ان میں ایک سوبیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیین کے نزدیک اس میں ایک سوبائیس آیتیں ہیں اور بصریین کے نزدیک اس میں ایک سوتیس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے' ورنہ سب کے نزدیک سورۃ المائدہ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں البتہ بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سوبیس ہیں' بعض کے نزدیک ایک سوبائیس اور بعض کے نزدیک ایک سوتیس آیتیں ہیں اور اس میں بالاتفاق سولہ رکوع ہیں۔

سورت کا نام:

اس سورت کا نام المائدہ ہے کیونکہ اس کی دو آیتوں میں المائدہ (کھانے کا خوان) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

(آیت) "اذ قال الحواریون یعیسی ابن مریم هل یستطیع ربك ان ینزل علینا مائدة من السمآء" (المائدہ:۱۱۲)

ترجمہ: جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان اتار سکتا ہے۔

(آیت) "قال عیسی ابن مریم اللهم ربنا انزل علینا مائدة من السمآء تكون لنا عیدا لاولینا واخرنا وية منك (المائدۃ:۱۱۴)

ترجمہ: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ ہمارے رب! ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل فرما' تاکہ (اس کے نزول کا دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے' اس سورت' کا نام سورۃ العقود اور سورۃ المنقذہ بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ المائدہ اللہ کی ملکوت میں منقذہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دیتی ہے (التفسیر المنیر' جز ۶' ص ۶۰) ہمیں اس روایت کا ماخذ نہیں مل سکا۔

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ مائدہ کو پڑھا اس کو دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے اور یہ درجات ہر متنفس یہودی اور نصرانی کے عدد کے برابر ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: قاضی بیضاوی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے یہ موضوع ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو حضرت ابی کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے یہ موضوع ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ھ)

زمانہ نزول:

سورۃ المائدہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگر چہ اس کی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹتے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں ٦ھ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے، جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ وہ گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں ہو اور نیام بھی تھیلے میں ہو۔

(٤) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، ان میں کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(٥) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(٦) قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔ (صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۸٤، ۱۷۸۳، سبل الهدی والرشاد، ج ٥، ص ٥٢-٥١)

سات ہجری کو مسلمانوں نے عمرۃ القضاء کیا اور نو ہجری میں مسلمان فرضیت حج کے بعد پہلی بار حضرت ابوبکر کی قیادت میں حج کے روانہ ہوئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ اور حج کے آداب احکام بتائے جاتے۔ کافروں کے بہت سے قبائل مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں سے گزر کر حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ اس لیے یہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور زیارت بیت اللہ سے روک دیا تھا، کہیں مسلمان بھی کافروں کو زیارت حرم سے نہ روک دیں۔ اس لیے ان کو اس معاملہ میں بھی ہدایت دینی تھی۔ سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیات میں اسی نوع کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو، تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا، لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی، اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے

مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں' اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا' تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۲۔۱)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی' اس کی بعض حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے' آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا

(آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ (المائدہ: ۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری ۱' رقم الحدیث: ۴۵' صحیح مسلم ج ۴' رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۰۲' سنن کبری للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۳۷' سنن کبری للبیہقی' ج ۵' ص ۱۱۸)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھا (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ (المائدہ: ۳) اور ان کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا' اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن تو عید بنا لیتے۔ حضرت عباس نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور حدیث ابن عباس صحیح ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں میرے نزدیک امام بخاری نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفاء کیا ہے' ورنہ امام اسحاق کی قبیصہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمد للہ! یہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذی کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید میں"۔ (فتح الباری ج ۱' ص ۱۰۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ بیان کرتے ہیں' امام احمد ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی' وہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مسند" میں امام بغوی نے اپنی "معجم" میں امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں ام عمرو بنت عبس، سے اور انہوں نے اپنے عم محترم سے روایت کیا ہے

کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے تو سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے ثقل سے آپ کی اونٹنی عضباء کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابوعبید نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی' اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے' اس کا شانہ ٹوٹ گیا' اور نبی ﷺ اس سے اتر گئے۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذر نے ابومیسرہ سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی' وہ المائدہ ہے اس میں سترہ فرائض ہیں۔

امام فریابی اور امام ابن المنذر نے ابومیسرہ سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں' اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمد' امام نسائی' امام ابن المنذر اور امام بیہقی' نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا اے جبیر! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے' تو اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے' تو اس کو حرام سمجھو (الدر المنثور' ج ۲ ص ۲۵۲ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یعنی ۷ھ سے لے کر ۱۰ھ تک سورۃ المائدہ کے نزول کا زمانہ ہے۔

مشرکین کا نجس ہونا اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللهِ وَلا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلا الْهَدْيَ وَلا الْقَلائِدَ وَلا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا}

فنسختها براءة فقال الله عز وجل: {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ} وقال الله عز وجل: {مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ} إلى قوله {وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ} فقال عز وجل: {إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا} وهو العام الذي حج فيه أبو بكر رضي الله عنه ونادى علي فيه بالآذان يعني بالآذان أنه قرأ عليهم علي رضي الله عنه سورة براءة.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں' اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو' اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا تو تم ان کے ساتھ زیادتی کرو' اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو' اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ، 2)

یہ مذکورہ آیت سورت توبہ کی اس آیت کے سبب منسوخ ہوگئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو تمام مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں، اور اگر تم فقر کا خوف کرو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو عنقریب اپنے فضل سے غنی کر دے گا، بیشک اللہ بے حد جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔ (توبہ،28)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں درآں حالیکہ وہ خود اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، ان کے اعمال ضائع ہوگئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (توبہ 17)

جس سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عام اعلان فرمایا اور ان پر سورت توبہ کی آیت پڑھی۔

شرح

جس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کیا تو اس سال حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، پھر اس کے اگلے سال جب نبی ﷺ نے حج کیا تو کسی مشرک نے حج نہیں کیا۔

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں اختلاف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ کسی شخص کو بیت اللہ کے حج سے منع کریں یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائیں' خواہ وہ مومن ہو یا کافر' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں۔

(آیت)۔ "یایها الذین امنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا"۔ التوبہ:۲۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمام مشرک محض ناپاک ہیں' وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔

(آیت)۔ "ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد الله شهدین علی انفسهم بالکفر"۔ (التوبہ:۱۷)

ترجمہ: مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں' درآنحالیکہ وہ اپنی جانوں کے کفر پر گواہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے منع فرما دیا۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے' زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا اور ھدی کے گلے میں قلادہ ڈالتا تو کوئی شخص اس پر حملہ نہ کرتا' ان دونوں میں مشرک کو بیت اللہ میں جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں اور بیت اللہ کے پاس قتال نہ کریں' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

(آیت)۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم (التوبہ:۵)

ترجمہ: سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہوگیا:

مجاہد نے یہ کہا ہے: کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا' زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے لیے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے' اور ان مہینوں

میں قتال بھی کرتے تھے' اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کو حرام کر دیا' سو اس آیت میں حکم منسوخ نہیں ہوا۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے: کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا' کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کے خلاف سال کے تمام مہینوں میں قتال کرنا جائز ہے' خواہ وہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک اپنے گلے میں حرم کے تمام درختوں کی چھال بھی ڈال لے' تب بھی اس کا یہ فعل اس کے لیے قتل سے پناہ نہیں ہوگا' جب تک کہ اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے پناہ نہ حاصل کر لی ہو' یا کوئی معاہدہ نہ کر لیا ہو۔ (جامع البیان ج ٦ ص ٨٣۔ ٧٩ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

امام رازی نے لکھا ہے جو علماء اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت میں تخصیص کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ جو مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے قصد کے لیے روانہ ہوں ان کی ھدی کو لوٹنا اور ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ شعائر اللہ کو حلال نہ کرو۔ اور شعائر اللہ کا اطلاق مسلمانوں کی قربانیوں اور ان کی عبادتوں ہی کے لائق ہے' نہ کہ کفار کی قربانیوں کے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: جو لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں' اور یہ بھی مسلمانوں کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت ابتداء مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے' کفار کو شامل ہی نہیں ہے' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت بعد میں منسوخ ہو گئی۔

ابو مسلم اصفہانی نے یہ کہا: کہ اس آیت کے عموم میں وہ کافر داخل تھے جو نبی کریم ﷺ کے عہد میں تھے اور جب سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد ان سے معاہدہ ختم کر دیا گیا' تو اب وہ کافر اس آیت کے عام حکم میں داخل نہیں رہے۔ (تفسیر کبیر ج ٣ ص ٣٥٤ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٣٩٨ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمام مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تم فقر کا خوف کرو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو عنقریب اپنے فضل سے غنی کر دے گا، بیشک اللہ بے حد جاننے والا، بہت حکمت والا ہے (التوبہ: ٢٨)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ٩ ہجری کے بعد کافروں اور مشرکوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع فرما دیا ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ ممانعت صرف مسجد حرام کے ساتھ مختص ہے یا کسی مسجد میں بھی مشرکوں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے اور یہ کہ مشرکین کسی صورت میں مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے یا یہ ممانعت کسی قید کے ساتھ مقید ہے، اس میں فقہاء کے حسب ذیل مسالک ہیں:

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ:

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں: امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ کفار کو صرف مسجد حرام میں دخول سے منع کیا جائے گا، اور امام مالک کے نزدیک ان کو تمام مساجد میں دخول سے منع کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مسجد حرام میں دخول سے منع کیا جائے گا نہ کسی اور مسجد سے، اس آیت کے صریح الفاظ سے امام ابو حنیفہ کا مذہب باطل ہے اور اس آیت کے

مفہوم مخالف سے امام مالک کا قول باطل ہے: ہم یہ کہتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں دخول سے نہ منع کیا جائے لیکن اس صریح نص قطعی کی وجہ سے ہم نے اس اصل کی مخالفت کی اور کفار کو مسجد میں دخول کی اجازت دی اور مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد میں ہم نے اصل پر عمل کیا اور ان مساجد میں کفار کو داخل ہونے کی اجازت دی۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٢٢، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤٠٥ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

علامہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں: اہل مدینہ (مالکیہ) نے کہا کہ یہ آیت تمام مشرکین اور تمام مساجد کے حق میں عام ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے اعمال کو یہی حکم لکھوایا تھا اور اس حکم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے: فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ۔ (النور: ٣٦) اللہ کے ان گھروں میں، جنہیں اللہ نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اور کفار کا مساجد میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی مساجد کے بلند کرنے کے منافی ہے اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے: "ان مساجد میں پیشاب کرنا یا کسی قسم کی کوئی اور نجاست ڈالنا جائز نہیں ہے"۔ اور کافر ان نجاستوں سے خالی نہیں ہے (یعنی وہ استنجا کرتا ہے نہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مسجد کو حائض اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا، اور کافر جنبی ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما المشرکون نجس (التوبہ: ٢٨) مشرکین نجس ہیں، اب یا تو یہ نجس العین ہیں یا حکماً نجس ہیں اور ہر صورت میں ان کو مساجد سے منع کرنا واجب ہے کیونکہ منع کرنے کی علت "نجاست" ان میں موجود ہے اور مساجد میں حرمت موجود ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٨ ص ٤٠، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: حرم میں ذمیوں کا داخل ہونا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔ (التوبہ: ٢٨) مشرکین نجس ہیں تو اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔

غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مساجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ایک مجوسی مسجد میں داخل ہو کر منبر پر بیٹھ گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو منبر سے اتار کر مارا اور مسجد کے دروازوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کی اجازت سے ان کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور یہی صحیح مذہب ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پہلے اہل طائف کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور سعید بن مسیب نے کہا کہ ابوسفیان حالت شرک میں مدینہ کی مسجد میں آتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمیر بن وہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے (اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتا دیا کہ تم کس ارادہ سے آئے

ہو) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت اسلام سے سرفراز کر دیا۔ اور دوسری روایت ہے کہ کافروں کا کسی صورت میں بھی مسجد میں دخول جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ ان کے پاس ایک مکتوب تھا جس میں عمال کا حساب لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس کے لکھنے والے کو لاؤ تا کہ وہ اس کو پڑھ کر سنائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کیوں؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے، اس اثر میں دلیل ہے کہ کافروں کا مسجد میں داخل نہ ہونا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مشہور و معروف اور مقرر ہے، نیز جنابت، حیض اور نفاس کا حدث مسجد میں دخول سے مانع ہے تو شرک کا حدث بطریق اولیٰ مانع ہوگا۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۸۷۔۲۸۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ:

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہوگا اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی اور مسجد میں بھی داخل نہیں ہوسکتا، البتہ ذمی کسی ضرورت کی بناء پر مسجد میں جاسکتا ہے، مثلاً کسی مقدمہ کی پیروی کے لیے حاکم کے پاس مسجد میں جاسکتا ہے، اور ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) نے یہ کہا ہے کہ ذمی کے لیے تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، اور اس آیت کے دو محمل ہیں: اول یہ کہ یہ آیت غیر ذمی مشرکین کے لیے ہے جو مشرکین عرب ہیں، ان کو مکہ مکرمہ اور تمام مساجد میں دخول سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ذمی نہیں ہوسکتے ان کے لیے صرف دو راستے ہیں۔

اسلام یا تلوار! دوسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو حج کے لیے مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کیا تو اس سال حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، پھر اس کے اگلے سال جب نبی ﷺ نے حج کیا تو کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور اس معنی پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے متصل بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تو اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا"۔ اور تنگ دستی کا خوف اس وجہ سے ہوسکتا تھا کہ حج کے موسم میں بکثرت لوگ حج کے لیے آتے تھے اور اہل مکہ ان سے تجارت اور خرید و فروخت کے ذریعہ نفع اٹھاتے تھے اور جب کہ مشرکین کو حج پر آنے سے روک دیا گیا تو اہل مکہ کی تجارت میں کمی کا خطرہ پیدا ہوگیا، سو اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اس معنی کی مزید تائید اس بات سے ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کو عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرنے اور حج کے تمام افعال سے منع کیا جائے گا خواہ وہ افعال مسجد میں نہ کیے جاتے ہوں، اور ذمیوں کا ان جگہوں میں جانا منع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکین کو حج کرنے سے منع کیا گیا ہے اور حج کے بغیر مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا گیا، نیز اس آیت میں مسجد حرام کے قریب جانے کی ممانعت ہے مسجد حرام میں جانے کی ممانعت نہیں ہے اور مسجد حرام کے قریب جانا حج کے لیے جانے سے متحقق ہوسکتا ہے۔

حماد بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا ہے کہ جب ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو نجس لوگ ہیں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کی نجاست زمین پر نہیں لگتی ان کی نجاست ان میں ہی رہتی ہے اور زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان زمانہ کفر میں نبی ﷺ کی مسجد میں داخل ہوتا تھا البتہ ان کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وہ (غیر ذمی مشرک) مسجد حرام کے قریب نہ ہوں"۔

علامہ ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ ثقیف کا وفد نبی ﷺ کے پاس (آٹھ ہجری میں) فتح مکہ کے بعد آیا تھا اور یہ آیت نو ہجری میں نازل ہوئی ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر حج بن کر گئے تھے، نبی ﷺ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور یہ خبر دی کہ کفار کی نجاست ان کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی اور ابوسفیان فتح مکہ سے پہلے صلح کی تجدید کے لیے آئے تھے وہ اس وقت مشرک تھے اور یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کا تقاضا صرف مسجد حرام کے قریب جانے سے ممانعت ہے اور یہ آیت کفار کو باقی مساجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زید بن یشیع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے حکم سے یہ ندا کی کہ حرم میں کوئی مشرک داخل نہیں ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کے ساتھ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم میں کوئی مشرک حج کے لیے داخل نہیں ہوگا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث میں یہ روایت ہے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس حدیث میں حج کے لیے حرام میں دخول سے ممانعت ہے اور شریک نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: "اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں، البتہ کسی ضرورت کی وجہ سے غلام یا باندی مسجد حرام میں داخل ہوسکتی ہے"۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ضرورت کی وجہ سے غلام یا باندی کا مسجد حرام میں دخول جائز قرار دیا ہے اور حج کے لیے اجازت نہیں دی اور یہ اس پر دلیل ہے کہ آزاد ذمی بھی ضرورت کی وجہ سے مسجد حرام میں داخل ہوسکتا ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں کسی بھی آزاد اور غلام میں فرق نہیں کیا اور حدیث میں غلام اور باندی کا بالخصوص اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ عام طور پر حج کے لیے نہیں جاتے اور امام عبدالرزاق نے سورۃ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے البتہ غلام یا کوئی ذمی شخص ہو تو وہ جاسکتا ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۰۶۹)، (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۹۔۸۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

علامہ محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت میں مشرکین کو حج اور عمرہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو اس سال (یعنی نو ہجری) کے بعد سے مقید کیا ہے اور جو کام سال بہ سال کیا جاتا ہے وہ حج یا عمرہ ہے۔

اگر مشرکین کو مسجد میں مطلقاً داخل ہونے سے منع کرنا مقصود ہوتا تو اس سال کے بعد کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی اور دوسری

دلیل یہ ہے کہ مشرکین کو اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب جانے سے ممانعت کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے" اور اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ عنقریب تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا" اور تن دستی کا خوف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ مشرکین کو حج کے لیے آنے سے روک دیا جائے، کیونکہ حج کے موقع پر مشرکین کے آنے سے مسلمانوں کو تجارت میں بہت فائدہ ہوتا تھا اور ان کے نہ آنے سے اس تجارت کے منقطع ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے امام اعظم کے نزدیک مشرکین اہل ذمہ کا مسجد حرام اور دیگر مساجد میں دخول جائز ہے۔(روح المعانی جز ۱۰ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: امام شافعی وغیرہ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ لایقربوا المسجد الحرام "مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں" سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی تکوینی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں مسجد حرام کے قریب جانے کا فعل پیدا نہیں کرے گا، اور یہ منقول نہیں ہے کہ اس ممانعت کے بعد مشرکین میں سے کسی نے برہنہ ہو کر حج یا عمرہ کیا ہو، اور اس نہی تکوینی اس لیے قرار دیا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک کفار احکام فرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔(رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۱-۳۴۰، مطبوعہ استنبول، ج ۵ ص ۲۴۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں۔ درآنحالیکہ وہ خود اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (التوبہ: ۱۷)

تعمیر کا معنی: عمر الدار کا معنی ہے مکان تعمیر کرنا اور عمر المنزل کا معنی ہے گھر بسانا اور آباد کرنا۔(المنجد ص ۵۲۹ بیروت) انما یعمر مساجد اللہ (التوبہ: ۱۸) میں اس کا معنی ہے تعمیر کرنا یا زیارت کرنا۔(المفردات ج ۲ ص ۴۵۱)

عمارت کا جو حصہ ٹوٹ پھوٹ جائے اس کی مرمت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا، اس کی صفائی اور آرائش و زیبائش کرنا، اس میں روشنی کا انتظام کرنا۔ اور مسجد کی تعمیر میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو دنیاوی باتوں سے محفوظ رکھا جائے اور اس میں اللہ کے ذکر اور علم دین کی تدریس میں مشغول رہا جائے۔(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۶۷۸، مطبوعہ المدینہ المنورہ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفی رازی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں: مسجد کی تعمیر کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے مسجد کی زیارت کرنا اور اس میں رہنا اور دوسرا معنی ہے مسجد کو بنانا اور اس کا جو حصہ بوسیدہ ہو گیا ہو اس کو نیا بنانا۔ کیونکہ اعتمر اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس نے مسجد کی زیارت کی اور اس سے لفظ عمرہ ماخوذ ہے کیونکہ عمرہ بیت اللہ کی زیارت کرنے کو کہتے ہیں اور جو شخص مسجد میں بکثرت آتا جاتا ہو اور مسجد میں ہی رہتا ہو اس کو عمار کہتے ہیں، پس اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے اور مسجد کو بنانے اور مسجد کی دیکھ بھال کا انتظام کرنے اور مسجد میں قیام کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ لفظ دونوں معنوں کو شامل ہے۔(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: یعمر، عمارۃ سے بنا ہے اور مسجد کی عمارۃ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مسجد میں بکثرت آنا جانا اور مسجد کو لازم پکڑ لینا (۲) مسجد کو بنانا اور اس کی تعمیر کرنا۔ اگر دوسرا معنی مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ کافر کے لیے مسجد کی مرمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اس لیے اس کا معظم ہونا واجب ہے اور کافر مسجد کی اہانت کرتا ہے اور اس

کی تعظیم نہیں کرتا، نیز کافر حکماً نجس ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مشرکین محض نجس ہیں۔ (التوبہ:۲۸) اور مسجد کی تطہیر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔ (البقرہ:۱۲۵) نیز کافر نجاسات سے احتراز نہیں کرتا اور اس کا مسجد میں داخل ہونا مسجد کو نجاست سے متلوث کرنے کا موجب ہے نیز کافر کا مسجد میں داخل ہونا بعض اوقات مسلمانوں کی عبادت میں خلل اور فساد کا موجب ہوگا۔ نیز کافر کا مسجد کی مرمت کرنا مسلمانوں پر کافر کے احسان کا موجب ہوگا اور کافر کو مسلمان پر احسان کرنے کا موقع دینا جائز نہیں ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱٤۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: درآنحالیکہ وہ خود اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، کیونکہ جب تم کسی عیسائی سے پوچھو تمہارا کیا مذہب ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں عیسائی ہوں اور یہودی سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ میں یہودی ہوں۔ ستارہ پرست یا آتش پرست سے پوچھو تو وہ کہے گا میں ستارہ پرست ہوں یا آتش پرست ہوں اور بت پرست سے پوچھو تو وہ کہے گا میں بت پرست ہوں۔

کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں مذاہب فقہاء:

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک کافر کا کسی جگہ کو عبادت کے لیے وقف کرنا جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ کو مسجد بنانا جائز ہے۔ علامہ ابوعبداللہ شمس الدین مقدسی متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں: مسلمان یا ذمی کی جانب سے کسی جگہ کو نیک کام کے سوا وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً مسجد وغیرہ بنانے کے لیے، کیونکہ اس کا نفع مسلمانوں کو پہنچے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مباح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، البتہ کسی جگہ کو یہودیوں یا عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ (کتاب الفروع ج ٤ ص ۵۸۷-۵۸۶، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱٤۰۵ھ)

علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرادوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں: دوسری شرط یہ ہے کہ کسی جگہ کو نیک کام کے لیے وقف کرنا چاہیے خواہ وقف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی، اس کی امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصریح کی ہے۔ مثلاً مسکینوں کے لیے وقف کرنا، مسجدوں کے لیے، پلوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے، یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور اصحاب حنبلیہ کا اتفاق ہے۔
(الانصاف ج ۷ ص ۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷٦ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک کفار کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم امام رازی شافعی کی عبارت نقل کر چکے ہیں، اور علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ٤۵۰ھ لکھتے ہیں: سورۃ توبہ کی اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کفار کے لیے مسجدوں کی تعمیر جائز نہیں ہے، کیونکہ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ان کو صرف ایمان کے ساتھ تعمیر کیا جاسکتا ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ کفار کے لیے مسجدوں میں داخل ہونا اور زیارت کے لیے مسجدوں میں آنا جائز نہیں ہے۔ (النکت والعیون ج ۲ ص ٣٤٦، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الشافعیہ بیروت)۔ فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی کفار کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے، علامہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں: کافر ذمی کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ٤ ص ۷۹-۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک بھی کافر کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے، اس سے پہلے ہم علامہ ابوبکر جصاص حنفی کی عبارت لکھ چکے ہیں

اور علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں: ذمی کا اس چیز کے لیے وقف کرنا صحیح ہے جو اس کے اور ہمارے دونوں کے نزدیک عبادت ہو لہٰذا ذمی کا حج اور مسجد کے لیے وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ صرف ہمارے لیے عبادت ہیں ذمی کے لیے نہیں ہیں، اور نہ ذمی کا گرجا کے لیے وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ وہ صرف اس کے نزدیک عبادت ہے، البتہ مسجد قدس کے لیے ذمی کا وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ مسجد قدس اس کے نزدیک بھی عبادت ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔ (منحة الخالق البحر الرائق ج ٥ ص ١٨٩، مطبوعہ کوئٹہ، تنقیح الفتاوىٰ الحامدیہ ج ١ ص ١١٩، مطبوعہ مطبع حبیبیہ کوئٹہ)

غیر مقلدین کے نزدیک بھی کافر کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ١٣٠٧ھ لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اگر کافر نے مسجد بنانے کی وصیت کی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ (فتح البیان ج ٥ ص ٢٥٢، مطبوعہ المکتبہ العصریہ بیروت، ١٤١٥ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ لکھتے ہیں: کافر نے مسجد کے لیے وقف کیا نہ ہوگا کہ یہ اس کے خیال میں کار ثواب نہیں۔ (فتاوىٰ رضویہ ج ٦ ص ٣٣٨، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ١٣٧٦ھ لکھتے ہیں: وہ کام جس کے لیے وقف کرتا ہے فی نفسہ ثواب کا کام ہو، یعنی واقف کے نزدیک بھی وہ ثواب کا کام ہو اور واقع میں بھی ثواب کا کام ہو۔ اگر ثواب کا کام نہیں تو وقف صحیح نہیں (الی قولہ) اگر نصرانی نے حج وعمرہ کے لیے وقف کیا جب بھی وقف صحیح نہیں کیا کہ اگرچہ یہ کار ثواب ہے مگر اس کے اعتقاد میں ثواب کا کام نہیں۔ (الی قولہ) ذمی نے اپنے گھر کو مسجد بنایا اور اس کی شکل صورت بالکل مسجد کی سی کر دی اور اس میں نماز پڑھنے کی مسلمانوں کو اجازت بھی دے دی اور مسلمانوں نے اس میں نماز پڑھی بھی جب بھی مسجد نہیں ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد میراث جاری ہوگی، یونہی اگر گھر کو گرجا وغیرہ بنا دیا جب بھی اس میں میراث جاری ہوگی۔ (بہار شریعت جز ١٠ ص ٣۔٢٩، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)۔

کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں علماء دیوبند کا نظریہ: مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ لکھتے ہیں: اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنا دے یا مسجد بنانے کے لیے مسلمانوں کو چندہ دے دے تو اس کا قبول کرنا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔ (درالمختار، شامی، مراغی) (معارف القرآن ج ٤ ص ٣٣١، مطبوعہ ادارة المعارف کراچی، ١٤١٤ھ)۔ علامہ احمد مصطفیٰ المراغی نے اسی طرح لکھا ہے (تفسیر المراغی ج ١٠ ص ٧٤، مطبوعہ بیروت)

لیکن علامہ المراغی کوئی مسلم فقیہ نہیں ہیں اور درالمختار میں اس طرح لکھا ہوا نہیں ہے، رہے علامہ شامی تو انہوں نے اس کے خلاف لکھا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے منحة الخالق اور تنقیح الفتاوىٰ الحامدیہ کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں اور اب ایک مزید حوالہ پیش کر رہے ہیں: علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ١٢٥٢ھ تحریر فرماتے ہیں: درمختار میں صحت وقف کی ایک یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ اس کا فی نفسہ عبادت ہونا معروف ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں یہ صرف مسلمان کے وقف کرنے کی شرط ہے ورنہ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ ذمی کے وقف کی صحت کی شرط یہ ہے کہ وہ اس کے نزدیک اور ہمارے نزدیک عبادت ہو جیسے فقراء پر

وقف کرنا یا مسجد بیت المقدس پر وقف کرنا برخلاف اس کے کہ ذمی کسی گرجا پر وقف کرے کیونکہ وہ صرف اس کے نزدیک عبادت ہے، یا وہ حج اور عمرہ پر وقف کرے کیونکہ وہ صرف ہمارے نزدیک عبادت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے نزدیک عبادت ہونا صرف ذمی کے وقف کے لیے شرط ہے کیونکہ مسلمان کے وقف کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ان کے نزدیک بھی عبادت ہو بلکہ وہ صرف ہمارے نزدیک عبادت ہو جیسے حج اور عمرہ۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۳۹٤، مطبوعہ کوئٹہ، ردالمحتار ج ۳ ص ۳٦۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱٤۰۷ھ، ردالمحتار ج ٦ ص ٤۱۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱٤۱۹ھ طبع جدید)

اور چونکہ کافروں کے مذہب میں مسجد بنانا یا مسجد کے لیے چندہ دینا عبادت نہیں ہے اس لیے ان امور میں ان سے چندہ لینا فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور فقہاء احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے اور دینی حمیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اپنی عبادات میں کافروں سے مدد نہ لی جائے اور اپنے دین میں ان کا احسان نہ اٹھایا جائے۔

تعمیر مساجد کے احکام ومسائل وفضائل کا بیان

۱:۔ ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) "ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ " اور فرمایا (آیت) " انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ " کہ ان دونوں آیتوں میں مشرکین کو مسجد سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب شخص نے اللہ تعالیٰ کو ایک مانا اور اس چیز پر ایمان لایا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا (آیت)۔ واقام الصلوۃ۔ یعنی پانچوں نمازوں کو قائم کیا (آیت) " ولم یخش الا اللہ " اور اس نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی (آیت) " فعسی اولیك " یعنی یہ لوگ ہدایت پانے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (آیت) عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا (۷۹) فرماتے ہیں کہ تیرا رب عنقریب آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا اور وہی مقام شفاعت ہے اور قرآن میں عسی کا (لفظ) وہ جواب اور اثبات کے لئے ہے۔

۲:۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اس کو یوں پڑھا (آیت) " ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ " فرمایا وہ صرف ایک ہی مسجد ہے۔

۳:۔ ابن منذر نے حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے عبداللہ بن کثیر سے حروف پڑھتے ہوئے سنا (آیت) " ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ " یعنی مشرکین کے لئے یہ لائق نہیں کہ وہ صرف اللہ کی مسجد کو آباد کریں۔

٤:۔ احمد وعبد بن حمید والدارمی والترمذی اور آپ نے اس کو حسن کہا وابن ماجہ وابن منذر وابن ابی حاتم ابن خزیمہ وابن حبان وابوالشیخ والحاکم اور آن نے اس کو صحیح کہا وابن مردویہ والبیہقی نے اپنی سنن میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آیت) انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر "

۵:۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جو شخص نماز کی اذان کو سنے پھر اس کا جواب نہ دے اور مسجد میں آیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آیت)۔

انما یعمر مسجد الله"

۶:۔بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں زمین والوں پر عذاب کا ارادہ کرتا ہوں پھر جب میں اپنے گھروں یعنی مسجدوں کے آباد کرنے کی طرف دیکھتا ہوں اور میری رضا کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کو اور سحری کے وقت استغفار کرنے والوں کو دیکھتا ہوں تو ان پر (عذاب کو) ہٹا دیتا ہوں۔

۷:۔عبدالرزاق والبیہقی نے معمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندوں میں سے میرے نزدیک وہ بندے مجھے زیادہ محبوب ہیں جو آپس میں میرے لئے محبت رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو میری مسجدوں کو آباد کرتے ہیں اور وہ لوگ جو سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں اور جب میں اپنی مخلوق کے ساتھ عذاب کا ارادہ کرتا ہوں تو میں ان لوگوں کو یاد کرتے ہوئے اپنی مخلوق سے اپنے عذاب کو ہٹا لیتا ہوں۔

۸:۔سعید بن منصور وابن ابی شیبہ والبزار (اور آپ نے اس کو حسن کیا) والطبرانی والبیہقی نے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے سلمان کی طرف لکھا اے میرے بھائی کہ مسجد تیرا گھر ہو جائے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکے لئے راحت وسکون اور پل صراط سے رب تعالیٰ کی رضا کی طرف گزرنے کی ضمانت دی ہے جنکے گھر مسجدیں ہیں۔

۹:۔عبدالرزاق والبیہقی نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ کہا جاتا تھا کہ مسلمان کا لباس (یعنی حسن) نہیں ہیں مگر تین کاموں میں مسجد میں کہ وہ اس کو آباد کرتا ہے یا گھر میں جہاں وہ رہتا ہے یا اپنے رب کے فضل سے رزق کے طلب کرنے میں۔

۱۰:۔ابوبکر عبدالرحمن بن قاسم بن الفرج الہاشمی نے اپنی جزاء میں جو ابومسہر کے نسخہ سے مشہور ہے ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مساجد قابل عزت لوگوں کی مجالس ہیں۔

۱۱:۔احمد نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مساجد کے لئے کیل ہوتے ہیں فرشتے ان کے پاس بیٹھنے والے ہوتے ہیں اگر وہ غائب ہو جائیں تو ان کو تلاش کرتے ہیں اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں اور اگر وہ کسی حاجت میں ہوتے ہیں تو انکی مدد کرتے ہیں پھر فرمایا مسجد میں بیٹھنے والا تین حالتوں میں سے کسی ایک پر ہوتا ہے یا وہ بھائی ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یا وہ مضبوط کلمہ ہے یا وہ ایسی رحمت ہے جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

مسجدیں زمین میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں:

۱۲:۔الطبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین میں اللہ کے گھر مسجدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے۔

۱۳:۔عبدالرزاق وابن جریر والبیہقی نے شعب الایمان میں عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے خبر دی کہ مسجدیں زمین میں اللہ کے گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کا اکرام کرے جو اس کی زیارت کے لئے ان میں آئے۔

۱۴:۔ البزار وابویعلی والطبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آسمان سے کوئی مصیبت اترتی ہے تو مسجدوں کے آباد کرنے والوں سے ہٹادی جاتی ہے۔

۱۵:۔ بیہقی نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مسجدوں کے لئے کیلیں ہوتی ہیں اور وہ ہیں اس کے آباد کرنے والے فرشتے ان کے ہم نشین ہوتے ہیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں اور اگر وہ کسی حاجت میں ہوتے ہیں تو ان کی مدد کرتے ہیں۔

۱۶:۔ طبرانی نے الاوسط میں وابن عدی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۷:۔ الطبرانی نے حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص مسجد کی طرف ہمیشہ آنا جانا رکھا وہ پالیتا ہے ایسے بھائی کو جس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور ایسا علم پالیتا ہے جو انتہائی عمدہ اور اعلی ہے اور ایسا کلمہ پالیتا ہے جو اس کو ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اور ایسا کلمہ پالیتا ہے کہ تو اس کو پھیر دیتا ہے بیکار کاموں سے اور وہ چھوڑ دیتا ہے گناہوں کو حیا کرتے ہوئے ڈرتے ہوئے یا وہ نعمت کو پالیتا ہے یا رحمت کو جس کا وہ انتظار کرنے والا ہے۔

۱۸۔ طبرانی نے ایک صحیح سند سے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر وہ مسجد کو آیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کی جائے اس پر حق ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے۔

۱۹:۔ امام بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ابن ابی شیبہ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو موقوفا روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے اندھیرے میں چلنے والوں کے لئے پورے نور کی خوشخبری ہے قیامت کے دن۔

۲۰:۔ ابن ابی شیبہ والطبرانی والبیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کے اندھیرے میں مسجدوں کی طرف چلا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن نور عطا فرمائیں گے۔

۲۱:۔ طبرانی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو اندھیرے میں مسجدوں کی طرف چلنے والوں کے لئے خوشخبری ہے قیامت کے دن نور کے منبروں کی، خوف زدہ ہوں گے اور یہ لوگ خوف زدہ نہیں ہوں گے۔

۲۲:۔ طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح اور شام کو مسجد کی طرف جانا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے میں سے ہے۔

۲۳:۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبدالرحمن بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم یہ بیان کرتے تھے کہ مسجد مضبوط قلعہ ہے شیطان (کے بچاؤ) سے۔

۲٤:۔الطبرانی اور بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں زمین میں آسمان والوں کے لئے چمکتے ہیں جیسے آسمان کے ستارے زمین والوں کے لئے چمکتے ہیں

۲۵:۔امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبداللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ وسیع ایک گھر اس کے لئے جنت میں بنائیں گے۔

۲٦:۔امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور طبرانی رحمہما اللہ نے بشر بن حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ہم اپنی مسجد بنا رہے تھے وہ ہمارے پاس ٹھہرے اور ہم کو سلام کیا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے مسجد بنائی کہ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس سے افضل واعلیٰ گھر بنائیں گے۔

مسجد بنانے کا اجر وثواب:

۲۷:۔ابان ابی شیبہ واحمد البزار رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اگرچہ وہ اس گھڑے کی طرح ہو جیسے مرغ سنگ خوار انڈے دینے کے لئے بناتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک گھر جنت میں بنادیں گے۔

۲۸:۔امام طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الاوسط میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسجد بنائی اور اس اس نے ریاکاری اور شہرت کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک گھر جنت میں بنادیں گے۔

۲۹:۔امام طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الاوسط میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی گھر بنایا کہ وہ اس میں اللہ کی عبادت کرے گا حلال مال سے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک گھر جنت میں بنادیں گے موتی اور یاقوت سے۔

۳۰:۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسجد بنائی اگرچہ اتنی چھوٹی ہو جیسے مرغ سنگ خوار کا گھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک گھر جنت میں بنادیں گے۔

۳۱:۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے ایسی مسجد بنائی کہ جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک محل جنت میں بنادیں گے۔

۳۲:۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجدیں بناؤ اور اس کو محفوظ جگہ بناؤ غیر کے تصرف سے۔

۳۳:۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم کثیر تعداد میں

مسجدی بنائیں اور عزت وشرف والے شہر تعمیر کریں۔

۳۴:۔ابن ابی شبیہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم کو منع کر دیا گیا کہ ہم کنگروں والی مسجد میں نماز پڑھیں۔

۳۵:۔ابن ابی شبیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بن شفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا کہ مسجدیں کثیر ہیں اور بلاشبہ لوگوں کی عزت وشرف زمانے کی ایجاد میں سے ہے۔

۳۶:۔ابن ابی شبیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ کہا جاتا ہے کہ ضرور لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مسجدیں بنائیں گے اور آپس میں فخر کریں گے اور ان کو پہنچاننے والے تھوڑے ہوں گے۔

۳۷:۔ابن ابی شبیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے مسجدوں کو بہت بلند کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

۳۸:۔ابن ابی شبیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ تم ضرور اپنی مسجدوں کو آراستہ کرو گے جیسے یہود ونصاری اپنی مسجدوں کو آراستہ کرتے ہیں۔

۳۹:۔ابن ابی شبیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب تم اپنی مسجدوں کو آراستہ کرو گے اور اپنے مصحفوں کو زیور پہناؤ گے تو تم پر ہلاکت اور بربادی ہوگی۔

۴۰:۔طبرانی نے مسند الشامئین نے علی بن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فریا جس نے مسجد میں چراغ لٹکایا تو ستر ہزار فرشتے اس پر رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اس کے لئے استغفار کرتے ہیں جب تک کہ چراغ جلتا رہتا ہے۔

۴۱:۔سلیم الرازی نے ترغیب میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسجد میں چراغ جلایا تو فرشتے اور عرش کو اٹھانے والے اس کے لئے برابر استغفار کرتے ہیں جب تک مسجد میں اس کی روشنی برستی ہے۔

۴۲:۔ابوبکر الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی رباعیات میں اور طبرانی نے ابوقرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا مسجدیں بناؤ اور اس میں سے کوڑا کرکٹ کو باہر نکالو۔اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا مسجد سے کوڑا کرکٹ باہر نکالنا حور عین کا مہر ہے اور یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ وہی مساجد ہیں جو راستوں میں بنائی جاتی ہیں تو آپ نے فرمایا ہاں یہ وہی مساجد ہیں جو راستوں میں بنائی جاتی ہیں۔

۴۳:۔احمد نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے راستوں میں سے ایک راستہ سے گزرا آپ نے کچی اینٹوں سے بنا ہوا ایک قبہ دیکھا۔پوچھا یہ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ فلاں صحابی کا ہے آپ نے فرمایا ہر تعمیر اپنے مالک پر بوجھ ہوگی قیامت کے دن سوائے مسجد کی تعمیر کے (وہ بوجھ نہ ہوگی) پھر (دوسری مرتبہ) آپ گزرے تو اس (قبہ) کو نہ دیکھا آپ نے فرمایا وہ قبہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا جو آپ نے فرمایا وہ بات اس مالک کو پہنچ گئی تو اس نے اس کو گرا

دیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

مساجد کو آباد کرنے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکتا ہے:

٤٤:۔ احمد نے زہد میں اور حکیم ترمذی نے مالک بن دینار: سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں زمین والوں پر عذاب کا ارادہ کرتا ہوں (لیکن) جب قرآن کے ہم نشینوں کو اور مسجدوں کے آباد کرنے والوں کو اور اسلام کے فرزندوں کو دیکھتا ہوں تو میرا غصہ ٹھہر جاتا ہے۔ (یعنی ختم ہو جاتا ہے) (تفسیر در منثور، سورہ توبہ 17، بیروت)

کفار و مشرکین و یہود سے درگزر کرنے کے منسوخ ہونے کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلاً مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ} حتى يأتي الله بأمره عز وجل: فأمر نبيه صلى الله عليه وسلم أن يعفو عنهم ويصفح ولم يؤمر يومئذ بقتالهم ثم نسخ ذلك بعد في براءة فقال: {قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ} إلى قوله: {وَهُمْ صَاغِرُونَ} فأمر الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم أن يقاتلهم حتى يسلموا أو يعطوا الجزية.

النحاس 115. ابن سلامة 40. مكى 218. ابن الجوزى 203. العتائقى 46. ابن المتوج 98.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔ آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ (المائدہ 13) اللہ تعالیٰ کے دوسرے حکم نازل ہونے تک یہی حکم رہا ہے کہ آپ ﷺ انہیں معاف کر دیں اور ان کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ اس کے یہ حکم اس آیت کے تحت منسوخ ہو گیا اور سورت توبہ میں ارشاد فرمایا:

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔ (توبہ، 29) اس آیت میں ان سے قتال کا حکم دیا حتیٰ کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔

شرح

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، جب آپ عامریوں کی دیت وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے واپس آ گئے (جامع البیان، ج ٦، ص ٢١٤، مطبوعہ بیروت)

اس آیت میں فرمایا ہے، ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب، آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں۔

اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنوقینقاع، بنوالنضیر اور بنوقریظہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے مامون رہیں گے اور ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے، یہ معاہدہ میثاق مدینہ کہلاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کو صرف حجاز سے جلاوطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے۔

(آیت) "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔ (التوبہ:۵)

ترجمہ: تو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔

جزیہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

علامہ ابوعبید القاسم بن سلام ہروی متوفی ۲۲۴ھ نے لکھا ہے کہ جزیہ کا لغوی معنی ہے اکتفا۔ (غریب الحدیث ج۱ ص ۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ جزیہ وہ رقم ہے جو اہل ذمہ سے لی جاتی ہے اور وہ رقم ان کی جان کی حفاظت کے لیے کفایت کرتی ہے۔ (المفردات ج۱ ص ۱۲۱، مطبوعہ بیروت)

امام رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ جزیہ جزی سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسی واجب کو ادا کرنا اور اصطلاح میں جزیہ اس رقم کو کہتے ہیں جو ذمی اپنی حفاظت کے لیے ادا کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵)

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں: جزیہ کا لغوی معنی ہے الجزاء یعنی بدلہ اور یہ قتل کا بدل ہے، کیونکہ جب کوئی ذمی جزیہ ادا کر دیتا ہے تو اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے اور الجزاء سزا کو بھی کہتے ہیں اور جزیہ کی رقم ذمی کے کفر کی سزا ہے۔

جزیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو صلح سے لی جاتی ہے اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور نہ اس میں تغیر کیا جاتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے اہل نجران سے اس پر صلح کی کہ وہ ہر سال دو ہزار حلے ادا کیا کریں گے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۴۱) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ، طبع جدید)

جزیہ کن سے وصول کیا جائے گا:

امام شافعی، امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی اور سنت کی رو سے بھی جزیہ لیا جائے گا، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مرتد کے سوا ہر کافر اور مشرک سے

جزیہ لیا جائے گا خواہ اس کا کفر اور شرک کسی قسم کا ہو۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ٤٥)

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی الحنفی المتوفی ١٠٨٨ ھ لکھتے ہیں: جزیہ اہل کتاب پر مقرر کیا جائے گا، ان میں یہود السامرہ بھی داخل ہیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت کو مانتے ہیں، اور نصاریٰ پر مقرر کیا جائے گا ان میں افرنگی اور رومی بھی داخل ہیں اور رہے الصابئہ تو امام ابوحنیفہ کے ندیک ان پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا کیونکہ وہ یہودی ہیں یا عیسائی، اس لیے وہ اہل کتاب میں داخل ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ ستارہ پرست ہیں اور اہل کتاب میں داخل نہیں ہیں اس لیے ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا اور مجوسی پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں کیونکہ نبی ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں پر جزیہ مقرر کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل بحرین میں سے اسبذ یین (بحرین کا ایک شہر) کا ایک شخص آیا اور وہ اہل ہجر (یمن کی زمین) کا ایک مجوسی تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند دن ٹھہر کر چلا گیا۔ میں نے اس سے پوچھا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ کیا۔ اس نے کہا برا فیصلہ کیا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا اسلام لاؤ ورنہ قتل کر دیا جائے گا، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ ﷺ نے اس سے جزیہ قبول فرما لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے قول پر عمل کیا اور اس کے قول کو ترک کر دیا جو میں نے خود اس السبذی سے سنا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٠٤٤)

اور حضرت عمرو بن اوس اور حضرت ابوالشعثاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت تک مجوس سے جزیہ قبول نہیں کیا جب تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شہادت نہیں دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول کیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٠٤٣، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٥٦، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٥٨٦) اور امام ابوعبید نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے جزیہ وصول کیا تھا اور وہ مجوسی تھے۔ (الاموال رقم الحدیث: ٨٥)

اور عجمی بت پرست پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس کو غلام بنانا جائز ہے اور عربی بت پرست پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ اہل زبان تھے اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا ان کے حق میں بہت ظاہر تھا۔ اس لیے ان کا عذر مقبول نہیں ہے اور نہ مرتد سے جزیہ قبول کیا جائے گا، اس سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر ہم ان پر غالب آ جائیں تو ان کی عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنا لیا جائے گا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنوحنیفہ کے مرتدین کی عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنا لیا تھا اور ان کو مجاہدوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ٦ ص ٢٤٢۔ ٢٤١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٩ھ، طبع جدید)

عجمی بت پرست پر جزیہ مقرر کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے: حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف یہ خط لکھا جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ میں ہے اور جو انکار کرے اس پر جزیہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۲۶۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء:

جزیہ کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ آزاد اور بالغ پر ہر سال ایک دینار مقرر کیا جائے گا خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے مساوی کپڑا وصول کریں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۳۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۰۳)

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سونا رکھنے والوں سے ہر سال چار دینا وصول کیے جائیں گے، اور چاندی رکھنے والوں سے ہر سال چالیس درہم وصول کیے جائیں گے، اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۴۷)

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ امیر آدمی سے اڑتالیس درہم سالانہ لیے جائیں گے، متوسط سے چوبیس اور فقیر سے بارہ درہم، اور اثرم نے امام احمد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی مالی حیثیت کے لحاظ سے اس میں کمی زیادتی بھی ہوسکتی ہے اور یہ امام وقت کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۴۲۲)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن الحصکفی التوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: فقیر سے بارہ درہم سالانہ لیے جائیں گے، متوسط سے چوبیس درہم سالانہ اور امیر سے اڑتالیس درہم سالانہ لیے جائیں گے اور جو شخص دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے اور جو شخص دوسو یا اس سے زیادہ درہم کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو شخص دوسو درہم سے کم کا مالک ہو یا کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ فقیر ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۶ ص ۲۴۰۔۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ طبع جدید)

فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث ہے: محمد بن عبید اللہ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مردوں پر جزیہ مقرر کیا، غنی پر اڑتالیس درہم، متوسط پر چوبیس درہم اور فقیر پر بارہ درہم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۲۶۳۳، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس زمانہ میں درہم کی مالیت کا یہ حساب ہے: ایک درہم = ۶۲۵ء۰ (صفر اعشاریہ چھ دو پانچ تولہ چاندی)، دس درہم = ۶۲۵ء۶ (۲ اعشاریہ چھ دو پانچ تولہ چاندی)، بارہ درہم = ۱۵ء۳ (تین اعشاریہ ایک پانچ تولہ چاندی)، دوسو درہم = ۵۲ء۵ (باون اعشاریہ پانچ تولہ چاندی)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔ ہاتھ سے مراد احسان ہے، یعنی ان پر مسلمان کا احسان ہے کہ وہ ان کو قتل کرنے کے بدلہ ان سے صرف جزیہ لے رہے ہیں اور ذلت کے ساتھ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس طرح جزیہ کی رقم نہ دیں جیسے کوئی افسر اپنے ماتحت کو انعام دیتا ہے کیونکہ اس میں دینے والے کی بڑائی ہے بلکہ وہ اس طرح جزیہ کی رقم دیں جس طرح مجرم حاکم کو جرمانہ ادا کرتا ہے اور اس میں اس پر حاکم کا احسان ہے کہ وہ جرمانہ وصول کرکے اس کی سزا معاف کر

رہا ہے۔

کفار سے متعلق فیصلہ کرنا اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ} يعني اليهود فأمر الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم أن يحكم بينهم أو يعرض عنهم إن شاء ثم أنزل الله عز وجل: الآية التي بعدها {وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ} فأمر الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم يحكم بينهم بما أنزل الله بعد أن كان رخص له إن شاء أن يعرض عنهم.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سننے ہو اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں' سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں، اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے' اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان (انصاف سے فیصلہ کریں' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ42)

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے متعلق فیصلہ کرنے میں اختیار دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فیصلہ کر دیں یا اعراض کریں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں۔ لیکن اس کے بعد آیت میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے' تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے' اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ:۴۸)

شرح

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں: زیر بحث آیت - فان جاءوك فاحكم بينهم اواعرض عنهم -۔ (المائدہ:۴۲) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حکم کو اختیار ہے۔ لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت وان احكم بينهم بما انزل الله -(المائدہ:۴۹) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

(آیت) - ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الكافرون -۔ (المائدہ:۴۴)

ترجمہ: جو اللہ کے نازل کیے ہوئے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں:۔

یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی آیت " فان جاءوك فاحكم بينهم اواعرض عنهم "۔ (المائدہ:۴۲) اس وقت یہودیوں کو ذمی نہیں قرار دیا تھا' اور نہ ان پر جزیہ کیا گیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر

اسلام کے احکام جاری کیے تو پھران کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۵ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا:

اس آیت میں قرآن مجید کو سابقہ کتب سماویہ کا محافظ اور نگہبان فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات' زبور اور انجیل میں کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی۔ اس لیے ان کتابوں کا آسمانی اور الہامی کتاب ہونا مشکوک ہوگیا۔ اس لیے کسی ایسی مستحکم دلیل کی ضرورت تھی' جس سے ان کا آسمانی کتاب ہونا ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کمی نہیں ہوسکتی۔

(آیت) "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون"۔ (الحجر: ۹)

ترجمہ: بیشک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ فرمایا:

(آیت) "لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه"۔ (حم السجدہ: ۴۲)

ترجمہ: اس میں باطل نہیں آسکتا' نہ اس کے سامنے سے نہ ان کے پیچھے سے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی یا اس کی کسی ایک سورت کی مثل نہیں لاسکتا:

(آیت) "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهدآء کم من دون الله ان کنتم صدقین"۔ (البقرہ: ۲۳)

ترجمہ: اگر تم اس (کلام) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے (مقدس) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دن بدن علم وفن میں ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالف بھی بہت زیادہ ہیں' لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید میں کسی کلمہ کی زیادتی بتا سکا' نہ کمی اور نہ اس کی کسی سورت کی کوئی مثال لاسکا۔ اس لیے ہر دور میں قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت اور مسلم رہا' اور چونکہ قرآن مجید نے تورات' انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے' اس لیے ان کا وجود بھی ثابت ہوگیا۔ اس طرح ظاہر ہوگیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق اور محافظ ہے' کیونکہ اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو محض ان کتابوں سے تو ان کا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا ہے۔

حتی کہ اب وہ عبرانی نسخے بھی موجود نہیں ہیں جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض کریں۔ (المائدہ: ۴۲) اور اس آیت میں فرمایا ہے تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ (المائدہ: ۴۷) اس آیت سے پہلی آیت منسوخ ہوگئی ہے یا پہلی آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور دوسری آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ یا پہلی آیت ان اہل کتاب کے متعلق ہے جن سے ابتداء ہجرت میں سابقہ پڑا

تھااور دوسری آیت اہل ذمہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے (الگ الگ) احکام دیے۔ سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (المائدہ: ۴۸)

شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی وضاحت:

اس آیت میں منہاج سے مراد دین ہے اور دین سے مراد وہ عقائد اور اصول ہیں جو تمام انبیاء (علیہم السلام) میں مشترک رہے۔ مثلاً توحید، اللہ تعالیٰ کی صفات، نبوت، آسمانی کتابوں، فرشتوں، مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لانا، اور جو احکام سب میں مشترک رہے، مثلاً قتل، جھوٹ اور زنا کا حرام ہونا اور شریعت سے مراد ہر نبی کے بیان کیے ہوئے عبادات اور معاملات کے مخصوص طریقے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے، شرائع سابقہ ہم پر حجت نہیں ہیں اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر نبی کی الگ الگ شریعت ہوتی ہے۔ اگر سابقہ شریعت ہم پر حجت ہو تو پھر ہمارے نبی کی الگ شریعت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ شرائع کے جو احکام بغیر انکار کے ہم سے بیان فرمائے، وہ دراصل ہماری ہی شریعت ہیں، کیونکہ ان کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ ہم ان احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ پچھلی شریعتوں کے احکام ہیں۔ بلکہ ہم ان پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حج کے اکثر و بیشتر اعمال حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ الصلوۃ والسلام) کی یادگار ہیں، قربانی کرنا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے، اسی طرح وضو میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور طہارت کی دیگر دس سنتیں بھی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہیں، رجم اور قصاص کے احکام تورات میں بھی تھے اور شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زناکار یہودیوں کو تورات کے فیصلہ کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا اور ہم ان تمام احکام پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ: ۴۲) المائدہ: ۴۹ سے منسوخ ہوگئی ہے، اور ابتداء اسلام میں حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے، لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا، اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔ البتہ اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو، یا بے حیائی اور بدچلنی کو فروغ ہو، تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا، اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں، تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

ومن سورۃ الأنعام

سورت انعام سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورۃ الانعام:

اس سورت کا نام الانعام ہے' اس میں بیس (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں' یہ سورت مکی ہے البتہ! اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ ان کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب باحوالہ آ رہی ہے' انعام کا معنی ہے مویشی۔ اس سورت کا نام الانعام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ان مشرکین کا رد کیا گیا ہے' جنہوں نے ازخود چند مویشیوں کو حلال کر لیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کر لیا تھا' وہ آیتیں یہ ہیں:

(آیت) " وقالوا هذه انعام وحرث حجر لايطعمها الا من نشآء بزعمهم وانعام حرمت ظهورها وانعام لايذكرون اسم الله عليها افترآء عليه سيجزيهم بما كانوا يفترون. وقالوا مافي بطون هذه الانعام خالصة لذكورنا ومحرم على ازواجنا وان يكن ميتة فهم فيه شركاء سيجزيهم وصفهم انه حكيم عليم "۔ (الانعام: ۱۳۹۔۱۳۸)

ترجمہ: اور مشرکوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں' انہیں وہ کھائے گا جسے ہم چاہیں گے ان کے زعم فاسد کے مطابق' اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشتوں (پر سواری اور بار برداری) کو حرام کیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے تھے' اللہ پر بہتان باندھنے کے لیے' اللہ ان کو ان کے بہتان کی عنقریب سزا دے گا، اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو بچہ (زندہ) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ عنقریب اللہ انکو ان احکام کو وضع کرنے کی سزا دے گا' بیشک وہ بڑی حکمت والا' بہت علم والا ہے۔

جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے یہ پوری سورت ایک رات میں یک بارگی نازل ہوئی تھی اور جس رات میں یہ نازل ہوئی آپ نے اسی رات اس کو لکھوا دیا تھا۔ اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ ﷺ کے مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے الفاتحہ' البقرہ' آل عمران' النساء اور المائدہ مدنی سورتیں تھیں۔ ان سورتوں میں اصالتہ' خطاب مومنین سے تھا۔ اور ان میں مسلمانوں کے لیے شرعی احکام بیان کیے تھے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' جہاد' صلہ رحم' عورتوں کے حقوق' نکاح' طلاق وعدت' وراثت' امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دیگر احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے' اور مدینہ منورہ میں جو غیر مسلم تھے' یہود اور عیسائی' ان کی بدعقیدگیاں بیان کر کے ان کا رد فرمایا تھا اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے تھے اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بیان فرمائی تھیں' اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مسلمانوں کو خبردار فرمایا تھا اور ضمناً بعض آیتوں میں مشرکین کا بھی رد فرمایا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ پہلی مکی سورت ہے' چونکہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی کوئی ریاست قائم نہیں کی تھی اور نہ ان کو اس کے مواقع میسر تھے' اس لیے وہاں مسلمانوں کے پاس

اپنا نظام معیشت اور نظام حکومت قائم کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا' وہاں پر مسلمانوں کا مشرکین سے تصادم تھا اور توحید کا پیغام پہنچانے میں مشرکین زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان کرنے اور ان کو دلائل سے ثابت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

الانعام میں توحید و رسالت کے بنیادی مسائل اور دلائل بیان فرمائے ہیں اور حیات بعد الموت اور حشر و نشر کو بیان فرمایا ہے' اصل دین ابراہیم کی وضاحت کی ہے اور انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں اور عقل و فطرت کے تقاضوں سے استدلال کیا ہے' مشرکین کے فرمائشی معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجوہ بتائی ہیں۔ تقدیر کا بیان کیا ہے اور بعض مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے' مشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ عذاب آ گیا تو تمہارے پاس اس کے بچاؤ کا کیا سامان ہے؟

سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳٦۰ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سورۃ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (المعجم الکبیر' ج۱۲' رقم الحدیث ۱۲۹۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر سورۃ الانعام یکبارگی مکمل نازل ہوئی۔ اس وقت میں نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی' اور اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ (المعجم الکبیر' ج ۲٤' رقم الحدیث: ٤٤٩۔٤٤٨' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام نازل ہوئی درآنحالیکہ اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا' وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی' اور رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے۔ سبحان اللہ العظیم' سبحان اللہ العظیم" اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سالمی متفرد ہیں۔ (المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ٦٤٤٣' مطبوعہ مکتبہ المعارف الریاض' ۱٤۱۵ھ)

سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث:

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ بیان کرتے ہیں: امام النحاس نے اپنی کتاب ناسخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی' سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا تین آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (آیت) "قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔" الآیہ: ۱۵۳۔۱۵۱)

امام ابن المنذر نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے' یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا اس آیت کے" ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ (الانعام: ۱۱۱)

امام فریابی' امام اسحاق بن راھویہ اور امام عبد بن حمید نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل

ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے' یہ مکی سورت ہے ماسوا ان دو آیتوں کے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم"۔ (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۵۲۔۱۵۱) (الدر المنثور' ج ۳' ص ۲٤٤' مطبوعہ بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث میں سورۃ الانعام چھ آیتوں کے سوا مکہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاتبوں کو بلا کر اسی ۔ اس سورت کو لکھوالیا تھا۔ (قرطبی' ج ٦' ص ۲۱٥)

سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث:

امام دیلمی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورۃ الانعام پڑھنے والے کو ایک منادی ندا کرتا ہے: اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔

امام ابوالشیخ نے ابومحمد عابد سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں: تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں' قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلسبیل سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا "میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا برحق بندہ ہے"۔

امام ابن الضریس' ابومحمد فارسی سے روایت کرتے ہیں جس نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلسبیل سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا' میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے مصلی پر بیٹھ گیا اور سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الدر المنثور' ج ۳ ص ۲' مطبوعہ ایران)

ان احادیث کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ٦' ص ۲۹٦۔۲۹٥)

حافظ سیوطی نے سورۃ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں' ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسانید سے سکوت کیا ہے۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے' وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں' تب بھی ضعف سے بہر حال خالی نہیں ہیں اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہے' اور تعدد اسانید سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں' لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے نہ فرائض' واجبات اور سنن و مستحبات پر عمل کی ضرورت ہے' محرمات اور مکروہات سے اجتناب کی حاجت ہے تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا' حتی کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو مشکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔
(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

دین کا مذاق اڑانے والوں سے لڑنا اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِباً وَلَهْواً} ثم أنزل الله في براءة فأمر بقتالهم.
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے۔ اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جائیں' اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا' اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا کیے گئے' ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے: یہ حکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ آیت: فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ:۵) ہے۔

دین کا مذاق اڑانے والے دھوکہ میں ہیں

(۱) امام عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا اس قول کی طرح ہے لفظ آیت ذرنی ومن خلقت وحیدا (المدثر)

(۲) امام عبد بن حمید، ابوداؤد نے ناسخ میں، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور نحاس نے ناسخ میں قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا کے بارے میں فرمایا کہ پھر سورۃ براۃ میں ان کو قتل کرنے کا حکم نازل ہوا اور فرمایا لفظ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم -

(۳) امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت اتخذوا دینھم لعبا ولھوا سے مراد کھانا اور پینا ہے (یعنی جنھوں نے اپنے دین کو کھانے کا ذریعہ بنالیا ہے)

(٤) امام ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ان تبسل کا معنی ہے لفظ آیت ان تفضح (تاکہ رسوا نہ کیا جائے) اور لفظ آیت ابسلوا کا معنی ہے لفظ آیت فضحوا (یعنی وہ لوگ جن کو رسوا کیا گیا)

(۵) امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ان تبسل کا مطلب ہے لفظ آیت تسلمتا کہ کوئی آدمی اپنے عملوں کے سپرد نہ کر دیا جائے اور لفظ آیت ابسلوا بما کسبوا کا مطلب ہوگا کہ جن کو ان کے جرموں کے

حوالے کر دیا گیا۔

(۶) امام طستی نے نافع بن ازرق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا کہ مجھے اللہ عزوجل کے اس قول لفظ آیت ان تبسل نفس کے بارے میں بتائیے۔ انہوں نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے اگر کسی آدمی کو اس کے عملوں کے بدلے دوز خ میں روک لیا جائے۔ عرض کیا کیا عرب کے لوگ اس سے واقف ہیں؟ فرمایا ہاں کیا تو نے زہیر کا یہ قول نہیں سنا وہ کہتا ہے

وفارقتک برھن لا فکاک لہ یوم الوداع وقلبی مبسل علقا

ترجمہ: اور تیرا جدا ہونا رہن کے ساتھ کہ نہیں ہے چھڑایا جانا اس کے لئے الوداع کے دن اور میرا دل معلق کر کے روک لیا گیا۔

(۷) امام عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت ان تبسل نفس کے بارے میں فرمایا (اس سے مراد وہ نفس ہے جسے پکڑ لیا جائے اور قید کر لیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت وان تعدل کل عدل لا یوخذ منھا کے بارے میں فرمایا اگر وہ زمین بھر کر سونا لے آئے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۸) امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کیا کہ لفظ آیت اولئک الذین ابسلوا بما کسبوا یعنی یہی لوگ پکڑے جائیں گے جو کچھ انہوں نے کمایا۔

(۹) امام ابوالشیخ نے سفیان بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت ابسلوا کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کا مطلب لفظ آیت اخذوا یا اسلموا ہے۔ یعنی وہ رسوا کئے گئے یا وہ حوالے کئے گئے کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا؟ فان أقفرت منھم فانھم بسل

ترجمہ: پس اگر تو ان سے الگ تھلک ہو گیا تو وہ رسوا ہو جائیں گے۔ (تفسیر درمنثور، سورہ انعام، بیروت)

ومن سورة الأنفال

سورت انفال سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

مشرکین سے صلح اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله {وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا} فنسختها الآية التي في براءة {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ}.

وذكر النحاس 155 ومكي 259 قول قتادة. وذهب إلى ذالك ابن المتوج 121. وهي الآية 29 عند ابن حزم 129 وابن سلامة 49 والعتائقي 51.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں اور اللہ پر توکل کریں، بیشک وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے۔ (الانفال 61) یہ آیت سورت توبہ کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ کہ تم مشرکین کو قتل کردو جہاں انہیں پاؤ۔

شرح

عبدالرزاق وابن منذر والنحاس نے اپنی ناسخ میں ابوالشیخ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) "وان جنحوا للسلم " سے مراد ہے صلح "فاجنح لہا" فرمایا کہ یہ حکم سورۃ براۃ سے پہلے کا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو ایک مدت تک چھوڑ دیتے تھے یا تو وہ صلح کرلیں یا ان سے قتال کیا جائے گا۔ پھر (یہ حکم) سورۃ براۃ میں منسوخ کردیا گیا اور فرمایا (آیت) فاقتلو المشرکین حیث وجدتموہم"۔ (التوبۃ آیت ۵) اور فرمایا (آیت)۔ وقاتلوا المشرکین کافۃ۔ (التوبۃ آیت ۳۶) تو آپ نے یہ معاہدہ کرنے والے کے ساتھ اپنا معاہدہ اعلانیہ توڑ دیا اور آپ کو حکم دیا گیا کہ ان سے قتال کریں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں اور مسلمان ہوجائیں۔

اور ان سے اس بات کے علاوہ کسی اور بات کو قبول نہیں کیا جائے گا اور ہر عہد جو اس سورۃ میں تھا اور اس کے علاوہ ہر صلح جو مسلمان مشرکین سے صلح کرتے تھے اور اس کے ذریعے آپس میں ایکدوسرے سے وعدہ کرتے تھے تو جب سورۃ برات نازل ہوئی تو وہ سب منسوخ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ (تفسیر درمنثور، سورہ انفال، بیروت)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ: وان جنحوا للسلم فاجنح لھا اس میں لھا فرمایا ہے کیونکہ السلم مونث ہے، اور جائز ہے کہ تانیث فعلتہ کے لیے ہو۔ اور جنوح کا معنی مائل ہونا ہے۔ وہ فرماتا ہے: اگر وہ مائل ہوں۔ یعنی وہ جن کے عہد توڑنے کا علم آپ کو ہوا۔ صلح کی طرف، تو پھر آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوجائے۔ اور جنح الرجل الی الآخر کا معنی ہے آدمی دوسرے کی طرف مائل

ہوا۔ اور اسی وجہ سے پسلیوں کو جوانح کہا گیا ہے، کیونکہ وہ انتڑویوں پر جھکی ہوئی ہیں۔ اور جنعت الابل (یہ تب کہا جاتا ہے) جب چال میں اونٹ کی گردن جھک جائے اور ذوالرمہ نے کہا ہے:

اذمات فوق الرحل احییت روحه بذکراک والعیس المراسل جنح

اور نابغہ نے کہا ہے:

جوانح قد ایقن ان قبیله اذا ما التقی الجمان اول غالب

مراد پرندہ ہے۔ اور جنح اللیل جب رات آئے اور اپنا اندھیرا زمین پر پھیلا دے۔ اور السلم والسلام دونوں کا معنی صلح ہے۔ اعمش، ابوبکر، ابن محیصن اور مفضل نے سین کو کسرہ کے ساتھ للسلم پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس کا مکمل معنی سورۃ بقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور کبھی السلام بمعنی التسلیم ہوتا ہے۔ اور جمہور نے نون کے فتحہ کے ساتھ فاجنح پڑھا ہے اور یہ بنی تمیم کی لغت ہے۔ اشہب عقیلی نے نون کے ضمہ کے ساتھ فاجنح پڑھا ہے اور یہ قیس کی لغت ہے۔ ابن جنی نے کہا ہے: یہی لغت قیاس کے مطابق ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں یہ اختلاف کیا گیا ہے، کیا یہ منسوخ ہے یا نہیں؟ حضرت قتادہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: اسے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (التوبۃ:5) نے منسوخ کر دیا ہے۔

وقاتلوا المشرکین کافۃ (توبہ:36) اور ان دونوں نے کہا ہے: ہر قسم کی صلح کی برات منسوخ ہو چکی ہے یہاں تک کہ وہ کہہ دیں لا الہ الا اللہ۔ (یعنی باہمی صلح کے معاہدوں کی ذمہ داری منسوخ ہو چکی ہے کہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جائیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کا ناسخ فلا تھنوا وتدعوا الی السلم (محمد:35) ہے۔

اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ اہل جزیہ سے جزیہ قبول کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد آنے والے بہت سے ائمہ نے بلاد عجم میں سے بہت سے شہروں کی صلح اس بنا پر کی کہ ان سے جزیہ وصول کر لیا اور انہیں ان کے شہروں میں ہی رہنے دیا' حالانکہ وہ انہیں مکمل ختم کرنے پر قادر تھے۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بلاد میں سے کثیر کے ساتھ اس مال پر صلح کی جو وہ آپ کو ادا کرتے تھے۔ ان میں سے خیبر بھی ہے' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ کے بعد وہاں کے باسیوں کو اس شرط پر وہیں رہنے دیا کہ وہ کام کرتے رہیں اور پیداوار کا نصف ادا کریں۔ ابن اسحاق نے کہا: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ نے فرمایا: اس آیت سے بنی قریظہ مراد لیے گئے ہیں' کیونکہ ان سے جزیہ قبول کیا جاتا تھا۔ اور رہے مشرک تو ان سے کوئی شی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور سدی اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ آپ کو صلح کی دعوت دیں تو آپ ان کی دعوت قبول کر لیں اور اس میں کوئی نسخ نہیں ہے۔

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے: اسی وجہ سے اس کا جواب مختلف ہوتا رہا (۱)' اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون واللہ معکم (محمد:35) (اے فرزندان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے) پس جب مسلمان عزت وقوت میں طاقتور' متعدد جماعتوں میں اور انتہائی

مضبوط ہوں تو پھر کوئی صلح نہیں ہے۔
جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

فلا صلح حت تطعن الخیل بالقنا و تضرب بالبیض الرقاق الجھاجم

اور اگر مسلمانوں کے لیے صلح میں مصلحت ہو کسی ایسے نفع کے سبب جسے وہ اس کے ساتھ حاصل کر سکتے ہوں یا کسی ضرر اور نقصان کے سبب جسے وہ اس کے ساتھ دو کر سکتے ہوں' تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمان اس کی ابتداء کریں جب انہیں اس کی ضرورت ہو۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ شرائط پر اہل خیبر سے صلح کی پھر انہوں نے ان شرائط کو توڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یک صلح کو ختم کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا۔ اور خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس راستے پر چلتے رہے ہیں جسے ہم نے مشروع قرار دیا ہے اور ان وجوہ اور اسباب کے ساتھ عمل کرتے رہے ہیں جن کی شرح اور وضاحت ہم نے کی ہے۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: جب مسلمانوں کے پاس قوت اور طاقت ہو تو پھر چاہیے کہ صلح ایک سال تک نہ پہنچے (یعنی صلح کی مدت سال سے کم ہو) اور جب قوت و طاقت کفار کے پاس ہو تو پھر دس برس تک باہم صلح کرنا جائز ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ دس سال کے لیے صلح کی۔

ابن منذر نے کہا ہے: علماء کا اس مدت کے بارے اختلاف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل مکہ کے درمیان حدیبیہ کے ساتھ مقرر ہوئی۔ پس حضرت عروہ نے کہا: وہ چار سال تھی۔ ابن جریج نے کہا: وہ مدت تین سال تھی۔ اور ابن اسحاق نے کہا ہے: وہ دس سال کا عرصہ تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے: مشرکین کے ساتھ دس سال سے زیادہ عرصہ کے لیے صلح کرنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال کیا۔ پس اگر مشرکوں سے اس سے زیادہ عرصہ کے لیے صلح کی گئی تو وہ ٹوٹ جائے گی' کیونکہ دراصل مشرکین کو قتل کرنا فرض ہے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ ادا کریں۔ ابن حبیب نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیان کیا ہے: مشرکین کے ساتھ صلح کرنا جائز ہے ایک سال کے لیے' دو سال کے لیے' تین سال کے لیے اور غیر معینہ مدت کے لیے۔ مہلب نے کہا ہے: بیشک حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ ایسا معاہدہ کیا جس میں بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ کو مکہ مکرمہ سے روک دیا' جس وقت آپ نے مکہ مکرمہ کی طرف منہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حبسھا حابس الفیل (اسے ہاتھی کو روکنے والے نے روک دیا ہے)

اسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسور بن مخرمہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ اور یہ مشرکین سے بغیر کسی ایسے مال کے جو ان سے لیا جائے گا صلح اور امن قائم کرنے کے جواز پر دلیل ہے' جب کہ امام وقت اس میں مصلحت اور بہتری دیکھے۔ اور مسلمانوں کی حاجت کے وقت ایسی مال کے عوض عقد صلح کرنا بھی جائز ہے جسے وہ دشمن کے لیے خرچ کریں گے' کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احزاب کے وقت عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف المری کو اس شرط پر قریش سے علیحدہ ہو جانے کو کہا تھا کہ آپ ان دونوں کو مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ عطا کریں گے۔

اور وہ دونوں بنی غطفان کو ساتھ لے کر واپس پھرے اور انہوں نے قریش کو رسوا اور ذلیل کیا۔ اور اپنی قوم کو ساتھ لے کر واپس لوٹ گئے۔ اور یہ گفتگو انہیں بہلانے پھسلانے کی تھی یہ معاہدہ نہ تھا۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ دونوں مائل ہیں اور راضی ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کیا' تو ان دونوں عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایسا امر ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں تو ہم آپ کی خوشنودی کے لیے یہ کریں گے یا یہ ایسی شے ہے جس کے بارے اللہ تعلائ ن آپ کو حکم دیا ہے تو ہم اسے سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ یا یہ ایسا امر ہے جسے آپ ہمارے لیے کر رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلکہ یہ ایسا امر (معاملہ) ہے جسے میں تمہارے لیے کر رہا ہوں کیونکہ عربوں نے ایک معاہدہ کے تحت تمہارا قصد کیا ہے" تب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم قسم بخدا! م اور وہ مشرک قوم تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے' نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور نہ اسے پہچانتے تھے اور انہوں نے کبھی یہ طمع نہیں کیا کہ وہ ہم سے پھل حاصل کریں' مگر خرید کر یا بطور مہمان کے (ہم نے انہیں پیش کیا) اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سبب ہمیں عزت و تکریم عطا فرمائی ہے' اس نے ہمیں اس کی طرف رہنمائی اور ہدایت عطا فرمائی ہے اور اس نے آپ کے سبب ہمیں معزز بنا دیا ہے۔

ہم انہیں اپنے اموال دیں! قسم بخدا! تلوار کے سوا ہم انہیں کچھ نہیں دیں گے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس طرح تفسیر کی گئی ہے فرمایا: انتم وذاک اور عیینہ اور حارث کو فرمایا: "تم دونوں چلے جاؤ تمہارے لیے ہمارے پاس سوائے تلوار کے سوا کچھ نہیں"۔ اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیفہ پایا اور اس میں لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں تھی تو آپ نے اسے مٹا دیا۔ (احکام القرآن، قرطبی، بیروت)

ہجرت کی بناء پر وراثت اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا} قال فانزلت هذه الآية فتوارث المسلمون بالهجرة فكان لا يرث الأعرابي المسلم من المهاجر المسلم شيئاً ثم نسخ ذلك بعد في سورة الأحزاب فقال عز وجل: {وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ} فخلط الله عز وجل: بعضهم ببعض وصارت المواريث بالملك.

وعن قوله عز وجل: {إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفاً} يقول: إلى أوليائكم من أهل الشرك وصية لا ميراث لهم فأجاز الله عز وجل: الوصية ولا ميراث لهم.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کی اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں، اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو

اور تم جو کام بھی کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (الانفال 72)

مصنف نے فرمایا کہ یہ آیت ہجرت والے مسلمانوں کی وراثت میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ اعرابی مسلمان کسی مہاجر مسلمان کی وراثت سے کچھ بھی نہ لے سکتا تھا۔ اس کے بعد یہ حکم سورت احزاب کی اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔

اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں او مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' (الاحزاب 6) اس میں بعض کی وراثت بعض ملکیت تھی۔ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو' یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ (الاحزاب 6) اس میں اہل شرک کی وراثت ختم اور ان کیلئے وصیت کی اباحت باقی رہ گئی۔

مسلمانوں اور کافروں کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا

رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وارث اور مورث دونوں مسلمان ہوں' کیونکہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) کہا: یارسول اللہ! کل آپ مکہ میں کس جگہ قیام کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر یا کوئی زمین چھوڑی ہے؟ اور عقیل اور طالب' ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی کسی چیز کے وارث نہیں ہوئے تھے' کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے' اور عقیل اور طالب دونوں کافر تھے' اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہوتا' ابن شہاب زہری نے کہا وہ قرآن مجید کی اس آیت میں تاویل کرتے تھے:

ان الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین او و اونصروا اولئك بعضھم اولیآء بعض ط والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم من شیء حتی یھاجروا. (الانفال:۷۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی' یہی لوگ ایک دوسرے کے ولی ہیں' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۴۲' السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۵۵)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں ولایت سے مراد وراثت ہے یا اس سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس آیت میں ولایت سے مراد وراثت ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنادیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں ان کو وراثت نہیں ملے گی' اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا: واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتب اللہ۔ (الانفال: ۷۵) اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور

وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اور اب قرابت اور رشتہ داری وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰ ص ۶۹۔۶۷ ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: متقدمین اس آیت میں ولایت کی تفسیر وراثت سے کرتے تھے۔ امام عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جو بھائی بنا دیا تھا اس وجہ سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور وہ اسلام اور ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور جو شخص اسلام لاتا اور ہجرت نہیں کرتا تھا وہ اس کا وارث نہیں ہوتا تھا اور جب الانفال: ۷۵ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۲۶۔۳۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور زیر تفسیر آیت یعنی الاحزاب: ۶ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے: اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں یعنی وہی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں اور الانفال: ۷۵ اور الاحزاب: ۶ کا مضمون واحد ہے۔

ہجرت کی بنا پر توارث کا بیان

قول باری ہے۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ ہی دراصل ایک دوسرے کے دل میں رہے۔ وہ لوگ جو ایمان لوٹے، آئے مگر ہجرت کر کے (دار الاسلام) میں آنہیں گئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں ض ہمیں جعفر بن محمد الواسطی نے روایت سنائی انہیں جعفر بن محمد بن الیمان نے انہیں ابوعبید نے، انہیں حجاج نے ابن جریج سے نیز عثمان بن عطا سے اور دونوں نے عطا خراسانی سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درج بالا آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک مہاجر کسی اعرابی یعنی ہجرت نہ کرنے والے کا ولی نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس کی میراث میں اسے حصہ ملتا تھا اسی طرح ایک اعرابی کسی مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا پھر اس حکم کو قول باری (و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ۔ اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں) نے منسوخ کر دیا۔

عقد مواخات میں وراثت

عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود نے قاسم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان عقد مواخات کرا دیا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مواخات قائم کر دی تھی۔ مواخات کی وجہ یہ تھی کہ مکہ سے آنے والے مسلمان اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ہجرت کر کے آ گئے تھے اس لئے مواخات کی بنا پر

مسلمان ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے رہے۔ لیکن جب میراث کی آیت نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ سلف کا اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ آیا مسلمانوں کے درمیان ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ عقد مواخات کی بنا پر توارث کا حکم ثابت رہا۔ خونی رشتہ داری کا اس سلسلے میں کوئی اعتبار نہیں کیا گیا نیز یہ کہ زیر بحث آیت میں یہی حکم مراد ہے نیز یہ کہ قول باری (اولئک بعضھم اولیاء بعض) سے ایسے مسلمانوں کے درمیان توارث کا ایجاب مراد ہے اور قول باری (مالکم من ولا یتھم من شیء حتیٰ یھاجروا) میں موالات کی نفی کر کے ایسے مسلمانوں کے درمیان توارث کا موجب ہے۔ اگرچہ اس توارث کے ساتھ موالات کے تحت آنے والے تمام افراد کا تعلق نہیں بلکہ اس توارث کو موکد بنانے والے اسباب کے لحاظ سے بعض کا تعلق ہوتا ہے جس طرح نسب وہ سبب ہے جس کی بنا پر ایک شخص میراث کا حقدار بن جاتا ہے۔ اگر بعض احوال میں نسبی رشتہ داروں میں سے بعض بعض سے بڑھ کر میراث کے حقدار بن جاتے ہیں اس لئے کہ میراث کا سبب ان میں زیادہ موکد طور پر پایا جاتا ہے۔

اس میں دلیل موجود ہے کہ قول باری، من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا جو شخص ظلماً قتل کر دیا گیا ہو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے) اس بات کو واجب کرتا ہے کہ مقتول کے تمام ورثاء کو اس کے قصاص کا مطالبہ کا حق ہے اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں اس لئے کہ وارث ہونے کی حیثیت سے ان میں یکسانیت اور مساوات ہے۔ اس بات پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ نکاح کے سلسلے میں ولایت کا استحقاق میراث کی بنا پر ہوتا ہے نیز حضور ﷺ کا ارشاد (لا نکاح الا بوالی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں) ان تمام کے لئے ولایت کے اثبات کا موجب ہے جو میت سے قرب اور وراثت کے سبب کے موکد ہونے کی بنا پر وارث قرار پاتے ہوں نیز یہ کہ اگر باپ موجود نہ ہو تو ماں کو اپنی نابالغ اولاد کے نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ ماں بھی میراث میں استحقاق کی بنا پر ولایت کی اہلیت رکھتی ہے۔ مکہ سے حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد سے لے کر فتح مکہ تک مسلمانوں پر ہجرت فرض رہی۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت روک دی گئی

آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر یہ اعلان فرمادیا تھا کہ لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جھاد ونیۃ۔ فتح مکہ کے بعد اب کوئی ہجرت نہیں البتہ جہاد کا سلسلہ جاری رہے گا اور نیت کی بنا پر ثواب ملتا رہے گا) اس طرح ہجرت کی فرضیت کے سقوط سے ہجرت کی بنا پر توارث کا حکم منسوخ ہوگیا اور قول باری (و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ) کی بنا پر نسب کی بنیاد پر توارث کا اثبات ہوگیا۔ حسن کا قول ہے مسلمان آپس میں ہجرت کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھ گئی پھر اللہ تعالیٰ نے درج بالا آیت نازل فرمائی۔ اس کے بعد خونی رشتہ داری کی بناء پر توارث کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ اوزاعی نے عبدہ سے، انہوں نے مجاہد سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہوگئی۔ اوزاعی نے عطاء بن ابی رباح سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی یہی روایت کی ہے۔ اس روایت میں یہ اضافہ ہے۔ " لیکن اب جہاد کا سلسلہ باقی رہے گا اور نیت کی بنا پر ثواب ملتا رہے گا۔ ہجرت صرف اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوتی تھی۔ اہل ایمان اپنی متاع دین لے کر نکل پڑتے تھے تاکہ آزمائش میں پڑنے سے بچ جائیں اور

دین کی دولت ان سے چھین نہ لی جائے لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا ہے اور اسے ہر طرف پھیلا دیا ہے۔

زیر بحث آیت ہجرت اور مواخات کی بنا پر توارت کے حکم کو متضمن ہے۔ انساب کی بنا پر توارث کا حکم اس میں داخل نہیں ہے۔ آیت نے ہجرت کرنے والے اور ہجرت نہ کرنے والے کے درمیان توارث کو منقطع کر دیا ہے۔ آیت ایسے مومن کی نصرت کے ایجاب کی بھی مقتضی ہے جس نے ہجرت نہ کی ہو جب کہ وہ ہجرت کرنے والوں سے ایسے لوگوں کے خلاف نصرت کا طلب گار ہو جن کے ساتھ ان کا معاہدہ نہ ہو چنانچہ ارشاد باری ہے ۔ و ان استنصرو کم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینهم میثاق۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو) قول باری (مالکم من ولا یتهم من شیء حتیٰ یهاجروا) میں میراث کی نفی کے سلسلے میں ہم نے اس روایت کا ذکر کر دیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حسن مجاہد اور قتادہ نیز دیگر حضرات سے منقول ہے۔ اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ درج بالا آیت میں نصرت کے ایجاب کی نفی مراد ہے۔

اس بنا پر ہجرت کرنے والے پر اس مسلمان کی نصرت فرض نہیں ہوگی جس نے ہجرت رکی ہو البتہ اگر وہ مدد کا طلب گار ہو تو پھر اس کی نصرت لازم ہوگی لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس کے ساتھ اس کا معاہدہ ہو وہ اس نصرت کی خاطر اپنا معاہدہ نہیں توڑے گا۔ اگر روایت کی نفی دونوں باتوں یعنی توارث اور نصرت کی نفی کی مقتضی ہو جائے تو اس میں کوئی امتناع نہیں ہوگا اس کے بعد خونی رشتہ داری کی بنا پر میراث واجب کر کے میراث کی نفی کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ اب خونی رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے خواہ ان میں سے کوئی مہاجر ہو یا مہاجر نہ بھی ہو۔ صرف ہجرت کی بنا پر توارث کا حکم ساقط کر دیا گیا۔ حضرت کے ایجاب کی نفی کا حکم اس قول باری سے ساقط ہو گیا۔ والمومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض۔ مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے اولیاء یعنی رفیق ہیں۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کی اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں، اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور تم جو کام بھی کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (تبیان القرآن، سورہ انفال، 72، لاہور)

عہد رسالت میں مومنین کی چار قسمیں

اس آیت (الانفال: 72) میں اور اس سورت کی آخری آیت (الانفال: 75) میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لانے والوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں (1) مہاجرین اولین، ان کا ذکر آیت 72 کے اس حصہ میں ہے۔ (1)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (2) انصار، ان کا ذکر آیت مذکورہ کے اس حصہ میں ہے، وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا۔ (3) جن مومنین نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی ان کا ذکر الانفال: 75 کے اس حصہ میں ہے

والذین امنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم. (4)۔ وہ مومنین جنہوں فتح مکہ تک ہجرت نہیں کی ان کا ذکر (الانفال :72) کے اس حصہ میں ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا۔

مہاجرین اولین کی دیگر مہاجرین اور انصار پر فضیلت

مہاجرین اولین نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے جہاد کیا۔ کیونکہ جب وہ اپنے وطن کو چھوڑ آئے تو ان کے تمام مال ودولت اور ان کے مکانوں اور تجارت پر کفار مکہ نے قبضہ کرلیا۔ پھر انہوں نے مکہ سے مدینہ آنے کے لیے اور غزوات میں شرکت کرنے کے لیے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا، کیونکہ انہوں نے بغیر ہتھیاروں اور بغیر عددی قوت اور بغیر تیاری کے غزوہ بدر میں کفار کے خلاف جہاد کیا۔ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے مقابلہ میں ان کو اپنا مال عزیز تھا نہ جان، اور چونکہ وہ ہجرت کرنے میں اور اللہ کی راہ میں مال اور جان کرچ کرنے میں بعد کے مسلمانوں پر سابق اواول تھے اس لیے ہجرت اور جہاد میں وہ بعد کے مسلمانوں کے لیے امام، پیشوا اور مقتدا بن گئے اس لیے ان کا مرتبہ اور اجروثواب بعد میں ہجرت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضو عنہ (التوبہ :100)

مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے، اور جن لوگوں نے نیک کاموں میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقو من بعد وقاتلو وکلا وعد اللہ الحسنی (الحدید:10)

جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہوسکتے جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، ان لوگوں کا بہت بڑا درجہ ہے اور اللہ نے ان سب سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

السابقون السابقون. اولئك المقربون (الواقعہ:10۔11)

سبقت کرنے والے، سبقت کرنے والے ہیں وہی (اللہ کے مقرب ہیں۔

مہاجرین اولین سابقین نے سب مسلمانوں سے پہلے ہجرت کرکے اللہ کی راہ میں کرچ کرکے اور اس کی راہ میں جہاد کرکے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے اس نیک عمل کی راہ دکھائی اس لیے قیامت تک کے مسلمانوں کی ان نیکیوں کا اجر ان کے نامہ اعمال کی زینت ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا، اور بعد والوں کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے کام کی ابتداء کی اس کو اپنے کام کا گناہ بھی ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے اعمال کا گناہ

بھی ہوگا اوران کے اپنے کاموں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم الزکوۃ 69 (1017) 2313۔ سنن النسائی رقم الحدیث: 2554۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 203۔ مسند احمد ج 4، ص 359، 357۔ المعجم الکبیر، ج 2، رقم الحدیث: 2445، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: 21025۔ سنن کبری للبیہقی، ج 4، ص 175، کنز العمال رقم الحدیث: 43078)

لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ اپنی نوع کے لوگوں کو کوئی نیک کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی اس نیک کام کرنے کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ اور لوگوں پر کوئی مشکل کام اس وقت آسان ہو جاتا ہے جب وہ اور لوگوں کو بھی وہ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ سو اس اعتبار سے مہاجرین اولین کو بعد کے مسلمانوں پر بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔

مومنین انصار کو بھی بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی طرف ہجرت کی تھی تو اگر وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں جگہ نہ دیتے اور آپ کی مدد نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی جان اور اپنے مال کے نذرانے پیش نہ کرتے اور مشکل مہمات میں اصحاب رسول کا ساتھ نہ دیتے تو ہجرت کے مقاصد پورے نہ ہوتے۔ اس کے باوجود مہاجرین اولین کا مرتبہ انصار مدینہ سے کوئی وجہ سے افضل ہے۔

1۔ مہاجرین سابقین اولین ایمان لانے میں انصار اور باقی سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔ اور ایمان لانا ہی تمام فضیلتوں کا مبدء اور منشاء ہے۔

2۔ مہاجرین اولین مسلسل تیرہ سال کفار قریش کی زیادتیوں اور ظلم وستم کا شکار ہوتے رہے اور تمام سختیوں پر صبر کرتے رہے۔

3۔ انہوں نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، عزیز واقارب کو چھوڑا، گھر، تجارت اور باغات کو چھوڑا اور اسلام کی خاطر یہ تمام مصائب مہاجرین نے برداشت کیے۔

4۔ رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو قبول کرنے کا دروازہ مہاجرین اولین نے کھولا۔ انصار نے ان کی اقتداء کی اور ان کی مشابہت اختیار کی اور مقتدیٰ مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے وراثت کا مشروع پھر منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اس جگہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ ولایت سے مراد وراثت ہے یا ولایت سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس ولایت سے مراد وراثت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث کر دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں ان کو وراثت نہیں ملے گی اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سوت کے آخرت میں فرمایا اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ اور اب قرابت وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ مجاہد، ابن جریج، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری،

سدی اور زہری سے بھی اسی قسم کے اقوال مروی ہیں۔ (جامع البیان جز10 ص69، 67۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)
دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر نسخ نہیں ہے اور ولایت کا معنی نصرت اور اعانت ہے، اور یہی تفسیر راجح ہے۔

ولایت کا معنی

ولایت کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں: ولاء اور توالی کا معنی یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایسا حصول ہو جو پہلے حاصل نہ تھا۔

اور اس کا قرب کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ خواہ قرب بہ حیثیت مکان ہو یا قرب بہ حیثیت نسب ہو یا قرب بہ حیثیت دین ہو یا بہ حیثیت دوستی قرب ہو یا بہ حیثیت نصرت اور اعتقاد قرب ہو۔

اور ولایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) کا معنی نصرت ہے اور ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) کا معنی ہے کسی امر کا والی ہونا اور اس میں تصرف کرنا۔ اور ولی اور مولی ان میں سے ہر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں یعنی ناصر، اور کارساز اور اسم مفعول کے معنی میں یعنی منصور واللہ والی المومنین (آل عمران:68) اس کا معنی ہے اللہ مومنین کا ناصر اور کارساز ہے اور مومنین اللہ کے ولی ہیں یعنی اللہ کے منصور ہیں اللہ ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان ولایت کی نفی کردی ہے یا ایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیھود والنصارا اولیاء (المائد:51) یعنی یہود اور نصاریٰ کو اپنا ناصر اور مددگار نہ بناؤ۔ اسی طرح طرح فرمایا مالکم من ولایتھم من شیء (الانفال:72) یعنی تم ان کی مطلق طور پر نصرت نہ کرو۔ (المفردات، ج2، ص692۔963، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، 1418ھ۔)

علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بنا الاثیر جزری المتوفی 606ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ولی سے اس کا معنی ہے ناصر اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے تمام عالم اور مخلوقات کا مربی اور منتظم، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے والی ہے اس کا معنی ہے تمام اشیاء کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا اور ولایت کا لفظ تدبیر، قدرت اور فعل کی خبر دیتا ہے اور جب تک کسی چیز میں یہ معانی جمع نہ ہوں اس پر والی کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

حدیث میں لفظ مولی بہ کثرت استعمال ہوا ہے اور یہ ان معانی میں ہے: رب، مالک، سید، منعم، معتق (آزاد کرنے والا) ناصر، محبت، تابع، پڑوسی، عم زاد، حلیف، عقید (جس سے معاہدہ کیا ہو) سسرالی رشتہ دار، غلام، آزاد کردہ، ان میں سے اکثر معنی میں مولی کا لفظ حدیث میں وارد ہے، اور حدیث کا سیاق وسباق جس معنی کا مقتضی ہو مولی کا لفظ اسی معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا مالک ہو یا اس کا انتظام کرے وہ اس کا مولی اور ولی ہے، اور کبھی ان اسماء کے مصادر متحد المعنی ہوتے ہیں۔ پس ولایت (زبر کے ساتھ) کا معنی نسب میں قریب اور نصر اور آزاد کرنے والا ہے اور ولایت (زیر کے ساتھ) کا معنی امارت ہے اور ولاء کا معنی آزاد شدہ ہے۔ (النہایہ ج5، ص197۔198، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ)

چونکہ ولایت کا معنی نسبی قرابت بھی ہے اس لیے اس آیت میں وراثت کے معنی کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کم سے کم نسخ کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو نصرت کے معنی پر محمول کیا جائے اور سیاق وسباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

کفار سے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے دار الحرب کے مسلمانوں کی مدد نہ کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔

یعنی جن مسلمانوں نے دار الحرب سے درالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی، پھر انہوں نے دار الحرب سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں سے ان کی فوجی قوت یا مال سے مدد طلب کی تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کو ناامید اور نامراد نہ کریں۔ ہاں اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں جس قوم کے ساتھ ایک مدت معین تک کا تمہارا معاہدہ ہو تو پھر تم اس معاہدہ کو نہ توڑو، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین شرائط پر صلح کی۔ مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے گا وہ اس کو انہیں واپس کر دیں گے، اور مسلمانوں کی طرف سے جو مشرکین کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے، اور یہ کہ اگلے سال مسلمان عمرہ کے لیے آئیں گے اور صرف تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہریں گے اور اپنے ہتھیاروں کو میان میں رکھ کر آئیں گے مثلاً تلوار اور تیر کمان وغیرہ۔ پھر حضرت ابوجندل بیڑیوں میں چلتے ہوئے مسلمانوں کی طرف آئے تو نبی ﷺ نے انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 2700، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1412ھ)

امام ابن ہشام متوفی 218ھ لکھتے ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو صلح نامہ لکھ رہے تھے اس وقت سہیل کے بیٹے حضرت ابوجندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیڑیوں میں گھسیٹتے ہوئے آئے اور اچانک رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو اپنی فتح کے متعلق کوئی شک نہیں تھا اور اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کا خواب تھا۔ اور جب انہوں نے صلح اور رجوع کا معاملہ دیکھا اور یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شرائط مان لی ہیں تو ان کو اتنا زیادہ رنج اور قلق ہوا کہ لگتا تھا وہ شدت غم سے ہلاک ہو جائیں گے جب سہیل نے اپنے بیٹے ابوجندل کو دیکھا تو ان کے پاس گیا اور ان کے منہ پر تھپڑ مارے، اور ان کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا اور اس نے کہا یا محمد ﷺ ہمارے اور آپ کے درمیان اس کے آنے سے پہلے معاہدہ مکمل ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر وہ حضرت ابوجندل کو گریبان سے پکڑ گھسیٹنے لگا تا کہ ان کو قریش کی طرف لے جائے اور حضرت ابوجندل بلند آواز سے فریاد کرنے لگے اے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا، یہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مسلمانوں کو ان کی فریاد کی وجہ سے اور زیادہ قلق ہوا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوجندل! صبر کرو اور اجر و ثواب کی نیت کرو، تمہیں اور دوسرے کمزور مسلمانوں کو اللہ نجات دینے والا ہے اور ان کے لیے کشادگی کرنے والا ہے، اور میں ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان سے عہد شکنی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ابوجندل دل شکستہ ہو کر اپنے باپ کے ساتھ چلے گئے اور معاہدہ پورا ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام ج 3، ص 347، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1415ھ)

نیز امام ابن ہشام لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تو آپ کے پیچھے ابوبصیر عتبہ بن اسید بھی مدینہ پہنچ گئے یہ ان مسلمانوں میں سے تھے جن کو مکہ میں قید کر کے رکھا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تو ان کی بازیابی کے لیے ازہر بن عبدعوف اور اخنس بن شریق نے آپ کو خط لکھا اور بنو عامر بن لوی کے ایک شخص اور ان کے آزاد کردہ غلام کو انہیں لینے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ دونوں ازہر اور اخنس کا خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوبصیر! ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ تمہارے لیے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے نجات اور کشادگی کی صورت پیدا کرنے والا ہے، تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔ حضرت ابوبصیر نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کی طرف لوٹا رہے ہیں وہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیں گے! آپ نے فرمایا اے ابوبصیر! تم واپس جاؤ عنقریب اللہ تمہاری رہائی کی صورت پیدا کر دے گا۔ (سیرت ابن ہشام ج 3، ص 352، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1415ھ)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

ابوجندل بن سہیل بن عمرو مکہ میں بہت پہلے اسلام لا چکے تھے ان کے باپ سہیل نے ان کو زنجیوں سے باندھ کر مکہ میں قید کیا ہوا تھا اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد یہ رہا ہو کر مقام العیص میں پہنچ گئے اور حضرت ابوبصیر سے مل گئے۔ (حضرت ابوبصیر کو جو دو آدمی لینے آئے تھے، انہوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا مکہ بھاگ گیا تھا۔ وہ پھر مدینہ گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کی پاس داری کی وجہ سے ان کو قبول نہیں کیا۔

پھر یہ مدینہ سے نکل کر مقام العیص پہنچ گئے حضرت ابوجندل بھی ان سے آ ملے۔ اس طرح وہاں تقریباً ستر مسلمان مکہ سے بھاگ کر ان کے پاس آ گئے ان کو مکہ سے آنے والا جو کافر ملتا یہ اس کو قتل کر دیتے اور کفار کے جو قافلے وہاں سے گزرتے ان کو لوٹ لیتے۔ حتی کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا کہ وہ مکہ سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے کی شرط سے دست بردار ہوتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور یہ لوگ مدینہ آ گئے۔
(سیرت ابن ہشام، ج3، ص352، 353)

پھر حضرت ابوجندل، حضرت ابوبصیر کے پاس رہے حتی کہ حضرت ابوبصیر وہاں وفات پا گئے اور حضرت ابوجندل دیگر مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں 18ھ کو شام میں فوت ہو گئے۔ (الطبقات الکبری ج 7، ص 284، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ)

ومن سورة التوبة

سورت توبہ سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورة التوبہ

سورة التوبہ مدنی ہے، اس میں ایک سوانتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

سورة التوبہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ اس سورت کا نام البراءة ہے، اس کے علاوہ اس کے اور بھی اسماء ہیں۔ التوبہ، املقشقشہ، البحوث، المبعشرہ، المنقرة، المثیرة، الحافرة، المخزیہ، الفاضحہ، المنکلہ، المشروة، المدمدة اور سورة العذاب۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۳ ص ۱۲۶، مع الکازرونی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اس سورت کا نام التوبہ اس لیے ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے، خصوصاً حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان تین صحابہ کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت وعلی الثلثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم (التوبہ: ۱۱۸)

اور ان تین شخصوں (کی توبہ قبول فرمائی) جن کو مؤخر کیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوئی اور خود وہ بھی اپنے آپ سے تنگ آ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی (بھی) توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ (ہمیشہ) تائب رہیں، بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اور اس سورت کا نام البراءة ہے کیونکہ البراءة کا معنی کسی سے بری اور بیزار ہونا ہے اور اس سورت کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بری اور بیزار ہیں۔ آیت براءة من الله ورسوله الی الذین عاهدتم من المشرکین (التوبہ: ۱) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کی طرف بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔

اور اس سورت کا نام المقشقشہ ہے کیونکہ قشقشہ کا لغوی معنی ہے کسی شخص کو خارش اور چیچک کی بیماری سے نجات اور شفا دینا اور یہاں اس سے مراد ہے مسلمانوں کو منافقین سے نجات دینا، کیونکہ اس سورت میں منافقین کی سزا کے متعلق ایک آیت نازل ہوئی جس کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھتیس منافقوں کو نام لے لے کر مسجد نبوی سے نکال دیا۔ آیت وممن حولکم من الاعراب منفقون ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم سنعذبهم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم (التوبہ: ۱۰۱) اور تمہارے گرد بعض دیہاتی منافق ہیں اور مدینہ والوں میں سے بعض لوگ نفاق کے خوگر اور عادی ہیں، آپ انہیں (از خود) نہیں جانتے، انہیں ہم جانتے ہیں، عنقریب ہم انہیں دو عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اخروی عذاب عظیم سے قبل منافقین کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے، ایک عذاب قبر، دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیاوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا، مثلاً (حضرت) ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا: اخرج فانک منافق یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔ اور اس کا نام البحوث ہے کیونکہ اس میں منافقین کے احوال سے بحث کی گئی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام المنقرة ہے کیونکہ تنقیر کا معنی لغت میں بحث اور تفتیش ہے اور اس کا نام المبعثرة اور المثيرة ہے، کیونکہ ان کا لغت میں معنی کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا ہے اور اس سورت میں ان کے مخفی نفاق کو ظاہر کیا گیا ہے اور الحافرہ کا مجازی معنی بحث ہے اور اس سورت کا نام المخزیہ اور الفاضحہ ہے، کیونکہ ان کا معنی رسوا کرنا ہے اور جب ان کے نفاق کا پردہ چاک کیا گیا تو وہ رسوا ہو گئے اور المنكلة، المشردة اور المدمدة کا معنی ہے ہلاک کرنے والی اور چونکہ منافقین رسوائی کے عذاب سے ہلاک ہو گئے تھے اور اس سورت میں ان کے اس عذاب کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کے یہ اسماء ہیں اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورة العذاب بھی ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ٤ ص ۲۹٦-۲۹۵، موضحا، مطبوعہ دار صادر بیروت)

سورۃ التوبہ کے اسماء کے متعلق احادیث حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں: امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق سورۃ هود، سورۃ براءة، یسین، الدخان اور عم یتساءلون کو حفظ نہیں کر سکتا۔ امام ابو عبید، امام سعید بن منصور، امام ابو الشیخ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو عطیہ الهمدانی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ سورۃ براءة کو سیکھو اور اپنی خواتین کو سورۃ النور سکھاؤ۔ امام ابن ابی شیبہ، امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں، امام حاکم نے اور امام ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا جس سورت کو تم سورۃ توبہ کہتے ہو اس کا نام سورۃ العذاب ہے۔

امام ابو عبید، امام ابن المنذر، امام ابو الشیخ اور امام ابن مردویہ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا سورۃ التوبہ؟ انہوں نے کہا توبہ! بلکہ یہ الفاضحہ ہے۔ امام ابو الشیخ اور امام ابن مردویہ، زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عبد اللہ سے کہا سورۃ توبہ؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سورۃ توبہ کون سی سورت ہے؟ انہوں نے کہا سورۃ البراءة، حضرت ابن عمر نے فرمایا: کیا لوگوں کو یہی کچھ سکھایا گیا ہے، ہم اس سورت کو المقشقشه کہتے تھے۔ امام ابو الشیخ نے عبد اللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ البراءة کو سورۃ المنقرہ کہا جاتا تھا، کیونکہ اس میں مشرکین کے دلوں کی باتوں سے بحث کی گئی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ توبہ کو سورۃ العذاب کہتے تھے۔ امام ابن المنذر امام محمد بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ البراءة کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں المبعثرة کہا جاتا تھا، کیونکہ اس نے لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو منکشف کر دیا تھا۔ (الدر المنثور ج ٤ ص ۱۲۱-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱٤ھ)

جہاد سے رخصت کی اجازت اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز و جل: {عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ} ثم أنزل بعد ذلك في سورة النور فقال: {فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ}

النحاس 160، مکی 274، العتائقی 53.

اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں (غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عذر پیش کرنے میں سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔ (توبہ، 43) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورت نور میں یہ نازل کیا۔ مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، بیشک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بیشک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (سورت نور، 62)

شرح

نحاس نے اپنی ناسخ میں ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے (آیت) "عفا اللہ عنک لم اذنت لہم" ان تین آیات کے بارے میں فرمایا کہ اس (کے حکم) کو (آیت) فاذا استاذنوك لبعض شانهم فاذن لمن شئت منهم ۔ نے منسوخ کر دیا۔

ابن منذر و ابن ابی حاتم والنحاس وابو الشیخ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے (آیت) ۔ عفا الله عنك لم اذنت لهم ۔ کے بارے میں فرمایا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں یہ آیت نازل فرمائی (آیت) فاذا استاذنوك لبعض شانهم فاذن لمن شئت منهم ۔ (درمنثور، سورہ توبہ، بیروت)

آیت مذکورہ کے ناسخ کا بیان

قول باری ہے (واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتی یستاذنوه) اور جب کسی اجتماع کام کے موقعہ پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ حسن اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ امر جامع سے مراد جہاد ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے ہر اجتماعی کام مراد ہے مکحول کا قول ہے کہ اس سے جمعہ اور قتال مراد ہیں۔

زہری کا قول ہے کہ جمعہ مراد ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ ہر ایسا کام جو اللہ کی طاعت کے سلسلے میں کیا جا رہا ہو۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ عموم لفظ کی بنا پر تمام توجیہات مراد ہو سکتی ہیں۔ سعید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ اللہ نے پہلے سورۃ براءۃ میں یہ آیت نازل فرمائی تھی (عفا الله عنك لم اذنت لهم) اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں اجازت کیوں

دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی رخصت دے دی اور فرمایا (فأذنه لمن شئت منهم) ان میں سے آپ جسے چاہیں جانے کی اجازت دے دیں، اس طرح اس آیت نے سورۃ براءۃ کی آیت کو منسوخ کر دیا۔

ایک قول کے مطابق جمعہ کے دوران اگر کسی کو حدث لاحق ہو جائے تو اسے وضو کے لئے جانے کی خاطر اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اجازت طلب کرنے کی بات ایک بے معنی سی بات ہے، جب امام کے لئے اسے وضو کرنے سے روکنا جائز نہیں ہے تو اس سے وضو کے لئے اجازت طلب کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اجازت تو وہاں لی جاتی ہے جہاں امام کو اس کی معنویت اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضرورت دو صورتوں میں پیش آتی ہے، قتال کی صورت میں یا باہمی مشاورت کی صورت میں۔

عفا اللہ کے معانی

قول باری ہے۔ عفا الله عنك لم اذنت لهم حتى يتبين لك الذين صدقوا وتعلم الكاذبين۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی؟ (تمہیں چاہیے کہ خود رخصت نہ دیتے) تاکہ تم پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے) عضو کے کئی معانی ہیں۔ تسہیل و توسعہ کو بھی عفو کہتے ہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے (اول الوقت رضوان اللہ و آخرہ عفو اللہ۔ اول وقت میں نماز کی ادائیگی سے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور آخر وقت کی ادائیگی میں اللہ کی طرف سے گنجائش اور وسعت ہوتی ہے) عفو ترک کے معنوں میں بھی آتا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ۔ مونچھیں خوب کترواؤ اور ڈاڑھی کے بال چھوڑ دو) عفو کثرت کے معنوں میں بھی آتا ہے جس طرح یہ قول باری ہے (حتیٰ عفو! یہاں تک کہ ان کی کثرت ہوگئی) یعنی ان کی تعداد بہت ہوگئی۔

اسی طرح محاورہ ہے۔ "اعفیت فلانا من کذا و کذا (میں نے فلاں کی فلاں چی سے جان چھڑا دی) یہ فقرہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کو چھوڑ دینا آسان بنا دے۔ گناہ سے درگزر کرنا بھی عفو کہلاتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ گنہگار کو اس گناہ کے نتائج سے چھٹکارا دے کر اسے اس کی سزا نہ دی جائے۔ اس مقام پر عفو کا لفظ غفران کے ہم معنی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اصل معنی تسہیل کے ہوں جب خدا اپنے بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے تو گویا وہ اس سے اس کا بدلہ نہ لے کر اس کے لئے معاملہ آسان کر دیتا ہے۔

اس لفظ کے مذکورہ بالا تمام معانی کے اندر اس بات کی گنجائش ہے کہ اصل معنی ترک اور توسعہ کے ہوں بعض لوگوں کا قول ہے کہ منافقین کو اجازت دے کر گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ صغیرہ کا صدور ہو گیا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (عضا الله عنك لم اذنت لهم) اس لئے کہ ہمارے لئے یہ فقرہ کہنا درست نہیں ہوتا کہ "تم نے وہ کام کیوں کیا جس کے کرنے کے لئے میں نے تمہیں کہا تھا" جس طرح یہ کہنا درست نہیں ہے کہ تم نے وہ کام کیوں کیا جس کے کرنے کا میں نے تمہیں حکم دیا تھا" اس لئے اس فعل پر عفو کا اطلاق درست نہیں ہوگا جسے کرنے کے لئے کہا گیا۔ جس طرح یہ درست نہیں ہوگا کہ جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اس کے سلسلے میں کرنے والے کو معافی دے دی جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے کر کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن الفاظ کے ساتھ خطاب کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ

نے وہ کام کیوں کیا جس کے کرنے کی اگرچہ اجازت تھی لیکن ایک دوسرا کام اس سے بہتر اور اولیٰ تھا اس لئے کہ یہ جائز ہے کہ حضور ﷺ کو دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دے دیا جائے اور ایک بات دوسری سے اولیٰ ہو۔

اس کی مثال یہ قول باری ہے (فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیر لھن۔ ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت کا مظاہرہ کرنے والی نہ ہوں اور اگر اس سے بھی احتیاط کریں تو ان کے حق میں اور بہتر ہو) اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں مباح کردیں لیکن ان میں سے ایک کو اولیٰ قرار دیا۔ شعبہ نے قتادہ سے قول باری (عفا اللہ عنك لم اذنت لھم) کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ یہ حکم اسی طرح تھا جیسا کہ تم سنتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں یہ آیت نازل فرمائی (واذا کانو معه علی امر جامع ثم یذھبوا حتی یستاذنوہ۔ اور جب رسول کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے لوگوں کو جمع کیا گیا ہو تو جب تک تم سے اجازت نہیں لیتے نہیں جاتے) تا قول باری (فاذن لمن مشئت منھم تو تم ان میں سے جس کو چاہو اجازت دے دو) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رخصت اور اجازت دے دی۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قول باری (انما یستاذنك الذین لا یومنون باللہ والیوم الأخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون۔ جو لوگ سچے دل سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے درخواست نہیں کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف کیا جائے) کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ یہ آیت بعینہ منافقین کے بارے میں ہے جب انہوں نے جہاد سے گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مانگی تھی حالانکہ انہیں عذر بھی درپیش نہیں تھا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عذر کو قبول کرتے ہوئے فرمایا (واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ) عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قول باری (انما یستاذنك الذین لا یومنون) الخ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اسے اس قول باری نے منسوخ کردیا ہے (واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ) تا قول باری (فاذن لمن شئت منھم) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دو باتوں میں سے اعلیٰ بات کو اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں ممکن ہے کہ قول باری (عفا اللہ عنك لم اذنت لھم) منافقین کے ایک گروہ کے متعلق ہو جسے نفاق کی تہمت لگ چکی ہو اور حضور ﷺ نے گھر بیٹھ رہنے کی اجازت نہ دے کر ان لوگوں کی حقیقت حال کو پرکھنا چاہا ہو تاکہ جو لوگ جہاد میں نکل پڑنے کے حکم کے بعد بھی نہ نکلیں ان کا نفاق ظاہر ہو جائے۔ اس صورت میں ایسے لوگوں کے متعلق آیت کا حکم ثابت رہے گا منسوخ نہیں سمجھا جائے گا اس پر قول باری (حتی یتبین لك الذین صدقوا وتعلم الکاذبین) بھی دلالت کرتا ہے۔ اس بنا پر قول باری (واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذھبوا حتیٰ یستاذنوہ) نیز (فاذن لمن شئت منھم) ان اہل ایمان کے بارے میں ہوگا جنہیں اگر اجازت نہ ملتی تو نہ جاتے۔ اس تفسیر کی بنا پر دونوں میں سے کوئی بھی آیت دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرے گی۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں (غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عذر پیش کرنے میں سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے (التوبہ:۴۳)

آیت منسوخہ کے شانِ نزول:

منافقین کی ایک جماعت نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں غزوہ تبوک میں شامل ہونے سے رخصت دی جائے، نبی ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ نے ان کو کیوں اجازت دی، اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آپ ﷺ کو معاف فرمائے تا کہ نبی ﷺ کا دل مطمئن رہے۔

عفا اللہ عنک کے متعلق مفسرین سابقین کی تقاریر:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: منکرینِ عصمت انبیاء (علیہم السلام) نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) سے گناہ کا صدور ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ معاف کرنا گناہ کی فرع ہے اگر آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو پھر معاف کرنے کا کیا معنی ہوا۔ قتادہ اور عمرو بن میمون نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے دو کام بغیر وحی کے کیے تھے: ایک منافقین کو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی اور دوسرا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا۔ امام رازی نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ عفا اللہ عنک (اللہ آپ کو معاف فرمائے) کلام عرب میں تعظیم اور تکریم کا کلمہ ہے جس کو کلام کی ابتداء میں ذکر کیا جاتا ہے اور جو شخص متکلم کے نزدیک بہت معظم اور مکرم ہو اس کے متعلق کہتا ہے اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے، یا اللہ آپ سے راضی ہو، میری بات کا کیا جواب ہے۔ لہٰذا اس آیت میں جو نبی ﷺ سے فرمایا ہے عفا اللہ عنک اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے کوئی گناہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا منافقین کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت دینا آیا گناہ تھا یا نہیں۔ اگر یہ گناہ تھا تو عف اللہ عنک سے اللہ نے اس کو معاف فرما دیا تھا پھر کیوں فرمایا آپ نے ان کو اجازت کیوں دی، اور اگر یہ گناہ نہیں تھا تو یہ کیوں فرمایا اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر تقدیر آپ نے ان کو اجازت کیوں دی یہ فرمانا گناہ کو مستلزم نہیں ہے، لہٰذا اس قول کو ترک اولیٰ اور ترک اکمل پر محمول کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں: ابو محمد مکی نے کہا عفا اللہ عنک افتتاح کا کلمہ ہے، جیسے کہتے ہیں اصلحک اللہ و اعزک اللہ (اللہ تمہاری اصلاح کرے، اللہ تمہیں عزت دے)۔ علامہ سمرقندی نے بعض علماء سے نقل ہے اس کا معنی ہے: اللہ آپ کو عافیت سے رکھے آپ نے ان کو کیوں اجازت دی اور اگر کلام اس طرح شروع ہوتا کہ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی تو اس کا اندیشہ تھا کہ اس کلام کی ہیبت سے آپ ﷺ کا قلب شق ہو جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پہلے یہ ذکر فرمایا اللہ آپ کو معاف کرے تا کہ آپ ﷺ کا دل مطمئن اور پر سکون رہے۔ پھر فرمایا آپ ﷺ نے ان

جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت کیوں دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ منکشف ہوجاتا کہ کون اپنے عذر میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے، اور اس اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا مرتبہ ہے، نطفویہ نے کہا کہ بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت میں عتاب کیا گیا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عتاب کیے جانے سے بہت بعید ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیں یا نہ دیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیتے پھر بھی یہ اپنے نفاق کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ (الشفاء ج۱ ص ۲۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں عف اللہ عنک فرمانا ایسے ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: مجھے یوسف (علیہ السلام) کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے دبلی اور موٹی گایوں کے متعلق سوال کیا گیا تھا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں اس وقت تک ان کو خواب کی تعبیر نہ بتاتا جب تک ان سے یہ شرط نہ منوالیتا کہ وہ مجھ کو قید سے رہا کردیں گے۔ (اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی مغفرت فرمائے اور پھر جس کام پر مغفرت کا ذکر فرمایا ہے وہ کوئی گناہ نہیں ہے، اسی طرح اس آیت میں جس کام کے متعلق عفا اللہ عنک فرمایا ہے وہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ سعیدی)

عون بن عبد اللہ نے کہا: اس سے زیادہ حسین اور کون سا عتاب ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ (ہمارے نزدیک یہ حقیقتاً عتاب نہیں ہے صورتاً عتاب ہے۔ سعیدی غفرلہ)

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ کیسا لطف ہے کہ پہلے معافی کا ذکر فرمایا پھر اس چیز کا ذکر فرمایا جس پر معافی دی۔ اس کے بعد علامہ آلوسی نے زمخشری پر سخت رد کیا ہے جس نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جرم سے کنایہ ہے۔ (الکشاف ج۲ ص ۲۷۴)۔ (روح المعانی ج۱۰ ص ۱۰۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ احمد خفاجی نے بھی امام رازی اور قاضی عیاض کی طرح تقریر کی ہے اور قاضی بیضاوی نے زمخشری کی اتباع میں جو یہ لکھا کہ عفا اللہ عنک فرمانا اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا خطا تھی کیونکہ معاف کرنا خطا کی فرع ہے، علامہ خفاجی نے زمخشری اور بیضاوی دونوں کا رد بلیغ کیا ہے۔ (عنایت القاضی ج۴ ص ۵۷۴-۵۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۵۱ھ نے قاضی بیضاوی کی عبارت کی توجیہ کی ہے اور کہا ہے کہ قاضی بیضاوی کی خطا سے مراد اجتہادی خطا ہے اور اجتہادی خطا گناہ نہیں ہوتی بلکہ اس پر اجر ملتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ترک اولیٰ کے قبیل سے تھا۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج۴ ص ۴۶۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک اولیٰ صادر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خطاب میں عفو کو مقدم کیا جو صورت عتاب میں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عفا اللہ عنک کے متعلق علامہ سعیدی صاحب کا نظریہ

میرے نزدیک اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ جس کام سے اللہ نے لازماً منع کیا ہو اس کام کا کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور جس کام سے اللہ نے لازماً منع نہ کیا ہو بلکہ ترجیحاً منع کیا ہو یعنی اس کا نہ کرنا راجح ہو تو اس کام کا کرنا گناہ تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کو اجازت دینے سے لازماً منع کیا ہوتا تو یہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہوگا، اور اگر ترجیحاً منع کیا ہوتا تو گناہ تو نہ ہوتا مگر یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کیا ہی نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو اجازت دینا، کسی قسم کا گناہ ہے نہ یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کو اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعل مباح تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی کیوں اجازت دے دی حالانکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت نہ دیتے تو یہ پھر بھی جہاد میں شریک ہونے والے نہ تھے یعنی ان کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجازت دینا اور نہ دینا دونوں امر برابر تھے۔ (تبیان القرآن)

من سورة النحل

سورت نحل سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورت کا نام، وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول:

اس سورت کا نام النحل ہے، نحل کے معنی ہیں شہد کی مکھی، النحل کا لفظ اس آیت میں ہے: واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من البجال بیوتا ومن والشجر ومما یعرشون. (النحل: ٦٨) اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چھپروں میں گھر بنا۔

قرآن عظیم میں اس آیت کے سوا اور کسی جگہ النحل کا لفظ نہیں آیا، اسی لیے اس سورت کا یہ نام ہے اور مصاحف، کتب حدیث اور کتب تفسیر میں اس سورت کا یہی نام مشہور ہے۔ یہ سورت مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ النحل کے متعلق احادیث:

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشا پوری متوفی ٤٥٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ النحل کو پڑھا، اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لیا جائے گا، جو اس کو دنیا میں دی گئیں اور اس کو اس شخص کی طرح اجر دیا جائے گا جس نے مرتے وقت اچھی وصیت کی ہو۔ (الوسیط ج ٣ ص ٥٥، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٥ھ)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به۔ (النحل: ١٢٦) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ النحل: ٩٧۔٩٥ کے سوا باقی تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور شعبی نے کہا النحل: ١٢٨۔١٢٦ کے سوا باقی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں، اس طرح اور بھی اقوال ہیں۔ (زادالمسیر ج ٤ ص ٤٢٥، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤١٢ھ)

سکر کے رزق ہونے اور حکم نسخ کا بیان

۞وعن قوله عز وجل {تَتَّخِذُونَ مِنهُ سَكَراً وَرِزْقاً حَسَناً} .فأما الرزق فهو ما أحل مما يأكلون وينبذون ويخللون ويعصرون وأما السكر فهو خمر الأعاجم فأنزل الله عز وجل: هذه الآية والخمر يومئذ لهم حلال ثم جاء تحريم الخمر في سورة المائدة فقال {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ} قرأ إلى آخرها۔

.النحاس 179 .ابن سلامۃ 59 .مکی 286 .ابن الجوزی 208 .العتائقی 57 .ابن المتوج 140.

اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں تم ان سے میٹھے مشروبات تیار کرتے ہو، اور عمدہ رزق، بیشک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانی ہے۔ (نحل، 67) پس رزق وہ ہے جو حلال چیزوں سے کھایا اور پی لیا جاتا ہے اور پھلوں سے نچوڑا جاتا ہے۔ جبکہ سکر اہل عجم کے نزدیک خمر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں اس زمانے میں خمر ان کیلئے حلال تھا اور اس کے بعد سورت مائدہ میں اس حرمت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں میں سو تم ان سے اجتناب کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔ (مائدہ، 90)

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں تم ان سے میٹھے مشروبات تیار کرتے ہو، اور عمدہ رزق، بیشک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانی ہے۔ (النحل: ٦٧)

سکر کے لغوی معنی کی تحقیق:

السکر۔ اصل میں اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اس کا عام استعمال شراب کی مستی پر ہوتا ہے اور کبھی شدت غضب یا غلبہ یا غلبہ عشق کی کیفیت کو سکر سے تعبیر کر لیا جاتا ہے اسی لئے شاعر نے کہا ہے۔ سکران ھوی وسکر مدامۃ نشے دو ہیں ایک نشہ محبت اور دوسرا نشہ شراب اور اسی سے سکرت الموت (موت کی بیہوشی) ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ (ق/19) اور موت کی بے ہوشی کھولنے کو طاری ہوگئی۔
السکرۃ (بفتح السین والکاف) نشہ آور چیز۔ قرآن میں ہے:۔ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (النحل/ 67) کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق رکھاتے ہو) اور شراب سے انسان اور اس کی عقل کے درمیان بھی چونکہ دیوار کی طرح کوئی چیز حائل ہو جاتی ہے اس اعتبار سے سکر کے معنی پانی کو بند لگانے اور روکنے کے آجاتے ہیں اور اس بند کو جو پانی روکنے کے لئے لگایا جائے سکر کہا جاتا ہے (یہ فعل بمعنی مفعول ہے) اور آیت:۔ إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا (الحجر/15) کہ ہماری آنکھیں مخمور ہوگئی ہیں۔ میں سکرت بعض کے نزدیک سک سے ہے اور بعض نے سکرا سے لیا ہے اور پھر سکر سے سکون کے معنی لے کر پرسکون رات کو لیلۃ ساکرۃ کہا جاتا ہے۔ (مفردات القرآن)

اس آیت میں فرمایا ہے تم ان سے سکر اور رزق حسن تیار کرتے ہو، اب ہم سکر کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ١٧٥ھ لکھتے ہیں: سکر کا معنی صحو (ہوش میں آنا، نشہ اترنا) کی ضد ہے۔ (کتاب العین ج ٣ ص ٩٧٢)

اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں: سکر وہ حالت ہے جو انسان کی عقل پر طاری ہو جاتی ہے، اس کا اکثر استعمال مشروبات میں ہوتا ہے، غضب اور عشق کی وجہ سے جو حالت طاری ہوتی ہے اس کو بھی سکر کہتے ہیں، سکرات الموت بھی اسی سے ماخوذ ہے، قرآن مجید میں ہے: وجاءت سکرۃ الموت بالحق۔ (ق: ١٩) اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آپہنچی۔

اور سکران مشروبات کو کہتے ہیں جن میں سکر (نشہ) ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے: تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا۔ (النحل: ٦٧) تم ان سے نشہ آور مشروبات اور عمدہ رزق بناتے ہو۔

اور سکر کا معنی ہے پانی کو روک لینا، یہ وہ حالت ہے جو انسان کی عقل کے ماؤف ہونے سے پیدا ہوتی ہے، کسی چیز کے بند کردینے کو بھی سکر کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے: انما سکرت ابصارنا۔ (الحجر: ١٥) ہماری نظر بندی کردی گئی ہے۔ (المفردات ج ١ ص ٣١١، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ١٤١٨)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ ھ لکھتے ہیں: سکر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگوروں سے نچوڑی جاتی ہے، یہ معنی اس وقت ہے جب کاف پر زبر ہو اگر کاف پر جزم ہو اور سین پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے نشہ کی کیفیت، پس نشہ کی وجہ سے شراب کو حرام قرار دیا جاتا ہے نہ کہ نفس نشہ آور مشروب کی وجہ سے پس وہ نشہ آور مشروب کی اس قلیل مقدار کو جائز کہتے ہیں جس سے نشہ نہ ہو، حدیث میں ہے:

حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شراب۔ خمر (انگور کی شراب) کو بعینہا حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو۔ (کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ٤ ص ١٢٤، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ)

اور مشہور پہلا معنی ہے یعنی انگور کی شراب اور ایک قول یہ ہے کہ سکر (سین اور کاف پر زبر) کا معنی ہے طعام۔ ازہری نے کہا اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے کہ اہل عرب اس کو نہیں پہچانتے۔ (النہایہ ج ٢ ص ٣٤٤، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ٧١١ ھ لکھتے ہیں: سکر صحو کی ضد ہے یعنی نشہ میں ہونا، قرآن مجید میں ہے: لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون۔ (النساء: ٤٣) نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتی کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

سکرۃ الموت، موت کی شدت کو کہتے ہیں ور سکر خمر (انگور کی شراب) کو بھی کہتے ہیں اور سکر اس شراب کو بھی کہتے ہیں جو کھجوروں اور گھاس وغیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا سکر اس مشروب کو کہتے ہیں جو پانی میں کھجوروں اور گھاس وغیرہ کو ڈال کر بنایا جاتا ہے۔ (نبیذ) مفسرین نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں سکر کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد سرکہ ہے لیکن یہ ایسا معنی ہے جس کو اہل لغت نہیں پہچانتے، فرا نے کہا ہے کہ تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا، میں جو سکر کا لفظ ہے اس سے مراد خمر ہے، اور رزق حسن سے مراد کشمش اور چھوارے ہیں اور یہ آیت حرمت خمر سے پہلے نازل ہوئی تھی، الازہری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سکر سے مراد ہے جن پھلوں کے مشروب کو حرام قرار دیا گیا ہے اور رزق حسن سے مراد ہے جن پھلوں کے مشروب کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا سکر کا معنی نبیذ ہے، حدیث میں ہے کہ خمر کو بعینہا حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو۔ (لسان العرب ج ٤ ص ٣٧٢، ٣٧٣، ملخصا مطبوعہ ایران، ١٤٠٥ھ)

سکر کی تفسیر میں مفسرین کی تصریحات:

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ٥٩٧ ھ لکھتے ہیں: سکر کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر اور حسن، سعید بن جبیر، مجاہد، ابراہیم ابن ابی لیلی، الزجاج، ابن قتیبہ اور عمرو بن سفیان نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سکر وہ ہے جس کے پھلوں کا مشروب حرام ہے، ان مفسرین نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب خمر (انگور کی شراب) کا پینا مباح تھا، پھر فاجتنبوہ ان سے اجتناب کرو۔ (المائدہ: ۹۰) نازل ہوئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی، سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی اور نخعی نے اس آیت کے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے۔

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ سکر سے مراد خمر (انگور کی شراب) ہے اور یہ سورت (النحل) مکی ہے اس وقت شراب کا پینا مباح اور بعد میں مدینہ منورہ میں جب سورۃ المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی تو خمر کو حرام کر دیا گیا۔

۲۔ حبشہ کی لغت میں سکر کا معنی ہے سرکہ، یہ عوفی کی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور ضحاک نے کہا کہ یمن کی لغت میں سکر کا معنی سرکہ ہے۔

۳۔ ابوعبیدہ نے کہا سکر کا معنی ہے ذائقہ، ان آخری دو قولوں کی بنا پر یہ آیت محکمہ ہے منسوخ نہیں ہے اور رزق حسن سے مراد ہے ان میں سے جو چیزیں حلال ہیں جیسے کھجور، انگور، کشمش اور سرکہ وغیرہ۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ٤٦٤، ٤٦٥، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

جبکہ علماء متقدمین نے سکر کا اطلاق خمر پر بھی کیا ہے اور نبیذ پر بھی اور ان میں سے حرام مشروب پر بھی تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ سکر کا اطلاق ان سب پر کیا جاتا ہے، اور ان کا یہ کہنا کہ خمر کی تحریم سے یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ نبیذ حرام نہیں ہے، پس آیت کے ظاہر سے نبیذ کا حلال ہونا واجب ہے، کیونکہ اس کا نسخ ثابت نہیں ہے، قتادہ نے کہا ہے کہ سکر عجمیوں کی خمر ہے، اور رزق حسن سے مراد ہے جس چیز کو وہ نبیذ اور سرکہ بناتے ہیں، جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت خمر حرام نہیں ہوئی تھی، خمر اس وقت حرام ہوئی جب المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی۔ امام ابویوسف نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو سکر پینے سے منع کریں، امام ابوبکر نے کہا کہ سکر ہمارے نزدیک حرام ہے اور وہ نقیع التمر ہے (نقیع التمر سے مراد ہے کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور اس پانی میں جھاگ پیدا ہوجائے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱٤۰۰ھ)

نتقیع لزبیب کی تعریف یہ ہے: انگور کے کچے شیرہ کو پانی میں ڈال دیا جائے، حتی کہ اس کی مٹھاس پانی میں منتقل ہوجائے خواہ اس میں جھاگ پیدا ہوں یا نہ ہوں۔ (بدائع الصنائع ج ٦ ص ٤١٦، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ)

علامہ الحصکفی الحنفی متوفی ١٠٨٨ھ نے نقیع الزبیب کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ انگور کا کچا شیرہ ہے، بشرطیکہ جوش دینے کے بعد اس میں جھاگ پیدا ہوجائیں، علامہ شامی نے کہا ہے کہ اولی یہ ہے کہ نقیع التمر والزبیب کہا جائے یعنی کشمش یا چھواروں کو پانی میں ڈال دیا جائے جب ان کو جوش دیا جائے اور یہ گاڑھے ہوجائیں اور ان میں جھاگ پیدا ہوجائیں پھر یہ حرام ہیں ورنہ نہیں۔ (رد المختار ج ١٠ ص ٣١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٩ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور ہر نشہ آور مشروب کا وہی حکم ہے جو خمر کا حکم ہے، یعنی وہ حرام ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں: ہر نشہ آور مشروب حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو، اور وہ خمر ہے، اور انگور کے شیرہ کی تحریم کا جو حکم ہے وہی اس کا حکم ہے، اور اس کے پینے پر حد لگانا واجب ہے (اور وہ اسی کوڑے ہیں) حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابی بن کعب، حضرت انس اور حضرت عائشہ کا یہی مذہب ہے۔ فقہاء تابعین اور تبع تابعین میں سے عطا، طاؤس، مجاہد، قاسم، قتادہ، عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، امام شافعی، ابوثور، ابوعبید اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ آور (مشروب) خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۰)

اور حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس (مشروب) کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار (بھی) حرام ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۱)

اور حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر نشہ آور حرام ہے اور فرمایا جو مشروب فرق (بارہ کلو) کی مقدار میں نشہ آور ہو اس سے ایک چلو پینا بھی حرام ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶۶) اور حضرت عمر نے فرمایا: خمر کی تحریم نازل ہوئی اور یہ انگور، چھوہارے، شہد، گندم، اور جو سے بنتی ہے اور خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۸۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۷۴، السنن الکبری للنسائی، ۶۷۸۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۷۸) نیز اس لیے کہ نشہ آور مشروب انگور کے شیرہ کے مشابہ ہے اور امام احمد نے کہا نشہ آور مشروب پینے کی رخصت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۳۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جو شخص نشہ آور مشروب کو پیے خواہ قلیل یا کثیر اس پر حد واجب ہوگی، کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ انگور کا کچا شیرہ پینے پر حد واجب ہوتی ہے اور ہمارے امام (احمد) کا یہ مذہب ہے کہ انگور کا شیرہ اور ہر نشہ آور مشروب کا حکم برابر ہے۔ حسن، عمر بن عبدالعزیز، قتادہ، اوزاعی، امام مالک، اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ کسی مشروب کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب پینے والے کو نشہ آ جائے، ابووائل، ابراہیم نخعی، اکثر اہل کوفہ اور اصحاب رائے کا یہی مذہب ہے، جس نے تحریم کے اعتقاد کے ساتھ کسی مشروب کو پیا اس پر حد لگائی جائے گی اور جس نے تاویل کے ساتھ کسی مشروب کو پیا اس پر حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ خمر کی تعریف میں اختلاف ہے، پس یہ اس نکاح کے مشابہ ہے جو بغیر ولی کے کیا گیا ہو۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۳۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم:

علامہ علاء الدین بن ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ٥٨٧ ھ لکھتے ہیں: انگور کے کچے شیرہ میں جب جوش پیدا ہو جائے اور گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ آ جائیں تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب انگور کے کچے شیرے میں جوش آ جائے اور وہ گاڑھا ہو جائے تو وہ خمر ہے خواہ اس میں جھاگ پیدا ہوں یا نہ ہوں۔ (بدائع الصنائع ج ٦، ص ٤٠٦، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ)

انگور کے شیرہ کو جب پکایا جائے حتی کہ وہ دو تہائی سے کم اڑ جائے اور صحیح یہ ہے کہ دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو اس کو طلاء کہتے ہیں اور تازہ کھجوروں کو کچے پانی میں ڈالا جائے اور وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے تو اس کو سکر کہتے ہیں، اور کچے پانی میں منقی یا کشمش ڈال دی جائے اور اس میں جوش آ جائے اور جھاگ پیدا ہو جائیں تو اس کو نقیع الزبیب کہتے ہیں، یہ تینوں مشروب بھی حرام ہیں بشرطیکہ یہ تینوں گاڑھے ہوں اور ان میں جوش آ جائے، ورنہ یہ بالاتفاق حرام ہیں ہیں، اور ان تینوں مشروبات کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے اور جو ان کو حلال کہے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، کیونکہ ان کی حرمت اجتہاد سے ثابت ہے۔ (خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد واجب ہے اور ان مشروبات کے پینے سے اس وقت حد لگے گی جب نشہ ہو جائے)

ان میں سے چار مشروبات حلال ہیں، نبیذ التمر، اور نبیذ الزبیب یعنی کھجوروں یا کشمش کو پانی میں ڈال کر ہلکا سا جوش دے لیا جائے جبکہ یہ نشہ آور نہ ہوں، اگر اس کو ظن غالب ہو کہ یہ نشہ آور ہیں تو پھر ان کا پینا حرام ہے، کیونکہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، دوسرا مشروب خلیطان ہے، یعنی چھواروں اور کشمش دونوں کو پانی میں ڈال کر جوش دے لیا جائے اور تیسرا مشروب ہے شہد، گندم جو اور جوار وغیرہ کا نبیذ میں پانی ملا کر رکھا جائے خواہ جوش دیں یا نہ دیں، اور چوتھا مشروب ہے المثلث یعنی انگور کے شیرہ کو پکایا جائے حتی کہ اس کو دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ اور اہل بدر مثلاً حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابومسعود ان مشروبات کو حلال قرار دیتے تھے، اسی طرح شعبی اور براہیم نخعی سے روایت ہے کہ امام اعظم نے اپنے بعض تلامذہ سے کہا کہ اہل السنہ والجماعہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نبیذ کو حرام نہ کہا جائے۔

معراج میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ کے حرام ہونے کا فتوی نہیں دوں گا کیونکہ اس سے بعض صحابہ کو فاسق قرار دینا لازم آئے گا اور اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ نہیں پیوں گا کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ امام اعظم کا انتہائی تقوی ہے۔ (ردالمختار ج ١٠، ص ٣٣۔ ٣٠، مطبوعہ داراحیار التراث العربی، بیروت، ١٤١٩ھ)

اس حدیث کا جواب جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک خمر کے علاوہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی قلیل مقدار بھی پینا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں: یحی بن معین نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ (حافظ زیلعی متوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سنت میں ابوعثمان مجہول ہے، امام دار قطنی نے اس حدیث کی کئی اسانید ذکر کی ہیں اور وہ سب ضعیف ہیں۔ نصب الرایہ ج ۵ ص ۱٤، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱٦ھ)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو اس قسم کے مشروبات کو بطور لہو ولعب پئیں۔ (اور جو بدن میں طاقت حاصل کرنے کے لیے ان کو پئیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں، در مختار ور دالمختار ج ۱۰ ص ۳٤، مطبوعہ بیروت ۱٤۱۹ھ)
اور تیسرا جواب ہے کہ جس شمروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کا وہ آخری گھونٹ ہے جس سے نشہ پیدا ہوا، اور اس کی قلیل مقدار جو غیر نشہ آور ہے وہ حرام نہیں ہے اور یہ حدیث اس آخری گھونٹ پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع ج ٦ ص ٤٧٤، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۸ھ)

خمر کا بعینہ حرام ہونا اور باقی مشروبات کا بہ قدر نشہ حرام ہونا:

امام ابوحنیفہ جو یہ فرماتے ہیں کہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار حرام نہیں ہے ان کے اس قول پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا گیا ہے: حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے، پھر آپ نے مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی، پھر آپ نے فرمایا کوئی پینے کی چیز ہے؟ تو آپ کے پاس نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس کو چکھا، پھر ماتھے پر شکن ڈالی، اور اسکو واپس کر دیا، پھر آل حاطب میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یارسول اللہ! یہ اہل مکہ کا مشروب ہے، پھر آپ نے اس کو لوٹایا اور اس پر پانی ڈالاحتی کہ اس میں جھاگ آ گئے، پھر آپ نے اس کو پیا اور فرمایا خمر تو بعینھا حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) حرام ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ج ٤ ص ۱۲٤، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۸ھ) امام نسائی نے بھی اس حدیث کو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (السنن الکبری للنسائی، رقم الحدیث: ٦٧٨، ٦٧٧٨، ٥١٩٦، ٥١٩٥، ٥١٩٤، ٥١٩٣)

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ١٢٦٣٣، ١٢٣٨٩، ١٠٨٤١، ١٠٨٤٠، ١٠٨٣٩، ١٠٨٣٧)

ان احادیث کی سندیں ہر چند کہ ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں۔
امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں مشروب تھا، آپ نے اس کو اپنے

منہ کے قریب کیا، پھر اس کو واپس کر دیا، مجلس کے بعض شرکاء نے پوچھا، یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو واپس لاؤ، وہ اس کو واپس لائے، آپ نے پانی منگا کر اس میں پانی ڈالا، پھر اس کو پی لیا، پھر آپ نے فرمایا ان مشروبات میں غور کیا کرو، اگر یہ مشروب جوش مار رہا ہو تو اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑ دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے پاس کشمش کا نبیذ لایا گیا، آپ نے اس کو پیا اور ماتھے پر بل ڈالا اور پانی منگایا اس میں پانی ڈالا پھر اس کو پی لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۷)

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے پاس ثقیف کے لوگ آئے، ان کے کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرت عمر نے کہا گوشت سے پہلے ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے) کھاؤ یہ خلل کی جگہوں بھر لیتا ہے، اور جب تمہارے نبیذ میں تیزی ہو تو اس کو پانی سے توڑو، اور دیہاتیوں کو نہ پلاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۸)

حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تمہارے نبیذ میں تیزی ہو تو اس کی تیزی کو پانی سے توڑ لو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۹)

حضرت ابو ہریرہ نے کہا جس شخص کو اپنی نبیذ کے متعلق شک ہو تو وہ اس میں پانی ڈال لے، اس کا حرام عنصر چلا جائے گا اور حلال باقی رہ جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۱)

نافع بن عبد الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا: ان مشکوں میں سے اس نبیذ کو پیو کیونکہ یہ کمر کو قائم رکھتا ہے اور کھانے کو ہضم کرتا ہے اور جب تک تمہارے پاس پانی ہے یہ تم پر غالب نہیں آ سکے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۳)

امام علی بن عمر دار قطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اس کو کھانا کھلائے تو وہ کوئی سوال کیے بغیر اس کا کھانا کھائے اور اگر وہ اس کو مشروب پلائے تو وہ اس مشروب کو پیے اور اگر میں کوئی شبہ ہو تو وہ اس مشروب میں پانی ملا لے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۶۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس برتن میں نبیذ لایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو لیا پھر ماتھے پر بل ڈال کر اس کو واپس کر دیا، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو لیا اور زمزم کے ڈول سے اس میں پانی ڈالا اور فرمایا تمہارا مشروب جوش مار رہا ہو تو اس کی تیزی کو پانی سے توڑ لو۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۵۶۱)

مالک بن قعقاع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے گاڑھے نبیذ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کو ایک شخص سے نبیذ کی بو آئی آپ نے پوچھا یہ کیسی بو ہے؟ اس نے کہا یہ نبیذ ہے

ہے، آپ نے فرمایا جاؤ اس میں سے لے کر آؤ، وہ لے کر آیا، آپ نے سر جھکا کر اس کو سونگھا پھر واپس کر دیا وہ شخص کچھ دور جا کر واپس آیا اور پوچھا: آیا یہ حرام ہے یا حلال ہے؟ آپ نے سر جھکا کر دیکھا تو اس کو گاڑھا پایا آپ نے اس میں پانی ڈالا اور پی لیا اور فرمایا جب تمہارے برتنوں میں مشروب جوش مارنے لگے تو اس کے گاڑھے پن کو پانی سے توڑو۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ٤٦٤٨، مطبوعہ بیروت، ١٤١٧ھ)

ان احادیث کی اسانید بھی ضعیف ہیں لیکن تعداد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور ان سے استدلال کرنا صحیح ہے، ان بکثرت احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبیذ پینا جائز ہے، اور جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مشروب غیر خمر ہو، اور اسی طرح جو مشروب غیر خمر ہو اور اس کے تیز اور گاڑھے ہونے کی وجہ سے نشہ کا خطرہ ہو تو اس میں پانی ملا کر اور اس کی تیزی کو توڑ کر اکو پینا جائز ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایلو پیتھک دواؤں میں جو قلیل مقدار میں الکوحل ملی ہوئی ہوتی ہے اور اس میں دیگر دواؤں کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کا چمچہ یا دو چمچے پیے جاتے ہیں وہ دوائیں شراب نہیں ہیں اور ان کا پینا جائز ہے اسی طرح پرفیوم بھی قلیل مقدار میں اسپرے کیا جاتا ہے اس کا اسپرے کرنا بھی جائز ہے اور وہ نجس نہیں ہے۔

ومن سورۃ الإسراء

سورت الاسراء سے آیات ناسخ ومنسوخ کا بیان

سورۃ کا نام:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس سورت کا نام الاسرا ہے، الاسرا کا معنی ہے رات کو جانا یا رات کو سفر کرنا اور جب یہ لفظ ب کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی ہے رات کو لے جانا یا رات کو سفر کرانا، اور چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اسری کا لفظ ہے اس مناسبت سے اس کا نام الاسرا ہے۔ اور محققین نے یہ کہا ہے کہ اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے کیونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا۔ (بنی اسرائیل: ٤) اور ہم نے بنی اسرائیل کے لیے کتاب میں فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو بار رفساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اور بھی کئی سورتوں میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے تو ان کا نام بنی اسرائیل کیوں نہیں رکھا گیا اس کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

اگر چہ اس سورت کا نام الاسراء بھی ذکر کیا گیا ہے اور بنی اسرائیل بھی، لیکن احادیث اور آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس کا نام بنی اسرائیل ہے۔

عن ابی لبابۃ قالت عائشۃ کان النبی ﷺ لا ینام حتی یقرء بنی اسرائیل والزمر۔ ابولبابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا نبی ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتی کہ بنی اسرائیل اور الزمر کی تلاوت کر لیں۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۲۰، مسند احمد ج ۲ ص ۶۸، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۴۸۹۲، عالم الکتب، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۳، المستدرک ج ۲ ص ٤٣٤)

عن ابن مسعود قال فی بنی اسرائیل والکهف و مریم انهن من العتاق الاول وهن من تلادی۔ حضرت ابن مسعود نے کہا کہ بنی اسرائیل، الکہف اور مریم انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی ہیں اور یہ مجھے شروع سے یاد ہیں۔ (صحیح البخاری، رقم الحدث: ٤٧٠٨)

سورۃ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول:

جمہور مفسرین کے نزدیک سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے البتہ تین آیتوں کا استثناء کیا گیا ہے:

بنی اسرائیل: ۷۶، بنی اسرائیل: ۸۰، بنی اسرائیل: ۶۰۔ اور مقاتل نے بنی اسرائیل: ۱۰۷ کا بھی استثناء کیا ہے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت ہو چکی تھی، یہ سورت سورۃ القصص کے بعد سورۃ یونس سے پہلے

نازل ہوئی ہے، اور تعداد نزول کے اعتبار سے یہ پچاسویں سورت ہے۔ مدینہ، مکہ، شام اور بصرہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور کوفہ کہ علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

واقعہ معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے واقع ہوا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے فورا بعد نازل ہوئی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے کچھ مدت بعد نازل ہوئی۔

مشرکین کیلئے دعا نہ کرنا اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا} ثم نسخ منها حرف واحد لا ينبغي لأحد أن يستغفر لوالديه وهما مشركان ولا يقول رب ارحمهما كما ربياني صغيرا ولكن يخفض لهما جناح الذل من الرحمة ويصاحبهما في الدنيا معروفا وقال عز وجل: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى} هذه الآية نسخت ذلك الحرف.

النحاس 181 ,وفيه قول قتادة ,ابن سلامة 60 ,مكي 292 ,ابن الجوزي 209 ,العتائقي 58 ,الن المتوج 144.

اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا۔

اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا کہ کسی کیلئے مناسب نہیں کہ مشرک والدین کیلئے استغفار کریں اور ان کیلئے رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا کیک ان ان کیلئے نرمی اختیار کریں۔ اور دنیا میں ان کیلئے بھلائی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں۔ (توبہ، 113) اس آیت نے اس سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔

شرح

چنانچہ ارشاد ہے: "نہیں ہے نبی اور ایمان والوں کو زیبا کہ مشرکوں کے لئے استغفار کر کے بخشش چاہیں اگرچہ ہوں وہ رشتہ دار بعد اس کے کہ کھل چکا ہو کہ وہ جہنمی ہیں"۔

آیہ کریمہ کے شان نزول میں چند قول ہیں:

پہلا قول تو یہ ہے کہ جب ابو طالب پر موت کا وقت آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہاں موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو فرمایا اے چچا آپ لا الہ الا اللہ کہہ لیں تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی بخشش کے لئے دلیل پیش کر سکوں تو ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بولے ابو طالب کیا عبدالمطلب کے دین کو ناپسند کرتے ہو اور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر کلمہ پیش فرمارہے تھے اور ابوجہل اور ابن امیہ برابر بکواس کررہے تھے۔ ابوطالب کا آخر کلمہ جو تھا وہ یہ تھا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور کلمہ پڑھنے سے انکار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاستغفرن لک مالم انہ عنک فنزلت یعنی جب تک میرا رب منع نہ فرمائے گا میں تمہاری بخشش کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولوکانوا اولی قربی۔

اس پر علامہ حسین بن الفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جرح فرما کر اس شان نزول کو صحیح نہیں مانتے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ابوطالب کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا اور یہ سورۃ مبارکہ بعد ہجرت مدینہ میں نازل ہوئی یہ مستبعد ہے کہ شان نزول اس واقعہ پر مانا جائے۔

علامہ واحدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس استبعاد کو مستبعد مان کر فرماتے ہیں: کہ کیا حرج ہے کہ اگر شان نزول اس بناء پر صحیح مان لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کے لئے استغفار فرماتے رہے ہوں اس آیہ کریمہ کے نازل ہونے تک اس لئے کہ آیہ کریمہ جب مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تو حضور استغفار میں اتنے دن مسلسل مشغول رہے حتی کہ آیہ کریمہ نازل ہوگئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جسے ابن سعد ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موت ابوطالب کی خبر دی تو فبکی فقال اذھب فغسلہ وکفنہ وداوہ غفر اللہ لہ ورحمہ ففعلت وجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یستغفر لہ ایاما ولایخرج من بیتہ حتی نزل جبریل (علیہ السلام) بھذہ الایۃ۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو نکل آئے اور فرمایا جاؤ غسل دے کر کفناؤ اور چادر ڈالو اللہ انہیں بخش دے اور رحم فرمائے چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخشش مانگنی شروع کی اور چند روز تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب عالی سے باہر تشریف نہ لائے یہاں تک کہ جبریل (علیہ السلام) یہ آیت لے کر حاضر آئے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزول آیہ کریمہ قبل ہجرت تھا مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

اور آیہ کریمہ ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین جب ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بحالت کفر مرے اور مذہب اہلسنت میں یہی مشہور ہے۔ اور نزول آیت مدینہ منورہ میں اس کے منافی نہیں۔

تیسرا قول ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ان کی سیرت میں عباس بن عبداللہ بن معبد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب کو مرض موت پر فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت کچھ چاہا چنانچہ فرمایا اے چچا آپ فرما دیجئے لا الہ الا اللہ تاکہ میں اپنی شفاعت بروز قیامت آپ کے لئے حلال کرالوں اور کافی کوشش فرمائی تو ابوطالب نے کہا:

واللہ یا ابن اخی لو لا مخافۃ السبۃ علیک وعلی بنی ابیک من بعدی وان تظن قریش الی انما قلتھا جزعا من الموت لقلتھا ولا اقولھا الا لاسرک بھا فلما تقارب من ابی طالب ن الموت نظر العباس یحرک بشفتیہ فاصغی الیہ فقال یا ابن اخی لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا۔

قسم بخدا اے بھتیجے اگر مجھے خوف سب وشتم تم پر ہونے کا میرے بعد نہ ہوتا اور یہ گمان قریش کا نہ ہوتا کہ میں نے موت سے گھبرا کر یہ کلمہ پڑھا تو ضرور میں کلمہ پڑھ لیتا اور میں نے کلمہ تو نہ پڑھا مگر میں تمہیں محبوب رکھتا ہوں تو جب موت بالکل قریب ہوئی تو حضرت عباس نے ہونٹ ہلتے دیکھے تو ان کے منہ سے بالکل قریب کان لگا دیئے تو وہ کہہ رہے تھے۔ اے بھتیجے یقیناً میرے بھائی نے وہ کلمہ کہا تھا جس کا تم نے اس کو حکم دیا کہ وہ اس کلمہ کو پڑھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے حضور ﷺ کے چچا کا ذکر فرماتے سنا لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضعضاح من نا ۔ یقیناً میری شفاعت قیامت کے دن انہیں اتنا نفع دے گی کہ انہیں جہنم کے کنارے پر لے آئے گی۔ ضحضاح کا ترجمہ منجد میں ہے الضحضاح الماء اليسير والقريب الظفر۔

و جاء في رواية انه قيل لرسول الله ﷺ ان عمك ابا طالب كان يحوطك و ينصرك فهل ينفعه ذالك فقال نعم و جدته في غمرات النار فاخرجته الى ضحضاح من النار وسبه عندي مذموم جدا لا سيما اذا كان ايذاء لبعض العلويين اذ قد ورد لا تو ذوا الاحياء بسبب الاموات۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے چچا ابو طالب ہر طرح حضور ﷺ کی مدد کرتے ہیں تو کیا انہیں وہ خدمات نفع دیں گی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے انہیں آگ کی تنگیوں میں پایا تو میں نے انہیں اس کنارے پر آگ سے نکال لیا۔

آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اور انہیں سب وشتم کرنا میرے نزدیک بہت مذموم ہے۔ خصوصاً جبکہ اس میں علویوں کو ایذا پہنچانا مقصود ہو اس لئے کہ وارد ہے کہ نہ ایذا پہنچاؤ زندوں کو مرے ہوؤں کے برا کہنے سے۔

و من حسن اسلام المرء ترك ما لا يعنيه۔ اور اسلام کا حسن انسان کے لئے اسی میں ہے کہ ان باتوں کو ترک کر دے جو لایعنی اور بے معنی ہوں۔ بعض اسی طرف گئے ہیں کہ ما كان للنبي والذين امنو ۔ یہ آیہ کریمہ اس کے علاوہ دوسرے معاملہ میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دلائل میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ مقابر کی طرف تشریف لائے حتیٰ کہ ایک قبر پر تشریف رکھ کر بہت طویل دعا فرمائی اور گریہ کیا تو ہم بھی حضور ﷺ کے ساتھ گریہ سے رو پڑے۔ پھر حضور ﷺ نے قیام فرما کر دو رکعت نفل پڑھیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور دعا کی پھر ہم نے بھی دعا کی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ کیوں روئے ہم نے عرض کیا حضور ﷺ کے گریہ سے ہم بھی روئے تو حضور ﷺ نے فرمایا جس کے قریب میں بیٹھا وہ آمنہ خاتون کی قبر تھی تو میں نے اجازت طلب کی اپنے رب سے اس کی زیارت کے لئے تو مجھے اجازت مل گئی پھر میں نے اس پر استغفار کی اجازت طلب کی تو اس کی اجازت نہ ملی اور یہ آیہ کریمہ مجھ پر نازل ہوئی۔ ما كان للنبي۔

تو اس ممانعت نے مجھ پر وہ گرفت کی جو ایک بیٹے کو اپنی والدہ کے معاملہ میں ہوتی ہے بوجہ رقت کے تو یہ وہ سبب ہے جس

نے مجھے رلایا۔ ایسا ہی مسلم، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

محاکمہ علی روایات المنقولۃ

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابوطالب اور حضور ﷺ کی والدہ محترمہ کے متعلق جو کچھ روایات واحادیث نقل کیں ان کی تضعیف بھی کرتے گئے ہیں بنابریں ہمیں سید المحدثین امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ "التعظیم والمنۃ" کو ترجیح دینی چاہیے اس میں انہوں نے اس مضمون کی جملہ احادیث کو معلول لکھا ہے لہٰذا شان نزول آیہ کریمہ اس معاملہ میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

پھر اس پر کافی دلائل قائم ہو چکے ہیں کہ سید اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ موحدہ تھیں اور دین ابراہیم آپ کا دین تھا۔ بلکہ ما کان للنبی والذین امنوا ک اشان نزول یہی صحیح ہے کہ بعض صحابہ علیہم رضوان نے حضور ﷺ سے اپنے آباء کے لئے استغفار کرنے کی درخواست یک تھی اس پر یہ حکم آیا۔ (تفسیر الحسنات)

مشرکین کیلئے استغفار کرنے کی ممانعت کا بیان

(ما کان للنبی)۔(او ما کان استغفار ابراھیم لابیہ) قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعائے مغفرت کا چار جگہ ذکر ہے ایک سورۃ ابراہیم میں۔ جہاں حضرت ابراہیم نے مکہ کے لئے اور حضرت اسماعیل وحضرت اسحٰق کے لئے برکت کی دعا مانگی ہے اسی دعا کے ساتھ یہ بھی دعا کی ہے کہ "ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب" یعنی اے ہمارے پروردگار بخش دے مجھ کو اور میرے والد اور والدہ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن کہ قائم ہو حساب۔

اس آیت کو ان دونوں آیتوں سے جن کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اس امر کے لئے بہت سی دلیلیں ہیں کہ حضرت ابراہیم کے والد اور والدہ مشرک نہ تھے چنانچہ اس آیت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے جہاں حضرت ابراہیم نے کہا ہے "ولوالدی وللمومنین" جس سے پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے والدین کو بھی مومنین میں شمار فرماتے تھے پس اگر یہ تسلیم کرلیا جاوے تو سورۃ ابراہیم کی آیت میں مشرکین کے حق میں دعا مغفرت نہ تھی۔

دوسرا مقام سورۃ مریم میں ہے جہاں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر کو باپ کہہ کر بت پرستی چھوڑنے اور خدا پر ایمان لانے کی نصیحت کی ہے مگر ان کے چچا نے نہ مانا اور خفا ہو کر کہا اگر تو بس نہیں کرتا تو میں تجھ کو سنگسار کر دونگا اور تو میرے پاس سے چلا جا اس وقت حضرت ابراہیم نے کہا "سلام علیك ما ستغفرلك ربی" چنانچہ اس کے بعد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور کلدانیان سے جوان کا وطن تھا جلاوطن ہو گئے۔ یہ وہ آیت ہے جس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے چچا آذر کے حق میں دعائے مغفرت کا وعدہ کیا تھا۔

تیسرا مقام سورۃ شعراء میں ہے جہاں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے چچا کو باپ کہہ کر اور نیز اس کو گمراہ قرار دے کر ا کے لئے دعائے مغفرت کی اور کہا "واغفر لابی انہ کان من الضالین"۔

چوتھا مقام سورممتحنہ میں ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کی بت پرستی کے برا جاننے میں تائید کر کے فرمایا کہ "الا قول ابراھیم لاستغفرلك وما املك لك من الله من شیء یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے اس قول کی پیروی نہیں چاہیے جو انہوں نے اپنے چچا سے ان کی مغفرت کی دعا کی نسبت کرنا تھا اور اسی وعدہ کے مطابق انہوں نے دعاء بھی کی تھی۔

اس اخیر آیت کا اور سورہ توبہ کی آیت کا ایک ہی مطلب ہے۔ سورۃ ممتحنہ کی آیت سے بطور دلالت النص ظاہر ہوتا ہے کہ مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنی نہیں چاہیے اور سورۃ توبہ کی آیت میں یہ نص صریح بیان ہوا ہے کہ مشرکین کے لئے گو وہ کیسے ہی قریب کے قرابت مند ہوں دعائے مغفرت نہ کی جاوے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے چچا کے لئے اس لئے دعائے مغفرت کی تھی کہ ان کو اپنے چچا کے ایمان لانے کی توقع تھی مگر جب ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ایمان نہیں لانے کا تو انہوں نے اس سے اپنی بیزاری ظاہر کی جیسے کہ اسی آیت میں بیان ہوا ہے کہ: فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه ابراھیم لاوان حلیم۔

بعض مخالفین اسلام نے ان آیتوں سے اسلام پر بے رحمی کا الزام لگایا ہے کہ اسلام نے نہایت بے رحمی سے مشرک والدین کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت کی ہے مگر یہ ان کی غلطی ہے اس لئے کہ اسلام نے جس قدر والدین کے ادب کی گو وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں اور مشرکوں کے ساتھ بھی صلہ رحم کی تاکید فرمائی ہے جس کی بنا محض رحم اور انسانیت پر ہے شاید اور کسی مذہب میں نہیں ہے مگر مغفرت یا عدم مغفرت کو رحم یا عدم رحم سے کچھ تعلق نہیں ہے اس لئے کہ مغفرت کا مدار ایمان پر ہے اگر کوئی بیٹا اپنے باپ پر جو ایمان نہیں لایا کیسا ہی رنج وغم و افسوس و رحم کیا کرے اور دعا مانگا کرے اس سے کیا ہوتا ہے اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی اور جب کہ یہ بات محقق قرار پا چکی کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہونے کی تو انبیاء کو اور نیز تمام مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ مشرکین کے لئے وہ زندہ ہوں یا مردہ دعائے مغفرت کریں کیونکہ ایسا کرنے میں اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ ان کو خدا کے اس وعدہ پر کہ مشرکین کو نجات نہیں دینے کا پورا پورا یقین نہیں ہے باقی رہی مشرکین کے لئے دعائے خیر کہ وہ ایمان لے آویں اور کفر و شرک سے نجات پاویں جو ان کے ساتھ اصلی محبت و رحم ہے اس کی ممانعت نہیں ہے خود انبیا نے ایسا کیا ہے اور ہر ایک مسلمان کو ایسا کرنا چاہیے بلکہ مشرکین سے جو زیادہ تر قرابت قریبہ رکھتا ہو ان کے لئے اور زیادہ اور دلی اضطرار اور رنج وغم سے ایسی دعا کرنی لازم ہے۔

شان نزول۔ حضور ﷺ نے ابوطالب کی وفات کے وقت جب انہوں نے کلمہ طیبہ زبان سے ادا نہ کیا تو فرمایا چچا میں تمہارے لیے دعا مغفرت کروں گا جب تک کہ مجھے منع نہ کر دیا جائے تب یہ آیت اتری۔ ابوطالب کی وفات نبوت کے دسویں سال یعنی ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی بعض مومنین نے حضور سے اجازت چاہی کہ اپنے کافر باپ دادوں کے لیے دعائے مغفرت کریں تب یہ آیت نازل ہوئی حضور نے اپنی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور کی زیارت کی اجازت چاہی جو دے دی گئی مگر جب دعا مغفرت کی اجازت چاہی تو منع فرما دیا گیا اور یہ آیت اتری یہ تیسرا قول محض غلط ہے، حضور کی والدہ مومنہ تھیں اگر کافرہ ہوتیں تو ان کی قبر کی اجازت نہ دی جاتی، دعا مغفرت سے اس لیے منع کیا گیا کہ وہ بالکل بے گناہ تھیں مغفرت

گناہ گار کے لیے مانگی جاتی ہے اس لیے بچہ کے جنازہ پر اس کے لیے دعائے مغفرت نہیں کی جاتی، حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی کہ مولا میری اولاد میں ایک مسلم جماعت رکھ اور اس مسلم جماعت میں نبی آخر الزمان پیدا فرما۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مشرک کافر کو مرحوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کہنا حرام ہے۔ (نور العرفان)

شیخ جلال الدین سیوطی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین زندہ کیے گئے اور وہ آپ پر ایمان لائے اور پھر انتقال کر گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو مؤمن ثابت کرنے کیلئے سیوطی نے چند رسائل لکھے ہیں' بلکہ حضرت آدم (علیہ السلام) تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء واجداد وامہات کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ میں نے ان سب کا خلاصہ کر کے اس موضوع پر ایک رسالہ تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تالیف کر دیا ہے۔ اس جگہ اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں۔ (التوبہ: ۱۱۳)

ابو طالب کا مرتے وقت کلمہ نہ پڑھنا اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں اور منافقوں سے ترک تعلق اور محبت نہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردہ کافروں سے بھی اظہار برأت کرنے کا حکم دیا ہے، اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ اس صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے: سعید بن مسیب اپنے والد مسیب بن حزن سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب پر موت کا وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے چچا لا الہ الا اللہ کہیے، میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی سفارش کروں گا، تو ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ نے کہا اے ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کرتے ہو؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا، تب یہ آیت نازل ہوئی ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین۔ الایہ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۳، اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۳۰، سیرت ابن اسحاق ج ۱ ص ۲۳۷-۲۳۸)

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ابو طالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے اور سورۃ التوبہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں آخر میں نازل ہوئیں، امام واحدی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت سے استغفار کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدینہ میں اس سورت کے نازل ہونے تک استغفار کرتے رہے ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے استغفار ترک کر دیا۔

اس جواب کو اکثر اجلہ علماء نے پسند کیا ہے امام رازی اور علامہ آلوسی اور علامہ ابو حفص دمشقی وغیرہم ان میں شامل ہیں۔ علامہ

آلوسی نے ایک اور جواب یہ ذکر کیا ہے کہ سورۃ توبہ کے مدنی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی اکثر اور غالب آیات مدنی ہیں، اس لیے اگر یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہو تو وہ سورۃ توبہ کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ ابو طالب نے تا دم مرگ کلمہ نہیں پڑھا اور اسلام کو قبول نہیں کیا۔

ابو طالب کے ایمان کے متعلق ایک روایت کا جواب امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حسب ذیل روایت بیان کی ہے، اس سے شیعہ ابو طالب کا ایمان ثابت کرتے ہیں: از عباس بن عبداللہ بن معبد از بعض اہل خود از ابن اسحٰق، جب رسول اللہ ﷺ ابو طالب کی بیماری کے ایام میں اس کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: اے چچا! لا الہ الا اللہ پڑھیے، میں اس کی وجہ سے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کروں گا۔ ابو طالب نے کہا اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد تمہیں اور تمہارے اہل بیت کو یہ طعنہ دیا جائے گا کہ میں نے موت کی تکلیف سے گھبرا کر یہ کلمہ پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشنودی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا، جب ابو طالب کی طبیعت زیادہ بگڑی تو اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے گئے، عباس نے ان کا کلام سننے کے لیے اپنے کان ان کے ہونٹوں سے لگائے، پھر عباس نے اپنا سر اوپر اٹھا کر کہا یا رسول اللہ! بیشک اللہ کی قسم! اس نے وہ کلمہ وہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے ان سے سوال کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔ (سیرت ابن اسحاق ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الفکر)

یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، نیز یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ امام ابن اسحاق نے اس کو ایک مجہول شخص سے روایت کیا ہے، ثانیاً جس وقت کی یہ روایت ہے اس وقت حضرت عباس اسلام نہیں لائے تھے، پھر ان کا یا رسول کہنا کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ثالثاً یہ کہ اس روایت میں خود تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے نہیں سنا، رابعاً یہ روایت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ امام بیہقی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس روایت کی سند منقطع ہے اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابو طالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابو طالب کو کیا نفع پہنچایا، وہ آپ کی موافقت کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا، اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹) اور یہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶)

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایمان پر اعتراض کا جواب ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں امام واحدی متوفی ۴۶۸ ھ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان میں گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ آپ نے ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا، ہم بیٹھ گئے۔ پھر آپ چند قبروں سے گزر کر ایک قبر کے پاس گئے اور بڑی دیر تک مناجات کرتے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ رونے لگے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے، پھر آپ ہماری طرف آئے، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے رلایا تھا، ہم بھی

گھبرا کر رونے لگے تھے۔ پھر آپ ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے اور فرمایا: میرے رونے کی وجہ سے تم گھبرا گئے تھے؟ ہم نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم نے جس قبر کے پاس مجھے مناجات کرتے دیکھا تھا وہ (حضرت) آمنہ بنت وہب کی قبر تھی، میں نے اپنے رب سے ان کی (قبر کی) زیارت کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں الآیہ۔ (التوبہ: ۱۱۳) پس بیٹے کے دل میں اپنی ماں کی وجہ سے جو رقت ہوتی ہے وہ میرے دل میں اپنی ماں کی وجہ سے طاری ہوئی اس وجہ سے میں رونے لگا۔ (اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۳۲، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۶)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ معاذ اللہ مشرکہ تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق صحیح حدیث وہی ہے جس کو ہم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے ذکر کیا ہے اور رہی یہ روایت تو اس کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں ابن جریج مدلس ہے اور ایوب بن ہانی ضعیف۔ امام ذہبی نے بھی اس پر تعقب کیا ہے اور کہا ہے کہ ایوب بن ہانی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ ابن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷۷)

حضرت سیدنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کی زیارت کرنے کے متعلق صحیح حدیث یہ ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی پھر آپ روئے اور جو لوگ آپ کے گرد تھے وہ بھی روئے، پھر آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو میرے رب نے مجھے اجازت دے دی، پھر میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۷۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۶۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۴۳، مطبوعہ کراچی، المستدرک ج ۱ ص ۳۷۵)

اس صحیح حدیث میں آپ کو حضرت سیدہ آمنہ کی قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے، اگر حضرت آمنہ مشرکہ ہوتیں تو یہ اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ولاتقم علی قبرہ۔ (التوبہ: ۸۴) آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں رہا یہ کہ آپ کو حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر معصوم کے لیے استغفار کرنا موہم معصیت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی والدہ کے لیے استغفار کیا جائے جس کی وجہ سے لوگوں کو یہ وہم ہو کہ آپ کی والدہ نے غلط اور ناجائز کام کیے تھے جس کی وجہ سے آپ کے لیے مغفرت طلب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کی توجیہات ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کافر زندہ ہوں یا مردہ، ان سے محبت اور دوستی نہیں رکھنی چاہیے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے حالانکہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سامنے کا نچلا دانت شہید ہو گیا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چہرے سے خون کو پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۷، الترغیب والترہیب ج

۳ ص ۴۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۸۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے دن جب مشرکین چلے گئے تو خواتین مردوں کی معاونت کے لیے گئیں، ان میں حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، انہوں نے جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ سے لپٹ گئیں اور پانی سے آپ کے زخم دھونے لگیں، لیکن خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھی تو خون رک گیا، اس حدیث کے آخر میں ہے اس دن نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس قوم پر اللہ کا بہت زیادہ غضب ہوگا جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا، پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ نہیں جانتے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۳)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۶۹۴، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۷، مسند احمد ج ۱، ص ۴۵۳، شیخ احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۳۳۱، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ازخود یہ دعا نہیں کی، بلکہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی (حضرت نوح (علیہ السلام)) کی دعا کی حکایت کی ہے، اس پر دلیل یہ حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا، آپ انبیاء سابقین میں سے اس نبی کی حکایت کر رہے تھے جس کو اس کی قوم نے ضرب لگائی تھی، آپ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے: اے میرے رب! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵، مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۱۷، مطبوعہ قاہرہ)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مردہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا ممنوع ہے اور زندہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا ایمان لانا متوقع ہے، اس لیے ان کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور ان کی تالیف قلب کے لیے ان سے اچھے اور نیک کلمات اور دعائیہ الفاظ کہنا جائز ہے۔

زندہ کافروں کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کا جواز

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ اگر انسان اپنے کافر ماں باپ کے لیے دعا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب تو وہ زندہ ہوں ان کے لیے استغفار کرتا رہے۔ البتہ جو شخص مر گیا تو اس کے اسلام لانے کی امید نہیں رہی سو اس کے لیے دعا نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان اپنے مردوں کے لیے استغفار کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے اپنے مردوں کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور ان کو زندہ مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے نہیں منع کیا گیا حتیٰ کہ وہ مر جائیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۴۷۴) (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۹۲، مطبوعہ دار الفکر

بیروت ١٤١٥ھ)

زندہ مشرکین کے لیے دعا کرنے کے جواز میں حسب ذیل احادیث ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل اور ان کے اصحاب نے آکر کہا: یا رسول اللہ! دوس نے کفر کیا اور اسلام لانے سے انکار کیا ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجیے۔ پس کہا گیا اب دوس ہلاک ہو گئے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو (یہاں) لے آ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٤٤، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٣٩٢، مسند احمد ج ٢ ص ٢٤٣، دلائل النبوۃ ج ١ ص ٧٩، الطبقات الکبریٰ ج ٤ ص ١، تہذیب تاریخ دمشق ج ٧ ص ٦٥، مسند حمیدی رقم الحدیث: ١٠٥)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نے کہا: یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا ڈالا ہے، ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٩٤٢، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٢ ص ٢٠١، مسند احمد ج ٣ ص ٣٤٣، الکامل لابن عدی ج ١ ص ٣١٢، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٥٩٨٦، الطبقات الکبریٰ ج ٢ ص ١١٥، کنز العمال رقم الحدیث: ٣٤٠٠٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! اسلام کو عزت دے ابو جہل بن ہشام سے یا عمر بن الخطاب سے، پھر اگلی صبح کو حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٦٨٣، مسند احمد ج ٢ ص ٩٥، الکامل لابن عدی ج ٧ ص ٢٤٨٧، شرح السنہ رقم الحدیث: ٣٨٨٥، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٦٠٤٥، المستدرک ج ٣ ص ٥٠٢، حلیۃ الاولیاء ج ٥ ص ٣٦١، الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ١)

ان دلائل کی بناء پر اگر کسی غیر مسلم کو کسی موقع پر سلام کرنا پڑے یا اس کے سلام کا جواب دینا پڑے تو اس کے لیے طلب ہدایت کی نیت سے سلام کیا جا سکتا ہے یا سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے، اس غیر مسلم کے دائیں بائیں جو فرشتے ہوتے ہیں ان فرشتوں کی نیت کر کے بھی اس کو سلام کیا جا سکتا ہے۔

یتیم کے مال مکس کرنا اور حکم نسخ کا بیان

یتیم کے مال کو اپنے مالوں سے ملانا اور حکم نسخ کا بیان

۞ وعن قوله عز وجل: {وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ} وكانت هذه جهدا عليهم لا تخالطوهم في المال ولا في المأكول ثم أنزل الله عز وجل: الآية التي في سورة البقرة {وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ} فرخص لهم أن يخالطوهم.

وفيه قول قتادة. ولم ترد هذه الآية في كتب الناسخ والمنسوخ الأخرى. وينظر تفسير الطبري 84/15 والنسخ في القرآن الكريم 752

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ماسوا بہتر صورت کے حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد پورا کرو، بیشک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس آیت میں یہ بیان ہوا کہ یتیم کے مال کے اپنے مال میں مکس نہ کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ

نے سورت بقرہ کی یہ آیت نازل فرمائی۔ دنیا اور آخرت کے کاموں میں، اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے۔ اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ مشترک رکھو (تو کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ کون خیر خواہی کرنے والا ہے اور کون بدخواہی کرنے والا اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ضرور سختی میں ڈال دیتا، بیشک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (البقرہ، 220) لہذا اس میں رخصت دے دی گئی۔

یتیم کے مال میں تصرف

امام ابوبکر جصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قول باری ہے ویسئلونك عن الیتامی قل اصلاح لهم خیروان تخالطوهم فاخوانکم. اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے کہہ دیجئے جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں)

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ یتیم وہ ہوتا ہے جو اپنے ماں باپ میں سے ایک سے تنہا رہ جائے چنانچہ باپ کے رہتے ہوئے ماں کی وفات کی وجہ سے وہ یتیم ہوتا ہے اس کے برعکس صورت میں بھی وہ یتیم ہوتا ہے البتہ یتیم کا اطلاق زیادہ تر اس صورت میں ہوتا ہے جب باپ نہ ہو خواہ ماں زندہ ہی کیوں نہ ہو۔ باپ زندہ ہونے کی صورت میں ماں کی وفات کی وجہ سے بہت ہی کم یتیم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے سلسلے میں جتنے احکام بیان کئے ہیں ان میں وہ یتیم مراد ہیں جن کے باپ موجود نہ ہوں اور وہ نابالغ ہوں۔ بالغ ہونے کے بعد ایسے شخص پر یتیم کا اطلاق بطور مجاز ہوتا ہے کیونکہ یتیمی سے ان کا زمانہ بہت قریب ہوتا ہے۔ اس بات کی دلیل کہ تنہا رہ جانے والے کو یتیم کہا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک تنہا رہ جانے والی بیوی کو بھی یتیمہ کا نام دیا جاتا ہے خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ شاعر کا شعر ہے۔ ان القبور تنکح الایسامی.. النسوۃ الارا اصل الیتامی..

بے شک قبریں بیوہ عورتوں سے نکاح کر لیتی ہیں وہ عورتیں جو بیوہ اور شوہر کی وفات کے بعد تنہا رہ جاتی ہیں۔ ٹیلے کو بھی یتیمہ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنے گرد کے ماحول میں تنہا ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے اپنی اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔ قوداء یملک وحلها مثل الیتیم من الامانب۔۔ یہ اونٹنی ایسی سدھائی ہوئی ہے کہ ایک تنہا ٹیلے کی طرح خرگوش بھی اس کے کجاوے کو اپنے قابو میں کر سکتا ہے۔ اگر سیپ میں ایک ہی موتی ہو تو اسے "درۃ یتیمۃ" کہا جاتا ہے کیونکہ سیپ میں وہ تنہا ہوتا ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی خلیفہ ابو العباس سفاح کی مدح اور خوارج کے مختلف مذاہب کے متعلق ابن المقفع نے کتاب لکھی ہے جس کا نام اس نے یتیمۃ الدہر رکھا ہے۔ ابو تمام نے اس کے متعلق یہ شعر کہا ہے۔ وکثیر عزۃ یوم مبین ینسب وابن المقفع فی الیتیمۃ یسهب۔ مشہور شاعر اور عزہ کا عاشق کثیر جس دن تشبیب بیان کرتا ہے تو عورتوں کے حسن وخوبصورتی کی خوب شرح کرتا ہے اور ابن المقفع اپنی کتاب یتیمہ الدہر میں بھی ایک چیز کے بیان میں بہت طاولت اختیار کرتا ہے۔

اب جبکہ یتیم کا اسم تنہا رہ جانے والے کے لئے ہے تو یہ ہر اس فرد کو شامل ہوگا جس کی ماں یا باپ گزر گیا ہو خواہ وہ خود نابالغ ہو یا بالغ۔ تاہم اس کا اطلاق اس بچے پر ہوتا ہے جو نابالغ ہو اور اس کا باپ دنیا میں موجود نہ ہو۔ ہمیں جعفر بن محمد نے، انہیں جعفر بن محمد بن الیمان نے انہیں ابو عبید نے انہیں عبداللہ بن صالح نے معاویہ بن صالح سے انہوں نے علی بن ابی طلحہ سے انہوں نے حضرت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قول باری ویسئلونک عن الیتامی قل اصلاح لھم خیر کی تفسیر میں بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً وسیصلون سعیراً۔ وہ لوگ جو ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ جہنم کی آگ سے بھرتے ہیں انہیں جلد ہی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا)۔ تو مسلمان یتیموں کو اپنے ساتھ رکھنے کو ناپسند کرنے لگے اور اپنے ساتھ ان کے مشترک رہن سہن اور خرچ وغیرہ کو گناہ کی بات سمجھنے لگے۔ مسلمانوں نے اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار بھی کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ویسئلونک عن الیتامی لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں) تا قول باری ولو شاء اللہ لاعنتکم۔ اگر اللہ چاہتا تو لئے تنگی پیدا کر دیتا) یعنی اگر اللہ چاہتا تو تمہیں حرج اور تنگی میں ڈال دیتا لیکن اس نے تمہارے لئے وسعت اور آسانی پیدا کردی۔ اس لئے فرمایا ومن کان غنیاً فلیستعفف ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف۔ یتیم کا جو سرپرست مال دار ہو وہ پرہیزگاری سے کام لے اور جو فقیر ہو وہ معروف طریقے سے کھائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

آپ نے فرمایا ابتغوا باموال الیتامی لاتاکلھا الصدقة، یتیموں کے مال میں خرید وفروخت کرو یعنی تجارت میں لگاؤ انہیں اس طرح پڑا نہ رہنے دو کہ زکواۃ انہیں کھا جائے یعنی زکواۃ ادا کرتے کرتے ان کا مال ختم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت موقوفاً بھی مروی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قاضی شریح اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ یتیم کا مال مضاربت اور تجارت کے لئے دیا جا سکتا ہے یہ آیت بہت سے احکام پر مشتمل ہے۔ قول باری قل اصلاح لھم خیر۔ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لینا اور اس میں خرید وفروخت کے ذریعے تصرف کرنا بشرطیکہ اس میں یتیم کا فائدہ ہو۔ مضاربت کے طور پر کسی دوسرے کے حوالے کر دینا اور یتیم کے سرپرست کا خود مضاربت کرنا سب جائز ہے۔ آیت میں اس پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ پیش آنے والے نئے واقعات کے احکام کے متعلق اجتہاد کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ آیت میں جس اصلاح یعنی بھلائی کے طرز عمل کا ذکر ہے وہ صرف اجتہاد اور غالب گمان کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ یتیم کا سرپرست یتیم کے مال میں سے اپنے لئے خرید سکتا ہے بشرطیکہ اس میں یتیم کی بہتری مقصود ہو۔ وہ اس طرح کہ یتیم کو جو کچھ ہاتھ آئے اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو جو اس کی ملکیت سے نکل جائے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے نیز سرپرست اپنے مال میں سے یتیم کے ہاتھوں فروخت بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں بھی اس کی بھلائی پیش نظر ہوتی ہے۔ آیت کی اس پر بھی دلالت ہو کہ سرپرست کو اگر اس میں بھلائی نظر آئے تو وہ یتیم کا نکاح بھی کرا سکتا ہے۔ نزدیک یہ صورت اس وقت درست ہے جبکہ ولی اور یتیم کے درمیان قرابت داری نہیں کرا سکتا جس کے ساتھ یتیم کی رشتہ داری نہ ہو اس لئے کہ نفس وصیت سے حاصل نہیں ہوتی لیکن ظاہر آیت کی اس پر دلالت ہو رہی ہے کہ قاضی لاح اور بھلائی کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ اس کا نکاح کرا دے اور ولی اسے ایسی تعلیم دلوائے جس میں دینی لحاظ سے اور سے بھی آراستہ کرے اس کے لئے گنجائش صنعت وتجارت کی تعلیم کی خاطر اسے اس کی بھلائی پیش نظر ہوتی ہے۔

اسی بنا پر ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ جس شخص کی سرپرستی میں اس کا کوئی یتیم رشتہ دار پرورش پا رہا ہو تو اسے اس بات کی

اجازت ہے کہ صنعت وحرفت کی تعلیم کی غرض سے اسے کسی کے پاس بٹھادے، امام محمد کا قول ہے کہ اسے اجازت ہے کہ اس پر اس کے مال سے خرچ کرے۔ ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اگر یتیم کو ہبہ کے طور پر کوئی مال دیا جائے تو اس کا سرپرست اس مال کو اپنے قبضے میں لے لے اس لئے کہ اسی میں یتیم کی بہتری ہے غرض ظاہر آیت ان تمام صورتوں کے جواز کا تقاضا کرتا ہے۔قول باری ویسئلونک عن الیتامی قل اصلاح لھم خیر۔ میں مراد یہ ہے کہ ویسئلونك القوام علی الایتام الکافلین لھم۔ (آپ سے یتیموں کے سرپرستوں کے متعلق پوچھتے ہیں جوان کی کفالت کریں) اس میں یتیم کا ہر محرم رشتہ دار داخل ہے۔ اس لئے کہ وہی یتیم کو سنبھال سکتا ہے۔ اس کی حفاظت نگہداشت اور پرورش کرسکتا ہے اور قول باری قل اصلاح لھم خیر میں اصلاح کی خاطر وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا ذکر ہم پچھلی سطور میں کر آئے ہیں جن میں یتیم کے مال میں تصرف اس کا نکاح، اس کی تعلیم اور تادیب سب شامل ہیں۔قول باری خیر کئی معانی پر دلالت کر رہا ہے۔ایک یہ کہ یتیموں پر ان طریقوں سے تصرف کی اباحت جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ دوم یہ کہ یتیم کی سرپرستی حصول ثواب کا ذریعہ ہے کیونکہ خیر کہا ہے اور جو چیز خیر ہوتی ہے اس کے کرنے سے ثواب کا استحقاق ہوجاتا ہے۔سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے واجب نہیں کیا بلکہ اس پر ثواب کا وعدہ دلالت کرتا ہے یتیم کے ولی پر تجارت وغیرہ کے ذریعے اس کے مال میں تصرف نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کی شادی کرانے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ ظاہر لفظ ہے کہ اس سے مراد ترغیب اور ارشاد ہے۔قول باری وان تخالطوھم فاخوانکم۔ میں اس بات کی اباحت ہے کہ ولی ساتھ یتیم کے مال کو ملا سکتا ہے، اس میں تجارت وغیرہ کے ذریعے تصرف بھی کرسکتا یہ بھی اجازت ہے کہ ولی نکاح وغیرہ کے ذریعے یتیم کو اپنے خاندان میں داخل کرسکتا اسے اپنا داماد بنالے یا یتیم لڑکی کو اپنی بہو بنالے وغیرہ۔اس طریقے سے وہ یتیم شامل کرے گا اور خود بھی اس کے خاندان میں شامل ہوجائے گا۔قول باری وان تخالطوھم۔ میں اپنے مال کے ساتھ یتیم کے مال کو ملالینے اس کرنے کی اباحت اور اپنی اولاد میں سے کسی کے ساتھ اس کا نکاح پڑھانے کا جواز ہے۔اسی طرح اگر وہ اس کا نکاح کسی ایسے فرد کے ساتھ پڑھادے جو اس کے زیر کفالت ہو اس کا بھی اس آیت سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس طریقے سے آیت پر عمل ہوگا اور اس کے ساتھ یتیم کی مخالفت ہوجائے گی۔اس بات کی دلیل کہ مخالطت کا لفظ ان تمام صورتوں کو شامل ہے اگر کوئی کسی کا شریک یعنی حصہ دار ہو تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے۔" خلان خلیط فلان" اسی طرح یہ فقرہ اس وقت بھی بولا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ لین دینی یا خرید وفروخت کرتا ہو یا ایک ساتھ اٹھنا، بیٹھنا اور کھانا پینا ہو اگرچہ وہ اس کا شریک نہ بھی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کے ساتھ شادی بیاہ کے ذریعے رشتہ داری کرے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے" قد اختلط فلان بفلان"۔ (فلاں فلاں کے ساتھ مل گیا ہے) یہ تمام معانی لفظ خلطۃ سے ماخوذ ہیں جس کا معنی ہے۔ حققوق میں کسی تمیز کے بغیر اشتراک۔اس مخالطت کی صحت کے لئے اصلاح کی شرط ہے جو آیت میں دو طریقوں سے بیان ہوئی ہے۔اول یہ کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں یتیموں کا معاملہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے ذکر کو مقدم کیا ہے دوم یہ کہ مخالطت کے ذکر کے فوراً بعد یہ ارشاد فرمایا واللہ یعلم المفسدین من المصلح، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فساد کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون)۔

اوپر کے بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آیت اس امر کے جواز پر مشتمل ہے کہ ولی اپنے مال کے ساتھ یتیم کے مال کی وہ مقدار ملا سکتا ہے جس کے متعلق اسے غالب گمان ہو کہ یتیم کو اپنے ساتھ رکھنے کی صورت میں مال کی یہ مقدار یتیم پر خرچ ہوجائے گی

جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔اسی طرح آیت کی دلالت مناھدہ کے جواز پر بھی ہو رہی ہے جو عام طور پر لوگ سفر کے دوران کرتے ہیں۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ساتھ سفر کرنے والے اپنے اپنے اخراجات کا ایک متعین حصہ نکال کر اکٹھا کر کے ملا لیتے ہیں اور پھر اسے سب کا خرچ چلاتے ہیں۔اس میں بعض لوگ بعض کے مقابلہ میں بسیار خور ہوتے ہیں اور بعض کم خور لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال میں اس صورت کو جائز کر دیا ہے تو پھر یہ صورت ان بالغوں کے مال میں جو بطیب خاطر اپنا اپنا مال ملا لیتے ہیں بطریق اولیٰ جائز ہونی چاہیے۔

مناھدہ کے جواز کے لئے اصحاب کہف کے واقعہ میں نظیر موجود ہے۔ارشاد باری ہے فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ الی المدینۃ فلینظر ایھا ازکی طعاماً ،اپنے میں سے کسی کو یہ چاندی کا سکہ دے کر شہر بھیجو پھر وہ وہاں جا کر دیکھے کہ اچھا کھانا کہاں ملتا ہے) آیت میں مذکورہ چاندی کا سکہ سب کا تھا اس لئے کہ قول باری ہے بورقکم۔اس سکے کی نسبت پوری جماعت کی طرف کی گئی ہے اور پھر اس سے کھانے کی چیز خرید کر لانے کو کہا گیا ہے تا کہ سب مل کر اسے کھائیں۔قول باری وان تخالطوھم فاخوانکم مشارکت اور مخالطت کے جواز پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح کی جو کوشش کر رہا ہے اس میں وہ ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔اس لئے کہ قول باری فاخوانکم اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ بھائی کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہو کر اس کی مدد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔قول باری ہے انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم ،تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو) اسی طرح قول رسول ﷺ ہے۔واللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ۔جب تک ایک شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد میں لگا رہتا ہے)۔

اس بنا پر قول باری فاخوانکم اس نیکی کی طرف ترغیب اور ارشاد پر دلالت کر رہا ہے نیز اس سلسلے میں جتنا کچھ کیا جائے اس پر ثواب کے استحقاق پر بھی دلالت ہو رہی ہے۔قول باری ہے ولو شاء اللہ لاعنتکم۔اور اگر اللہ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا) اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں اس حکم کا مکلف بنانے کے سلسلے میں تمہارے لئے تنگی پیدا کر دیتا اور تمہیں وہ یتیموں کو اپنے ساتھ شامل کر لینے اور ان کے مال میں تصرف کرنے سے تمہیں روک دیتا اور تمہیں اپنے مال کو ان کے مال سے جدا رکھنے کا حکم دے دیتا یا یہ کہ تم پر ان کے مال میں تصرف واجب کر دیتا۔

اور ان کا مال تجارت میں لگا کر ان کے لئے نفع حاصل کرنا ضروری قرار دے دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا کر دی اور آسانی مہیا کر دی نیز تمہیں اصلاح کی خاطر ان کے مال میں تصرف کی اجازت دے دی اور پھر اس پر تمام سے ثواب کا بھی وعدہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ تمام واجب نہیں کیں کہ پھر تم ان کی وجہ سے تنگ ہوتے ،اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے کیا کہ تمہیں اپنی نعمتیں یاد دلائے ،بندوں کے لئے آسانی اور وسعت کا اعلان کرے اور یہ بتا دے کہ وہ ہمیشہ اپنے بندوں کی بھلائی چاہتا ہے۔قول باری فاخوانکم۔اس پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمانوں کے بچے بھی احکام کے لحاظ سے مومن ہوتے ہیں۔اس لئے کہ اللہ نے انہیں "تمہارے بھائی" کہہ کر پکارا ہے نیز اللہ کا یہ بھی فرمان ہے انما المومنون اخوۃ۔(احکام القرآن ،بیروت)

ومن سورۃ العنکبوت

سورت عنکبوت سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورت کا نام

اس سورت کا نام العنکبوت ہے' کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں العنکبوت کا ذکر ہے: جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے' جو ایک گھر بنا لیتی ہے' اور بیشک تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے' کاش کہ وہ جان لیتے۔ (العنکبوت ٤١)

قرآن مجید میں العنکبوت کا لفظ صرف اسی سورت کی اسی آیت میں ہے' لہذا اس سورت کا نام العنکبوت رکھنے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو اپنا کارساز اور مددگار بنا رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

سورۃ العنکبوت کے متعلق احادیث

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ٤٢٧ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورۃ العنکبوت کو پڑھا اس کو ہر مومن اور منافق کے عدد کے برابر دس نیکیاں ملیں گی۔ (الکشف والبیان ج ٧ ص ٢٦٩' داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢٢ھ)

اس حدیث کو امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ٤٦٨ ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (الوسیط ج ٣ ص ٤١٢' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٥ھ)

امام ابن الضریس' امام النحاس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ العنکبوت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ امام الدارقطنی نے السنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج اور چاند گہن لگنے کی نماز چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھی پہلی رکعت میں سورۃ العنکبوت یا سورۃ الروم پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ یٰسین پڑھی۔ (الدرالمنثور ج ٦ ص ٣٩٨' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورج گرہن لگنے کی نماز دو رکعت ہے جس میں چار رکوع ہیں اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں عام معمول کے مطابق ایک رکوع ہے' ائمہ ثلاثہ کی دلیل مذکور الصدر حدیث ہے اور امام ابوحنیفہ دلیل مذکور ذیل حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن لگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا (اتنا لمبا کیا کہ) لگتا تھا آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم: ۱۱۹٤' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۸٦۷' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱)

سورۃ العنکبوت کا زمانہ نزول

یہ سورت مکہ کے متوسط دور میں نازل ہوئی ہے' جب مکہ میں مسلمانوں کو مشرکین اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے' نوجوانوں کو ان کے والدین زدوکوب کرتے تھے' اور غلاموں پر ان کے آقا مشق ستم کرتے تھے' اس وجہ سے قدرتی طور پر ان نومسلموں کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے تھے اور شبہات سر اٹھاتے تھے کہ جب ہم برحق دین پر ہیں تو ہم پر یہ مصائب کیوں آ رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کی خاطر تمہیں قربانیاں دینی ہوں گی اور ابھی تو تم پر اتنا ظلم وستم نہیں ہوا جتنا ظلم وستم پچھلی امتوں پر ہوا ہے اور جتنے مصائب انہوں نے راہ حق میں برداشت کئے ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا۔

چوں مے گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الہٰ را

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۵ ہے' یہ سورت' سورۃ الروم کے بعد اور سورۃ المطففین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ مکہ میں سورۃ العنکبوت کے بعد المطففین کے سوا اور کوئی سورت نازل نہیں ہوئی اور یہ سورت ان آخری سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔

اہل کتاب سے مجادلہ اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ} نهاهم عن مجادلتهم في هذه الآية ثم نسخ ذلك بعد في براءة فقال: {قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ} ولا مجادلة أشد من السيف.

اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے اطاعت شعار ہیں۔ (عنکبوت، 46) اس آیت میں مجادلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اس کے بعد سورت توبہ کی اس آیت سے اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔ ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔ (توبہ 29) لہٰذا اب تلوار کے مجادلہ جو سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

شرح

قول باری ہے: ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن۔ اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے)
قتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت قول باری (وقاتلوا المشرکین اور مشرکین سے قتال کرو) کی بنا پر منسوخ ہو چکی ہے۔ کوئی بحث تلوار کے استعمال سے بڑھ کر نہیں ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ قتادہ کی مراد یہ ہے کہ آیت، زیر بحث کا حکم قتال کے حکم سے پہلے کا ہے۔ قول باری ہے: (الا الذین ظلموا منھم ۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں)۔ یعنی۔ واللہ اعلم۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے بحث وجدال وغیرہ میں تمہارے ساتھ ظلم کیا ہو جو اس امر کا مقتضی ہو کہ تم ان کے ساتھ سخت رویہ رکھو۔ اس کی مثال یہ قول باری ہے: (ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلو کم فیہ فان قاتلو کم فاقتلوھم ۔ اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے آس پاس جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں تو انہیں قتل کرو) مجاہد کا قول ہے: (الا الذین ظلموا منھم) سے مراد وہ لوگ ہیں جو جزیہ ادا کرنے سے انکار کرتے ہوں۔ ایک قول کے مطابق وہ لوگ مراد ہیں جو کفر پر ڈٹے رہے حالانکہ ان پر حجت تام ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانوں!) اہل کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے اطاعت شعار ہیں اور (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں (العنکبوت: ۴۷-۴۶)

اہل کتاب کے ساتھ بحث میں نرمی اور سختی کرنے کے محمل

اس آیت میں مفسرین کا اختلاف ہے' مجاہد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے یعنی غیر منسوخ ہے اور قتادہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے' مجاہد نے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب کو نرمی کے ساتھ دین اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کے ساتھ سختی نہ برتی جائے اور ان کے اسلام لانے کی امید رکھی جائے' اور یہ جو فرمایا ہے ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' یعنی اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے' ورنہ تمام اہل کتاب ظالم ہیں' اور ان ظالموں سے تم بحث میں سخت لب ولہجہ اختیار کر سکتے ہو۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے رفقاء اگر وہ تمہارے سامنے سابقہ امتوں کی خبریں اور ان کے احوال بیان کریں تو ان سے بحث نہ کرو اور ان کی موافقت کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اپنے کفر پر قائم رہے اور انہوں نے عہد شکنی کی جیسے بنی قریظہ اور بنی النفیر' اس صورت میں بھی یہ آیت محکمہ ہے۔ ان اہل کتاب سے قتال کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں

اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں (ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں (التوبہ: ۲۹) اور یہ جو فرمایا ہے ماسوا ان کے جو ان میں ظالم ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں جیسے یہود نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور یہودیوں نے کہا ید اللہ مغلولۃ (المائدۃ: ٦٤) اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کہا ان اللہ فقیر ونحن اغنیآء (آل عمران: ۱۸۱) بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' سو یہ لوگ مشرک ہیں انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور جزیہ ادا نہیں کیا۔ النحاس وغیرہ نے ہا جن مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت مکہ میں قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا اور نہ جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا' اور ان دونوں قولوں میں مجاہد کا قول بہتر ہے کیونکہ بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ علامہ آلوسی نے کہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ اہل کتاب کے ساتھ نرمی سے بحث کرو ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں اس سے مراد وہ ہیں جنھوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی سو ان کے خلاف تلوار سے جہاد کرو حتیٰ کی وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ دیں' یعنی ہر چند کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس کی یہ آیت مدنی ہے اور اس سورت کو اس کی اکثر آیات کے اعتبار سے مکی کہا گیا ہے۔ (محصلہ روح المعانی جز ۲۱ ص ٤ ۔ ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱٤۱۷ ھ) جب دلائل متعارض ہوں تو توقف کیا جائے یا کسی ایک صورت کو ترجیح دی جائے۔

اس کے بعد فرمایا اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نزل کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے پھر مسلمانوں کے لئے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧٥٤٢ - ٤٤٨٠' دار ارقم بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مطلب ہے کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو ہوسکتا ہے کہ واقع میں ان کی بات غلط ہو اور ان کی تکذیب بھی نہ کرو ہوسکتا ہے کہ ان کی بات واقع میں صحیح ہو' اس ارشاد کا تعلق ان احکام کے ساتھ نہیں ہے جو ہماری شریعت کے موافق ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جن مسائل میں دلائل کے متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کیا جاتا ہے یہ حدیث ان میں توقف کرنے کی اصل اور دلیل ہے' جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جو دو بہنیں باندیاں ہوں ان کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں' حضرت عثمان نے فرمایا ان کو ایک آیت نے حلال کر دیا اور وہ یہ ہے: اور شوہر والی عورتیں تم پر حرام کی گئی ہیں' ماسوا باندیوں کے جو تمہاری ملکیت میں آجائیں (النساء: ٢٤) اور ایک آیت نے ان کو حرام کر دیا ہے اور وہ یہ آیت ہے: اور تم پر دو بہنوں کو جمع کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔ (النساء: ۲۳)

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ ہر پیر کے دن روزہ رکھے گا

پھر اتفاق سے ایک پیر کو عید کا دن تھا تو اب وہ اس دن روزہ رکھے یا نہیں؟ حضرت ابن عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے۔ ولیوفوا نذورھم (الحج: ۲۹) اور نبی ﷺ نے عید کے روز روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ان علماء کا طریقہ ہے جو احتیاط کرتے ہیں' اگرچہ دوسرے علماء اجتہاد کرتے ہیں اور اصول اور قواعد کا اعتبار کر کے کسی ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح دیتے ہیں اور ان میں سے ہر فریق خیر پر ہے اور اس کا طریقہ مشکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۱۲٤ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱٤۲۲ھ)

اصول یہ ہے کہ جب حلت اور حرمت کے دلائل مساوی ہوں تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے' لہٰذا پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب دو بہنیں باندیاں ہوں تو انکو وطی میں جمع نہ کیا جائے' اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نذر پوری کرنے کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی ہے اور عید کے دن روزے کی ممانعت خبر واحد سے ہے جو ظنی ہے لہٰذا یہ مساوی دلائل نہیں ہیں پس اس صورت میں عید کے دن بھی روز رکھ کر نذر پوری کی جائے گی۔ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے ہی اہل کتاب کے لقب کے مستحق ہیں۔ اور فرمایا (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں (العنکبوت: ٤۷)

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ان اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے اس قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس دین کے متعلق پیش گوئی پڑھی تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آپ کے زمانہ میں تھے اور انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقاء' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان ہی لوگوں کی تخصیص کی ہے کہ ان کو کتاب دی گئی ہے حالانکہ جو یہودی اور عیسائی ایمان نہیں لائے وہ بھی اہل کتاب ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ جن یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کی بعثت سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں آپ کی تصدیق کی اور قرآن مجید پر ایمان لائے وہی درحقیقت اہل کتاب ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں کی پیش گوئی کی تصدیق کی اور اس کے تقاضے پر عمل کیا' اور رہے ایمان نہ لانے والے اور منکرین تو وہ صرف نام کے اہل کتاب ہیں' درحقیقت اہل کتاب نہیں ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ اب ان کی کتاب کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں' رہا یہ سوال کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت عبد اللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے اس کا جواب ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس سورت کو اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے مکی کہا گیا ہے۔

اور فرمایا ہے: اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں' اس سے مراد عرب اور اہل مکہ ہیں اور فرمایا اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کفار ہی کرتے ہیں' اس آیت میں انکار کے لئے جحد کا لفظ فرمایا ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کے برحق ہونے کے علم کے باوجود اس کا انکار کرنا' اس سے مراد وہ اہل مکہ بھی ہو سکتے ہیں جو متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور وہ یہود بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی کتاب میں آپ کی نبوت کی پیش گوئی پڑھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے' جیسے

کعب بن اشرف اور ابو رافع وغیرہ۔

اہل کتاب مجادلہ سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

۱۔ الفریابی وابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت ولاتجادلوا اہل الکتب الا بالتی ہی احسن الا الذین ظلموا منہم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ہے۔ یا اس کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے یا اللہ کا ہاتھ بالکل بندھا ہوا ہے، اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں یا انہوں نے محمد ﷺ کو تکلیف دی اور وہ اہل کتاب تھے اور فرمایا آیت وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم جو یہ نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے یا اس کی کوئی اولاد ہے اس کا کوئی شریک ہے یا اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یا اللہ فقیر ہے اور محمد ﷺ کو تکلیف نہیں دی۔

۲۔ الفریابی وابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت ولاتجادلوا اہل الکتب الا بالتی ہی احسن کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ بڑی بات کہیں تو تم خیر کی بات کہو الا الذی ظلموا منہم مگر جنہوں نے ظلم کیا تو ان سے انتقام لے لو۔

۳۔ الفریابی وابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ولا تجادلوا اهل الكتب الا بالتی هی احسن الا الذين ظلموا منهم کے بارے میں روایت کیا کہ تم نہ لڑو مگر جو تم سے لڑے اس سے لڑو اور جو جزیہ نہ دے اس سے بھی لڑو اور جو ان میں سے جزیہ ادا کر دے تو اس سے اچھی بات کہو۔

٤۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آیت ولاتجادلوا اہل الکتب الا بالتی ہی احسن سے مراد ہے کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ ان سے جھگڑا کرو یعنی ان کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دو۔

٥۔ ابن ابی حاتم نے سفیان بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت بالتی ہی احسن کے بارے میں فرمایا یعنی تم کہو امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم ولاهنا والھکم واحد ونحن له مسلمون یعنی ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو تمہارے طرف اتاری گئی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں یعنی اسطرح ان سے جھگڑا کرو جو اچھے طریقے سے ہو۔

٦۔ ابوداؤد نے فی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن الانباری المصاحف میں قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت ولا تجادلوا اهل الكتب الا بالتی هی احسن سے مراد ہے کہ اس آیت میں ان کو جھگڑا کرنے سے منع کر دیا گیا پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور فرمایا قاتلوا الذین لا یومنون باللّٰہ ولا بالیوم الآخر (التوبہ آیت ۲۹) یعنی لڑو تم ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر کیونکہ تلوار سے زیادہ سخت کوئی جھگڑا نہیں۔

اہل کتاب کی تصدیق وتکذیب نہ کرنا

۷۔ البخاری والنسائی ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ اور بیہقی شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور یوں کہو آیت امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن لہ مسلمون۔

۸۔عبدالرزاق والفریابی وابن جریر نے عطاء بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بہت باتیں کرتے تھے اور وہ باتیں مسلمانوں کو اچھی لگتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور یوں کہو آیت امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن لہ مسلمون۔

۹۔عبدالرزاق نے المصنف میں وابن سعید واحمد اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابونملہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ یہود میں سے ایک آدمی نے جنات کے بارے میں کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ باتیں کرتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل کتاب تم کو بیان کریں تو نہ تم ان کی تصدیق کرو اور نہ تم ان کی تکذیب کرو اور یوں کہو امنا باللہ وکتبہ ورسولہ اگر وہ سچی بات ہے تو تم نے ان کی تکذیب نہیں کی اور اگر وہ بات جھوٹی ہے تو تم نے ان کی تصدیق نہیں کی۔

۱۰۔البیہقی نے اپنی سن میں اور الشعب میں والدیلمی واب نصر السجز نے الدبانہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کے بارے میں اہل کتاب سے نہ پوچھو بلاشبہ وہ ہرگز تم کو ہدایت نہیں دیں گے اور وہ گمراہ ہو چکے ہیں اگر تم ایسا کرو گے تو یا تم جھوٹ کو سچ کہو گے اللہ کی قسم اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو تمہارے درمیان تو ان کو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

۱۱۔عبدالرزاق نے زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کے بارے میں اہل کتاب سے نہ پوچھو کیونکہ وہ ہرگز تم کو ہدایت نہیں دیں گے اور وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں۔

۱۲۔عبدالرزاق ابن جریر نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرو کیونکہ وہ ہرگز تم کو ہدایت نہیں دیں گے اور وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں اگر ایسا کرو گے تو تم حق کو جھٹلاؤ گے اور جھوٹ کو سچ کہو گے اگر تم کو ضروریات پوچھنا پڑے تو ہر حال میں تم دیکھو اگر وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہے اس کو لے لو اور جو اللہ کی کتاب کے خلاف ہے تو اس کو چھوڑ دو۔(تفسیر درمنثور، سورہ عنکبوت، بیروت)

ومن سورة الجاثية

سورت جاثیہ سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

جثا یجثوا کا معنی ہے: دوزانو اور گھٹنوں کے بل بیٹھنا، جاثیۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: دوزانو یا گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی۔ اس سورت کا نام الجاثیۃ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں یہ لفظ ہے، وہ آیت یہ ہے:

وترى كل امة جاثية كل امة تدعى الى كتبها اليوم تجزون ما كنتم تعملون (الجاثیہ: 28)

اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی، ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا

یعنی قیامت کے دن، اس دن کے خوف کی شدت سے ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہوگی اور اس انتظار میں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ حساب لینا شروع کردے اور جو نیک لوگ ہیں وہ جنت میں چلے جائیں اور جو کفار اور بدکار ہیں وہ دوزخ میں چلے جائیں۔

یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر پینسٹھ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمرب پینتالیس ہے اویہ سورت الدخان کے بعد اور الاحقاف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

یہ سورت الدخان کے مشابہ ہے، الدخان اس مضمون پر ختم ہوئی ہے کہ قرآن مجید کو اہل مکہ کی زبان میں نازل کیا گیا ہے تا کہ ان پر اس کا پڑھنا آسان ہو جائے اور اس سورت کی ابتداء بھی قرآن مجید کے تعارف سے کی گئی ہے:

تنزيل الكتب من الله العزيز الحكيم (الجاثیہ: 2)

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے، جو بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے

دوسری مشابہت یہ ہے کہ سورۃ الدخان میں بھی اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال کیا گیا تھا اور مشرکین کے عقائد فاسدہ کا رد کیا گیا تھا اور اس سورت میں بھی ان ہی مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔

مشرکین سے درگزر کرنے کی ممانعت اور حکم نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ} وهم المشركون فأنزل الله عز وجل: للمؤمنين أن يغفروا لهم ثم نسخ ذلك بعد في براءة فقال {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ}

النحاس 205، ابن سلامة 73، مكي 330 وفيه قول قتادة، ابن الجوزي 210، العتائقي 65، ابن المتوج 170.

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تا کہ اللہ ایک قوم کو اس

کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے۔(جاثیہ،149) اس آیت میں مشرکین سے درگزر کرنے کا بیان ہے جبکہ سورت توبہ میں جب ان سے جنگ کرنے کا حکم آیا تو یہ والا حکم منسوخ ہو گیا۔ پس مشرکین کو قتل کر دو جہاں بھی انہیں پاؤ۔(توبہ،5)

شرح

اے محبوب ﷺ! آپ فرمائیں ایمان والوں کو چشم پوشی کریں ان سے جو ایام اللہ سے امید نہیں رکھتے تا کہ اللہ جزا دے اس قوم کو جو وہ کر رہے ہیں جو اچھا عمل کرے وہ اس کی جان کیلئے ہے اور جو برا کرے وہ اس پر ہے پھر تمہارے رب کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت کے شان نزول تین ہیں پہلا یہ کہ فخاص بن عاذوراء یہودی نے جب "من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا"۔ سنا تو یہ بکواس کی کہ محمد ﷺ کا رب (معاذ اللہ) محتاج ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے۔

اس کو سن کر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کھینچی اور اس کے قتل کو چل نکلے۔ حضور سید عالم ﷺ نے انہیں آدمی بھیج کر واپس بلا لیا اور اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جو بعد میں آیت قتال سے منسوخ الحکم ہو گئی۔

دوسرا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی معطلق میں مسلمان بئر مریسیع پر اترے، یہ ایک کنواں تھا، عبداللہ بن ابی نے اپنے غلام کو پانی لینے بھیجا وہ دیر سے واپس آیا تو اس سے سبب دریافت کیا تو کہا کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کنویں کے کنارے بیٹھے تھے جب تک نبی اکرم ﷺ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اپنی مشکیں نہ بھر لیں اس وقت تک انہوں نے کسی کو مشک نہ بھرنے دی۔ اس لئے کہ یہ اصول شرعی تھا کہ الاول فالاول جو پہلے پانی پر آئے وہ پہلا حقدار ہوگا، مگر اس کو عناد بھی تھا اور یہ قانون سے واقف بھی نہ تھا اس نے حضور سید عالم ﷺ کی شان میں سخت سست الفاظ کہے وہ سن کر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر اسے قتل کرنے چلے، حضور سید عالم ﷺ نے انہیں روک لیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور سید عالم ﷺ کی رائے کو ترجیح دی گئی، اس روایت کے مطابق یہ آیت مدنی مانی جائے گی۔

تیسرا شان نزول بقول مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ ہے کہ قبیلہ بنی غفار کے ایک شخص نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالی دی آپ نے اس کو پکڑنا چاہا تو حضور سید عالم ﷺ نے روک دیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

بہر حال اسلام میں جب تک مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور مسلمان کفار سے کمزور تھے اس وقت یہ حکم جاری رہا جب مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی اور آیت قتال واقتلوهم حيث ثقفتموهم ۔ يايها النبی جاهد الكفار والمنفقين واغلظ عليهم ، وقتلوهم حتى لا تكون فتنة ۔ نازل ہوئی تو اس کے بعد سے مشرکین کا مقابلہ اور مقاتلہ لازمی ہو گیا اور اس آیت کا حکم منسوخ قرار پایا، یہ نسخ جو ہے تبدیل امر کے مرادف ہے کہ ماحول کے مطابق حکمۃ نفوذ احکام ہوں۔

بہر حال آیت کریمہ میں جو ارشاد ہے کہ ان سے چشم پوشی کریں اور درگزر کریں یہ احکام اول کے ہیں ان پر آج عمل نہیں اور اگر ایسا موقع ہو کہ مسلمان کمزور ہوں اور کافر طاقتور تو وہی حکم پھر آجاتا ہے، آگے ارشاد ہے۔(تفسیر الحسنات)

مشرکین سے جنگ کے متعلق روایات کا بیان

۱:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ قل للذین امنوا یغفروا" (آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کیا کریں) کے بارے میں روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر درگزر کرنے کا حکم فرماتے تھے اور اس پر ابھارتے تھے اور اس کے بارے میں ترغیب دیتے تھے یہاں تک کہ حکم دیا گیا کہ اسے چھوڑ دیں جو اللہ کے ایام کی امید نہیں رکھتا اور ذکر کیا گیا کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کو اس آیت نے منسوخ کیا ہے جو سورۃ انفال میں ہے (آیت)۔ فاتثقفنهم فی الحرب۔ (الایہ)

۲:۔ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت (آیت) "قل للذین امنوا یغفروا" کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے اعراض فرماتے تھے جب وہ آپ کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سارے مشرکین سے قتال کرنے کا حکم فرمایا پس یہ آیت منسوخ ہے۔

۳:۔ابوداؤد نے اپنی تاریخ میں وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) "قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ" (آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کیا کریں جو خدا کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے) یعنی وہ لوگ جو لوگ جو اللہ کے انعامات کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا یا انعام نہیں فرمایا۔ سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ اس (حکم) کو قتال والی آیت منسوخ کر دیا ہے۔

٤:۔ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وابن الانباری نے المصاحف میں قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (آیت) "قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ" کے بارے میں روایت کیا کہ یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے (آیت)۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلو المشرکین حیث وجدتموهم ۔ (جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین سے لڑو جہاں ان کو پاؤ۔

۵:۔ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا اگر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے یعنی (آیت) "قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ" تو میں تجھ کو دردناک سزا دیتا اس نے کہا اللہ کی قسم میں ان میں سے ہوں جو ایام اللہ کی امید رکھتے ہیں پھر آپ کو کیا ہے کہ آپ مجھے سزا نہیں دیتے تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں درگزر کروں ان لوگوں سے جو ایام اللہ کی امید نہیں رکھتے تو جو لوگ ایام اللہ کی امید رکھتے ہیں تو وہ بدرجہ اول اس بات کے مستحق ہیں (پھر فرمایا) تو چلی جا تو آزاد ہے۔ (تفسیر درمنثور، سورہ جاثیہ، بیروت)

ومن سورۃ الأحقاف

سورت احقاف سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورۃ الاحقاف کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الاحقاف ہے کیونکہ قرآن مجید کی اس سورت کی ایک آیت میں الاحقاف کا ذکر ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ طإِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ (الاحقاف:۲۱)

اور عاد کے بھائی (ثمود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا۔

احادیث میں بھی اس سورت کو الاحقاف سے تعبیر فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے الٰحم سے ایک سورت پڑھائی اور وہ ثلاثین میں سے الاحقاف ہے (جس سورت کی تیس سے زیادہ آیتیں ہوں اس کو ثلاثین کہتے ہیں)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، وہاں ایک شخص اس سورت کو کسی اور طریقہ سے پڑھ رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا: تم کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے، میں نے ایک اور شخص سے کہا: تم اس سورت کو پڑھو، اس نے ہم دونوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اس سورت کو پڑھا، میں ان دونوں کو لے کر نبی ﷺ کے پاس پہنچا، اور میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ دونوں اس سورت کی قرأت میں میری مخالفت کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اور آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا، آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوگئیں تھیں کہ وہ اپنی کتاب میں اختلاف کرتی تھیں۔ اس وقت آپ کے اس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ہر شخص اس طرح پڑھے جس طرح اس کو پڑھایا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۹ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۹۷۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ابتداء میں قرآن مجید کو آسانی کے لئے سات لغات پر پڑھنے کی اجازت تھی، رسول اللہ ﷺ ہر شخص کو اس کی لغت اور قرأت کے مطابق پڑھاتے تھے، بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تمام مصاحف کو صرف ایک لغت قریش پر جمع کردیا کیونکہ جب اسلام بہت علاقوں میں پھیل گیا اور لوگ مختلف قرأت کے ساتھ قرآن پڑھنے لگے تو ہر ایک اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط کہنے لگا اس لئے حضرت عثمان نے محسوس کیا کہ سب کو ایک قرأت پر جمع کردیا جائے تاکہ امت میں فتنہ نہ ہو۔

الاحقاف کا معنی

علامہ ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں: الاحقاف کا واحد "الحقف" ہے، "الحقف" طویل اور بلند ٹیلہ کو کہتے ہیں جو قدرے ٹیڑھا ہو، الاحقاف: ۲۱ میں جو الاحقاف کا ذکر ہے اس سے مراد بلند اور طویل ٹیلے ہیں۔ جوہری نے کہا: اس سے مراد قوم عاد کے گھر ہیں، یہ ٹیلے یمن میں ہیں جہاں قوم عاد رہتی تھی۔ (لسان العرب ج ٤ ص ١٧٥، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

الاحقاف کا محل وقوع

قوم عاد کا مرکزی مقام سرزمین احقاف ہے، یہ حضر موت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع خالی ہے جسے صحرائے اعظم الدہنا بھی کہا جاتا ہے، ہر چند کہ ربع خالی آبادی کے لائق نہیں ہے تاہم اس کے اطراف میں کچھ حصہ آبادی کے لائق ہے، خصوصاً وہ حصہ جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، اگر چہ وہ بھی اس وقت مکمل آباد نہیں ہے اور اس میں ریت کے ٹیلوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ تاہم قدیم زمانہ میں اسی حضر موت اور جران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب نجار نے "قصص الانبیاء" میں تصریح کی ہے کہ مجھ سے حضر موت کے باشندے احمد بن عمیر یحیٰی نے بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کے کھوج میں حضر موت کے شمالی میدان میں قیام پذیر رہے، بسیار کوشش کے بعد ٹیلوں کی کھدائی سے سنگ مرمر کے کچھ برتن ملے جن پر کسی نامعلوم زبان میں کوئی تحریر کندہ تھی۔ (لغات القرآن ج ۱ ص ۳۸۔ ۳۷، ملخصا، دار الاشاعت، کراچی)

سورۃ الاحقاف کا زمانہ نزول

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، البتہ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ اس کی دو آیتیں ہیں: "اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" (الاحقاف: ۱۰) اور علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں ان دو کے علاوہ ایک اور آیت کا بھی استثناء کیا ہے وہ ہے: "وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا" (الاحقاف: ۱۵) البتہ صحیح یہ ہے کہ صرف پہلی دو آیتیں مدنی ہیں۔

سورتوں کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٦٥ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٤٦ ہے اور اس سورت کی پینتیس آیتیں ہیں، یہ سورت الذاریات سے پہلے اور الجاعیۃ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت کا وہی زمانہ نزول ہے جو الجاثیۃ کا زمانہ نزول ہے۔

احوال دنیا و آخرت سے متعلق علم نبوت اور حکم نسخ کا بیان

۞ وعن قوله عز وجل: {وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ} قد أعلم الله عز وجل: نبيه صلى الله عليه وسلم ما يفعل به فأنزل الله عز وجل: بيان ذلك فقال: {إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا} إلى قوله {نَصْرًا عَزِيزًا}

آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں ازخود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں ازخود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ (احقاف، 9) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اللہ کی بارگاہ میں کیا مقام و مرتبہ ہے (کفار و مشرکین و منافقین کیا جانیں) اس کے بعد یعنی اس استفہام کے بعد سورت فتح میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: اے محبوب (حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرادی۔ تاکہ اللہ آپ کے سبب سے گناہ بخشے اگلوں اور پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں آپ پر تمام کردے اور آپ کو سیدھی راہ پر قائم رکھے۔ اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائے۔ (سورت فتح، 1،2،3)

شرح

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو مغفرت کی علت کیسے بنایا ہے؟ میں کہوں گا: اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت کی علت نہیں بنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار امور کو جمع کیا گیا ہے وہ مغفرت، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب مدد۔ گویا فرمایا: ہم نے تیرے لئے فتح مکہ کو آسان بنادیا تیرے دشمن کی خلاف تیری مدد کی تاکہ آپ کے لئے دونوں جہانوں کی عزتوں اور دنیا و آخرت کے غلبہ کو جمع کردے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد فتح مکہ ہو اس حیثیت سے کہ یہ دشمن کے ساتھ جہاد ہے: مغفرت اور ثواب کا سبب ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے" پھر نبی کریم ﷺ نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کردیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس کے بارے میں حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔

عطا خراسانی نے کہا: سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) اور حضرت حواء کی خطا ہے اور وما تاخر سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

مفسر قرآن علامہ سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بے شک ہم نے آپ کے لئے روشن فتح دی تاکہ اللہ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں اور آپ کے پچھلوں کے گناہ بخش دے اور اپنی نعمتیں آپ پر تمام کردے اور آپ کو سیدھی راہ پر قائم رکھے اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائے۔

آیت کریمہ میں انا فتحنا فرما کر لیغفر لک فرمایا ہے یہ لام جو لیغفر پر ہے سببی ہے۔ خازن اور روح البیان میں اسے لام سببی ظاہر کیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ بنے "تاکہ بخش دے آپ کی ذات کے باعث آپ کے غلاموں کے پہلے پچھلے گناہ"۔ اور یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ محمد ﷺ میں پہلے بیان ہو چکا ہے اور واستغفر لذنبک پر ہم لکھ چکے۔ یہاں اور وضاحت سے فرمادیا کہ آپ کے سبب سے آپ کے پہلے اور پچھلے غلاموں کے گناہ معاف فرمائے اور اگر اس کے یہ معنی لئے جائیں کہ حضور ﷺ کے گناہ

معاف ہوں تو پھر عصمت انبیاء (علیہم السلام) کا مسئلہ جو عقیدۂ اہل سنت ہے، لغو ہو جائے گا۔ بناء بریں لام سببی ہی ماننا پڑے گا اور گناہوں کی معافیاں غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوں گی۔

شان نزول آیت کریمہ کا یہ ہے کہ سورۃ انا فتحنا حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم رضوان نے اس کے نزول پر بہت بڑی خوشی منائی اور بخاری ومسلم وترمذی کی روایات کے مطابق صحابہ علیہم رضوان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک بادیں پیش کیں۔ حدیبیہ مکہ مکرمہ کے نزدیک ایک کنواں تھا۔ مختصر واقعہ یہ ہے کہ

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اپنے اصحاب علیہم رضوان کے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ سے لی طواف فرمایا اور عمرہ کیا۔ حملہ اصحاب علیہم رضوان کو اس خواب کی خبر دی اور یہ بھی یہاں سمجھ لینا ضروری ہے کہ نبی کا خواب وحی کے درجہ پر ہوتا ہے وہ خیال یا اضغاث احلام نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبر صحابہ علیہم رضوان کو دی اور صحابہ علیہم رضوان کے اعتقاد میں چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب وحی تھا اسی وجہ میں بہت خوش ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ بشارت عظمیٰ ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہزار چار سو اصحاب علیہم رضوان کے ساتھ یکم ذی قعدہ سنہ 6ھ کو عمرہ کا قصد فرمایا۔ مقام ذوالحلفیہ پہنچ کر مسجد میں دو رکعت ادا فرمائے (یہ وہ مقام ہے جو مدینہ والوں کا میقات ہے۔ مدینہ منورہ سے چل کر جب حاجی مکہ معظمہ آتا ہے تو اسی جگہ سے احرام باندھتا ہے اور بعض اصحاب علیہم رضوان نے مقام جحفہ سے احرام باندھا۔

راستہ میں پانی ختم ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفتابہ کے سوا اور کسی کے پاس پانی نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا تو آپ نے اپنا دست اقدس آفتابہ میں رکھا تو انگشت ہائے مبارکہ سے چشمے جاری ہو گئے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ تمام لشکر سیراب ہوا۔ جب مقام عسفان پر پہنچے تو خبر موصول ہوئی کہ کفار قریش بڑے ساز وسامان کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہیں اور مقام حدیبیہ پر جب تشریف لے آئے تو پانی کی ضرورت پڑی۔ اب پانی بالکل ختم تھا صحابہ علیہم رضوان نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے کنویں میں کلی فرمائی۔ یہ دوسرا معجزہ ہوا کہ پانی کنویں کے اوپر ابل آیا سب نے پانی پیا اور اونٹوں کو بلایا۔

یہاں کفار قریش کی طرف سے کئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجے گئے سب نے یہی کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں مگر اہل مکہ کو یقین نہ آیا۔ آخر کار انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی جو سرداران طائف میں سے قبیلہ بنی ثقیف کے بڑے متمول اور معتمد تھے کہ یہاں بھیجا گیا۔ یہاں آ کر انہوں نے جان نثاران صحابہ علیہم رضوان کا نقشہ دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس قدر والہانہ عقیدت رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسالہ وضو زمین پر گرنے نہیں دیتے اور لعاب دہن ہاتھوں میں لے کر تبرکاً اپنے بدن پر مل لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اتنے مؤدب ہیں کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اس نے واپس ہو کر اہل مکہ کو کہا کہ وہ یقیناً عمرہ کو تشریف لائے ہیں لیکن اگر وہ جنگ وجدل بھی فرمائیں تو ان کے ساتھ وہ جانباز ہیں کہ تم ان پر فتح یاب نہیں ہو سکتے۔ میں نے شاہان فارس روم کے یہاں یہ جلال وہیبت نہیں دیکھا۔

اس پر اہل مکہ نے کہا: "ایسی بات مت کہو ہم اس سال انہیں واپس کر دیں گے۔ وہ اگلے سال آئیں"۔ عروہ نے کہا: "مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر کوئی مصیبت نہ آئے"۔ عروہ کہہ کر واپس ہو گئے اور بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ علیہم رضوان سے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ بیعت کی خبر سن کر کفار خوفزدہ ہوئے تو انہوں نے صلح کی پیشکش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمائی صلح نامہ پر دستخط ہوگئے سال آئندہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا قرار پایا۔ اور یہ صلح مسلمانوں کے حق میں بہت نافع ہوئی بلکہ نتائج کے اعتبار سے فتح ثابت ہوئی۔ اسلئے قرآن کریم نے فرمایا انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ چنانچہ اس سے اکثر مفسرین نے فتح سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے اور بعض نے تمام فتوحات اسلامیہ جو آئندہ ہونے والی تھیں ان کی بشارت مراد لی ہے آگے ارشاد ہے۔ (تفسیر الحسنات)

شان نزول: (إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا الفتح:1) حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے حضور پر نازل ہوئی، حضور کو اس کے نازل ہونے سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور صحابہ نے حضور کو مبارکبادیں دیں۔ (بخاری ومسلم وترمذی) حدیبیہ ایک کنواں ہے مکہ مکرمہ کے نزدیک۔ مختصر واقعہ یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ حضور مع اپنے اصحاب کے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، کوئی حلق کئے ہوئے، کوئی قصر کئے ہوئے اور کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے، کعبہ کی کنجی لی، طواف فرمایا، عمرہ کیا، اصحاب کو اس خواب کی خبر دی، سب خوش ہوئے، پھر حضور نے عمرہ کا قصد فرمایا اور ایک ہزار چار سو اصحاب کے ساتھ یکم ذی القعدہ ۶ھ ہجری کو روانہ ہوگئے، ذوالحلیفہ میں پہنچ کر وہاں مسجد میں دو رکعتیں پڑھ کر عمرہ کا احرام باندھا اور حضور کے ساتھ اکثر اصحاب نے بھی، بعض اصحاب نے جحفہ سے احرام باندھا، راہ میں پانی ختم ہوگیا، اصحاب نے عرض کیا کہ پانی لشکر میں بالکل باقی نہیں ہے سوائے حضور کے آفتابہ کے کہ اس میں تھوڑا سا ہے، حضور نے آفتابہ میں دست مبارک ڈالا تو انگشت ہائے مبارک سے چشمے جوش مارنے لگے تمام لشکر نے پیا، وضو کئے، جب مقام عسفان میں پہنچے تو خبر آئی کہ کفار قریش بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہیں، جب حدیبیہ پر پہنچے تو اس کا پانی ختم ہوگیا، ایک قطرہ نہ رہا، گرمی بہت شدید تھی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں میں کلی فرمائی، اس کی برکت سے کنواں پانی سے بھر گیا، سب نے پیا، اونٹوں کو پلایا۔ یہاں کفار قریش کی طرف سے حال معلوم کرنے کے لئے کئی شخص بھیجے گئے، سب نے جا کر یہی بیان کیا کہ حضور عمرہ کے لئے تشریف لائے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن انہیں یقین نہ آیا، آخرکار انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو جو طائف کے بڑے سردار اور عرب کے نہایت متمول شخص تھے تحقیق حال کے لئے بھیجا، انہوں نے آ کر دیکھا کہ حضور دست مبارک دھوتے ہیں تو صحابہ تبرک کے لئے غسالہ شریف حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں، اگر کبھی تھوکتے ہیں تو لوگ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کو وہ حاصل ہوجاتا ہے وہ اپنے چہروں اور بدن پر برکت کے لئے ملتا ہے، کوئی بال جسم اقدس کا گرنے نہیں پاتا اگر احیانا جدا ہوا تو صحابہ اس کو بہت ادب کے ساتھ لیتے اور جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، جب حضور کلام فرماتے ہیں تو سب ساکت ہوجاتے ہیں۔ حضور کے ادب و تعظیم سے کوئی شخص نظر اوپر کو نہیں اٹھا سکتا۔ عروہ نے قریش سے جا کر یہ سب حال بیان کیا اور کہا کہ میں بادشاہان فارس وروم ومصر کے درباروں میں گیا ہوں، میں نے کسی بادشاہ کی یہ عظمت نہیں دیکھی جو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے اصحاب میں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ تم ان کے مقابل کامیاب نہ ہوسکو گے، قریش نے کہا ایسی بات مت کہو، ہم اس سال انہیں واپس کردیں گے، وہ اگلے سال آئیں، عروہ نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں کوئی مصیبت پہنچے۔ یہ کہہ کر وہ معہ اپنے ہمراہیوں کے طائف واپس چلے گئے اور اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرف بہ اسلام کیا، یہیں حضور نے اپنے اصحاب سے بیعت لی، اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں، بیعت کی خبر سے کفار خوفزدہ

ہوئے اور ان کے اہل الرائے نے یہی مناسب سمجھا کہ صلح کرلیں، چنانچہ صلح نامہ لکھا گیا اور سال آئندہ حضور کا تشریف لانا قرار پایا اور یہ صلح مسلمانوں کے حق میں بہت نافع ہوئی بلکہ نتائج کے اعتبار سے فتح ثابت ہوئی، اسی لئے اکثر مفسرین فتح سے صلح حدیبیہ مراد لیتے ہیں اور بعض تمام فتوحات اسلام جو آئیندہ ہونے والی تھیں۔ اور ماضی کے صیغہ سے تعبیر ان کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے۔ (خازن وروح البیان)

اس کے معنی میں مفسرین کی چند قول ہیں، ایک تو یہ کہ قیامت میں جو میرے اور تمہارے ساتھ کیا جائے گا؟ وہ مجھے معلوم نہیں، یہ معنی ہوں تو یہ آیت منسوخ ہے، مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزّیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا اور محمد ﷺ کا یکساں حال ہے، انہیں ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں، اگر یہ قرآن انکا اپنا بنایا ہوا نہ ہوتا تو ان کا بھیجنے والا انہیں ضرور خبر دیتا کہ ان کے ساتھ کیا کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے آیت (لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ الفتح :2) نازل فرمائی، صحابہ نے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ حضور کو مبارک ہو آپ کو تو معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا، یہ انتظار ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا الفتح :5) اور یہ آیت نازل ہوئی (وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا الأحزاب :47) تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ کیا کرے گا اور مومنین کے ساتھ کیا، دوسرا قول آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ آخرت کا حال تو حضور ﷺ کو اپنا بھی معلوم ہے، مومنین کا بھی، مکذّبین کا بھی، معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کیا کیا جائے گا؟ یہ معلوم نہیں، اگر یہ معنی لئے جائیں تو بھی آیت منسوخ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ بھی بتا دیا (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۝ الصف :9) اور (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ الانفال :33) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حضور کے ساتھ اور حضور کی امت کے ساتھ پیش آنے والے امور پر مطلع فرما دیا خواہ وہ دنیا کے ہوں یا آخرت کے اور اگر درایت بمعنی ادراک بالقیاس یعنی عقل سے جاننے کے معنی میں لیا جائے تو مضمون اور بھی زیادہ صاف ہے اور آیت کا اس کے بعد والا جملہ اس کا مؤیّد ہے، علامہ نیشاپوری نے اس آیت کے تحت میں فرمایا کہ اس میں نفی اپنی ذات سے جاننے کی ہے، من جہت الوحی جاننے کی نفی نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

عن قتادة عن أنس بن مالك 3 إن هذه الآية نزلت 4 على رسول الله صلى الله عليه وسلم مرجعة من الحديبية والنبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه مخالطون الحزن والكآبة وقد حيل بينهم وبين مناسكهم فنحروا الهدي بالحديبية فحدثهم أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لأصحابه أنزلت علي آية أحب إلي من الدنيا جميعاً فتلاها نبي الله صلى الله عليه وسلم فقال رجل من القوم هنيئا مريئا يا نبي الله قد بين الله عز وجل: لك ما يفعل بك فماذا يفعل بنا فأنزل الله عز وجل بعدها: {لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزاً عَظِيماً}

حضرت قتادہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ سے واپس لوٹ آئے۔ حالانکہ صحابہ کرام پریشانی اور تنگی میں تھے کیونکہ ان کے درمیان اور مناسک درمیان معاہدہ حائل ہوگیا لہذا انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے" پھر نبی کریم ﷺ نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کر دیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی : تا کہ اللہ مومنوں اور مؤمنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔ (فتح،5)

احکام ناسخہ ومنسوخہ اور اخبار واحوال آخرت کا بیان

حدثنا همام رجل يقال له أبو عبد الله قال سمعت السدي. يقول ما كان في القرآن من خبر فإنما أخبر به العليم الخبير بعلم فليس منه منسوخ إنما هو من الأخبار وأخبر عن الأمم الماضية ما صنعوا وما صنع بهم وعما هو كائن بعد فناء الدنيا فإنما المنسوخ فيما أحل أو حرم.

قال حدثنا همام عن الكلبي (1) في هذه الآية {وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ} قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام رؤيا كأنه مر بأرض ذات شجر ونخل فقال له بعض أصحابه رؤياك التي رأيت فقال {وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ} أنزل بمكة أو اخرج منها إلى غيرها أو أتحول منها إلى غيرها.

(1) هو إسماعيل بن عبد الرحمن، من رواة الحديث، توفي سنة 127 هـ "ميزان الإعتدال 236/1، تهذيب التهذيب 313/1، طبقات المفسرين 109/1 "اسباب نزول القرآن 403-405 وفيه رواية قتادة عن أنس لباب النقول في أسباب النزول 198.

ہمام نے ابوعبداللہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے سدی سے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو کچھ بھی خبر ہے جس کو علیم خبیر ذات نے بیان کیا ہے اس سے ہیں سے کوئی بھی منسوخ نہیں ہے کیونکہ اخبار میں امم سابقہ کے احوال ذکر کیے گئے ہیں جو انہوں نے ذکر کیے ہیں۔ اور اسی طرح ان احکام میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں ہے جو دنیا کے ختم ہونے کے بعد ہونے والا ہے۔ لہذا ناسخ ومنسوخ کا تعلق صرف احکام حرام وحلال سے ہے۔

مصنف نے فرمایا کہ ہمام نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا میرا گزر ایک ایسی زمین سے ہوا جس میں درخت اور پھل ہیں تو بعض اصحاب نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہی خواب انہوں نے بھی دیکھا ہے۔ تو وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ مکہ میں نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے علاوہ زمین کی طرف ہجرت فرمائی یا اس کے علاوہ کسی زمین کی طرف ہجرت کی۔

ومن سورة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سورت محمد سے آیات ناسخہ ومنسوخ کا بیان

سورۂ محمد کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام محمد ہے، یہ بیان کرنے کے لئے کہ یہ قرآن سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، علاوہ ازیں اس سورت کی دوسری آیت میں سیدنا محمد ﷺ کا نام مذکور ہے۔ وہ آیت یہ ہے:............ (محمد:۲)

جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے، اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔

ہر چند کو تین اور سورتوں میں بھی نام محمد ﷺ مذکور ہے اور ان سورتوں کا نام محمد نہیں رکھا گیا کیونکہ ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔ جن اور تین سورتوں میں نام محمد ﷺ مذکور ہے ان کی تفصیل یہ ہے:............ (آل عمران: ۱٤٤) اور محمد (مستحق عبادت نہیں ہیں) صرف رسول ہیں۔............ (الاحزاب: ٤٠)

اور محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن (وہ) اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں آخری رسول ہیں۔............ (الفتح) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اس سورت کا نام سورۃ القتال بھی ہے کیونکہ اس سورت میں کفار کے ساتھ میدان جہاد میں قتال کے احکام اور ان کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:............ (محمد: ٤) سو جب تمہارا کفار سے مقابل ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو، حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو، حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے یہی حکم ہے۔

سورۂ محمد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے سورۂ محمد کے متعلق حسب ذیل احادیث ذکر کی ہیں: النحاس، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ محمد کی ایک آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک آیت بنو امیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ مغرب کی نماز میں یہ آیت

پڑھتے تھے:" (محمد:۱) (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابن عطیہ اور حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور علامہ قرطبی نے ثعلبی، ضحاک اور ابن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، یہ سورت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی ہے، تعداد نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ہے: ۹۶ اور تعداد مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ہے: ۴۷ اور اس کی آیت ۳۸ آیات ہیں۔

کفار و مشرکین سے جنگ اور حکم نسخ کا بیان

حدثنا همام عن قتادة في قوله عز وجل: {حَتَّى إِذَآ أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً} رخص الله لهم أن يمنوا على من شاءوا منهم ويأخذوا الفداء منهم إذا أثخنتموهم ثم نسخ ذلك في براءة فقال {وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ} 3

حضرت ہمام نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو، حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو (از خود) ان سے انتقام لیتا، (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ (سورت محمد، 4)

شرح

مفسرین کے نزدیک یہ حکم آیت "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" اور دیگر آیات قتال سے منسوخ ہو چکا ہے۔

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے سے متعلق روایات کا بیان

۱:۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) "فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب" (سو تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو) یعنی عرب کے مشرکین کی (آیت)۔ کفروا فضرب الرقاب۔ (ان کی گردنیں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔

۲:۔ عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق۔ (یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو) یعنی ان کو قید نہ کرو اور نہ فدیہ لیکر چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی خون ریزی تلوار کے ساتھ نہ کرلو۔

۳:۔ النحاس نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ فاما منا بعدو فداء۔ (پھر یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا۔ یا معاوضہ لے کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والے قیدیوں کے بارے میں خود مختار ہیں اگر چاہیں تو ان کو قتل کر دیں اگر

چاہیں توان کوجلاوطن کردیں اور اگر چاہیں توان سے فدیہ لے لیں۔

٤:۔ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (آیت)۔ فاما منا بعدو فدآء۔ کے بارے میں روایت کیا کہ یہ حکم منسوخ ہے اس کو منسوخ کرنے والی یہ آیت ہے (آیت)۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلو المشرکین۔ (پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں مشرکوں کو جہاں پاؤں قتل کردو)

قیدیوں پر احسان کرنے کی اجازت

٥:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت)۔ فاما منا بعدو فدآء۔ (پھر یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر) تو اس میں ان کے لئے رخصت دی گئی کہ ان میں سے جن پر چاہیں احسان کریں اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں سورۃ برأۃ میں منسوخ فرمادیا اور فرمایا (آیت)۔ فاقتلو المشرکین حیث وجدتموھم۔ (مشرکین کو قتل کردو جہاں تم ان کو پاؤ)

٦:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابوداؤد فی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (آیت) "فاما منا بعدو فدآء" کے بارے میں روایت کیا کہ مسلمان کا مقابلہ جب مشرک سے ہو تو ان کو خوب قتل کریں اور جب ان میں سے کسی کو قیدی بنالیں تو ان کے لئے صرف یہ حکم تھا کہ یا ان سے فدیہ لے لیں یا ان پر احسان کریں (اور ان کو آزاد کریں) پھر اس حکم کو بعد میں منسوخ کردیا گیا اور فرمایا (آیت)۔ فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم۔ (الانفال آیت ٥٧) (سو اگر کبھی تو انہیں لڑائی میں پائے تو انہیں ایسی سزا دے کہ ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگ جائیں)

٧:۔عبدالرزاق فی المصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضحاک ومجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (آیت)۔ فاما منا بعدو فدآء۔ کے بارے میں روایت کیا کہ اس (کے حکم) کو اس آیت نے منسوخ کردیا (آیت)۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلو المشرکین۔ (التوبہ آیت ٥) (کہ مشرکین کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ)

٨:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

٩:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے دو آدمیوں کے بدلے میں اپنے دو صحابیوں کو چھڑایا جن کو قید کرلیا گیا تھا۔

١٠:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشعث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے حسن اور عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول (آیت) "فاما منا بعدو فدآء" کے بارے میں پوچھا تو ان میں سے ایک نے کہا قیدی پر احسان کیا جائے گا اور اس سے فدیہ نہیں لیا جائے گا اور دوسرے نے کہا ایسا کرو جیسے رسول اللہ ﷺ نے کہا اس پر احسان کیا جائے (یعنی رہا کردیا جائے گا) مگر فدیہ دیا جائے گا۔

١١:۔ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ حجاج قیدی لے کر آیا اس نے ان میں سے قیدی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا کہ آپ اس کو قتل کریں تو انہوں نے فرمایا ہم کو اس کا حکم نہیں دیا

گیا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آیت) " حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعدو فداء " (یہاں تک کہ جب تم ان سے خوب خون ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا ہے یا معاوضہ لے کر۔

۱۲:۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والبیہقی نے اپنی سنن میں نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک زانی عورت کے بیٹے کو آزاد کر دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم احسان کریں اس پر جو اس سے بھی بڑھ کر برا ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آیت) - فاما منا بعدو فداء -

۱۳:۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے المصنف میں اور ابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قیدیوں کو قتل کرنا حلال نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آیت) - فاما منا بعدو فداء - اور مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تو اس طرح کی کسی چیز کی پرواہ نہ کر، میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو پایا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ (حکم) منسوخ ہے بلا شبہ یہ حکم اس مصالحت کے بارے میں تھا جو رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان تھی لیکن آج کے حالات میں حکم اس طرح نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (آیت) - فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلو المشرکین - اور فرماتے ہیں (آیت) - فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب - (یعنی کافروں سے ملو تو گردنوں کو مارو یعنی ان کو قتل کرو اگر وہ عرب کے مشرکوں میں سے ہیں تو ان سے کوئی چیز قبول نہ کرو سوائے اسلام کے اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان کو قتل کرو اور جو مشرکین عرب کے علاوہ ہیں یعنی جب وہ قید ہو جائیں تو مسلمانوں کو ان کے بارے میں اختیار ہے اگر وہ چاہیں تو ان کو قتل کر دیں اگر وہ چاہیں تو ان کو زندہ چھوڑ دیں اور اگر وہ چاہیں تو ان سے فدیہ لے لیں جب وہ اپنے دین سے نہ پھریں اگر وہ اسلام کو ظاہر کریں تو ان سے فدیہ نہ لو اور رسول اللہ ﷺ نے چھوٹے بچوں اور عورت اور شیخ فانی (یعنی بہت بوڑھا آدمی) کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

۱٤:۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ اس (آیت) - فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم - (التوبہ آیت ۵) نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا فدیہ لے کر چھوڑنے اور احسان جتا کر چھوڑنے کے بارے میں۔

۱۵:۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے المصنف میں عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ وہ اہل شرک کو باندھ کر قتل کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور یہ آیت پڑھتے تھے (آیت) - فشدوا الوثاق، فاما منا بعدو فداء - پھر اس کو منسوخ کر دیا اس آیت نے (آیت) - فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم - (النساء آیت ۸۹) اور یہ آیت جب نازل ہوئی تو عرب والوں نے یہ گمان کیا کہ صرف عرب والوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو بدر کے دن پکڑ کر قتل کیا۔

جنگ میں بے ضرر لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے:

۱٦:۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے خدمت کے قابل

لڑکے اور مزدوروں کو لے کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

۱۷:۔عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضحاک بن مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا مگر جوان میں سے تلوار کے ساتھ دوڑے یعنی (جو جنگ لڑ رہا ہو اس کو قتل کر دو)

۱۸:۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قاسم بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا وہ ایک آدمی کے پیچھے لگے وہ ایک درخت پر چڑھ گیا ان لوگوں نے اس درخت کو آگ لگا دی جب یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اس بات کی ان کو خبر دی گئی تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا (یعنی آپ غصہ ہو گئے) اور فرمایا میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ میں اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب دوں میں گردنوں کے مارنے اور مضبوطی سے باندھنے کے لئے بھیجا گیا۔

واما قولہ تعالیٰ: حتی تضع الحرب اوزارھا"

۱۹:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) " حتی تضع الحرب اوزارھا" (جب تک کہ لڑنے والے ہتھیار نہ رکھ دیں) یعنی یہاں تک کہ شرک نہ رہے۔

۲۰:۔ابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) "حتی تضع الحرب اوزارھا" سے مراد ہے یہاں تک کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے

۲۱:۔الفریابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سنن میں مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) "حتی تضع الحرب اوزارھا" کے بارے میں روایت کیا کہ یہاں تک کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کا ظہور ہو جائے تو ہر یہودی نصرانی اور (کسی بھی) دین والا اسلام لے اور بکری بھیڑیئے سے امن حاصل کرلے اور چوہا کسی چمڑے کے برتن کو نہ کاٹے اور سب لوگوں سے دشمنی چلی جائے گی یہی اسلام کا سارے دینوں پر غلبہ ہے اور مسلمان آدمی خوشحال ہو جائے یہاں تک کہ اس کے پاؤں خون ٹپکائیں گے جب اسے رکھے گا۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول:

۲۲:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن ابی حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے جو تم میں سے زندہ رہے گا کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے (اس حال میں) ملاقات کرے گا کہ وہ امام ہوں گے کہ وہ ہدایت یافتہ امام ہیں اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں اس وقت صلیب کو توڑ دیا جائے گا خنزیر کو قتل کر دیا جائے گا اور جزیہ لگا دیا جائے گا اور جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔

۲۳:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) "حتی تضع الحرب اوزارھا" سے مراد ہے عیسیٰ (علیہ السلام) کا نکلنا۔

۲٤:۔ابن سعد واحمد والنسائی والبغوی والطبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلمہ بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اس درمیان کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ! گھوڑے باندھ دیئے گئے ہتھیار کو رکھ دیا گیا اور لوگوں نے گمان کرلیا کہ اب قتال نہیں ہوگا بیشک جنگ نے اپنے ہتھیاروں کو رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں نے جھوٹ بولا ابھی قتال ہوگا اور میری امت میں سے ایک جماعت برابر اللہ کے راستے میں لڑتی رہے گی ان کو کوئی نقصان نہیں دے گا جو ان کی مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ ایک قوم کے دلوں کو ٹیڑھا کردیں تاکہ وہ انہیں ان کے ذریعہ رزق دیں اور وہ قتال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور گھوڑے کی پیشانی میں برابر خیر اور بھلائی رہے گی۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی اور جنگ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گی یہاں تک کہ یاجوج ماجوج باہر نکل آئیں گے۔

۲۵:۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے فتح کو کھول دیا گیا (یعنی آپ کو فتح عطا فرمائی گئی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج اسلام نے اپنے قدم مضبوط کرلئے ہیں اور جنگ نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ جنگ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گی مگر اس سے پہلے چھ کام ہوں گے ان میں سے سب سے پہلے میری وفات ہوگی پھر بیت اللہ المقدس فتح ہوگا پھر میری امت میں سے دو گروہ ہوں گے ان کا بعض ، بعض کو قتل کرے گا اور مال بہادیا جائے گا یہاں تک کہ ایک آدمی کو سو دینار دیئے جائیں گے تو وہ ناراض ہوجائیں گا اور موت اس طرح (کثرت) سے ہوگی جس طرح بکریاں قصاص (سینہ کی ایک بیماری) میں مبتلا ہوکر کثرت سے مرجاتی ہیں اور بنو اصخر کا بچہ ایک دن میں اتنا بڑھے گا جیسے ایک مہینہ کا بڑھنا اور ایک مہینہ میں اس کا بڑھنا ایک سال کے بڑھنے کی طرح ہوگا اس کی قوم اس میں رغبت کرے گی اور وہ ایسے بادشاہ بنالیں گے اور کہیں گے کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ تجھے ہم پر حاکم بنادے گا وہ ایک بڑا مجمع جمع کرے گا پھر چل پڑے گا یہاں تک کہ وہ عرش اور انطاکیہ کے درمیان پہنچ جائے گا اور اس دن تمہارا امیر اکتنا اچھا امیر ہوگا اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا تم کیا دیکھ رہے ہو تو وہ کہیں گے ہم ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں گے وہ کہے گا میں ایسا گمان نہیں کرتا ہم حفاظت کریں گے اپنی اولادوں کی اور اپنے اہل وعیال کی اور ہم ان کے اور زمین کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دیں گے یہاں تک کہ میرے اس شہر میں جائیں گے اور وہ اسلام والوں سے ہدایت طلب کریں گے تو وہ ان کو ہدایت دیں گے پھر وہ کہے گا میرے ساتھ صرف وہی رہے جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو قربان کردے گا یہاں تک کہ ہم ان سے ملیں گے اور ہم ان سے قتال کریں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے پھر وہ اس کے پاس ستر ہزار افراد جمع ہوجائیں گے اور وہ اس سے بھی زیادہ (جمع) ہوجائیں گے وہ کہے گا میرے لئے ستر ہزار کافی ہے۔ زمین ان کو برداشت نہیں کرے گی اور ان میں جاسوس بھی ہوں گے ان کے دشمنوں کے لئے وہ ان کے پاس آئیں گے اور ان کو خبردیں گے اس معاملے کی جو ہوا وہ لوگ ان کی طرف چل پڑیں گے یہاں تک کہ جب وہ آمنے سامنے ہوں گے تو وہ سوال کریں گے کہ ان کے لئے راستہ چھوڑ دے کہ جن کا ان کے اور اس کے درمیان نسبی تعلق ہے پس وہ ان کو بلائے گا اور وہ کہے گا تمہاری کیا رائے ہے ان باتوں میں جو وہ کہتے ہیں تو وہ کہیں گے تمہیں ان سے لڑنے کا حق نہیں ہے اور نہ کوئی ان سے بڑھ کر زیادہ دور ہے وہ

کہے گا سوتم اپنی جگہ ثابت قدم رہو اپنی نیاموں کو توڑ دو۔ اور اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تلوار لہرائے گا تو ان میں سے دو تہائی قتل ہو جائیں گے اور ایک تہائی کشتی میں بیٹھ جائیں گے اور ان کے ساتھی انہیں میں سے ہوں گے یہاں تک کہ جب انکے لئے ان کے پہاڑ نمودار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ہوا بھیج دے گا اور وہ ہوا ان کو شام میں ان کے لنگر انداز ہونے کی جگہ کی طرف لوٹا دے گی پس وہ اپنی کشتیوں کے نزدیک ساحل پر ان کو پکڑ لیا جائے گا اور ان کو ذبح کر دیا جائے گا پس اس دن جنگ اپنے ہتھیاروں کو ڈال دے گی۔

اما قولہ تعالیٰ: ذلک: ولو یشآء اللہ لانتصر منھم"

۲۶:۔ عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) " ذلک: ولو یشآء اللہ لانتصر منھم " (یہ حک بجالانا یعنی مشرکوں کے ساتھ ایسا ہی کرو) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا (یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اپنے کثیر لشکروں کے ساتھ ان سے بدلہ لے لیتے کیونکہ اللہ کی ساری مخلوق اس کا لشکر ہے اگر وہ اپنی سب سے کمزور مخلوق کو مسلط کر دے تو وہی اس کا لشکر ہو جائے۔

۲۷:۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (آیت) " ذلک: ولو یشآء اللہ لانتصر منھم " کے بارے میں روایت کیا اگر اللہ تعالیٰ خود ہی ان سے بدلہ لینا چاہے تو ان پر ایک فرشتے کو بھیج کر ان کو تباہ برباد کر دے (اور فرمایا) (آیت) " والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم " (اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل کر دیئے جاتے ہیں ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے) نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں (یہ آیت) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو احد کے دن شہید کر دیئے گئے۔

۲۸:۔ عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے (آیت) " والذین قتلوا" الف کے ساتھ پڑھا۔

۲۹:۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن ابی حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (آیت) " والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم " کے بارے میں روایت کیا کہ ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ یہ آیت احد کے دن نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ (اسی دن گھاٹی میں تھے ان میں زخمی اور شہدا پھیلے ہوئے تھے اس دن مشرکوں نے آواز لگائی " اعلی ھبل " (یعنی ھبل بہت بلند ہو گیا) اس کے جواب میں مسلمانوں نے آواز لگائی " اللہ اعلی واجل " (اللہ سب سے اونچا اور سب سے زیادہ بزرگی والا ہے) اس دن کو مشرکوں نے بدر کے دن کا بدلہ قرار دیا اور لڑائی میں کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو غلبہ ہوتا ہے (اور مشرکوں نے بھی آواز لگائی) " لنا عزی ولا عزی لکم " (کہ ہمارے لئے عزت بہت ہے اور تمہارے لئے کوئی عزت نہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جواب میں یوں کہو " اللہ مولانا ولا مولی لکم " (اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) بیشک قتل ہونے والوں کی کیفیت مختلف ہے ہمارے قتل ہونے والے زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں اور تمہارے قتل ہونے والے آگ میں ہیں اور عذاب دیئے گئے۔

۳۰:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) "ویدخلھم الجنۃ عرفھا لہم" (اور ان کو جنت میں داخل کردے گا جس کی ان کو پہچان کرادے گا) یعنی وہ اہل جنت کو ان کے گھروں اور ان کے رہنے کی جگہوں کی طرف راہ بتادے گا اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ان کے لئے جو جگہ تقسیم فرمادی ہے وہ کبھی وہاں سے خطا نہیں کریں گے گویا کہ وہ اس میں رہتے تھے جب سے پیدا کئے گئے اس پر وہ کسی اور کی رہنمائی کریں گے۔

۳۱:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) "عرفھا لہم" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کو ان کے گھروں کی پہچان کرادی ہے۔

اہل جنت اپنے گھروں کو پہچان لیں گے:

۳۲:۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (آیت)۔ ویدخلھم الجنۃ عرفھا لھم۔ کے بارے میں روایت کیا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ جو فرشتہ دنیا میں اس کے اعمال کی حفاظت کیلئے مقرر تھا وہ جنت میں اس کے آگے آگے چلے گا اور ابن آدم اس کے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ وہ آخری منزل آجائے گی جو اس کے لئے ہے پھر وہ ہر چیز کو پہچان لے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں عطا فرمائی جب ہو جنت میں اپنی آخری منزل پر پہنچے گا تو وہ اپنے گھر اور اپنی بیویوں کے پاس داخل ہو جائے گا تو وہ فرشتہ واپس لوٹ جائے گا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ محمد، بیروت)

کافر سے مختلف احوال میں مختلف سلوک کیا جائے گا

امام ابوبکر جصاص علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قول باری ہے، فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب۔ سو جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو جائے تو ان کی گردنیں مارتے چلو) ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ظاہر آیت کافروں کے وجوب قتل کا مقتضی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت صرف اس وقت اختیار کی جائے جب کافروں کا اچھی طرح خون بہالیا جائے۔ اس کی نظیر یہ قول باری ہے (ماکان للنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے ہاتھوں میں قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون نہ بہالے۔)

ہمیں جعفر بن محمد بن الحکم نے روایت بیان کی، انہیں جعفر بن محمد الیمان نے، انہیں ابوعبید نے، انہیں عبداللہ بن صالح نے معاویہ بن صالح سے، انہوں نے علی بن ابی طلحہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درج بالا آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ خون بہانے کا یہ حکم معرکہ بدر کے دن دیا گیا تھا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن جب ان کی تعداد بڑھ گئی اور ان کا غلبہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی (فاما منا بعد واما فداء پھر اس کے بعد یا محض احسان کر کے (انہیں چھوڑ دو) یا معاوضہ لے کر (انہیں جانے دو)) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو قیدیوں کے بارے میں یہ اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو انہیں قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو غلام بنالیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ ابوعبید کو اس فقرے کے بارے میں شک ہے کہ "اگر چاہیں تو انہیں غلام بنالیں۔

ہمیں جعفر بن محمد نے روایت بیان کی، انہیں جعفر بن محمد بن الیمان نے، انہیں ابوعبید نے انہیں ابومہدی اور حجاج نے سفیان سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے السدی کو قول باری (فاما منا بعد واما فداء) کی تفسیر میں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، اس کی ناسخ یہ آیت ہے۔ (فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم)

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ قول باری (فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب) نیز (ما کان للنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض) نیز (فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم) کے حکم کا ثابت ہونا اور منسوخ نہ ہونا بعید از امکان نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو زمین میں کافروں کا خون بہانے کا حکم دیا اور انہیں قیدی بنانے کی صرف اسی صورت میں اجازت دی جب انہیں پوری طرح دبا دیا جائے اور ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔

یہ حکم اس وقت کے لئے تھا جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مشرکین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جب مشرکین کا خون بہہ گیا اور قتل ہونے کی بنا پر وہ پوری طرح ذلیل ہو گئے اور منتشر کر دیے گئے تو اب انہیں باقی رکھنا جائز ہو گیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ حکم اس وقت بھی ثابت تسلیم کیا جائے جب صورت حال صدر اسلام کی صورت حال جیسی ہو۔

رہ گیا قول باری (فاما منا بعد واما فداء) تو ظاہری طور پر یہ دو میں سے ایک بات کا مقتضی ہے یا تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر انہیں جانے دیا جائے اور یہ چیز قتل کے جواز کی نفی کرتی ہے۔

اس بارے میں سلف کے مابین بھی اختلاف رائے ہے۔ ہمیں جعفر بن محمد نے روایت بیان کی ہے۔ انہیں جعفر بن محمد بن الیمان نے، انہیں ابوعبید نے، انہیں حجاج نے مبارک بن فضالہ سے اور انہوں نے حسن سے کہ انہوں نے قیدی کو قتل کر دینا پسند نہیں کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ اس پر احسان کر کے اسے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر جانے دیا جائے۔

ہمیں جعفر بن محمد نے روایت بیان کی انہیں جعفر بن محمد بن الیمان نے، انہیں ابوعبید نے، انہیں ہیثم نے اور انہیں اشعث نے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قیدی کو قتل کر دینے کے متعلق عطاء سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ "اس پر احسان کر دو یا اس سے فدیہ لے لو۔" وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے اس مسئلے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو حضور ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا تھا، اس پر یا تو احسان کیا جائے یا فدیہ لے کر اس چھوڑ دیا جائے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس اصطخر کے علاقے کا ایک سردار لایا گیا اور ان سے اسے قتل کر دینے کے لئے کہا گیا لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور زیر بحث آیت پڑھ کر سنائی۔ مجاہد اور ابن سیرین سے بھی قیدی کو قتل کر دینے کی کراہت منقول ہے۔ ہم نے سدی سے ان کا یہ قول بھی نقل کر دیا ہے کہ زیر بحث آیت قول باری (فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم) کی بنا پر منسوخ ہو چکی ہے۔

ابن جریج سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔ ہمیں جعفر بن محمد نے روایت بیان کی ہے، انہیں جعفر بن محمد بن الیمان نے، انہیں ابوعبید نے، انہیں حجاج نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو بدر کے دن بندر کھنے کے بعد قتل کا حکم دیا تھا۔

ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ فقہاء امصار قیدی کو قتل کرنے کے جواز پر متفق ہیں۔ ہمیں اس مسئلے میں ان کے مابین کسی اختلاف رائے کا علم نہیں ہے۔ حضور ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو گرفتار ہونے کے بعد قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح احد کے دن ابوعزہ شاعر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا تھا۔

بنو قریظہ نے عہد شکنی کے بعد جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے پر صاد کیا تھا تو ان کے مردوں کو قتل کرنے اور عورتوں بچوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان میں سے صرف زبیر بن باطا پر احسان کر کے اسے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسی طرح خیبر کے بعض حصوں کو صلحاً فتح کیا گیا اور بعض کو بزور شمشیر۔ آپ نے ابن ابی الحقیق یہودی پر یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھے گا لیکن جب اس کی خیانت ظاہر ہوگئی اور یہ واضح ہوگیا کہ اس نے باتیں چھپائی ہیں تو آپ ﷺ نے اسے قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔

فتح مکہ کے روز آپ نے ہلال بن خطل، مقیس بن حبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نیز چند دوسرے لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ غلاف کعبہ سے چمٹے ہوئے بھی ہوں پھر بھی انہیں نہ چھوڑا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اہل مکہ پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دیا اور ان کے اموال کو مال غنیمت بھی قرار نہیں دیا۔

صالح بن کیسان سے مروی ہے، انہوں نے محمد بن عبدالرحمن سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عبدالرحمن بن عوف سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میری تمنا یہ تھی کہ جس دن فجاءہ کو میرے پاس لایا گیا تھا میں اسے آگ میں نہ جلاتا بلکہ اسے برہنہ کر کے قتل کر دیتا یا اسے بھگا کر چھوڑ دیتا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے سوس کے ایک چودھری کو ایک گروہ کے لئے امان کا حکم جاری کر دیا تھا۔ اس چودھری نے امان کے لئے اس گروہ کے افراد کے نام گنوائے تھے لیکن اپنا نام بھول گیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے امان میں داخل نہیں کیا اور اسے قتل کر دیا حضور ﷺ اور صحابہ کرام سے قیدی کو قتل کر دینے اور اسے زندہ رکھنے کے جواز کے سلسلے میں یہ متواتر روایتیں موجود ہیں۔ اس پر فقہاء امصار کا اتفاق ہے۔

البتہ قیدی سے فدیہ لے کر اسے چھوڑ دینے کے سلسلے میں اختلاف رائے ہے۔ ہمارے تمام اصحاب کا قول ہے کہ قیدی سے مال کا فدیہ نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی قیدیوں کو اہل حرب کے ہاتھوں فروخت کیا جائے گا کہ وہ پھر سے مسلمانوں کے خلاف صف آراز ہو جائیں۔ امام ابوحنیفہ کا یہ بھی قول ہے کہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ انہیں کبھی بھی مسلمانوں کے خلاف دوبارہ صف آرا ہونے نہیں دیا جائے گا۔ امام ابویوسف اور امام محمد کا قول ہے کہ اگر مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں مشرکین قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سفیان ثوری اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ اوزاعی کا کہنا ہے کہ قیدیوں کو اہل حرب کے ہاتھوں فروخت کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم مرد قیدیوں کو صرف اسی صورت میں فروخت کیا جائے گا جبکہ مسلمان قیدیوں کو ان کے ذریعے چھڑانے کی

صورت پیدا ہو جائے۔ المزنی نے امام شافعی سے روایت کی ہے کہ امام المسلمین کو اختیار ہے کہ جن لوگوں پر اسے فتح حاصل ہوئی ہے ان پر احسان کر کے بلا معاوضہ انہیں چھوڑ دے یا فدیہ لے لے۔

جو حضرات مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں یا مالی معاوضہ کے بدلے قیدیوں کو چھوڑ دینا جائز قرار دیتے ہیں وہ قول باری (فاما منا بعدواما فداء) سے استدلال کرتے ہیں۔ ظاہر آیت مال کے بدلے اور مسلمان قیدیوں کے تبادے میں اس کے جواز کا مقتضی ہے۔ نیز یہ کہ حضور ﷺ نے بدر کے قیدیوں سے مال کا فدیہ لیا تھا۔

مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں اس کے جواز کے لئے یہ حضرات اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے راوی ابن المبارک ہیں۔ انہوں نے معمر سے، انہوں نے ایوب سے، انہوں نے ابوقلابہ سے، انہوں نے ابوالمہلب سے اور انہوں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے حضور ﷺ کے دو صحابیوں کو گرفتار کر لیا۔ حضور ﷺ کے صحابہ نے بنو عامر بن صعصعہ کے ایک آدمی کو پکڑ لیا۔ اس شخص پر آپ کا گزر ہوا وہ رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ جب آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا: "مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔" آپ نے جواب دیا۔ تمہارے حلیفوں کے جرم کی بنا پر "وہ کہنے لگا" میں مسلمان ہوتا ہوں" آپ نے فرمایا۔" اگر تم یہ بات اس وقت کہتے جب تم اپنے معاملے میں خود مختار تھے تو تمہیں اس کا پورا فائدہ ہوتا۔" یہ کہہ کر آپ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ اس نے پھر آپ ﷺ کو آواز دی۔ آپ ﷺ واپس مڑے۔ اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" ٹھیک ہے یہ تمہاری ضرورت ہے۔" پھر آپ نے ان دو مسلمانوں کے بدلے میں اسے چھوڑ دیا جنہیں ثقیف کے لوگوں نے گرفتار کر لیا تھا۔

ابن علیہ نے ایوب سے، انہوں نے ابوقلابہ سے، انہوں نے ابوالمہلب سے اور انہوں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے دو مسلمان قیدیوں کے بدلے میں بنو عقیل کے ایک قیدی کو چھوڑ دیا تھا۔ اس روایت میں اس قیدی کے مسلمان ہو جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جبکہ پہلی روایت میں اس کا ذکر ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اب اس صورت میں قیدیوں کا تبادلہ نہیں ہوگا۔ یعنی مسلمان قیدی کے بدلے میں مسلمان قیدی نہیں چھڑائے جائیں گے کیونکہ کسی مسلمان کو اہل کفر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کی یہ شرط تسلیم کر لی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اگر مسلمان ہو کر مدینہ آ جائے گا تو اسے واپس بھیج دیا جائے گا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور حضور ﷺ نے مسلمانوں کو کافروں کے درمیان رہائش اختیار کرنے سے منع فرما دیا۔ آپ نے فرمایا (انا بری من کل مسلم مع مشرک۔ میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو) نیز فرمایا (من اقام بین اظہر المشرکین فقد برئت منہ الذمۃ۔ جس مسلمان نے مشرکین کے درمیان اقامت اختیار کر لی اس سے ذمہ داری ختم ہو گئی)۔

آیت زیر بحث میں احسان کرنے یا فدیہ لینے کا جو ذکر ہے نیز بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی جو روایت منقول ہے وہ اس قول باری کی بنا پر منسوخ ہے (فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوالھم کل

مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ۔ پس مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ، انہیں پکڑ لو، انہیں گھیر لو اور ان کے خلاف ہر گھات لگاؤ۔ اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو) ہم نے ابن جریج اور سدی سے بھی اس بات کی روایت نقل کی ہے۔

قول باری ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ۔ ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے) تا قول باری (حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون یہاں تک کہ وہ ہاتھوں سے جزیہ دیں ذلیل ہو کر) یہ دونوں آیتیں کافروں سے قتال کے وجوب کو متضمن ہیں یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔ اب مال کے ذریعے یا کسی اور صورت میں فدیہ لینا اس بات کے منافی ہے۔

دوسری طرف اہل تفسیر اور راویان آثار کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورۃ برات سورۃ محمد ﷺ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ سورۃ برات میں مذکورہ حکم فدیہ کے اس حکم کا ناسخ بن جائے جس کا ذکر سورۃ محمد ﷺ میں ہوا ہے۔

لڑائی کب تک جاری رکھی جائے؟

قول باری ہے (حتی تضع الحرب اوزارھا ۔ تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے) حسن کا قول ہے" تا آنکہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔" سعید بن جبیر کا قول ہے۔ تا آنکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی آمد ہو جائے وہ آکر صلیب کو توڑ دیں اور خنزیر کو قتل کر دیں اور پھر بکری بھیڑیے کے سامنے آجائے لیکن بھیڑیا اس سے کوئی تعرض نہ کرے نیز دو شخصوں کے درمیان عداوت باقی نہ رہے فراء کا قول ہے" تا آنکہ دنیا سے شرک اور گناہوں کا خاتمہ ہو جائے اور پھر دنیا میں مسلمان ہی باقی رہیں یا صلح پسند۔"

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اس تاویل پر آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ غیر مسلموں سے اس وقت تک قتال واجب ہے جب تک ایک بھی لڑنے والا باقی نہ رہے۔ (احکام القرآن، جصاص، سورت محمد ﷺ، بیروت)

ومن سورة المجادلة

سورت مجادلہ سے ناسخ ومنسوخ آیات کا بیان

سورة المجادلة کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المجادلہ ہے۔ "المجادلہ" کا معنی ہے: بحث اور تکرار کرنے والی عورت اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ وہ آیت یہ ہے: ترجمہ: (المجادلہ:۱)...... بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو رہا تھا' بیشک اللہ خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے۔

یہ خاتون حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں' ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اظہار کر لیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)' زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ اب حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سخت پریشان ہوئیں۔ اس وقت تک ظہار کے متعلق کوئی شرعی حکم نازل نہیں ہوا تھا' اس لئے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تا کہ اس مسئلہ کا حل معلوم کریں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ میں کافی بحث اور تکرار کی۔ اس لئے ان خاتون کو مجادلہ کہا گیا اور ان ہی کی مناسبت سے اس سورت کا نام المجادلہ رکھا گیا۔

سورة المجادلہ کے متعلق احادیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی سماعت تمہاری تمام آوازوں کو محیط ہے' پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: (المجادلہ:۱)...... بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۳-۱۸۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۵۷)

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو محیط ہے' میں حضرت خولہ بن ثعلبہ کی بات پوری طرح نہیں سن رہی تھی اور ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں" وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: یا رسول اللہ! میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور میرا پیٹ (اس کی اولاد کی کثرت سے) پھیل گیا' لیکن اب جب میں بوڑھی ہوگئی اور مجھ سے اولاد ہونا منقطع ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا' اے اللہ! میں تیری طرف شکایت کرتی ہوں۔ وہ اس طرح کہتی رہیں' حتیٰ کہ حضرت جبریل یہ آیات لے کر نازل ہوئے: "قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ" (المجادلہ:۱) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۲-رقم الحدیث: ۱۸۸۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۹۱ طبع جدید' تلخیص الحبیر ج ۳

ص۲۲۰ـ رقم الحدیث:۱٦۱۲)

سورت المجادلہ کا زمانہ نزول

علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ یورت مدنی ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ٤٣٤) اور بعض تفاسیر میں ہے کہ اس کی پہلی دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی آیات مکی ہیں۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۵ ہے' سورۃ المجادلہ سورت المنافقین کے بعد اور سورۃ التحریم سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المجادلہ سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاحزاب میں فرمایا ہے: ترجمہ: (الاحزاب: ٤)......اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو (یہ کہتے ہو کہ ان کی پشت ان کی ماں کی پشت کی مثل ہے) ان کو اللہ نے حقیقت میں تمہاری ماں نہیں بنایا۔

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظہار کرنے سے بیوی شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی اور نہ وہ اس کی ماں ہوجاتی ہے۔ یہ صرف زمانہ جاہلیت کا مفروضہ تھا کیونکہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ نے ظہار کی وجہ سے تمہاری حقیقی مائیں نہیں بنایا اور ان کو تم پر حرام نہیں کیا۔ یہ اجمالی حکم ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں بیان فرمائی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورۃ الاحزاب کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۹۰ ہے اور سورۃ المجادلہ کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے اور چونکہ غزوۃ الاحزاب شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا تو اس سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ سورۃ المجادلہ بھی اسی دور میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی ہے۔

سرگوشی پر صدقہ کرنے کا حکم اور نسخ حکم کا بیان

۞وعن قوله عز وجل: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ} وذلك أن الناس. كانوا قد أحفوا برسول الله صلى الله عليه وسلم في المسألة فنهاهم الله عز وجل: عنه وربما قال فمنعهم في هذه الآية فكان الرجل تكون له الحاجة إلى النبي صلى الله عليه وسلم فلا يستطيع أن يقضيها حتى يقدم بين يدي نجواه صدقة فاشتد ذلك على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزل الله عز وجل: بعد هذه الآية فنسخت ما كان قبلها من أمر الصدقة من نجوى فقال: {أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ} وهما فريضتان واجبتان لا رخصة لأحد فيهما.

النحاس 220، ابن سلامة 85، مکی 358، ابن الجوزی 213، العتائقی 73، ابن المتوج 183۔

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے، پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو تم غم نہ کرو) بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (مجادلہ

12) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ پوچھنے کیلئے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کیا کہ کثرت سے سوال نہ کریں۔ پس اس منع کی وجہ یہ تھی کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کسی حاجت کو لے کر آئے حالانکہ اس کی طاقت ادائیگی کی نہ رکھے حتیٰ کہ وہ آپ کے سامنے سرگوشی کرتا تو اس پر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے بھاری محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ جس میں سرگوشی پر صدقے کا حکم تھا۔ کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے، پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔ (مجادلہ،13) اور نماز وزکوٰۃ یہ دونوں واجب فریضے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی کوئی رخصت نہیں۔

شرح

ہمیں عبداللہ بن محمد نے روایت بیان کی، انہیں حسن بن ابی الربیع نے، انہیں عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے ایوب سے انہوں نے مجاہد سے قول باری (اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ) کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا یہاں تک کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ یہ آیت صرف ایک گھڑی کے لئے تھی۔ (احکام القرآن، جصاص، بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے یعنی خفیہ طریقہ سے آپ سے سوال کرنے پر جو کچھ صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس کیحسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کا اظہار ہے، کیونکہ مال خرچ کرنے میں شمقت ہوتی ہے اور جو چیز مشقت سے حاصل ہو، اس کی بہت قدر ومنزلت ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے اس کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی اور جب مسلمان مال خرچ کرنے کے بعد آپ سے سرگوشی کر سکیں گے تو اس سرگوشی کی بہت قدر ومنزلت ہوگی۔

(۲) اس میں فقراء کی مدد ہے کیونکہ وہ صدقہ فقراء کو دیا جائے گا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں: (۳) ابن زید نے کہا کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر ضروری، لایعنی اور عبث سوال کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا، تاکہ وہ اس قسم کے سوالات نہ کریں۔

(٤) حسن بصری نے کہا، بعض مسلمان تنہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرتے تھے، اس سے دوسرے مسلمانوں نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ تنہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص کرتے ہیں۔ اس سے ان کو رنج ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں سرگوشی کرنے سے پہلے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ تنہائی میں سرگوشی نہ کریں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرنے لگے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے مشقت ہوتی تھی کیونکہ آپ نے احکام کی تبلیغ کرنی ہوتی تھی، مصالح امت کے کام کرنے ہوتے تھے اور دیگر عبادات کرنی ہوتی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تخفیف کا ارادہ کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو بہت مسلمان سوالات کرنے سے رک گئے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۶) صدقہ دینے کے حکم سے یہ واضح ہوگیا کہ کون مال دنیا سے محبت کرتا ہے اور کس کو آخرت عزیز ہے۔

(۷) مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ اور مقاتل بن حیان نے بیان کیا کہ دولت مند لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں فقراء کو آپ سے سوال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال داروں کی طویل صحبت اور ان کی بہت سرگوشیوں کو ناپسند کرتے تھے، پس جب اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو مال دار مسلمان سوال کرنے سے رک گئے اور فقراء کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے اور آپ کی ہم نشینی کا موقع مل گیا اور خوش حال مسلمانوں میں سے سوائے حضرت علی بن ابی طالب کے اور کسی نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہیں دیا، انہوں نے ایک دینار صدقہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس سوالات کئے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۳۴، الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۱)

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم متوفی 428ھ لکھتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک آیت ہے، جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا اور وہ یہ آیت ہے: "یایھا الذین امنوآ اذا ناجیتم الرسول" (المجادلہ: ۱۲) (الکشف والبیان ج ۹ ص 261-262 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنا آیا واجب تھا یا مستحب؟

المجادلہ: ۱۳ میں فرمایا: کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے، پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔ الایۃ

بعض علماء نے کہا، اس آیت میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا امر اور حکم دیا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ صدقہ کرنا واجب ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ صدقہ واجب نہیں ہے مستحب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ تمہارے لئے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے اور اس قسم کے الفاظ نفلی کام کے لئے آتے ہیں، واجب کے لئے نہیں آتے اور تحقیق یہ ہے کہ صدقہ کرنا شروع میں واجب تھا، بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ کلبی نے کہا، یہ صرف دن کی ایک ساعت میں واجب رہا، پھر اس کا وجوب منسوخ ہوگیا اور مقاتل بن حیان نے کہا: دس دن تک یہ حکم واجب رہا، پھر اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے امت کو تخفیف حاصل ہونا

علی بن علقمۃ الانماری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

"یایھا الذین امنوآاذا ناجیتم الرسول" (المجادلہ:۱۲) تو نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے لوگ ایک دینار صدقہ کریں گے؟ میں نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے، آپ نے فرمایا: نصف دینار؟ میں نے کہا: وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے، آپ نے پوچھا، پھرلوگ کس کی طاقت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا، (کچھ) جو کی، آپ نے فرمایا: تم تو بہت زاہد ہو، پھر یہ آیت نازل ہوگئی: (المجادلہ:۱۳) کیا تم اپنی سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے۔

حضرت علی نے فرمایا: پس میرے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف کردی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۰۰)

اکابر صحابہ کا آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہ کرنا، آیا ان کے حق میں کسی طعن یا...... نقص کا موجب ہے؟

اکثر روایات میں مذکور ہے کہ صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے ایک دینار صدقہ دیا تھا، اس کے بعد اس حکم پر عمل کرنے کی رخصت نازل ہوگئی اور اس حکم پر عمل کرنا منسوخ ہوگیا اور یہ بھی مروی ہے کہ اکابر صحابہ نے اس حکم پر عمل کرنے کا وقت پایا لیکن اس حکمل پر عمل نہیں کیا اور اس سے اکابر صحابہ پر طعن ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم پر افاضل صحابہ نے اس لئے عمل نہیں کیا کہ فقراء مسلمین آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اس لئے اس حکمل پر عمل کرنا ان کے لئے مشکل تھا اور جو مسلمان غنی تھے ان کے دلوں میں اس کی وجہ سے وحشت پیدا ہوتی تھی، اگر وہ صدقہ نہ کرتے اور دوسرے صدقہ دیتے تو ان پر طعن ہوتا، لہٰذا فقراء کے لئے اس حکم پر عمل کرنا مشکل تھا اور اغنیاء کے لئے اس حکم پر عمل سے توحش ہوتا تھا اور ہر مسلمان کے لئے آپ سے سرگوشی کرنا واجب نہ تھا اور سرگوشی نہ کرنے سے ان کا کوئی نقصان نہ تھا اور نہ ہی سرگوشی کرنا کوئی مستحب کام تھا، بلکہ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم اسی لئے دیا تھا کہ مسلمان سرگوشی کرنا ترک کردیں، کیونکہ نبی ﷺ کی اور بہت مصروفیات تھیں، آپ کا صرف یہی کام نہیں تھا کہ آپ سرگوشیوں کا جواب دیتے رہیں، آپ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنی تھی، قرآن مجید کو لکھوانا اور یاد کرانا تھا، کفار سے جہاد کے لئے لشکروں کو بھیجنا تھا، مختلف عبادات کرنی تھیں اور مصالح امت پر غور وفکر کرنا تھا، اس لئے سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کا منشاء ہی یہ تھا کہ مسلمان آپ سے سرگوشیاں کرنا ترک کردیں اور اکابر صحابہ اس منشاء سے آگاہ تھے، اس لئے انہوں نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہیں دیا اور انہوں نے جو اس حکم پر عمل نہیں کیا تو اس سے ان پر کوئی طعن وارد نہیں ہوتا، نہ اس سے ان کی فضیلت میں کوئی کمی ہوتی ہے، بلکہ ان کے اس پر عمل نہ کرنے میں ان کی یہ فضیلت ہے کہ وہ قرآن کے اسرار اور رموز سے سب سے زیادہ آگاہ تھے اور وہ منشاء قرآن کو جاننے والے تھے۔

ومن سورۃ الحشر

سورت حشر سے ناسخہ ومنسوخہ آیات کا بیان

سورت کا نام

اس سورت کا نام الحشر ہے اور یہ نام اس سورت کی اس آیت سے ماخوذ ہے: (الحشر: ۲) وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلاوطن کرنے کے لئے ان کو ان کے گھروں سے نکالا۔

اس سورت کا نام سورۃ بنی النضیر بھی ہے، کیونکہ اس سورت میں یہود بنی النضیر کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورۃ الحشر کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: اس کو سورۃ بنونضیر کہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۳)

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورۃ الحشر کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا، یہ بنونضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۱)

اس سورت کا نام سورۃ الحشر اس لئے ہے کہ حشر کا معنی ہے: لوگوں کو اکٹھا کرنا، اور بنونضیر کو اکٹھا کر کے مدینہ سے نکالا گیا، پھر ان کو خیبر اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ اور اس سورت کا نام سورۃ بنونضیر اس لئے ہے کہ اس سورت میں بنونضیر کو ان کے گھروں سے نکال کر جلاوطن کرنے کا ذکر ہے، ۴ ھ میں بنونضیر کو ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا، یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر 98 ہے، یہ سورت البینہ کے بعد اور سورت النصر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

حکم غنائم کے سبب مال فئے کے عموم کے نسخ کا بیان

وعن قوله عز وجل: {مَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ} فكان الفيء بين هؤلاء فلما نزلت هذه الآية في الأنفال {وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ} فنسخت هذه الآية ما كان قبلها من سورة الحشر فجعل الخمس لمن كان له الفيء وصار ما بقي من الغنيمة لسائر الناس لمن قاتل عليها.

النحاس 232، وفيه قول قتادة. ابن سلامة 90، مكي 370 وفيه قول قتادة. ابن الجوزي 213، العتائقي 77، ابن المتوج 191، ويلاحظ أن هناك خلافا فيها.

اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے)

قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تا کہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں، اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر، 7) لہذا مال فئے اسی حکم میں رہا اس کے بعد سورت انفال کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بیشک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (چیز) پر جو اللہ نے اپنے (مکرم) بندے پر فیصلہ کے دن نازل کی جس دن وہ لشکر مقابل ہوئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الانفال، 41) اس نے اس سے پہلے والی آیت کو منسوخ کر دیا۔ لہذا خمس مال فئے سے اور بقیہ مال غنیمت تمام لوگوں کیلئے ہو جنہوں نے اس جنگ میں شرکت کی ہو۔

شرح

قتادہ کا قول ہے کہ ابتدائے اسلام میں مال غنیمت ان پانچ اصناف کے لئے تھا لیکن پھر قول باری۔ واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ جان لو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے) تا آخر آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (احکام القرآن، سورہ حشر، بیروت)

مال فئے کے عموم کا خمس کے سبب منسوخ ہو جانے کا بیان

قول باری ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں والوں سے بطور فئے دلوادے سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا) تا آخر آیت۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اس فئے کا حکم بیان کیا جس کے حصول کے لئے مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے تھے اور نہ ہی اونٹ اور پھر اس فئے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کر دیا تھا جیسا کہ ہم گزشتہ سطور میں بیان کر آئے ہیں۔

پھر اس فئے کا ذکر ہوا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے تھے۔ اس فئے کو اللہ تعالیٰ نے آیت میں مذکورہ اصناف کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ پانچ اصناف ہیں جن کا ذکر دوسری آیات میں بھی ہوا ہے۔ ظاہر آیت اس بات کا مقتضی ہے کہ غانمین کا اس فئے میں کوئی حصہ نہ ہو اور صرف ان غانمین کو حصہ ملے جو ان پانچ اصناف کے ذیل میں آتے ہیں۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب عراق فتح کر لیا تو کچھ صحابہ کرام نے اس سرزمین کو غانمین کے درمیان تقسیم کر دینے کا مطالبہ کیا ان میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہما بھی شامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جواب میں یہ فرمایا تھا کہ اگر میں عراق کو غانمین میں تقسیم کر دوں تو آخر میں آنے والوں کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات کے مقابلہ میں آیت زیر بحث سے تا قول باری (والذین جاءو امن بعدھم، اور ان لوگوں کا بھی حق ہے کو ان کے بعد آئے) استدلال کیا تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں حضرت علی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک جماعت سے مشورہ بھی کیا تھا۔

ان حضرات نے یہی مشورہ دیا تھا کہ عراق کی سرزمین غانمین میں تقسیم نہ کی جائے، یہاں کے باشندوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھا جائے اور ان پر خراج عائد کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر عمل کیا اور صحابہ کی جماعت نے آیت زیر بحث سے استدلال میں آپ کی موافقت کی تھی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اسے مفتوحہ سرزمینوں کے سلسلے میں غنیمت والی آیت کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ اگر امام المسلمین مفتوحہ سرزمین کی تقسیم کو مسلمانوں کے لئے زیادہ فائدہ منداور بہتر سمجھے تو اسے تقسیم کر دے اور اگر اس سرزمین پر وہاں کے باشندوں کو برقرار رکھنے اور ان سے خراج وصول کرنے کو زیادہ سودمند دیکھے تو اس پر عمل کرلے۔

کیونکہ آیت زیر بحث کا حکم خراج وصول کرنے کے سلسلے میں اگر ثابت نہ ہوتا اور اس کے اول وآخر کی حیثیت یکساں نہ ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا ضرور ذکر کرتے اور انہیں یہ بتاتے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔

لیکن جب ان حضرات نے آیت کے نسخ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں استدلال نہیں کیا تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آیت کا حکم ان حضرات کے نزدیک ثابت تھا اور ان کی نظروں میں اس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال درست تھا۔

اس طرح دونوں آیتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ مفہوم حاصل ہوا۔ جان لو جو کہ کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، اراضی کے سوا اموال میں اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور اراضی میں اللہ کے لئے پانچواں حصہ ہوگا۔ اگر امام المسلمین ایسا کرنا پسند کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جو اراضی بطور فئے دلوائے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہوگی اگر امام المسلمین ان اراضی کو ان کے مالکوں کے قبضے میں رہنے دینا چاہیے۔" یہاں رسول (اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) کے ذکر کا مقصد یہ ہوگا کہ یہ معاملہ آپ کو تفویض کر دیا گیا ہے آپ جس شخص کو مناسب سمجھیں اس کا مصرف قرار دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت زیر بحث کے الفاظ (کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم تاکہ وہ اموال فی تمہارے دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے) نیز (والذین جاوا من بعدھم) اسے استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا" اگر میں اس سرزمین کو غانمین کے درمیان تقسیم کر دوں تو یہ تمہارے دولتمندوں ہی کے قبضے میں آجائے گی اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں رہے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول (والذین جائوا من بعدھم) کے ذریعے اس میں ان لوگوں کا حق بھی رکھا ہے۔"

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں آیت زیر بحث کی دلالت کا حکم برقرار رہا منسوخ نہیں ہوا۔ اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ اس امر میں اتفاق کیا کہ سرزمین عراق کے باشندوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھ کر ان سے خراج وصول کیا جائے تو آپ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمینوں کی پیمائش، کے

لئے عراق روانہ کردیا۔

چنانچہ ان دونوں حضرات نے وہاں جاکر زمینوں کی پیمائش کرنے کے بعد ان پر متعین اندازوں کے مطابق خراج عائد کردیا اور گردنوں یعنی افراد پر جزیہ لگادیا۔ جزیہ عائد کرنے کے سلسلے میں ان دونوں حضرات نے لوگوں کے تین طبقے بنادیے، ایک طبقہ وہ تھا جو سالانہ بارہ درہم ادا کرتا تھا، دوسرا چوبیس درہم اور تیسرا اڑتالیس درہم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس انتظام میں بعد میں آنے والے ائمہ مسلمین نے کوئی ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ نہیں کی۔ اس طرح اس انتظام پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

مفتوحہ زمینوں کے بارے میں احکام

جن سرزمینوں کی بزور شمشیر فتح کیا جائے ان کے احکام کے متعلق اہل علم کے مابین اختلاف رائے ہے۔ ہمارے اصحاب اور سفیان ثوری کا قول ہے کہ امام المسلمین کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اس سرزمین کو اس کے باشندوں اور مال و دولت سمیت پانچواں حصہ نکالنے کے بعد غانمین کے درمیان تقسیم کردے اور اگر چاہے تو اس پر وہاں کے باشندوں کو برقرار رکھے اور خراج عائد کردے۔

اس صورت میں یہ سرزمین اس کے باشندوں کی ملکیت میں رہے گی اور ان کے لئے اس کی بیع و شراء جائز ہوگی۔

امام مالک کا قول ہے کہ جس سرزمین پر صلح ہوگئی ہو اگر اہل صلح اسے فروخت کریں تو ان کی یہ فروخت جائز ہوگی اور جس سرزمین پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا ہو اسے کوئی شخص نہیں خریدے گا۔ اس لئے کہ اہل صلح میں سے جو لوگ مسلمان ہوجائیں گے وہ اپنی زمینوں اور اپنے مال کے زیادہ حق دار ہوں گے۔ جس سرزمین پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا ہو وہاں کے باشندوں میں سے جو لوگ مسلمان ہوجائیں گے وہ مسلمان ہونے کی بنا پر اپنی جانیں محفوظ کرلیں گے لیکن ان کی زمینیں مسلمانوں کی ہوں گی۔ کیونکہ ان کی پوری سرزمین مسلمانوں کے لئے فئے بن جاتی ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ جس سرزمین پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا ہو اس کا پانچواں حصہ وہاں کے باشندوں کو دے دیا جائے اور باقی چار حصے غانمین کو مل جائیں گے۔ پھر جو شخص بخوشی اپنے حق سے دست بردار ہوجائے گا۔ امام المسلمین کو اسے ان پر وقف کردینے کا اختیار ہوگا۔ اور جو شخص بخوشی دست بردار نہیں ہوگا وہ اپنے مال کا زیادہ حق دار قرار پائے گا۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ مفتوحہ سرزمین یا تو غانمین کو دے دی جائے گی اور امام المسلمین کو اسے کسی حالت میں بھی ان سے الگ رکھنے کا اختیار نہیں ہوگا الا یہ کہ کوئی شخص اپنے حق سے بخوشی دست بردار ہوجائے یا یا امام المسلمین کو یہ اختیار ہوگا کہ اس سرزمین پر وہاں کے باشندوں کو برقرار رکھتے ہوئے زمین پر خراج عائد کردے اور لوگوں پر جزیہ لگادے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے دیہی علاقوں کے سلسلے میں طریقہ کار اختیار کیا تھا۔

جب تمام صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کی تصویب کی تھی جو انہوں نے ارض سواد (عراق کے دہی علاقوں) کے انتظام کے سلسلے میں اٹھایا تھا، اگرچہ بعض حضرات نے ابتدا میں غانمین کے حق کو ساقط کرنے کی مخالفت کی تھی لیکن پھر سب اس انتظام پر متفق ہوگئے تھے۔

تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غانمین نہ تو مفتوحہ سرزمین کی اور نہ ہی وہاں کے باشندوں کی گردنوں کی ملکیت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ البتہ اگر امام المسلمین ایسا کرنا پسند کرے تو پھر انہیں ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر غانمین کو مفتوحہ سر زمین کی ملکیت حاصل ہو جاتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں چھوڑ کر دوسروں کو اس کا مالک قرار نہ دیتے۔

اور آپ نے قول باری (کیلا یکون دولة بین الاغنیآء منکم) نیز (والذین جآ ؤامن بعدھم) سے جو استدلال کیا تھا غانمین اس استدلال کو ہرگز تسلیم نہ کرتے۔ لیکن جب تمام لوگوں نے آیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس استدلال کو تسلیم کر لیا تو اس سے یہ دلالت حاصل ہوئی کہ غانمین مفتوحہ سرزمین کی ملکیت کے حق دار نہیں ہوتے الا یہ کہ امام المسلمین انہیں اس کی ملکیت دینا پسند کرے۔

نیز اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ امام المسلمین کو مشرکین کے قیدیوں کو قتل کر دینے کا اختیار ہوتا ہے اور وہ انہیں زندہ رکھ کر غانمین کے درمیان تقسیم بھی کر سکتا ہے۔ اگر ان قیدیوں میں غانمین کی ملکیت کا ثبوت ہو جاتا تو پھر امام المسلمین کو غانمین کے دوسرے اموال کی طرح ان قیدیوں کو تلف کرنے کا اختیار نہ ہوتا۔

جب امام المسلمین کو درج بالا دونوں اختیارات حاصل ہیں تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی ک مال غنیمت محفوظ کر لینے کے بعد غانمین کو نہ تو گردنوں کی اور نہ ہی زمینوں کی ملکیت حاصل ہوتی ہے الا یہ کہ امام المسلمین ایسا کرنا چاہے۔

اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے سفیان ثوری نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے بشیر بن یسار سے اور انہوں نے سہل بن ابی حثمہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصے کی آمدنی اپنی ضروریات کے لئے مخصوص کر دی تھی اور دوسرے حصے کو مسلمانوں کے درمیان اٹھارہ حصے فی کس کے حساب سے تقسیم کر دیا تھا۔

اگر پورا خیبر غانمین کی ملکیت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نصف کو اپنی ضروریات کے لئے مخصوص نہ کرتے حالانکہ خیبر بزور شمشیر فتح ہوا تھا اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آ نے مکہ بزور شمشیر فتح کیا تھا اور اس کے باشندوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں وہاں برقرار رہنے دیا تھا۔

اس طرح آیت کی دلالت، اجماع سلف اور سنت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ امام المسلمین کو مفتوحہ زمینوں کو غانمین کے درمیان تقسیم کر دینے یا انہیں وہاں کے باشندوں کی ملکیت میں رہنے دینے اور خراج عائد کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔

اس پر سہل بن صالح کی روایت دلالت کرتی ہے جو انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عراق نے اپنے قفیز (ایک پیمانہ) اور درہم کی ادائیگی روک دی، شام نے اپنے مد (ایک پیمانہ) اور دنیار کی اور مصر نے اپنے اردب (ایک بڑا پیمانہ) اور دینار کی۔ اور پھر اسی طرح ہو گئے جس طرح پہلے تھے۔"

یہ روایت سنا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ اس روایت کی صداقت پر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گوشت اور اس کا خون گواہ ہیں۔" اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ زمینوں میں اللہ کے واجب حقوق کی ادائیگی سے لوگ باز رہیں گے اور اس طرح حقوق اللہ کی عدم ادائیگی کی بنا پر وہ زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ آئیں گے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اللہ

کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق کار اور پالیسی کی صحت پر دلالت کرتی ہے جو انہوں نے عراق کی زمینوں کے متعلق اختیار کیا تھا۔ نیز یہ کہ انہوں نے ان زمینوں پر جو خراج عائد کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا حق ہے جس کی ادائیگی واجب تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے سواد عراق کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس پالیسی کا ذکر کیا ہے اس پر اجماع نہیں ہوا تھا کیونکہ حبیب بن ابی ثابت وغیرہ سے ثعلبہ بن یزید الجمانی سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دیوان خانے میں گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں اتارنے لگ جاؤ گے تو میں عراق کی ساری دیہی زمینیں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جو درست روایت ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواد عراق تقسیم نہ کرنے اور وہاں کے باشندوں کو ان زمینوں پر برقرار رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔

اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معترض نے جو روایت نقل کی ہے وہ اس پس منظر میں درست نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ انہوں نے جب لوگوں کو خطاب کر کے یہ بات کہی تھی وہ یا تو وہی تھے جنہوں نے سواد عراق کو فتح کیا تھا اور اس بناء پر وہ اس کی ملکیت اور تقسیم کے حق دار بن گئے تھے اور امام المسلمین کو اس بارے میں کوئی اختیار نہیں تھا یا مخاطب وہ لوگ تھے جنہوں نے سواد عراف کو فتح نہیں کیا تھا یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو یہ بات کہی تھی جس میں ملے جلے لوگ تھے، یعنی وہ بھی جو عراق کی فتح میں شریک تھے اور وہ بھی جو اس میں شریک نہیں تھے۔

اب جو لوگ فتح میں شریک نہ ہوئے ان سے یہ بات کہنی درست ہی نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ مال غنیمت غانمین کے سوا دوسروں کو دے دیا جائے۔ اور غانمین کو اس سے خارج کر دیا جائے یا یہ کہ ان میں ملے جلے لوگ ہوں یعنی ایسے بھی جو فتح میں شریک ہو کر غنیمت کے حق دار بنے تھے اور ایسے بھی جو فتح میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

یہ بھی پہلی صورت کی طرح ہے کیونکہ جو لوگ فتح میں شریک نہ ہوئے ہوں ان کے لئے مالِ غنیمت میں حصہ مقرر کرنا اور مال غنیمت کو ان کے اور شریک ہونے والوں کے درمیان تقسیم کر دینا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ یا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات ان لوگوں سے کہی تھی جو سواد عراق کی فتح میں شریک تھے دوسرے لوگ ان میں شامل نہیں تھے۔

اگر یہ بات اس طرح تھی اور یہی لوگ سواد عراق کے حق دار تھے، دوسرے نہیں تھے۔ نیز امام المسلمین کو اس بارے میں کوئی اختیار بھی نہ تھا تو پھر اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ان لوگوں کا حق دوسروں کو دے دینا جائز ہی نہ تھا۔

تا کہ اس کے نتیجے میں لوگ ایک دوسرے کی گردن اتارنے پر آمادہ ہو جاتے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تقویٰ اور پرہیز گاری سے یہ توقع ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ جس حق کی حفاظت اور نگرانی کا فریضہ آپ پر عائد تھا اس میں کوتاہی کرتے ہوئے آپ وہ حق غیر مستحق کے قبضے میں چلے جانے کی اجازت دے دیتے۔

نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے صرف ان لوگوں کو مخاطب نہیں بنایا تھا جنہوں نے سواد عراق کو فتح کیا تھا۔ اس خطاب کی صرف ان لوگوں کے ساتھ تخصیص نہیں تھی بلکہ دوسرے بھی اس میں شامل تھے اور یہ بیات اسی روایت کے فساد کی دلیل ہے۔

مفتوحہ زمینوں کی ملکیت کے متعلق درج بالا سطور میں ہمارے بیان کردہ اصول کے ثبوت کے بعد نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرام سے اس روایت کی صحت کے بعد جس کے مطابق آپ نے سواد عراق تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ وہاں کے باشندوں کو ان زمینوں پر برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظام کی نوعیت کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔

کچھ لوگ تو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رہنے دیا تھا، ان کے اموال ان کے قبضے میں رہنے دیے تھے اور انہیں غلام قرار نہیں دیا تھا۔ یہی وہ بات ہے جو ہم نے اس سلسلے میں اپنے اصحاب کے مسلک کے متعلق بیان کی ہے۔

کچھ دوسرے حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کو ان کی اراضی پر اس شرط کے ساتھ برقرار رکھا تھا کہ یہ لوگ اپنی اراضی سمیت مسلمانوں کے لئے فئے تھے اور انہیں ان کی زمینوں کی ملکیت حاصل نہیں تھی۔ بعض دوسرے حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آپ نے انہیں آزاد قرار دے کر ان کی زمینوں پر برقرار رکھا تھا اور ان کی زمینیں مسلمانوں کے مصالح کی خاطر وقف تھیں۔

ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اہل سواد میں سے جو شخص مسلمان ہو جاتا وہ آزاد ہوتا اور کوئی شخص اسے غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں ایک دہقان یعنی زمیندار مسلمان ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنی زمین پر قابض رہنا چاہو تو ہم تم سے جزیہ ہٹا لیں گے اور تمہاری زمین سے جزیہ یعنی خراج لیں گے اور اگر تم اپنی زمین چھوڑ جاؤ گے تو ہم اس زمین کے زیادہ حق دار ٹھہریں گے۔

اسی قسم کی روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ہے۔ نہر الملک کے علاقے کی ایک زمیندار نی جب مسلمان ہو گئی تو آپ نے اس سے یہی بات فرمائی تھی۔ اگر سواد عراق کے باشندے غلام ہوتے تو مسلمان ہونے کی وجہ سے ان سے غلامی زائل نہ ہوتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں حضرات نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم اپنی زمین چھوڑ جاؤ تو ہم اس زمین کے زمین حق دار قرار پائیں گے اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس قول سے ان دونوں حضرات کا دراصل مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اپنی زمینوں کو آباد رکھنے سے عاجز رہیں تو ہم انہیں آباد کریں گے اور فصلیں کاشت کریں گے تاکہ ان زمینوں پر واجب ہونے والے مسلمانوں کے حقوق یعنی خراج معطل ہو کر رہ جائیں۔

ہمارے نزدیک امام المسلمین ان لوگوں کو اراضی کے متعلق یہی اقدام کرے گا جو انہیں آباد کرنے سے عاجز ہو جائیں۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل سواد میں سے جو لوگ مسلمان ہو جائیں وہ آزاد ہوں گے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ان کے اراضی بھی ان کی ملکیت کے تحت ہوں گی جس طرح ان کی گردنیں اصل حالت یعنی آزادی پر برقرار رکھی گئی تھیں۔

ہمارے مخالفین کے نزدیک امام المسلمین کے لئے جس بنا پر یہ بات جائز ہے کہ وہ ان کی گردنوں سے غانمین کے حق کو منقطع کر کے ان کی زمینوں کو مسلمانوں کے لئے وقف کردے اور ان زمینوں کا خراج مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرے اسی بنا پر اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ان زمینوں پر ان کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان کا خراج مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرے۔

کیونکہ مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان زمینوں سے ان پر قابضین کی ملکیت کی نفی کردیں جبکہ مسلمانوں کو ان زمینوں کی ملکیت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ دونوں حالتوں میں مسلمانوں کو صرف وہاں کے خراج پر حق حاصل ہوتا ہیں ان زمینوں کی ملکیت کا حق حاصل نہ ہوتا۔

یحییٰ بن آدم نے حسن بن صالح کی طرف سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے تو یہ سن رکھا ہے کہ جس مال پر مسلمان قتال کے ذریعے بزور شمشیر غالب آجائیں وہ مال غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال صلح کی بنا پر حاصل ہو وہ فئے کہلاتا ہے۔

رہ گیا سواد عراق کا مسئلہ تو ہم نے اس کے متعلق سن رکھا ہے کہ پہلے نبطیوں کے قبضے میں تھا پھر اہل فارس اس پر قابض ہو گئے اور نبطی انہیں خراج ادا کرتے رہے۔ جب اہل فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے سواد عراق کی نیز جنگ نہ کرنے والے دہقانوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے مردوں پر جزیہ عائد کردیا اور ان کے قبضے میں جو زمینیں تھیں ان کی پیمائش کر کے ان پر خراج عائد کردیا۔ جو زمین کسی کے قبضے میں نہیں تھی اس پر خود قبضہ کرلیا اور یہ زمین امام المسلمین کے لئے "صفی" (مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے امام المسلمین اپنے لئے اس میں سے جو چیز الگ کرے وہ صفی کہلاتی ہے) بن گئی۔"

ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ حسن بن صالح نے گویا یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اہل فارس کی مملکت میں نبطی لوگ آزاد شہریوں کی حیثیت سے رہتے تھے اس لئے ان کی زمینوں پر ان کی ملکیت بحال تھی۔ پھر جب مسلمان اہل فارس یعنی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور ان ایرانیوں نے ہی مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ نبطیوں نے مقابلہ نہیں کیا تھا تو ان کی زمینیں اور گردنیں اسی حالت پر باقی رہنے دی گئیں جس پر یہ ایرانیوں کے زمانے میں تھیں۔

چونکہ ان نبطیوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصہ نہیں لیا تھا اس لئے ان کی زمینیں اور گردنیں صلح کی بنا پر حاصل ہونے والی زمینوں کے معنی میں ہو گئیں۔ البتہ اگر یہ مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیتے تو اس صورت میں مسلمان ان کی زمینوں اور گردنوں کے مالک بن جاتے۔

حسن بن صالح کی یہ توجیہ اس صورت میں احتمال کے درجے میں قابل قبول ہو سکتی تھی۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ان رفقاء کے مقابلہ میں جنہوں نے آپ سے سواد عراق کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا کتاب اللہ کی دلالت سے استدلال نہ کرتے۔ حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو استدلال کیا تھا وہ حسن بن صالح کی بیان کردہ توجیہ سے بالکل مختلف تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق کی اجارہ کے طور پر وہاں کے باشندوں کے حوالے اس لئے کر دیا تھا کہ غانمین نے بطیب خاطر اس بات کو قبول کرلیا تھا۔ اجرت کو خراج کا نام دیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (الخراج بالضمان خراج یعنی اجرت اور آمدنی کا استحقاق تاوان کی ذمہ داری کی بنیاد پر ہوتا ہے) آپ کی اس سے مراد خرید شدہ غلام کی اجرت ہے جب اسے عیب کی بنا پر واپس کر دیا جائے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ یہ بات کئی وجوہ سے غلط ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق پر خراج عائد کرنے اور اسے غانمین کے درمیان تقسیم نہ کرنے کے سلسلے میں غانمین کی رائے اور ان کی رضامندی معلوم نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ نے صرف صحابہ کرام سے مشورہ کیا تھا اور جن حضرات نے تقسیم کا مطالبہ کیا تھا ان کے سامنے اپنی بات کو دلائل سے واضح کر دیا تھا۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غانمین کی رضامندی اور ان کی خوشی معلوم کرتے تو یہ بات بھی روایات کے ذریعے اسی طرح منقول ہوتی ہے جس طرح رفقاء کے ساتھ آپ کی بحث واستدلال اور مراجعت منقول ہوئی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات منقول ہوئی ہے اور اس کا ذکر بھی ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم لوگوں کے سردار تھے۔ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق کا چوتھائی عطا کیا تھا۔ ہم تین سالوں تک یہ چوتھائی ادا کرتے رہے۔

پھر جریر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، آپ نے ان سے کہا: "بخدا اگر میں تقسیم کرنے والا نہ ہوتا اور اس تقسیم کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوتی تو تم لوگ اسی طرح چوتھائی وصول کرتے رہتے جس طرح پہلے وصول کرتے رہے لیکن اب میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ اسے مسلمانوں کو واپس کردو"

چنانچہ جریر نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں انعام کے طور پر اسی دینار دیے۔ پھر ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی امیر المومنین! میری قوم نے آپ کے ساتھ ایک بات پر مصالحت کرلی ہے لیکن میں اس مصالحت پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں گی جب تک آپ میری مٹھی سونے سے نہ بھر دے گے، ایک نرم رفتار اونٹ اور ایک سرخ رنگ کی جھالر دار چادر نہ دیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ چیزیں اس عورت کو دے دیں۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اس روایت میں یہ دلیل موجود نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں زمینوں کی ملکیت بھی عطا کر دی تھی۔ عین ممکن ہے کہ آپ نے انہیں پہلے خراج کا چوتھائی عطا کیا تھا بعد میں یہ مناسب سمجھا کہ انہیں خراج کی بجائے صرف ان کے وظائف دیے جائیں جو تمام لوگوں کو دیے جاتے تھے تاکہ سب کے ساتھ یکسانیت کا برتاؤ ہو جائے۔

یہاں یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کی رضامندی حاصل کر کے یہ قدم اٹھایا تھا جب کہ آپ نے یہ واضح کر دیا تھا کہ آپ کی رائے میں ان سے اب یہ مراعات واپس لے کر مسلمانوں پر لوٹا دی جائے اور یہ بھی

واضح کر دیا تھا کہ آپ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ آپ کے خیال میں یہ بات مسلمانوں کے حق میں بہتر اور زیادہ سودمند تھی۔

رہ گیا عورت کا معاملہ تو آپ نے یہ چیزیں اسے بیت المال سے دی تھیں کیونکہ آپ کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔ آپ لوگوں کے قبضے سے سوادعراق کا خراج وغیرہ واپس لئے بغیر بھی انہیں بیت المال سے دے سکتے تھے۔ معترض کا یہ کہنا کہ خراج اجرت ہے کئی وجوہ سے غلط ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اجارہ اگر ایک مدت کے لئے ہو تو جب تک مدت معلوم نہ ہو یہ درست نہیں ہوتا۔ نیز اہل سواد یا تو غلام تھے یا آزاد، اگر غلام تھے تو آقا کا اپنے غلام سے اجارہ کرنا جائز نہیں ہوتا اور اگر آزاد تھے تو پھر کیسے جائز ہو گیا کہ ان کی گردنیں تو اصل جزیہ پر رہنے دی جاتیں اور ان کی اراضی ان کی ملکیت میں نہ رہنے دی جاتی۔
نیز اگر وہ غلام ہوتے تو ان کی گردنوں کا جزیہ لینا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غلاموں پر کوئی جزیہ نہیں ہوتا۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کھجور اور دوسرے درختوں کا اجارہ جائز نہیں ہوتا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور کے درختوں نیز دوسرے اشجار کا خراج وصول کیا تھا جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خراج اجرت نہیں ہے۔

خراجی زمین اور اس کا اجارہ

خراجی زمین کی خرید اور اسے اجارہ پر لینے کے جواز کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے۔ ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اوزاعی کا بھی یہی قول ہے امام مالک نے کہا ہے کہ میں خراجی زمین اجارہ پر لینے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ شریک نے بھی خراجی زمین کی خریداری کو مکروہ سمجھا ہے انہوں نے کا ہے کہ خراجی زمین خرید کہ اپنی گردن پر ذلت نہ سوار کرلو۔

طحاوی نے ابن ابی عمران سے اور انہوں نے سلیمان بن بکار سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے المعافی بن عمران سے خراجی زمین میں فصل کاشت کرتے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس سے منع کر دیا۔ اس پر ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ خود خراجی زمین میں کاشت کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا، بھتیجے! برائی کی بات میں تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کرایہ پر لے لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جس طرح ان کے جانوروں کو کرایہ پر لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث (لاینبغی لمسلم ان یودی الخراج ولا لمشرک ان یدخل المسجد الحرام کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ خراج ادا کرے اور کسی مشرک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہو جائے) میں جزیہ کا خراج مراد ہے۔

ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے خراجی زمین خریدی تھی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا (لاتت نروا الضیعۃ فترغبوا فی الدنیا زمینیں

حاصل نہ کرو کہ پھر تمہیں دنیا سے رغبت پیدا ہوجائے گی) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا۔" راذان کی بات راذان میں ہے اور مدینہ کی بات مدینہ میں ہے۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی راذان میں زمین تھی اور راذان خراج کا علاقہ تھا۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹوں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق میں زمینیں خریدی تھیں۔ یہ بات دو معنوں پر دلالت کرتی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ زمینیں وہاں آباد لوگوں کی ملکیت تھیں اور دوسری بات یہ کہ مسلمان کے لئے ان کی خریداری مکروہ نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے اہل خراج میں سے مسلمان ہوجانے والوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر یہ اپنی زمینوں پر آباد رہیں تو ان کی زمینوں سے خراج وصول کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ذمیوں کی زمین کی خریداری کو ناپسند کیا تھا۔ انہوں نے یہ کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ذمی کافر کے گلے میں جو چیز لٹکا دی ہے اسے اپنے گلے میں نہ لٹکاؤ۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ ان کا قول ہے۔" اپنے گلے میں ذلت کو آویزاں نہ کرو۔"

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ زمین کا خراج ذلت نہیں ہے کیونکہ ہمیں سلف کے مابین اس مسئلے میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے کہ اگر ذمی کے قبضے میں خراجی زمین ہو اور وہ مسلمان ہوجائے تو اس کی زمین سے خراج بدستور وصول کیا جائے گا۔ البتہ اس کے سر سے جزیہ ختم ہوجائے گا۔ اگر خراج میں ذلت ہوتی تو اسلام لانے کی وجہ سے اس سے خراج ساقط ہو جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (منعت العراق قفیزھا ودرھمھا عراق نے اپنے قفیر (ایک پیمانہ) اور اپنے درہم کی ادائیگی روک دی) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مسلمانوں پر بھی واجب ہے کیونکہ آپ نے یہ بتایا کہ مسلمان مستقبل میں اللہ کا حق ادا کرنے سے باز رہیں گے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے (وعدتم کما بداتم اور پہلی حات کی طرف لوٹ گئے) ذلت مسلمانوں پر واجب نہیں ہوتی بلکہ یہ مسلمانوں کی طرف سے کافروں پر واجب ہوتی ہے۔

قول باری (والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم۔ اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے اور یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں) یعنی ۔۔۔ واللہ اعلم ۔۔۔ جو کچھ اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں والوں سے بطور فئے دلوائے وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور ان لوگوں کا جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے۔ یعنی انصار مدینہ۔

حضرات مہاجرین اگرچہ حضرات انصار سے پہلے اسلام لے آئے تھے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو حضرات مہاجرین کی ہجرت سے پہلے دار الاسلام اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے تھے اور یہ حضرات انصار تھے۔ (احکام القرآن ،سورہ حشر، بیروت)

غنائم کی تقسیم کا بیان

قول باری ہے واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل۔ اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے) اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً۔ پس جو کچھ مال تم نے حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ یہ آیت قول باری قل الانفال للہ والرسول کی ناسخ ہے۔ اس لئے کہ پہلے یہ بات تھی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ جو کچھ آتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے جسے جتنا چاہتے دے دیتے۔ اس مال میں کسی کا حق نہ ہوتا صرف اس شخص کا حق ہوتا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقدار بنا دیتے۔ یہ صورت معرکہ بدر کے موقع پر پیش آئی تھی۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بیان کر دیا ہے انہیں ایک تلوار ملی تھی انہوں نے بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تلوار بطور ہبہ مانگی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا کہ یہ تلوار نہ تو میری ملکیت ہے نہ تمہاری۔ پھر جب قل الانفال للہ والرسول) کا نزول ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کر کے فرمایا کہ تم نے مجھ سے یہ تلوار مانگی تھی۔ اس وقت یہ تلوار نہ میری ملکیت تھی اور نہ تمہاری۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسے میری ملکیت میں دے دیا ہے اور میں اسے تمہیں دیتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جسے ہمیں عبدالباقی بن قانع نے بیان کیا ہے انہیں بشر بن موسیٰ نے انہیں عبداللہ بن صالح نے انہیں ابوالاحوص نے اعمش سے انہوں نے ابوصالح سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کالے سروں والی کسی قوم کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا۔ جب کوئی نبی اور اس کے رفقاء مال غنیمت حاصل کرتے تو وہ اسے ایک جگہ جمع کر دیتے۔ پھر آسمان سے ایک آگ اترتی اور اسے کھا جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے)۔ ہمیں محمد بن بکر نے روایت بیان کی، انہیں ابوداؤد نے انہیں احمد بن حنبل نے انہیں ابونوح نے انہیں عکرمہ بن عمار نے انہیں سماک الحنفی نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جب بدر کا معرکہ پیش آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض۔ کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے) تا قول باری لمسکم فیما اخذتم) یعنی فدیہ کی رقم۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لئے غنائم کی حلت ہوگئی۔ ان دونوں روایتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ غنائم کی حلت بدر کی جنگ کے بعد ہوئی ہے اور حلت کا یہ حکم قول باری قل الانفال للہ والرسول) پر مرتب ہے نیز یہ کہ اس کی تقسیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی تھی۔ آیت قل الانفال للہ والرسول) پہلی آیت ہے جس میں غنائم کی اباحت کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ آپ جسے چاہیں اس میں سے دے دیں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) نیز یہ آیت نازل ہوئی فکلوا مما غنمتم

حلالاً طیباً) اس میں قیدیوں سے لئے جانے والے فدیہ کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ قول باری قل الانفال للہ والرسول) کے نزول کے بعد پیش آیا تھا۔

فدیہ والی آیت میں مسلمانوں کے اس عمل پر جس ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان قیدیوں کو قتل کر دینے کی بجائے شروع ہی سے ان سے فدیہ لے لیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلالت موجود نہیں ہے کہ غنائم کی اس وقت تک حلت نہیں ہوئی تھی جس میں تقسیم کا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ غنائم کی حلت تو ہوگئی ہو لیکن فدیہ کی ممانعت رہی ہو، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے کہ مشرکین کے قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ معرکہ بدر میں حصہ لینے والی فوج مال غنیمت کو آپس میں تقسیم کر لینے کی مستحق قرار نہیں دی گئی تھی۔ اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت سے پانچواں حصہ الگ نہیں کیا تھا اور سوار اور پیدل سپاہیوں کے حصول کی نشاندہی نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ قول باری واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) کا نزول ہو گیا۔ آپ نے اس آیت کی بنیاد پر غنائم کے پانچ حصے کر کے چار حصے جنگ میں حصہ لینے والوں کے درمیان تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ آیت میں مذکورہ مدوں کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس آیت کے ذریعے اسی اختیار کو منسوخ کر دیا گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہتے غنائم میں سے نفل کے طور پر دے دیتے۔ البتہ وہ صورت پھر بھی باقی رہی جس کے تحت مال غنیمت محفوظ کر لینے سے قبل آپ نفل کے طور پر جسے چاہتے اس میں سے کچھ دے دیتے۔ مثلاً یہ اعلان کر دیتے کہ " جسے کوئی چیز ہاتھ لگے وہ اس کی ہوگی " یا " جس شخص نے کسی دشمن کو قتل کر دیا اسے اس کا سامان مل جائے گا۔ اس لئے کہ آیت واعلموا انما غنمتم من شئی) کا حکم اس صورت کو شامل نہیں ہوا کیونکہ اس صورت میں حاصل ہونے والی چیز صرف اس شخص کے لئے غنیمت بنی تھی جس کے ہاتھ یہ لگی تھی یا جس نے اس کے مالک کو قتل کر دیا تھا۔ مال غنیمت محفوظ کر لینے کے بعد بطور نفل کسی کو کچھ دینے کے مسئلے میں اہل علم کے مابین اختلاف رائے ہے۔

اس مسئلے میں اختلاف کا ذکر

ہمارے اصحاب اور سفیان ثوری کا قول ہے کہ مال غنیمت محفوظ ہو جانے کے بعد کوئی نفل نہیں یعنی پھر کسی کو بھی اس کے حق سے زائد نہیں دیا جائے گا نفل کی صورت صرف یہ ہے کہ پہلے سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرے گا اسے اس کا سامان مل جائے گا یا جس شخص کے ہاتھ کوئی چیز آئے گی وہ اس کی ہوگی۔ اوزاعی کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار میں ہمارے لئے بہترین نمونہ موجود ہے۔ آپ ابتداء میں چوتھائی حصہ دیتے تھے اور واپسی پر تیسرا حصہ دیتے تھے۔ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے کہ مال غنیمت محفوظ ہو جانے کے بعد بھی امام یا سپہ سالار کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق بطور نفل دینا جائز ہے۔ ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ مال غنیمت جمع کرنے سے پہلے کسی کو بطور نفل کچھ دینے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً امام یہ اعلان کر دے کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے گا اسے اس کا سامان مل جائے گا یا یہ کہہ دے کہ جو چیز کسی کے ہاتھ آجائے گی وہ اس کی ہو جائے گی۔ حبیب بن مسلمہ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں چوتھائی حصہ نفل کے طور پر دیا تھا اور واپسی پر خمس نکالنے کے بعد تیسرا حصہ دیا تھا۔ ابتداء میں نفل کے طور پر دینے کے متعلق ہم نے فقہاء کے اتفاق کا ذکر کر دیا

ہے۔ اب رہی یہ بات کہ واپسی پر تہائی حصہ بطور نفل دیا تھا اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ آگے جانے والے فوجی دستہ کو واپسی پر ہی کچھ ہاتھ آئے وہ مراد ہے۔ مثلاً ان سے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ جو کچھ تمہیں ہاتھ لگے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد تہائی حصہ تمہیں مل جائے گا۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ غنائم کے مجموعہ کے بارے میں اس لفظ کے اندر عموم نہیں ہے۔ اس میں صرف حضور ﷺ کے طرز عمل کی حکایت ہے جو آپ ﷺ نے کسی معین چیز کے متعلق اختیار کیا تھا جس کی کیفیت بیان نہیں کی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے معنی وہ لئے جائیں جو ہم نے بیان کئے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات آگے جانے والے فوجی دستے کی واپسی کی صورت میں بیان کی تھی اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لئے واپسی میں جو حصہ مقرر کیا تھا وہ ابتداء میں مقرر کئے ہوئے حصے سے زائد تھا اس لئے کہ واپسی میں غنائم کی حفاظت اور اسے محفوظ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی جبکہ ان کے چاروں طرف کفار پھیلے ہوتے اور ان پر حملہ کرنے کے لئے کیل کانٹے سے لیس تیار بیٹھے ہوتے اس لئے کہ انہیں ان کی سرزمین میں اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع مل جانے پر وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوتے۔ اس میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ بات مال غنیمت محفوظ کر لینے کے بعد کہی گئی ہو اور یہ اس وقت کی بات ہو جب سارا مال غنیمت حضور ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور پھر آپ ﷺ جسے چاہتے دے دیتے تھے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حبیب بن مسلمہ کی روایت میں خمس نکالنے کے بعد ثلث کا ذکر ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بات آیت واعلموا انما غنمتم) کے نزول کے بعد کہی گئی تھی۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ روایت میں معترض کے ذکر کردہ امر پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ خمس سے مراد وہی خمس ہے جو پورے مال غنیمت سے نکالا جاتا ہے اور اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جس کا ذکر اس قول باری میں کیا گیا ہے فان للہ خمسہ) تا آخر آیت یہ ممکن ہے کہ اس خمس کی وہی حیثیت ہو جو مال غنیمت میں تہائی یا چوتھائی حصے کی ہوتی ہے ان میں کوئی فرق نہ ہو۔ جب حبیب بن مسلمہ کی روایت میں یہ احتمال پیدا ہو گیا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا تو اس کے ذریعہ قول باری اواعلموا انما غنتم من شئی) کے حکم میں کوئی تبدیلی جائز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ قول باری چار حصے جنگ میں حصہ لینے والوں کے لئے مخصوص کر دینے کا اسی طرح مقتضی ہے جس طرح پانچویں حصے کو آیت میں مذکور حقداروں کے لئے مخصوص کر دینے کا موجب ہے۔ اس لئے جس وقت مال غنیمت جمع کر کے محفوظ کر لیا جائے گا اس میں سب کا حق ثابت ہو جائے گا ظاہر آیت اس کی مقتضی ہے اس لئے آیت کے مقتضی سے ہٹ کر مال غنیمت میں سے کچھ کسی غیر مستحق کو دے دینا جائز نہیں ہوگا البتہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جس اس کے لئے کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس کے ذریعے آیت کی تخصیص جائز قرار دی جاسکتی ہو۔ ہمیں محمد بن بکر نے روایت بیان کی انہیں ابوداؤد نے انہیں مسدد نے انہیں یحییٰ نے عبیداللہ سے انہیں نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا " ہمیں حضور ﷺ نے ایک فوجی دستے کے ساتھ بھیجا۔ ہمیں بارہ اونٹوں کا حصہ ملا اور حضور ﷺ نے ہمیں فی کس ایک اونٹ نفل کے طور پر عطا کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روایت میں لشکر کو مال غنیمت سے ملنے والے حصوں کو بیان کیا اور یہ بتایا کہ نفل پورے مال غنیمت سے نہیں دیا گیا بلکہ حصوں کی تقسیم کے بعد دیا گیا اور خمس میں سے دیا گیا۔ مال غنیمت محفوظ کر لینے کے بعد کسی کو بطور نفل کچھ دینا صرف خمس سے ہی جائز ہوتا ہے اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو

ہمیں محمد بن بکر نے سنائی انہیں ابوداؤد نے انہیں ولید بن عتبہ نے انہیں ولید نے انہیں عبداللہ بن العلاء نے انہوں نے ابوسلام بن الاسود سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمرو بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہمیں حضور ﷺ نے مال غنیمت کے ایک اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھائی۔ جب آپ نے نماز سے فارغ ہوئے تو اس اونٹ کے پہلو سے ایک بال اٹھا کر فرمانے ﷺ میرے لئے تمہارے غنائم سے خمس کے سوا اس بال کے برابر بھی کوئی چیز حلال نہیں ہے اور یہ خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس روایت میں حضور ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ آپ ﷺ کو غنائم میں خمس کے سوا اور کسی چیز کے اندر تصرف کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ نیز یہ کہ باقی چار حصے غانمین کا حق شمار ہوتے تھے۔ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ ایسی معمولی چیزیں جن کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور جسے لینے پر لوگ ایک دوسرے کے لئے مانع نہ ہوتے۔ مثلاً گٹھلی، تنکا اور چیتھڑے وغیرہ جسے بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے ایک انسان کے لئے ایسی چیزیں اٹھالینا اور لے جانا جائز ہوتا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال اٹھا کر فرمایا تھا کہ تمہارے غنائم سے میرے لئے اس جیسی چیز بھی حلال نہیں ہے۔ یعنی میرے لئے اس جیسی چیز کا لے لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا پورے گروہ میں سے کسی ایک کو دے دینا جائز نہیں ظاہر ہے کہ ایک بال کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے اس جیسی چیز بھی حلال نہیں ہے اس سے آپ کی مراد ہی متعین چیز تھی یعنی بال۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کی اس سے مراد ایسی چیزیں تھیں جنہیں حاصل کرنے میں لوگ ایک دوسرے کے لئے مانع نہیں بنتے۔ بعینہ وہ بال مراد نہیں تھا اس لئے کہ وہ تو آپ ﷺ نے لے لیا تھا۔ ہماری اس بات پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے ابن المبارک نے نقل کیا ہے انہیں خالد الم خداء نے عبداللہ بن شقیق سے اور انہوں نے بلقین کے ایک شخص سے اس شخص نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا اللہ کے رسول ﷺ اس مال یعنی مال غنیمت کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟" آپ نے جواب دیا۔ خمس اللہ کے لئے اور چار حصے فوج کے لئے ہے"۔ ہم نے پھر پوچھا: "آیا اس میں کسی کا حق کسی سے بڑھ کر بھی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم اپنے پہلو میں پیوست تیر بھی کھینچ کر نکال لو یعنی وہ دشمن کا تیر ہو اور اب مال غنیمت میں شامل ہو تو بھی تم اپنے مسلمان بھائی سے بڑھ کر اس کے حق دار نہیں بنو گے: ابو عاصم النبیل نے وہب بن ابی خالد الحمصی سے انہوں نے اپنے والد حضرت عریاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بال پکڑ کر فرمایا (مالی فیکم ھذہ مالی فیہ الا الخمس فادو الخیط والمخیط فانہ عار ونار وشنار علی صاحبہ یوم القیامۃ) تمہارے مال میں میرا اس بال جتنا بھی حق نہیں ہے مال غنیمت میں خمس کے سوا میرا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے مال غنیمت کا دھاگہ اور سوئی بھی جمع کرا دو، اس لئے کہ اسے دیا جانا قیامت کے دن دیئے جانے والے کے لئے شرمندگی جہنم کی آگ اور بدترین عیب کا سبب بن جائے گا۔

مال غنیمت اور تعمیر کردار

ہمیں محمد بن بکر نے روایت بیان کی انہیں ابوداؤد نے انہیں موسیٰ بن اسماعیل نے انہیں حماد نے محمد بن اسحاق سے انہوں نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے والد نے عمرو کے دادا سے کہ دادا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

قبیلہ ہوازن سے حاصل ہونے والے غنائم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اونٹ کے پاس چلے گئے اس کے کوہان سے ایک بال اٹھایا اور فرمایا: لوگو! اس شے یعنی مال غنیمت میں خمس کے سوا میرے لئے کوئی چیز نہیں ہے یہ چیز تک بھی نہیں (یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو انگلیاں بلند کر کے اونٹ کے کوہان سے حاصل کردہ بال لوگوں کو دکھایا) اور یہ پانچواں حصہ بھی تمہیں لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس لئے مال غنیمت کا دھاگہ اور سوئی بھی جمع کرا دو"۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں اون کا گچھا تھا وہ کہنے لگا کہ "میں نے اون کا یہ گچھا اپنی اونی چادر رفو کرنے کی غرض سے لیا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: خمس میں سے میرا اور عبدالمطلب کے گھرانے یعنی میرے قرابت داروں کا جو حصہ ہے وہ میں تمہیں دیتا ہوں"۔ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا جب اس سلسلے میں آپ اس مقام کو پہنچ گئے ہیں جو مجھے نظر آ رہا ہے تو مجھے بھی اس اون کی ضرورت نہیں ہے"۔ یہ کہہ کر اس شخص نے اون کا گچھا پھینک دیا۔ یہ تمام روایات ظاہر کتاب اللہ سے مطابقت رکھتی ہیں اس لئے یہ روایات حبیب بن مسلمہ کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں اولیٰ ہوں گی خاص طور پر جبکہ اس روایت میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہے جس کا ہم نے سابقہ سطور میں ذکر بھی کر دیا ہے یہ تمام روایات مال غنیمت کے چار حصوں میں غانمین یعنی جنگ میں حصہ لینے والوں کے سوا کسی اور کے حق کے ثبوت کے لئے مانع ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ ان چاروں حصوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ محمد بن سیرین نے روایت کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبیداللہ بن ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک مہم پر گئے ہوئے تھے۔ اس مہم کے اختتام پر کچھ قیدی ہاتھ آ گئے، حضرت عبیداللہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک قیدی حوالہ کرنا چاہا تو حضرت انس نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ پہلے مال غنیمت تقسیم کر دو پھر خمس میں سے مجھے جو کچھ دینا ہے دو حضرت عبیداللہ نے کہا کہ میں تو پورے مال غنیمت میں سے تمہیں دوں گا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عبیداللہ خمس میں سے دینے پر رضامند نہیں ہوئے۔ ہمیں عبدالباقی بن قانع نے روایت بیان کی انہیں ابراہیم بن عبداللہ نے انہیں حجاج نے انہیں حماد نے محمد بن عمرو سے انہوں نے سعید بن المسیب سے انہوں نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب بطور نفل کسی کو کچھ دینے کی بات ختم ہو گئی۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب کی شاید اس سے مراد یہ ہو کہ پورے مال غنیمت میں سے اب بطور نفل کسی کو کچھ نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور نفل لوگوں کو دیا کرتے تھے پھر مال غنیمت کی تقسیم کی آیت کے ذریعے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اس قول سے ہمارے مسلک کے حق میں استدلال کیا جا سکتا ہے اس لئے کو سعید بن المسیب کا یہ قول ظاہری طور پر اس امر کا مقتضی ہے کہ عام حالات کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بطور نفل کسی کو کوئی چیز دے دے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ دلالت موجود ہے کہ امام وقت یا سپہ سالار اگر یہ اعلان کر دے کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرے گا اس کا سامان اسے مل جائے گا تو اس صورت میں وہ سامان اسے مل جائے گا، اس پر چونکہ سب کا اتفاق ہے اس اتفاق امت کی بنا پر ہم نے اس کی تخصیص کر دی اور باقی صورتوں کو اس کے مقتضی پر رہنے دیا یعنی اگر امام یہ اعلان نہ کرے تو کسی کو بھی بطور نفل کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ سعید بن المسیب سے یہ مروی ہے کہ لوگ خمس میں سے بطور نفل دیا کرتے تھے۔

بڑے سرداروں کو مال غنیمت دینا

اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین میں حاصل ہونے والے غنائم میں سے عرب کے مشہور سرداروں کو بڑے بڑے عطیے دیئے تھے ان میں اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، زبرقان بن بدر، ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ وغیرہم شامل تھے۔ یہ بات واضح ہے کہ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو مال غنیمت میں سے اس کا اپنا حصہ اور خمس میں سے ایک حصہ دو حصے ملا کر نہیں دیئے تھے اس لئے کہ یہ دونوں حصے مل کر بھی اس عطیے کی مقدار کو نہیں پہنچ سکتے تھے جو آپ نے ان میں سے ہر ایک کو دیا تھا۔ آپ نے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیئے تھے انکے سوا کچھ دوسروں کو بھی اتنے ہی اونٹ دیئے تھے۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو خمس میں سے اس کا حصہ دے کر خمس کے باقی ماندہ حصوں میں سے اسے نہیں دیا ہوگا اس لئے کہ خمس کے باقی ماندہ حصوں میں فقراء کا حق تھا اور یہ لوگ فقراء نہیں تھے اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ نے انہیں پورے مال غنیمت میں سے دیا تھا اور چونکہ آپ نے اس سلسلے میں تمام لوگوں سے ان کی رضامندی بھی حاصل نہیں کی تھی اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ نے انہیں یہ سب کچھ بطور نفل دیا تھا کیونکہ آپ کو بطور نفل کسی کو کچھ دے دینے کا اختیار تھا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ لوگ مولفۃ القلوب کی مد میں آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے صدقات میں مولفۃ القلوب کا حصہ رکھا ہے خمس کی حیثیت بھی اس لحاظ سے صدقہ کی طرح ہے کہ اس کا مصرف بھی فقراء ہیں جس طرح صدقات کا مصرف فقراء ہی ہیں۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پورے خمس میں سے دیا ہو جس طرح صدقات میں سے آپ انہیں دیتے تھے۔

مقتول دشمن کے سلب کے بارے میں فقہاء کی آراء

مقتول دشمن کے سازوسامان کی ملکیت کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ہمارے اصحاب امام مالک اور سفیان ثوری کا قول ہے کہ مقتول کا سلب یعنی سازوسامان پورے مال غنیمت کا حصہ ہے۔ البتہ اگر امیر لشکر نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرے گا اسے اس کا سازوسامان مل جائے گا۔ ایسی صورت میں یہ سازوسامان پورے مال غنیمت کا حصہ نہیں ہوگا۔ اوزاعی اور امام شافعی کا قول ہے کہ سلب ہر صورت میں قاتل کو مل جائے گا خواہ امیر لشکر نے اس کا اعلان نہ بھی کیا ہو۔ ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ قول باری ہے واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) یہ آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ مال غنیمت غانمین یعنی جنگ میں حصہ لینے والوں کو دینا لازم ہے اس لئے مال غنیمت میں سے کسی کو خصوصی طور پر کوئی چیز دے دینا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ درج بالا وضاحت کی بنا پر سلب کو بھی مال غنیمت میں شمار کرنے پر آیت کی دلالت تسلیم کر لینی چاہیے اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ لفظ غنمتم کا مصداق وہ مال غنیمت ہے جو غازیوں نے اجتماعی طور پر نیز جنگ میں ایک دوسرے کا سہارا بن کر اور غنیمت کے طور پر سازوسامان اکٹھا کر کے حاصل کیا ہو جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا ہے وہ دراصل پوری جماعت کی مدد اور اجتماعی قوت کے سہارے ایسا کرتا ہے اور مقتول کا سازوسامان حاصل کرتا ہے اس لئے اس سازوسامان کو مال غنیمت میں شمار کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اس مقتول کو قتل کئے بغیر اس کا

سلب لے لیتا تو اس صورت میں یہ سلب مال غنیمت کا حصہ شمار ہوتا۔ اس لئے کہ اسے اس سلب تک رسائی صرف پورے لشکر کی اجتماعی قوت کی بنا پر حاصل ہوئی تھی۔ اس کی مزید وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایسا شخص جس نے عملاً جنگ میں حصہ نہ لیا ہو اور اسلامی لشکر کی صف میں صرف مددگار کی حیثیت سے کھڑا رہا ہو وہ بھی غنیمت کا مستحق ہوتا اور غانمین میں شامل ہوتا ہے اس لئے غنیمت کے حصول میں اس کی پشت پناہی اور سہارے کو بھی دخل ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس سے سلب کا مال غنیمت ہونا واجب ہوگیا۔ اس صورت میں اس کی حیثیت غنائم کی دوسری اشیاء کی طرح ہوگی۔ اس پر قول باری فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً بھی دلالت کرتا ہے اس لئے کہ سلب پوری جماعت نے بطور غنیمت حاصل کیا ہے اس لئے پوری جماعت کا اس پر حق ہوگا سنت کی جہت سے بھی اس پر دلالت ہو رہی ہے۔ ہمیں احمد بن خالد نے روایت بیان کی انہیں محمد بن یحییٰ نے انہیں محمد بن المبارک اور ہشام بن عمار نے ان دونوں کو عمرو بن واقد نے موسیٰ بن یسار سے انہوں نے مکحول سے اور انہوں نے قتادہ بن ابی امیہ سے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اسلامی لشکر کے ساتھ مقام وابق میں پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ حبیب بن مسلمہ کو یہ اطلاع کہ قلعہ قبرس کا حاکم فند آذر بائیجان کی طرف بھاگنے کے لئے قلعہ سے چل پڑا ہے وہ اپنے ساتھ یاقوت وزمرد اور موتی نیز ریشمی کپڑوں کی بڑی مقدار لے جا رہا ہے۔ یہ سن کر حبیب بن مسلم اس کی تلاش میں پہاڑی راستوں پر چل پڑے اور ایک درے میں اسے جا لیا اور قتل کر کے اس کا سارا مال واسباب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے آئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے خمس نکالنا چاہا تو حبیب کہنے لگے کہ آپ مجھے اس رزق سے کیوں محروم کرتے ہیں جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا سارا مال واسباب قاتل کو دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبیب سے فرمایا" حبیب ٹھہرو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انما للمرء ما طابت بہ نفس امامہ۔ انسان کو وہی کچھ لینا چاہیے جو اس کا امام خوش ہو کر اسے دے دے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس چیز کی ممانعت کا مقتضی ہے جو اس کا امام اسے خوش ہو کر نہ دے اس لئے امام جس شخص کو خوش ہو کر مقتول کا سلب دینا نہ چاہیے اس کے لئے وہ سلب حلال نہیں ہوگا، خاص طور پر جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلب کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا دیا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جماعت نے جس میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم شامل ہیں یہ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا من قتل قتیلاً فلہ سلبہ۔ جس شخص نے دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دیا اسے اس کا سلب یعنی ساز وسامان مل جائے گا) نیز حضرت سلمہ بن الاکوع حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے قاتل کو اس کا سلب دے دیا تھا۔ یہ روایت دو باتوں پر دلالت کرتی ہے ایک تو یہ کہ روایت سلب پر قاتل کے استحقاق کی مقتضی ہے۔ دوسری یہ کہ اس روایت سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کے اسی فعل پر خوش ہو کر اسے سلب دے دیا تھا اور یہ بات تو واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام الائمہ تھے اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لیس للمرء الا ما طابت بہ نفس امامہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اس سے وہ

امیر اور حاکم مراد ہے جس کی اطاعت قاتل پر سلب کا دعویدار ہے واجب ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس ارشاد سے یہی مفہوم اخذ کیا تھا آپ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے راوی ہیں اس لئے آپ کا اخذ کردہ مفہوم ہی درست قرار دیا جائے گا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد سے اپنی ذات مراد لیتے تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے انما للمرء ماطابت بہ نفسی انسان کے لئے وہ کچھ ہے جو میں خوش ہو کر اسے دے دوں"۔ اس لئے معترض نے جس تاویل اور مفہوم کا ذکر کیا ہے وہ بے معنی اور ساقط تاویل ہے رہ گئیں وہ روایتیں جن میں یہ مروی ہے کہ سلب قاتل کے لئے ہوتا ہے ان میں اس حکم کا ورود اس حالت کے تحت ہوا تھا جس میں آپ نے مجاہدین کو قتال پر ابھارا تھا۔ آپ یہ بات لوگوں کو قتال پر ابھارنے اور دشمنوں کے خلاف انہیں جوش دلانے کے لئے فرمایا کرتے تھے جس طرح آپ سے یہ مروی ہے کہ من اصاب شیئاً فھولہ۔ جس شخص کو کوئی چیز ہاتھ آجائے وہ اس کی ہو جائے گی۔ جس طرح ہمیں احمد بن اخلد الجزوری نے روایت سنائی ہے انہیں محمد یحییٰ الدھانی نے انہیں موسیٰ بن اسماعیل نے، انہیں غالب بن حجرہ نے انہیں ام عبداللہ نے یہ ملقام بن التلب کی بیٹی ہیں، انہوں نے اپنے والد سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا من اتی بمول فلہ سلبہ جو شخص کسی فرار ہونے والے کو پکڑ کر لائے گا اسے اس کا ساز وسامان مل جائے گا) یہ بات واضح ہے کہ یہ حکم صرف متعلقہ جنگ کی حالت تک محدود تھا اس لئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی فرار ہونے والے دشمن کو پکڑے گا وہ اس کے سلب کا حقدار نہیں بنے گا۔ آپ کا یہ ارشاد فتح مکہ کے دن آپ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ من دخل دار ابی سفیان فھو امن ومن دخل المسجد فھو امن، ومن دخل بیتہ فھو امن ومن القی سلاحہ فھو امن۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امن مل جائے گا جو شخص مسجد میں داخل ہو جائے گا اسے امن مل جائے گا جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امن مل جائے گا اور جو شخص اپنے ہتھیار پھینک دے گا اسے امن مل جائے گا) قاتل سلب کا مستحق نہیں ہوتا الا یہ کہ امیر لشکر نے اعلان کر دیا ہو کہ جو شخص کسی دشمن کو قتل کرے گا اسے اس کا ساز وسامان مل جائے گا۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہمیں محمد بن بکر نے سنائی ہے انہیں ابوداؤد نے انہیں احمد بن حنبل نے انہیں الولید بن مسلم نے انہیں صفوان بن عمرو نے عبدالرحمن بن جیر بن نفیر سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشجعی سے وہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گیا میرے ساتھ قبیلہ مدد کا ایک یمنی باشندہ بھی تھا۔ اس کے پاس تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ایک مسلمان نے اونٹ ذبح کیا اس شخص نے اس سے کھال کا ایک ٹکڑا طلب کیا جو اسے مل گیا۔ اس نے اس سے ایک ڈھال بنالی ہم آگے بڑھتے رہے پھر رومیوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی۔ رومیوں کی فوج میں ایک شخص سرخ گھوڑے پر سوار تھا جس کی زین پر سونے کی پتریاں لگی ہوئی تھیں اسی طرح اس کے ہتھیار پر بھی سونے کی پتریاں چڑھی ہوئی تھیں وہ شخص رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا تا پھر رہا تھا قبیلہ مدد کا یہ یمنی باشندہ اس رومی کی گھات میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھ گیا جب رومی اپنے گھوڑے پر اس جگہ سے گزرا تو اس نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں رومی گھوڑے سے گر پڑا۔ یہ شخص اس پر سوار ہو گیا اور اس کی گردن اڑادی اور اس کے گھوڑے اور ساز وسامان پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس معرکے میں مسلمانوں کو فتح دی تو حضرت خالد نے اس شخص کو طلب کر کے سارا ساز وسامان اس سے رکھوا لیا۔ عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فیصلہ ہے کہ سلب قاتل کا ہوتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے لیکن مجھے اس ساز وسامان کی مالیت بہت زیادہ معلوم ہوئی اس لئے میں نے سب کچھ رکھوالیا۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ یہ سارا سلب اس شخص کو واپس دے دیں ورنہ میں آپ کے خلاف یہ معاملہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کردوں گا۔ لیکن حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری بات ماننے سے انکار کردیا۔ جب ہماری واپسی ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں ہم سب اکٹھے ہوگئے۔ میں نے سارا واقعہ اور حضرت خالد کا طرز عمل حضور ﷺ کو بیان کردیا۔ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جواب طلبی کی انہوں نے عرض کیا کہ دراصل مجھے اس کی مالیت بہت زیادہ معلوم ہوئی آپ ﷺ نے یہ سن کر انہیں سارا سامان واپس کرنے کا حکم دیدیا۔ میں نے یہ دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ میں نے تمہاری اطاعت نہیں کی"۔ اس پر حضور ﷺ نے مجھ سے استفسار کیا میں نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہونیوالی اپنی پوری گفتگو دہرادی جسے سن کر حضور ﷺ کو غصہ آگیا اور آپ ﷺ نے فرمایا "خالد! یہ سامان واپس نہ کرو"۔ پھر سب سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تم لوگ اپنے سرداروں اور امراء کو اس حالت پر پہنچا دینا چاہتے ہو کہ تمہیں تو ان کی حکومت وقیادت کا نتھرا ہوا حصہ ہاتھ آجائے اور گدلا حصہ ان کے سر پر جائے"۔ ہمیں محمد بن بکر نے بیان کیا، انہیں ابوداؤد نے انہیں احمد بن حنبل نے انہیں ولید نے کہ میں نے ثور سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے مجھے خالد بن معدان سے انہوں نے جبیر بن نفیر سے اور انہوں نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح کی روایت سنائی۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب سلب واپس نہ کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہ دلالت حاصل ہوگئی کہ قاتل اس کا حق دار نہیں تھا۔ اس لئے کہ اگر قاتل اس کا حق دار ہوتا تو آپ کبھی بھی اس کا یہ حق اس سے نہ روکتے۔ اس سے یہ دلالت بھی حاصل ہوئی کہ شروع میں آپ نے سلب واپس کرنے کا جو حکم دیا تھا وہ دراصل ایجاب پر مبنی نہ تھا بلکہ نفل کے طور پر تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خمس میں سے اسے یہ دینے کا حکم دیا گیا ہو اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جس کے راوی یوسف الماجشون ہیں انہیں صالح بن ابراہیم نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن الجموح نے جب ابوجہل کو قتل کردیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے لیکن آپ نے سلب معاذ بن عمرو کو دینے کا فیصلہ سنایا آپ نے سلب ان میں سے ایک کو دیا جبکہ پہلے فرما چکے تھے کہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہیں۔ اس سے یہ دلالت حاصل ہوئی کہ یہ دونوں ننھے مجاہد ابوجہل کو قتل کرنے کی بنا پر اس کے سلف کے مستحق نہیں ٹھہرے تھے۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر میر الشکر یہ اعلان کردیتا کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرے گا اسے اس کا سلب مل جائے گا پھر دو شخص دشمن کے ایک آدمی کو قتل کردیتے تو دونوں آدھے آدھے سلب کے مستحق قرار پاتے۔ ایک آدمی مستحق قرار نہ پاتا لیکن درج بالا روایت میں حضور ﷺ نے صرف ایک قاتل کو سلب دے دیا جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلب کا استحقاق قتل کی بنا پر نہیں ہوتا۔ اگر قاتل سلب کا مستحق ہوتا تو پھر ایسے مقتول کا سلب جس کا قاتل معلوم نہ ہو منجملہ مال غنیمت قرار نہ پاتا بلکہ لقطہ قرار دیا جاتا کیونکہ اس کا مستحق ایک متعین شخص ہوتا لیکن جب سب کا اس پر اتفاق ہے کہ میدان جنگ میں ایسے مقتول کا سلب مال غنیمت میں شمار ہوتا ہے جس کا قاتل معلوم نہ ہو تو اس سے یہ دلالت حاصل ہوئی کہ

قاتل سلب کا مستحق نہیں ہوتا۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے دشمن کا قاتل اس کے سلب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ مقابلہ کرنے والے دشمن کا قاتل اس کے سلب کا مستحق ہوتا ہے۔ یعنی ادبار کی صورت میں سلب کا استحقاق نہیں ہوتا۔ اقبال کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ سلب کے بارے میں وارد روایت نے اقبال اور ادبار کی حالت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ اگر امام شافعی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں تو انہوں نے دونوں میں فرق کر کے اس کے خلاف مسلک اختیار کیا ہے اور اگر وہ نظر اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں تو قیاس اس بات کا موجب ہے کہ سلب کا شمار مال غنیمت میں ہو جس کے سب مستحق ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ ادبار کی حالت میں قتل کرنے کی صورت میں قاتل سلب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اس سلب کو مال غنیمت میں شامل کیا جاتا ہے۔ حالت ادبار اور حالت اقبال کے درمیان جو مشترک علت ہے وہ یہ ہے کہ قاتل نے دشمن کے آدمی کو پورے لشکر کی معاونت سے قتل کیا ہے اور امیر لشکر کی طرف سے اسے کے استحقاق کے لئے پہلے سے کوئی اعلان نہیں ہوا ہے قاتل صرف اسی وقت سلب کا مستحق ہوتا ہے جبکہ مال غنیمت سمیٹ کر محفوظ کر لینے سے پہلے پہلے امیر لشکر کی طرف سے اس قسم کا کوئی اعلان ہو چکا ہو اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اگر امیر لشکر نے سلب کے استحقاق کے متعلق یہ اعلان کر دیا ہو کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرے گا اسے اس کا سلب مل جائے گا پھر کوئی شخص دشمن کے کسی آدمی کو ادبار یا اقبال کی حالت میں قتل کر دے تو اس کے سلب کا وہ مستحق ہو جائے گا اور اقبال یا ادبار کی حالت سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر سلب کا استحقاق نفس قتل کی بنا پر ہوتا تو اقبال اور ادبار کی حالت کے لحاظ سے اس کے حکم میں فرق نہ ہوتا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہونے والے دشمن کے آدمی کے سلب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول مروی ہے کہ "ہم سلب میں خمس نہیں لیا کرتے تھے لیکن براء کو حاصل ہونے والے سلب اچھی خاصی مالیت کا ہے اور ہم ضرور اس کا خمس لیں گے"۔ امیر لشکر اگر یہ اعلان کر دے کہ جس شخص کو کوئی چیز ہاتھ لگ جائے وہ اس کی ہوگی تو اس اعلان کی کیا حیثیت ہوگی اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے ہمارے اصحاب سفیان ثوری اور اوزاعی کا قول ہے کہ اس اعلان کے بموجب عمل ہوگا اور اس میں سے خمس وصول نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے اعلان کو مکروہ سمجھا ہے اس لئے کہ پیسے اور انعام دے کر جنگ پر بھیجنے کے مترادف ہے۔ امام شافعی کا قول ہے مقتول کے سلب کے سوا جو چیز بھی کسی کے ہاتھ لگے گی اس میں سے خمس وصول کیا جائے گا۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ جب سب کا اس پر اتفاق ہے کہ امیر لشکر کی طرف سے اس قسم کا اعلان جائز ہے اور ایسے مال پر حق ثابت ہو جاتا ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس میں سے خمس نہ لیا جائے اور اس مال میں سے خمس کے مستحقین کے حقوق کو منقطع کر دینا اسی طرح جائز ہو جائے گا جس طرح تمام اہل لشکر کے حقوق کو اس سے منقطع کر دینا جائز ہوتا ہے۔ نیز امیر لشکر کا یہ اعلان اس کے اس اعلان کی طرح ہے کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے گا اسے اس کا سلب مل جائے گا جب امیر کے اس اعلان کی بنا پر سلب میں خمس نکالنا واجب نہیں ہوتا تو پھر زیر بحث اعلان کی بنیاد پر حاصل ہونے والے مال میں سے خمس نکالنا واجب نہیں ہونا چاہیے نیز اللہ تعالیٰ نے اس مال میں خمس واجب کیا ہے جو مجاہدین کے لئے مال غنیمت بن چکا ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) اس لئے جو چیز مجاہدین کے لئے مال غنیمت نہ بنی ہو اس میں سے خمس نکالنا واجب قرار دینا

نہیں چاہیے۔ اگر ایک شخص امیر کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں گھس جائے اور مال وغیرہ سمیٹ کر واپس آ جائے تو آیا اس مال سے خمس وصول کیا جائے گا یا نہیں ہمارے اصحاب کا قول ہے یہ مال اس کا ہوگا اور اس میں سے اس وقت تک خمس وصول نہیں کیا جائے گا جب تک کاروائی ایک جتھے کی شکل میں نہ ہوئی ہوگی جتھے سے مراد یہ ہے کہ یہ گروہ طاقت وقوت کا مالک ہوا امام محمد نے جتھے کے لئے نفری کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے البتہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اگر جتھا کم از کم نو افراد پر مشتمل ہو تو پھر اس مال سے خمس وصول کیا جائے گا سفیان ثوری اور امام شافعی کا قول ہے کہ چاہے ایک فرد بھی یہ کاروائی کرے حاصل کردہ مال میں سے خمس وصول کیا جائے گا اور باقی چار حصے اس کے ہوں گے اوزاعی کا قول ہے کہ اگر امام چاہے گا تو اس شخص کو اس حرکت کی سزا دے گا اور سزا کے طور پر اسے مال سے محروم کر دے گا اور اگر چاہے گا تو مخمس وصول کر کے باقی مال اسے دے دے گا۔

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ قول باری واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) اس بات کا مقتضی ہے کہ مال غنیمت حاصل کرنے والے ایک جماعت اور گروہ کی شکل میں ہوں۔ اس لئے کہ جماعت کی صورت میں مال غنیمت کا حصول استحقاق کی شرط ہے۔ اس حکم کی حیثیت قول باری اقتلوا المشرکین، مشرکین کو قتل کردو) یا (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر۔ ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہ لاتے اور نہ ہی یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں) میں مذکور حکم کی طرح نہیں ہے۔ اس حکم میں ایک شخص کو بھی جب وہ مشرک ہو قتل کرنے کا لزوم ہے خواہ اس کے ساتھ کوئی جماعت یا گروہ نہ بھی ہو۔ اس لئے کہ آیت میں مشرکین کی جماعت کو قتل کرنے کا حکم ہے اور جماعت کو قتل کرنے کا حکم پوری جماعت کے اعتبار کو متلزم نہیں ہے اس لئے کہ اس میں یہ اعتبار شرط نہیں ہے جبکہ قول باری واعلموا انما غنمتم من شئی) میں شرط کی صورت موجود ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ غنیمت ایک گروہ کو حاصل ہو اور اس گروہ کے قتال کی بنا پر حاصل ہو اس لئے اس حکم کی حیثیت قائل کے اس قول کی طرح ہے کہ اگر" میں اس جماعت سے کلام کروں تو میرا غلام آزاد ہے" اس جملے میں قسم ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ پوری جماعت سے کلام کیا جائے۔ اگر اس جماعت کے بعض افراد سے کلام کرے گا تو احنث نہیں ہوگا۔ اسے ایک اور پہلو سے دیکھیے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جب ایک لشکر مال غنیمت حاصل کرلے تو خمس نکالنے کے بعد باقی ماندہ چار حصوں میں دوسرے تمام مسلمان شریک نہیں ہوں گے اس لئے کہ وہ جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کرنے میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اس سے یہ بات واجب ہوگئی کہ دارالحرب میں گھس کر مال سمیٹ لینے والا یہ ایک شخص تنہا اس مال کا مستحق قرار پائے۔ رہ گئی خمس کی بات تو وہ اس مال غنیمت میں واجب ہوتا ہے جو مسلمانوں کی مدد اور ان کی نصرت کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مال غنیمت حاصل کرنے والوں کو دیگر مسلمانوں کی پشت پناہی حاصل ہو اب جو شخص تنہا لوٹ مار اور مال سمیٹنے کی نیت سے دارالحرب میں جا گھسے گا وہ امام المسلمین کی نصرت اور اس کی پشت پناہی سے اپنا تعلق قطع کرلے گا اس لئے کہ اس کی اجازت کے بغیر یہ کاروائی کرنے کی بنا پر وہ اس کی نافرمانی کرنے والا قرار پائے گا جس سے یہ ضروری ہو جائے گا کہ اس کے حاصل کردہ مال میں امام کے لئے خمس کا کوئی استحقاق نہ پیدا ہو۔

زمینی دفینوں کا حکم

اسی بناء پر ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ ایسا رکاز (زمین کے اندر موجود معدنیات دھاتیں نیز دفینے) جو دارالاسلام میں ملے اس میں خمس واجب ہوگا اس لئے کہ وہ ایسی سرزمین میں پایا گیا جس پر اسلام کا غلبہ ہے۔ لیکن اگر یہ رکاز دارالحرب میں مل جائے تو اس میں خمس واجب نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص امام کی اجازت سے دارالحرب میں گھس کر وہاں سے مال وغیرہ سمیٹ لائے تو اس مال میں خمس واجب ہوگا اس لئے کہ امام المسلمین نے جب اسے یہ کاروائی کرنے کی اجازت دے دی تو وہ اس کی مدد اور پشت پناہی کا ضامن بن گیا اور اس سلسلے میں وہ مسلمانوں کی جماعت کے قائم مقام ہوگیا اس لئے اس مال میں مسلمانوں کے لئے اسے خمس کا استحقاق حاصل ہوگیا۔ امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں گھس کر لوٹ مار کرنے والے اگر ایک گروہ کی شکل میں ہوں جنہیں طاقت وقوت بھی حاصل ہو تو ان کے حاصل کردہ مال میں خمس واجب ہوگا اس لئے کہ قول باری ہے واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) اس صورت میں اس گروہ کی حیثیت فوجی دستے اور لشکر جیسی ہوگی۔ اس لئے کہ انہیں طاقت وقوت حاصل ہوگی اور مذکورہ بالا آیت میں ان کے غنائم سے خمس کے اخراج کا خطاب ان کی طرف متوجہ ہوگا۔

بعد میں شامل جنگ ہونے والوں کے خمس کا حکم

اگر اسلامی لشکر دارالحرب میں مصروف پیکار ہو اور مال غنیمت محفوظ کر لینے سے پہلے کوئی اور فوجی دستہ یا لشکر کمک کے طور پر ان سے جا ملے تو آیا وہ بھی اس مال غنیمت میں حصہ دار ہوگا یا نہیں۔ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ جب اسلامی لشکر کو دارالحرب میں مال غنیمت حاصل ہو جائے اور اسے دارالاسلام میں پہنچانے سے قبل کوئی اور دستہ بطور کمک ان سے آملے تو آنے والے لوگ اس مال غنیمت میں حصہ دار بنیں گے۔ امام مالک سفیان ثوری لیث بن سعد، اوزاعی اور امام شافعی کا قول ہے کہ حصہ دار نہیں بنیں گے۔ ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک اس مسئلے کی بنیاد یہ ہے کہ مال غنیمت میں حق اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اسے دارالاسلام میں لاکر محفوظ کرلیا جائے اور پھر تقسیم کی بنا پر اس میں ملکیت ثابت ہوتی ہے لیکن دارالحرب میں اس مال کا ہاتھ آجانا حق کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دارالحرب میں جس جگہ اسلامی فوج پہنچ جائے اگر مسلمان اس جگہ کو فتح نہ کر سکیں تو وہاں سے حاصل شدہ مال مال غنیمت نہیں کہلائے گا۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اگر اسلامی فوج اس جگہ سے نکل آئے اور اس کے بعد کوئی اور فوج وہاں داخل ہو کر اسے فتح کرلے تو وہ جگہ مسلمانوں کی ملکیت شمار نہیں ہوگی بلکہ اس کی حیثیت دارالحرب کے دوسرے علاقوں اور جگہوں کی طرح رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اسلامی فوج اس جگہ تک پہنچ گئی تھی لیکن چونکہ اس جگہ یا علاقے کا اتصال دارالاسلام کے ساتھ نہیں ہوا اور وہ دارالاسلام میں شامل نہیں کیا جاسکا اس لئے وہ دارالحرب کا ہی علاقہ رہا۔ اسی طرح دارالحرب میں مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہر چیز میں اس وقت تک حق ثابت نہیں ہوگا جب تک اسے دارالاسلام پہنچا کر محفوظ نہ کرلیا جائے اس لئے اس عمل سے پہلے پہلے اگر کمک کے طور پر اسلامی لشکر کے ساتھ کوئی اور لشکر یا فوجی دستہ آملتا ہے تو اس حاصل شدہ مال غنیمت کا حکم وہی ہوگا جو کافروں کے قبضے میں موجود اشیاء

کا ہے اس لئے اس مال میں پرانے اور نئے آنے والے سب شریک ہوں گے۔ نیز قول باری واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ حاصل شدہ یہ مال غنیمت نئے آنے والوں کے لئے بھی مال غنیمت شمار کرلیا جائے اس لئے کہ اس مال کو دارالاسلام میں لاکر محفوظ کر دینے میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ جب تک اسلامی لشکر دارالحرب میں پڑاؤ ڈالے رہے گا اسے مال غنیمت کو دارالاسلام میں لاکر محفوظ کر دینے کے سلسلے میں ان نئے آنے والوں کی معاونت کی ضرورت رہے گی جس طرح اس صروت میں ان کی معاونت کی ضرورت رہتی جب وہ اس مال غنیمت کے حصول سے پہلے اسلامی لشکر سے آ ملتے۔ اس صورت میں مال غنیمت میں اس کی شرکت ہوجاتی ہے اس لئے زیر بحث صورت میں بھی مال غنیمت کے اندران کی شرکت ہونی چاہیے اگر مال غنیمت کا ہاتھ آجانا ہی حق کے اثبات کے لئے کافی ہوتا اور اس کے لئے اسے دارالاسلام میں لاکر محفوظ کر لینے کی شرط نہ ہوتی تو پھر اسلامی فوج کے قدموں تلے آنے والے دشمن کے ہر علاقے کو دارالاسلام شمار کرنا ضروری ہوجاتا جس طرح اس علاقے کو فتح کر لینے کے بعد اسے دارالاسلام کا حصہ شمار کیا جاتا ہے جب سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اسلامی فوج کے قدموں تلے آنے والے دشمن کا علاقہ صرف اتنی بات پر دارالاسلام کا حصہ شمار نہیں ہوتا تو اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ دارالحرب میں ہاتھ آنے والے مال غنیمت میں اس وقت حق ثابت ہوتا ہے جب اسے دارالاسلام میں لاکر محفوظ کرلیا جائے۔ جو حضرات کمک کے طور پر آنے والے لشکر کو مال غنیمت میں شامل نہیں کرتے ان کا استدلال یہ ہے کہ زہری نے عنبسہ بن سعید اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابان بن سعید کو نجد کی طرف جانے والی ایک فوجی مہم کا قائد بنا کر روانہ کیا تھا حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنے رفقاء سمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر پہنچ گئے جب آپ وہاں پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اور کھجور کی چھالوں سے گھوڑوں پر گٹھریاں باندھی جا چکی تھیں۔ حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں بھی خیبر کے مال غنیمت سے حصہ ملنا چاہیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ انہیں کوئی حصہ نہ دیا جائے یہ سن کر حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجدی دیہاتی، تمہاری یہ جرات کہہ کر ڈانٹ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیٹھنے کا حکم دیا اور انہیں کوئی حصہ نہیں دیا۔ اس روایت میں ان حضرات کے قول کی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ خیبر پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہوا تھا اس کے ساتھ ہی وہ دارالاسلام بن گیا تھا اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

خیبر کا مال غنیمت شرکائے حدیبیہ کے لئے مخصوص تھا

اس سلسلے میں ایک اور روایت بھی ہے حماد بن سلمہ نے علی بن زید سے انہوں نے عمار بن ابی عمار سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کبھی مال غنیمت کی تقسیم کے وقت موجود ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس میں سے ضرور حصہ دیتے صرف خیبر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے مجھے کچھ نہیں دیا اس لئے کہ یہ مال غنیمت صرف ان مجاہدین کے لئے مخصوص تھا جو حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روایت میں یہ بات بتائی کہ خیبر میں حاصل ہونے والا مال غنیمت اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص تھا

خواہ انہوں نے غزوہ خیبر میں حصہ لیا تھا یا نہیں لیا تھا۔ اس مال غنیمت میں ان کے سوا کسی اور کا حصہ نہیں رکھا گیا تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے اس مال غنیمت کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ ارشاد ہے واخری لم تقدروا علیھا قد احاط اللہ بھا۔ اور ایک اور فتح بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی ہے اللہ اسے احاطہ قدرت میں لئے ہوئے ہے) اس سے پہلے ارشاد ہوا وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم۔ اللہ نے تم سے اور بھی بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے کہ تم انہیں لوگے سو ان میں سے یہ فتح تمہیں سردست دے دی ہے۔ ابو بردہ نے حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم فتح خیبر کے تین دن بعد حضور ﷺ کے پاس پہنچے آپ نے ہمیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور ہمارے سوا کسی اور جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوا تھا کوئی حصہ نہیں دیا"۔ اس روایت میں یہ ذکر ہوا کہ حضور ﷺ کو حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کو مال غنیمت میں حصہ دیا حالانکہ یہ حضرات فتح خیبر میں شریک نہیں تھے۔ ان کے سوا کسی اور کوئی حصہ نہیں دیا جو اس معرکہ میں شریک نہیں تھا۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ان حضرات کو اس بنا پر حصہ دیا تھا کہ یہ لوگ اہل حدیبیہ میں سے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اسی بنا پر حصہ دیا تھا کہ اس غنیمت کے مستحقین نے خوشدلی سے اس کی اجازت دے دی تھی جس طرح خثیم بن عراک نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رفقا سمیت مدینہ پہنچے اس وقت حضور ﷺ مدینہ سے جا چکے تھے یہ حضرات بھی مدینہ سے روانہ ہو کر حضور ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ حضور ﷺ نے ان حضرات کے حصوں کے بارے میں مجاہدین سے گفتگو کرنے کے بعد انہیں بھی مال غنیمت میں شریک کر لیا ان روایات میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ اگر دار الحرب میں موجود اسلامی لشکر کا کوئی کمک پہنچ جائے تو اسے مال غنیمت میں شریک نہیں کیا جاتا۔ قیس بن مسلم نے طارق بن شہاب سے روایت کی ہے کہ اہل بصرہ نے نہاوند پر حملہ کیا۔ اہل کوفہ نے انکے لئے کمک بھیجی۔ اس وقت نہاوند فتح ہو چکا تھا۔ اہل بصرہ نے اہل کوفہ کو غنیمت کے مال میں شریک کرنا نہیں چاہا۔ اہل کوفہ کی کمک حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں گئی تھی بنو عطارد کے ایک شخص نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گستاخانہ انداز میں کہا" او کن کٹے! کیا ہمارے غنائم میں شریک ہونا چاہتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں شریک ہونا چاہتے ہیں کیونکہ ہماری مدد سے تم نے یہ قیدی گرفتار کئے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے متعلق لکھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مال غنیمت ان لوگوں کو ملے گا جو اس جنگ میں شریک ہوئے ہیں اس روایت میں بھی ہمارے قول کے خلاف دلالت موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمان نہاوند پر قابض ہو گئے تھے جس کی بنا پر یہ بایں معنی دار الاسلام بن گیا تھا کہ کافروں کے لئے وہاں کوئی پشت پناہ گروہ باقی نہیں رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء اس وقت جا کر شامل ہوئے تھے جب نہاوند دار الاسلام بن چکا تھا تاہم عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے رفقاء کا خیال یہ تھا کہ مال غنیمت میں شرکت ہونی چاہیے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ شرکت نہیں ہونی چاہیے اس لئے کہ یہ حضرات نہاوند فتح ہو جانے کے بعد شریک ہوئے تھے اور مال غنیمت بایں معنی دار الاسلام میں محفوظ کیا جا چکا تھا کہ اس وقت تک نہاوند کی سرزمین دار الاسلام بن چکی تھی۔

گھڑسواروں کے حصے

قول باری ہے (واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ظاہر قول باری سوار اور پیادہ کے حصوں میں مساوات کا مقتضی ہے۔ اس میں تمام غانمین کو خطاب ہے اور یہ اسم ان سب کو شامل ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک۔ اگر عورتیں دو سے زائد ہوں تو انہیں ترکہ کا دوتہائی ملے گا) ظاہر آیت سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر میت کی بیٹیاں دو سے زائد ہوں تو دوتہائی ترک کی مساوی طور پر مستحق ہوں گی یعنی دوتہائی ترکہ کو آپس میں مساوی طور پر تقسیم کرلیں گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا یہ غلام ان لوگوں کے لئے ہے تو اسے اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ غلام مساوی طور پر ان لوگوں کا ہوگا۔ الا یہ کہ ان لوگوں میں سے کسی کے حصے کی زیادتی بیان کردی گئی ہو اسی طرح قول باری غنمتم کا مقتضی یہ ہے کہ سب غانمین مال غنیمت کے حصوں میں مساوی اور یکساں ہوں گے اس لئے کہ قول باری غنمتم اس مفہوم سے عبارت ہے کہ مال غنیمت پر اسی کی ملکیت ہوتی ہے تاہم گھڑسوار کے حصے کے متعلق فقہاء میں اختلاف رائے ہے۔

پیادوں اور سواروں کے حصص میں اختلاف رائے

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ ملے گا امام ابویوسف امام محمد ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، سفیان ثوری، لیث بن سعد، اوزاعی اور امام شافعی کا قول ہے کہ سوار کو تین حصے ملیں گے اور پیادہ کو ایک حصے ملے گا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گورنر المنذر بن ابی حمصہ سے امام ابوحنیفہ کے قول کی طرح روایت منقول ہے کہ انہوں نے سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر صاد کیا تھا حسن بصری سے بھی یہی قول منقول ہے شریک نے ابواسحاق سے راویت کی ہے کہ قثم بن العباس، سعید بن عثمان کے پاس خراساں پہنچے جبکہ انہیں مال غنیمت ہاتھ آچکا تھا۔ سعید بن عثمان نے ان سے کہا کہ" میں تمہارا انعام یہ رکھتا ہوں کہ مال غنیمت میں سے ہزار حصے تمہیں دیتا ہوں"۔ قثم بن العباس نے یہ سن کر ان سے کہا کہ ایک حصہ میرا مقرر کرو اور ایک حصہ میرے گھوڑے کا۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ہم نے سابقہ سطور میں بیان کردیا ہے کہ ظاہر آیت سوار اور پیادہ کے درمیان حصوں میں مساوات کی مقتضی ہے لیکن جب سب کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ سوار کو ایک حصہ زائد ملے گا تو ہم نے اسے ایک حصہ زائد دیا اور اس اتفاق امت کی بنا پر ظاہر آیت کی تخصیص کردی اور آیت کے الفاظ کا حکم باقی ماندہ صورتوں کے لئے علی حالہ ثابت رہا۔ ہمیں عبدالباقی بن قانع نے روایت بیان کی۔ انہیں یعقوب بن غیلان العمانی نے انہیں محمد بن الصالح الجرجرائی نے انہیں عبداللہ بن رجا سفیان ثوری سے انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لئے دو حصے اور پیادہ کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا تھا۔ عبدالباقی نے کہا ہے کہ اس روایت کو ثوری سے محمد بن الصباح کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالباقی نے روایت بیان کی انہیں بشر بن موسیٰ نے انہیں الحمیدی نے انہیں ابواسامہ نے عبیداللہ سے انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا للفارس ثلثۃ اسھم، سھم لہ وسلیمان لفرسہ۔ سوار کے لئے تین حصے ہیں ایک حصہ اس

کے لئے دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے) اس بارے میں عبیداللہ بن عمر کی روایتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ممکن ہے یہ دونوں روایتیں اس طرح درست ہوں کہ آپ نے پہلے تو سوار کو دو حصے دیے ہوں اور یہی اس کا حق ہو۔ پھر کسی اور مال غنیمت میں تین حصے دیئے ہوں۔ ایک زائد اسے بطور نفل عطا کیا ہو۔ یہ بات تو واضح ہے کہ حضور ﷺ کسی کو اس کا حق دینے میں رکاوٹ نہیں ڈالتے تھے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص کو بطور نفل اس کے حق سے زائد دے دیتے تھے جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روایت میں ذکر کیا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ بقول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے حصے میں بارہ بارہ اونٹ نظر آئے اور پھر حضور ﷺ نے ہمیں ایک ایک اونٹ بطور نفل عطا کیا۔ ہمیں عبدالباقی بن قانع نے روایت بیان کی انہیں حسن بن الکیت الموصلی نے انہیں صبح بن دینار نے، انہیں غصیف بن سالم نے عبیداللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور ﷺ نے معرکہ بدر کے موقع پر سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ عطا کیا تھا۔ یہ روایت اگر ثابت بھی ہو جائے تو بھی امام ابوحنیفہ کے لئے بطور حجت کام نہیں دے سکتی اس لئے کہ غزوہ بدر میں مال غنیمت کی تقسیم اس بنیاد پر نہیں ہوئی تھی کہ اس پر مجاہدین کا حق تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر انفال حضور ﷺ کے حوالے کر کے آپ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ جسے جتنا چاہیں دے دیں۔ اگر آپ اس موقع پر انفال میں سے کسی کو کچھ نہ دیتے پھر بھی آپ کا یہ اقدام درست ہوتا۔ اس وقت تک مال غنیمت پر جنگ میں شریک افراد کا استحقاق ثابت نہیں ہوا تھا۔ مال پر استحقاق کا وجوب اس کے بعد ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ) اس کے ذریعے انفال کا وہ حکم منسوخ ہو گیا جس میں پورے مال غنیمت کو حضور ﷺ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ مجمع بن جاریہ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح خیبر کے موقع پر غنائم کی تقسیم اس طرح فرمائی تھی کہ سوار کو دو حصے عطا کئے تھے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا تھا۔ ابن الفضیل نے حجاج سے انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح خیبر کے موقع پر غنائم کی تقسیم اس طرح کی کہ سوار کو تین حصے دیے اور پیادہ کو ایک حصہ عطا کیا۔ یہ روایت مجمع بن جاریہ کی روایت کے خلاف ہے ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ آپ نے بعض سواروں کو دو حصے عطا کئے جو کہ ان کا حق تھا اور بعض کو تین حصے دیئے زائد حصہ بطور نفل عطا کیا۔ جس طرح حضرت سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ آپ نے انہیں غزوہ ذی قرد میں سوار اور پیادہ دونوں کے حصوں کے طور پر دو حصے عطا کئے تھے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس روز پیادہ تھے یا جس طرح مروی ہے کہ آپ نے اس دن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار حصے عطا کئے تھے۔ سفیان بن عینیہ نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے انہوں نے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضرت زبیر کے لئے مال غنیمت میں سے چار حصے رکھے جاتے تھے یہ زائد حصے دراصل بطور نفل ہوتے تھے اور اس کے ذریعے سواروں کو دشمنوں پر گھوڑے دوڑانے کے لئے برانگیختہ کیا جاتا تھا جس طرح آپ اسی مقصد کے تحت قاتل کو مقتول کا سلب دے دیتے تھے اور اعلان فرما دیتے من اصاب شیئاً فھولہ۔ جو چیز کسی شخص کے ہاتھ آجائے گی وہ اس کی ہوگی) یہ اقدام دراصل جنگ پر برانگیختہ کرنے کی خاطر اٹھایا جاتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب سوار کے حصے کے متعلق مروی روایات میں اختلاف ہے تو اس صورت میں وہ روایت اولیٰ ہوگی جس میں زائد حصے کی بات منقول ہے۔ اس کے

جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات اس وقت ہوتی جب یہ چیز ثابت ہو جاتی کہ یہ زائد حصہ استحقاق کی بنیاد پر دیا گیا تھا۔ لیکن جب اس میں یہ احتمال پیدا ہو گیا ہے کہ شائد یہ زائد حصہ نفل کے طور پر دیا گیا تھا۔ تو اب زائد حصے کا اثبات استحقاق کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا اس میں ایک اور پہلو بھی ہے جس روایت سے ہم استدلال کرتے ہیں اس میں پیادہ کے حصے کے اندر اضافہ ہے اس لئے کہ جب سوار کا حصہ کم ہو جائے گا تو اس کے نتیجے میں پیادہ کو ملنے والا حصہ بڑھ جائے گا ہماری اس بات پر نظر اور قیاس کی جہت سے بھی دلالت ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ جنگ میں گھوڑے کی حیثیت آلہ حرب کی طرح ہوتی ہے جس کی بنا پر قیاس کا تقاضا تھا کہ اسے کوئی حصہ نہ ملے جس طرح دیگر آلات جنگ کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا لیکن ہم نے ایک حصے کے سلسلے میں قیاس کو ترک کر دیا اور باقی کو قیاس پر محمول کیا اسی بنا پر اگر میدان جنگ میں صرف گھوڑا موجود ہو اور اس کا سوار غائب رہے تو اس گھوڑے کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر ایک شخص گھوڑے کے بغیر جنگ میں موجود ہو تو وہ حصے کا مستحق ہو گا جب ایک شخص یعنی پیادہ کو ایک حصے سے زائد نہیں دیا جاتا تو گھوڑے کو بطریق اولی نہیں دیا۔ نیز حصے کے استحقاق میں پیادہ کا معاملہ گھوڑے کی بہ نسبت زیادہ موکد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جنگ میں خواہ جتنے بھی افراد شریک ہوں سب کے سب اپنے اپنے حصوں کے مستحق قرار پائیں گے لیکن اس کے برعکس اگر ایک شخص کئی گھوڑے لے کر میدان جنگ میں جائے گا تو صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا جب ایک آدمی کا معاملہ گھوڑے سے بڑھ کر موکد ہوتا ہے لیکن اسے ایک حصے سے زائد نہیں دیا جاتا تو گھوڑے کو بطریق اولی ایک حصے سے زائد نہیں ملنا چاہیے۔

مختلف الاقسام جنگی گھوڑوں کے حصص میں اختلاف رائے

برذون یعنی ٹٹو یا ترکی گھوڑے کے حصے کے متعلق فقہاء میں اختلاف رائے ہے ہمارے صحاب امام مالک، سفیان ثوری اور امام شافعی کا قول ہے کہ فرس اور برذون دونوں یکساں ہیں اوزاعی کا قول ہے کہ مسلمانوں کے ائمہ یعنی خلفاء برذون کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ خلفیہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب فتنہ وفساد پھیل گیا تو پھر برذون کو بھی حصہ ملنے لگا۔ لیث بن سعد کا قول ہے کہ ٹٹو اور دوغلی نسل کے گھوڑے دونوں کو صرف ایک حصہ ملے گا۔ یہ دونوں خالص عربی النسل گھوڑوں کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ ابوبکر حبصاص کہتے ہیں کہ قول باری ہے ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم۔ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے تا کہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو) نیز فرمایا فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔ سو تم نے اس کے لئے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ) نیز فرمایا والخیل والبغال والحمیر۔ اور گھوڑے، خچر اور گدھے) ان آیات سے خیل کے اسم سے ترکی نسل کے گھوڑوں یعنی براذین کا اسی طرح مفہوم حاصل ہوتا ہے جس طرح عربی النسل کے گھوڑوں کا جب خیل کا اسم دونوں کو شامل ہے تو پھر یہ واجب ہو گیا کہ حصوں کے اندر بھی ان دونوں کو یکساں سمجھا جائے اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ برذون کا سوار بھی فارس کہلاتا ہے جس طرح عربی نسل کے گھوڑے کا سوار فارس کہلاتا ہے جب ان دونوں پر فارس کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے للناس سھمان والراجل سھم) تو اس حکم کے عموم میں برذون یعنی ترکی نسل کے گھوڑے کا سوار بھی اسی طرح داخل ہو گا جس طرح عربی نسل کے گھوڑے کا سوار داخل ہے نیز اگر برذون گھوڑا ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس کے حصے اور عربی نسل کے گھوڑے کے حصے میں کوئی فرق نہ ہو اگر برذون گھوڑا نہیں ہے تو پھر یہ ضروری ہو گا کہ اسے کسی حصے کا مستحق قرار نہ دیا

جائے۔ جب لیث بن سعد اور ان کے ہمنوا اس بات پر ہمارے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ برذون کے لئے بھی حصہ نکالا جائے گا تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسے گھوڑوں میں شمار کیا جاتا ہے نیز یہ کہ اس کے اور عربی گھوڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا گوشت کھانے کے جواز اور عدم جواز کے مسئلے میں اس کی حیثیت عربی گھوڑے جیسی ہے گھوڑے کے گوشت کے جواز اور عدم جواز کے مسئلے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے) یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں کی جنس ایک ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ اسی طرح کا ہے جو نر اور مادہ فربہ اور لاغر جانور کے درمیان یا عمدہ اور گھٹیا گھوڑے کے مابین ہوتا ہے۔ اس جہت سے ان دونوں کے درمیان فرق ان کے حصوں کے درمیان فرق کا موجب نہیں بن سکتا۔ نیز اگر عربی گھوڑا ترکی گھوڑے یعنی ٹٹو سے تیز رفتاری میں فائق ہوتا ہے تو ترکی گھوڑا اسلحہ وغیرہ کا بوجھ اٹھانے میں عربی گھوڑے سے برتر ہوتا ہے نیز جب حصوں کے لحاظ سے عربی اور عجمی سپاہیوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا تو عربی اور عجمی گھوڑوں کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ عبداللہ بن دینار کہتے ہیں میں نے سعدی بن المسیب سے براذین یعنی عجمی گھوڑوں کی زکواۃ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا" آیا گھوڑوں پر بھی کوئی زکواۃ ہوتی ہے؟ حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا" میراذ ہن خیل یعنی گھوڑوں کی طرح ہوتے ہیں" مکحول کا قول ہے کہ سب سے پہلے جس سپہ سالار نے براذین کو حصہ دیا وہ حضرت خالد بن الولید تھے انہوں نے دمشق کی جنگ میں براذین کو گھوڑوں کے حصے کا نصف دیا جب انہوں نے ان کی تیز رفتاری اور بوجھ ڈھونے کی قوت دیکھی تو یہ طریق کار اختیار کیا اور براذین کو بھی حصے دینے لگے لیکن یہ روایت مقطوع ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قدم براذین کی طاقت وقوت کو دیکھنے کے بعد اپنی رائے اور اجتہاد سے اٹھایا تھا اس لئے یہ توقیف نہیں کہلا سکتی یعنی اسے کوئی شرعی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ابراہیم بن محمد بن المنتشر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ سواروں کا دستہ شام کے علاقے پر حملہ آور ہوا اس دستے کے سالار ہمدان کے ایک شخص تھے جس کا نام المنذر بن ابی حمصہ الوادعی تھا پہلے روز تو عربی گھوڑوں پر سوار دستے نے کامیابی حاصل کی اور مال غنیمت حاصل ہوا دوسرے روز ٹٹوں یعنی غیر عربی گھوڑوں پر سوار دستے نے مال غنیمت حاصل کیا سالار نے یہ فیصلہ دیا کہ ٹٹوؤں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا گویا ان کے ذریعے کچھ حاصل نہیں ہوا اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا گیا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا اس وادعی یعنی سالار کی ماں اسے گم کرے اس نے تو مجھے بھی بات یاد دلا دی ہے اس نے جو کہا ہے اس کے مطابق عمل کرو"۔ اس روایت سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو براذین کو حصہ دینے کے قائل نہیں ہیں لیکن اس روایت میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت صرف اس لئے دی تھی کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی نیز امیر لشکر یہ حکم دے بیٹھا تھا اس لئے آپ نے اس کے حکم کی توفیق فرما دی۔

ایک شخص کئی گھوڑے میدان جہاد میں لے جائے انکے حصے کیا ہوں گے؟

ایک شخص اگر کئی گھوڑے لے کر میدان جہاد میں جاتا ہے تو اسے کس قدر حصہ دیا جائے گا اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے۔ امام ابوحنیفہ امام محمد امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے کہ اسے صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا امام ابو یوسف

سفیان ثوری اوزاعی اورلیث بن سعد کا قول ہے کہ اسے دو گھوڑوں کے حصے ملیں گے پہلے قول کی صحت پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ تاریخ میں اس امر سے سارے آگاہ ہیں کہ اسلام کے غلبے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے خیبر مکہ اور حنین کے معرکوں میں حصہ لیا۔ اسلامی لشکر ایسے گروہ ہوتے تھے جن کے افراد کے پاس ایک سے زائد گھوڑے ہوتے لیکن یہ بات کسی روایت میں مذکورہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کسی سوار کو ایک گھوڑے کے حصے سے زائد دیا ہو۔ نیز گھوڑا ایک آلہ جنگ ہے اس لحاظ سے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسے بھی کوئی حصہ نہ دیا جائے جس طرح دیگر آلات حرب کو حصے نہیں دیئے جاتے لیکن جب سنت اور اتفاق امت کی جہت سے گھوڑے کے لئے بھی ایک حصے کا ثبوت مل گیا تو ہم نے اسے قیاس کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا اب اس پر اضافہ صرف کسی توقیف یعنی شرعی دلیل کے ذریعے ہی ثابت ہو سکتا ہے اس لئے کہ قیاس سے تو اس حکم کی ممانعت ہوتی ہے۔

خمس کی تقسیم کا بیان

قول باری ہے فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن سبیل۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے) خمس کی تقسیم کے سلسلے میں سلف کے مابین بنیادی طور پر اختلاف رائے رہا ہے۔ معاویہ بن صالح نے علی بن ابی طلحہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے ہوتے تھے چار حصے ان لوگوں کو مل اجتے تھے جو جنگ میں ہوتے اور پانچویں حصے کے چار حصے کر کے چوتھائی حصہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جو حصہ ہوتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو مل جاتا۔ آپ خمس میں سے کوئی چیز نہ لیتے۔ دوسری چوتھائی یتیموں کے لئے مخصوص ہوتی۔ تیسری چوتھائی مسکینوں اور چوتھی مسافروں کے لئے مخصوص ہوتی۔ ابن السبیل سے مراد وہ مسافر ہوتا جو مہمان بن کر مسلمانوں کے پاس آکر ٹھہر جاتا قتادہ نے عکرمہ سے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے۔ قول باری فان للہ خمسہ) کی تفسیر میں قتادہ کا قول ہے کہ خمس کے پانچ حصے کئے جائیں گے اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا ایک حصہ اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا ایک ایک حصہ ہوگا۔ خطا اور شعبی کا قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خمس میں سے ایک ہی حصہ ہوگا۔ شعبی کا قول ہے آیت میں اللہ کا ذکر صرف آغاز کلام کے طور پر ہوا ہے۔ سفیان نے قیس بن مسلم سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حسن بن محمد بن الحنفیہ سے قول باری فان للہ خمسہ) کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب میں فرمایا" دنیا اور آخرت میں اللہ کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے آیت میں اس کا ذکر صرف آغاز کلام کے طور پر ہوا ہے یحییٰ بن الجزار نے درج بالا قول باری کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ کے لئے تو ہر چیز ہے دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خمس کا پانچواں حصہ ہے۔ ابو جعفر الرازی نے ربیع بن انس سے اور انہوں نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت یعنی خمس لایا جاتا آپ اپنا دست مبارک اس پر مارتے، اس کی گرفت میں جو چیز آجاتی وہ کعبۃ اللہ کے لئے مخصوص ہو جاتی یہ بیت کا حصہ کہلاتی۔ پھر باقی ماندہ خمس کے پانچ حصے کئے جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حصہ ملتا آپ کے قرابت داروں کو ایک حصہ دیا جاتا اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ایک ایک حصہ مخصوص کر دیا جاتا جو حصہ کعبہ کے لئے مخصوص ہو وہ اللہ کا حصہ کہلاتا"۔ ابو یوسف نے اشعث بن سوار سے انہوں نے ابن الزبیر

سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ خمس کو اللہ کے راستے میں اور لوگوں کی ضرورتوں میں صرف کیا جاتا تھا جب مال غنیمت کی کثرت ہوگئی جس کے نتیجے میں خمس بھی اچھا خاصا نکلنے لگا تو اسے دوسرے مصارف میں خرچ کیا جانے لگا۔ امام ابو یوسف نے الکلبی سے انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں خمس کے پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ایک حصہ ہوتا۔ آپ کے رشتہ داروں کے لئے ایک حصہ ہوتا اور یتیموں مسکینوں نیز مسافروں کیلئے ایک ایک حصہ ہوتا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اپنے زمانہ خلافت میں خمس کے تین حصے کرتے ایک حصہ یتیموں کا ہوتا دوسرا مسکینوں کا اور تیسرا مسافروں کا۔ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ خمس کی تقسیم میں سلف کے مابین اختلاف رائے کی درج بالا صورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بروایت علی ابن ابی طلحہ یہ قول ہے کہ اس کے چار حصے کئے جاتے تھے اللہ اللہ کے رسول اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کے لئے ایک حصہ ہوتا اور حضور ﷺ خمس میں سے کچھ نہ لیتے تھے۔ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ فان للہ خمسہ) میں اللہ کے حصے کا ذکر محض آغاز کلام کے طور پر کیا گیا ہے اور خمس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے عطا شعبی اور قتادہ کا یہی قول ہے جبکہ ابو العالیہ کا قول ہے کہ خمس کے چھ حصے ہوتے تھے اللہ کا ایک حصہ اللہ کے رسول کا ایک حصہ رشتہ داروں کا ایک حصہ اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ایک ایک حصہ ہوتا اللہ کا حصہ کعبۃ اللہ کے لئے مخصوص کر دیا جاتا۔ الکلبی کی روایت کے بموجب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ چاروں خلفائے راشدین نے خمس کے تین حصے کئے تھے جبکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ خمس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جاتا تھا لوگوں کی پیش آمدہ اجتماعی قسم کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں اور بعد میں جب خمس کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوگیا تو دوسری مدوں میں بھی اسے صرف کیا جانے لگا محمد بن مسلمہ، جو اہل مدینہ کے متاخرین میں سے تھے فرماتے ہیں کہ خمس کے معاملے کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا جس طرح تقسیم غنائم کی آیت کے نزول سے قبل انفال کا معاملہ بھی آپ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ آیت کے نزول کے بعد مال غنیمت کے چار حصوں کے بارے میں انفال کا حکم منسوخ ہوگیا لیکن باقی ماندہ پانچویں حصے کا معاملہ حسب سابق حضور ﷺ کی صوابدید پر رہنے دیا گیا جس طرح یہ قول باری ہے ماافاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ جو کچھ اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں والوں سے بطور فی دلوائے سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا تا کہ وہ مال نے تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آجائے۔ پھر فرمایا وما اتاکم الرسول فخذوہ۔ اور جو کچھ تمہیں اللہ کے رسول دیں اسے لے لو) اس آیت کے آخر میں بیان فرما دیا کہ اس معاملہ کو حضور ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے اسی طرح خمس کے متعلق ارشاد ہوا کہ للہ وللرسول یعنی اس کی تقسیم کو حضور ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ آپ جن مصارف میں اسے مناسب سمجھیں خرچ کریں اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے عبد الواحد بن زیاد نے حجاج بن ارطاۃ سے نقل کیا ہے انہیں ابو الزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ حضور ﷺ خمس کو کن مصارف میں خرچ کرتے تھے تو فرمایا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعے اللہ کے راستے میں ایک شخص کا ساز وسامان تیار کرتے پھر ایک شخص کا پھر ایک شخص کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خمس میں سے مستحقین کو دیا کرتے تھے اور خمس کے پانچ حصے نہیں کیا کرتے تھے۔

خمس میں سے خانہ کعبہ کا حصہ

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اصل میں خمس کے چھ حصے کئے جاتے تھے اور اللہ کے حصے کو خانہ کعبہ پر خرچ کیا جاتا تھا ان کا یہ کہنا ایک بے معنی سی بات ہے اس لئے کہ اگر یہ بات ہوتی تو تواتر کے ساتھ اس کی روایت ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اس پر سب سے بڑھ چڑھ کر عمل کرتے جب حضرات خلفائے راشدین سے یہ بات ثابت نہیں ہے تو اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ سرے سے اس بات کا ثبوت ہی نہیں ہے نیز کعبہ کا حصہ آیت میں مذکورہ دوسرے تمام حصوں سے بڑھ کر اللہ کی طرف نسبت کا مستحق نہیں ہے کیونکہ مذکورہ تمام حصے بھی تقرب الٰہی کے مصارف میں خرچ کئے جاتے ہیں۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ قول باری فان للہ خمسہ) کعبہ کے حصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جب یہ بات غلط ہوگئی تو اب مذکورہ بالا آیت سے دو باتوں میں سے ایک مراد ہے یا تو یہ آغاز کلام کے طور پر مذکور ہوا ہے جیسا کہ ہم نے سلف کی ایک جماعت سے یہ بات نقل کی ہے اس طرح آغاز کر کے دراصل ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کا نام لے کر برکت حاصل کریں اور تمام کاموں کا آغاز اس کے نام سے کریں یا اس سے مراد یہ ہے کہ خمس کی تقرب الٰہی کے مصارف میں صرف کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان مصارف کی خود وضاحت فرمادی ارشاد ہو اللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل) اس طرح ابتداء میں خمس کے حکم کو مجملاً بیان فرمایا پھر اس اجمال کی آگے تفصیل بیان فرمادی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر آپ کی بیان کردہ وضاحت اللہ کی مراد ہوتی تو آپکے الفاظ اس طرح ہونے چاہئیں تھے فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ"۔ یعنی پھر اللہ کے نام اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے درمیان حرف واؤ نہ آتا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے دو اسموں کے مابین واؤ داخل کر کے اور اس سے کوئی معنی مراد نہ لینا لغت کے لحاظ سے جائز ہے۔ جس طرح یہ قول باری ہے ولقد اتینا موسیٰ وھرون الفرقان وضیاءً۔ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشن کتاب عطا کی) نیز ضیاء دونوں کا مصداق ایک ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے فلما اسلما وتلہ للجبین۔ جب دونوں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس ابراہیم (علیہ السلام) نے اسے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا اس کے معنی ہیں جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا تو ابراہیم (علیہ السلام) نے اسماعیل (علیہ السلام) کو پچھاڑ دیا اس لئے کہ قول باری فلما اسلما جواب کا مقتضی ہے اور جواب تلہ للجبین ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان حرف واؤ ملغی ہے یعنی اس کے کوئی معنی نہیں ہیں جس طرح شاعر کا یہ شعر ہے۔ بلی شئی یوافق بعض شئی واحیانا وباطلہ کثیراً۔ کیوں نہیں بعض دفعہ ایک چیز دوسری چیز کے موافق ہوتی ہے اگرچہ غلط باتوں کی بہت کثرت ہے۔ یہاں معنی کے اعتبار سے عبارت اس طرح ہے شئی یوافق بعض شئی ءحیانا اور حرف واؤ کے کوئی معنی نہیں ہیں اسی طرح ایک اور شاعر کا شعر ہے۔ فان رشیداً وابن مروان لم یکن... لیفعل حتی یصدر الامر مصدرا... بے شک رشید یعنی ابن مروان کوئی کام کرنے والا نہیں جب تک اس کام کا حکم صادر نہ ہوجائے یہاں رشید اور ابن مروان دونوں کا مصداق ایک شخص ہے

یعنی مروان کا بیٹا رشید۔ ایک اور شاعر کا قول ہے: الی الملك القرم وابن الهمام ... ولیث الکتیبة فی المزدحم... میں ایسے بادشاہ کی طرف جارہا ہوں جو عظیم سردار اور ایک فیاض بہادر سردار کا بیٹا ہے۔ وہ میدان جنگ میں لڑنے والی فوج کا شیر ہے۔

یہاں الملک القوم اور ابن الھمام کا مصداق ایک شخص ہے اور حرف واؤ ملغی ہے ان تمام مثالوں میں معنی کے اعتبار سے حرف و کا کلام میں آنا اور نہ آنا دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ اس سے ہماری بات ثابت ہوگئی کہ قول باری فان للہ خمسہ) میں دو باتوں میں سے ایک مراد ہے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں باتیں مراد لی جائیں اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اس بنا پر آیت اس مفہوم پر مشتمل ہوگی کہ ہمیں تمام کاموں کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خمس کو اللہ کے تقرب اور رضا جوئی کی راہوں میں خرچ کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خمس میں سے ایک حصہ ملتا، وہ چیز بھی آپ کی ہو جاتی جسے آپ پسند کر لیتے اور جنگ میں شریک ایک سپاہی کی حیثیت سے مال غنیمت میں سے بھی ایک حصہ مل جاتا۔ ابوحمزہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے عبدالقیس کے وفد سے فرمایا تھا امرکم باربع شهادة ان لا اله الا الله، وتقیموا الصلوة وتعطوا اسهم الله من الغنائم والصفی، میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اس بات کی گواہی کا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں نماز قائم کرنے کا غنائم میں سے اللہ کا حصہ نکالنے کا اور صفی ادا کرنے کا) مال غنیمت میں وہ حصہ یا چیز جسے سردار اپنے لئے مخصوص کر لے صفی کے نام سے موسوم ہے۔ (احکام القرآن، سورہ انفال، بیروت)

ومن سورة الممتحنة

سورت ممتحنہ سے آیات ناسخہ ومنسوخ کا بیان

سورت کا نام

اس سورت کے نام میں دوقول ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس سورت کا نام الممتحِنۃ (ح پر زیر) ہے، یعنی یہ سورت عورتوں کا امتحان لینے والی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کا نام الممتحَنۃ (ح پر زبر) ہے، یعنی اس سورت میں ان خواتین کا ذکر ہے جن کا امتحان لیا گیا ہے۔ اول الذکر نام کتب تفسیر اور کتب سنۃ میں زیادہ مشہور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک آیت ہے جس میں ان مؤمن خواتین کا امتحان لینے کا ذکر ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں، وہ آیت یہ ہے: (الممتحنۃ: ۱۰) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو۔

درصال ان عورتوں کا امتحان لینے والے تو رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین تھے اور اس سورت کی طرف امتحان لینے کا اسناد کر کے اس کا نام الممتحنۃ رکھا گیا ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔ جیسے حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی ﷺ سے بحث اور مجادلہ کیا تھا اور مجازاً اس سورت کا نام مجادلہ رکھا گیا، اسی طرح امتحان لینے والے تو مؤمنین تھے لیکن مجازاً اس سورت کا نام الممتحنہ رکھ دیا گیا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ اس سورت کا نام الممتحَنۃ (ح پر زبر) ہے، کیونکہ یہ سورت ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط کے سبب سے نازل ہوئی ہے، کیونکہ ان کا امتحان لیا گیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے کہا، مشہور یہی ہے اور الممتحِنۃ (ح پر زیر) بھی پڑھا گیا ہے اور اس تقدیر پر یہ سورت کی صفت ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص 623 دار الفکر، بیروت، 1420ھ)

سورة الممتحنہ کا زمانہ نزول

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور اس کی بالاتفاق تیرہ آیتیں ہیں، یہ سورت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب فتح مکہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی روانگی سے پہلے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں اپنے رشتہ داروں کے تحفظ کی خاطر اہل مکہ کے نام خط لکھا تھا جس میں اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے منصوبہ سے باخبر کیا تھا، وہ خط پکڑا گیا اور کافر رشتہ داروں سے دوستی کی ممانعت میں اس سورت کی آیات نازل ہوئیں، اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی ہے، یعنی چھ اور آٹھ ہجری کے درمیان میں کیونکہ حضرت حاطب کا واقعہ آٹھ ہجری میں ہوا ہے اور اسی سال مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 92 ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 60 ہے۔

مسلمان اور کفار شوہروں کی جانب حق مہر لوٹانا اور حکم نسخ کا بیان

۞ وعن قوله عز وجل {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ

عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَاتَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَاهُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَاأَنْفَقُوا وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَاآتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ} يعني بذلك كفار نساء العرب إذاأبين أن يسلمن أن يخلى عنهن.

وعن قوله عز وجل: {وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا} فكان إذا فررن من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رجعن إلى الكفار الذين بينهم وبين أصحاب رسول الله العهد فتزوجن وبعثن بمهورهن إلى أزواجهن من المسلمين فإذا فررن من الكفار الذين بينهم وبين أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم العهد فتزوجن وبعثن بمهورهن إلى أزواجهن من الكفار فكان هذابين أصحاب رسول الله وبين أهل العهد من الكفار.

وعن قوله عز وجل: {ذَلِكُمْ حُكْمُ اللهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ} 7 فهذا حكمه بين أهل الهدى وأهل الضلالة.

وعن قوله عز وجل: {وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ} 1 يقول إلى الكفار ليس بينهم وبين أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد يأخذون به فغنموا غنيمة إذا غنموا أن يعطوا زوجها صداقها الذي ساق منها من الغنيمة ثم يقسموا الغنيمة بعد ذلك ثم نسخ هذا الحكم وهذا العهد في براءة 2 فنبذ إلى كل ذي عهد عهده.

النحاس 237_249، أسباب النزول 451، زاد المسير 8/238، تفسير البغوي والخازن 7/66.

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ نہ وہ مؤمنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لئے حلال ہیں اور تم کافروں کو وہ مال دے دو جو انہوں نے ان مؤمنات پر خرچ کیا ہے، اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو اور (اے مسلمانوں!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو، اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے۔ (ممتحنہ 10)

یعنی اہل عرب کی وہ عورتیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا وہ ان سے تخلیہ چاہتی ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہجرت کر کے آئے تو وہ عورتیں ان کفار کی جانب لوٹیں جن کے درمیان اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ ہو چکا تھا۔ تو انہوں نے ان سے شادی کی اور ان کے حق مہر ان کے مسلمان شوہر کی طرف لوٹا دیا۔ اور جب کفار کی جانب سے عورتیں فرار ہو کر آتیں، حالانکہ ان کفار اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ ہو چکا تھا۔ تو وہ نکاح کرتیں اور اپنے سابقہ کفار شوہروں کو مہر لوٹا دیتیں۔ اور یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل عہد کفار کے درمیان تھا۔ پس یہ حکم اہل ہدایت اور اہل ضلالت کے درمیان تھا۔

اور اگر تمہاری بیوی میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے، پھر (تم کافر سے) مال غنیمت حاصل کر لو، تو

(مال غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کافروں کی طرف چلی گئی ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔(ممتحنہ، 11)

کفار کیلئے کہا جاتا تھا کہ ان کے درمیان اور اصحاب رسول ﷺ کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے لہذا ان سے مال غنیمت پکڑا جائے اور اس سے ان کے شوہروں کا مہر لوٹا دیا جائے۔اور یہ مہور مال غنیمت سے دینے بعد پھر مال غنیمت کو تقسیم کیا جائے گا اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اس کا عہد کا ذکر سورت توبہ میں ہوا کہ ہر عہد والے کی جانب اس کا عہد پھینک دیا جائے۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب متہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مؤمنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لئے حلال ہیں اور تم کافروں کو وہ مال دے دو، جو انہوں نے ان مؤمنات پر خرچ کیا ہے اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو، اور (اے مسلمانوں!) تم بھی کافر عورتوں کو نہ روکے رکھو، اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے۔اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے تھپر (تم کفار سے) مال غنیمت حاصل کر لو تو (مال غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کفار کی طرف چلی گئی ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔(الممتحنہ:10-11)

صلح حدیبیہ کے تقاضے سے صرف مہاجر مسلمانوں کا کفار کی طرف واپس کرنا واجب تھا......نہ کہ مہاجر خواتین کا بھی

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مروان اور مسور بن مخرمہ، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے دن نبی ﷺ سے صلح نامہ میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ جو شخص بھی مشرکین میں سے آپ کے پاس آئے گا، خواہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے آپ کو ہماری طرف واپس کرنا ہو گا، اسی شرط کے مطابق اس دن نبی ﷺ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا تھا اور اس مدت میں مردوں میں سے جو بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا آپ نے اس کو واپس کر دیا اور مؤمنات بھی ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں، تب ان کے گھر والے آپ کے پاس گئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ حضرت ام کلثوم کو انکی طرف واپس کر دیں، آپ نے حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس نہیں کیا، کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ الایۃ (الممتحنہ:۱۰) (صحیح البخاری رقم الحدیث:2712)

اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی ﷺ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ معاہدہ میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آپ کے پاس مکہ سے جو بھی آئے گا خواہ مرد ہو یا عورت آپ کو اسے واپس کرنا بلکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی، عورتوں کی واپسی کی شرط نہیں تھی، معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

فقال سهيل وعلى انه لا ياتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲) سہیل نے کہا، اور شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو مرد بھی آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو، آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے جا رہے تھے، جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ سے اس پر صلح کر لی کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے پاس آیا، آپ اس کو واپس کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے جو ان کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے، اس پر صلح نامہ لکھا جا چکا تھا، لکھنے کے بعد حضرت سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ، مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں، پھر ان کے خاوند مسافر بن مخزوم (یا صیفی بن الراھب) آئے اور ان کو طلب کیا اور کہا: اے محمد ﷺ! میری بیوی واپس کر دو، کیونکہ تم یہ شرط مان چکے ہو کہ ہمارے پاس سے جو بھی تمہارے پاس آئے گا تم اس کو واپس کر دو گے، اور ابھی تو اس صلح نامی کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت (الممتحنہ: ۱۰) نازل فرمائی ہے۔ یعنی یہ شرط مردوں کے متعلق تھی خواتین اس میں داخل نہیں ہیں لہٰذا پوری مدت معاہدہ میں مسلمان ہو کر آنے والے مردوں کو تو مشرکین کی طرف واپس کیا گیا مگر جو خواتین مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں ان کو آپ نے واپس نہیں فرمایا۔

مہاجر خواتین سے امتحان لینے کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آزمانے کی کیفیت یہ تھی کہ جو خاتون مسلمان ہو کر آپ کے پاس آتی، آپ اس سے اس پر حلف لیتے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں آئی ہے یا مدینہ کے کسی مسلمان کے ساتھ عشق اور محبت کی وجہ سے نہیں آئی ہے اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے اور آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی آفت اور مصیبت کی وجہ سے آئی ہے اور نہ دنیا کی طلب میں آئی ہے، بلکہ وہ صرف اسلام کی طرف رغبت کی وجہ سے آئی ہے اور اللہ اور اس کے رسو ﷺ ل سے محبت کی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سبیعہ بنت الحارث سے اس پر حلف لیا اور جب انہوں نے اس پر حلف اٹھا لیا تو پھر آپ نے ان کو واپس نہیں کیا اور ان کے مشرک خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا، پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا
ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا، پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا
ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا، پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا
ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا، پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ سے جو مرد آپ کے

پاس آتے تھے آپ ان کو واپس کر دیتے تھے اور جو خواتین آتی تھیں ان کا امتحان لینے کے بعد ان کو روک لیتے تھے اور ان کے کافر شوہر کو ان کو دیا ہوا مہر واپس کر دیتے تھے۔

مسلم خواتین ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں یا مدینہ سے مسلم عورتیں مرتد ہو کر کفار کی طرف...... جائیں، اختلاف دارین سے نکاح سابق منقطع ہو جائے گا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہجرت کرنے والی مسلمان خواتین سے تمہارا نکاح مباح کر دیا ہے، خواہ ان کے سابقہ شوہر دار الکفر میں ہوں کیونکہ اسلام نے ان کے اور ان کے کافر شوہروں کے درمیان تفریق کر دی۔

اس کے بعد فرمایا: "ولا تمسکوا بعصم الکوافر" "ولا تمسکوا" کا معنی ہے: مت روکو اور "العصم العصمت" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عقد نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور "الکوافر، کافرۃ" کی جمع ہے اور اس جملہ کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت روکے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں، یعنی جس مسلمان کا مکہ میں کسی کافرہ کے ساتھ نکاح تھا اور وہ مسلمان اب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکا ہے تو اس مسلمان کا نکاح بھی اس کافرہ سے اختلاف دارین کی وجہ سے اس طرح منقطع ہو گیا جس طرح مسلمہ مہاجرہ کا نکاح مکہ میں رہنے والے کافر سے منقطع ہو گیا۔

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والی مسلم خواتین

زہری نے کہا: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مکہ میں دو بیویاں تھیں اور وہ دونوں مشرکہ تھیں، سو حضرت عمر کی ہجرت کے بعد ان کا ان مشرکہ بیویوں سے نکاح منقطع ہو گیا، پھر بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے مکہ میں ان مشرکہ عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر لیا اور دوسری ام کلثوم بنت عمرو تھی، اس سے ابو جہم بن حذافہ نے نکاح کر لیا۔ (امام بخاری نے اس کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۳)

شعبی نے کہا، حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ مکہ میں ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں، وہ مسلمان تھیں اور ہجرت کر کے نبی ﷺ کے پاس آ گئیں اور ابو العاص مکہ میں مشرک رہے، پھر وہ مدینہ میں آ کر اسلام لے آئے تو آپ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہیں واپس کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو مت نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو، اور کافروں نے جو خرچ کیا وہ وہ تم سے طلب کر لیں۔

یعنی اے مسلمانوں چ اگر کوئی عورت اسلام سے مرتد ہو کر کافروں سے جا ملی ہے تو تم نے اس کے مہر وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے وہ کافروں سے وصول کر لو اور کافروں کی جو عورت مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئی ہے تو اکفر شوہر نے اس کے مہر وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے وہ تم سے وصول کر لے (یہ رقم اس سے نکاح کرنے والا مسلمان ادا کرے گا ورنہ بیت المال سے ادا کی جائے گی۔)

الممتحنہ:۱ میں فرمایا: اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مال غنیمت حاصل کرلوتو (مال غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا، جو کفار کی طرف چلی گئیں۔ الایۃ

مدینہ سے اسلام کو ترک کر کے کفار کی طرف جانے والی عورتیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چھ مسلم اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں: (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھی (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ، یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی (۳) بروع بنت عقبہ، یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی (٤) عزہ بنت عبدالعزیز، یہ حضرت عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھی (٥) ھند بنت ابی جہل، یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل کے نکاح میں تھی (٦) ام کلثوم بنت جرول، یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی، یہ سب عورتیں اسلام سے مرتد ہوگئی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے مسلمان شوہروں کو مال غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقوم ادا کردیں۔

رفیقین کے سابق شوہروں کو ان کے دیئے ہوئے مہر کی رقم دینا آیا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا، اب یہ حکم واجب نہیں ہے اور یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا، یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔

امام ابوبکر رازی حنفی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ آیت ہے:

(البقرہ:۱۸۸) اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس کے لئے ناسخ ہے: کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ٤٤١) (معالم التنزیل ج ٥ ص 72-75، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤۲۰ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی، ۱٤٥٠ھ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی، ۱۳۷۰ھ اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ نے بھی ان آیتا کی تفسیر اسی طرح کی، جس طرح علامہ بغوی نے مذکور الصدر تفسیر کی ہے۔ (النکت و العیون ج ٥ ص 520-523 احکام القرآن ج ۳ ص 438-441 تفسیر کبیر ج ۱۰ ص 521-523)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا اپنے کافر شوہر سے نکاح فی الفور منقطع ہوجائے گا جیسا کہ الممتحنہ: ۱۰ میں اس کی واضح تصریح ہے، اس کے برخلاف صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے نکاح کا انقطاع اس کی عدت ختم ہونے پر موقوف ہے، اگر عدت ختم ہونے تک اس کا کافر شوہر اسلام نہ لایا تو اس کا نکاح اس کافر سے منقطع ہوجائے گا اور اگر عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا، کافر شوہر مسلمان ہوگیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا۔ سطور ذیل میں ہم ان فقہاء کے مذاہب ان کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔

جوعورت مسلمان ہوکر دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آئی اس کے نکاح سابق ...... کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک علامہ برھان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: جب زوجین میں سے کوئی ایک دار الحرب چھوڑ کر مسلمان ہوکر دار الاسلام میں آجائے اور دوسرا فریق دار الحرب میں بہ دستور کافر ہوتو ہمارے نزدیک ان دونوں میں فالفور تفریق ہوجائے گی اگر دار الاسلام میں آنے والا فریق شوہر ہوتو اس کی بیوی پر بالاتفاق عدت نہیں ہے اور اگر دار الاسلام میں آنے والی فریق عورت ہوتو صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ (المحیط البرھانی ج ٤ 194، ادارۃ القرآن، کراچی، 1424ھ)

ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

عالمہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ٤٥٠ ھ لکھتے ہیں: اگر بیوی بت پرست ہو یا بیوی مسلمان ہوجائے اور شوہر اہل کتاب میں سے ہو یا بت پرست ہوتو ہر صورت میں ان میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے بعد نکاح میں جمع رہنا حرام ہے اور ان میں سے کسی ایک کے اسلام کو دیکھا جائے تو اگر مباشرت سے پہلے ان میں سے کوئی ایک اسلام لایا ہوتو نکاح باطل ہوجائے گا اور مباشرت کے عبد کوئی ایک اسلسام لایا ہوتو پھر نکاح عدت پوری ہونے پر موقوف رہے گا، اگر عدت ختم ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شرک کوترک کر کے اسلام لے آیا ہوتو وہ دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر عدت پوری ہونے تک ان میں سے کوئی بھی اسلام نہیں لایا تو نکاح باطل ہوجائے گا، خواہ شوہر پہلے اسلام لایا ہو یا بیوی پہلے اسلام لائی ہو اور خواہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دار الحرب میں اسلام لایا ہو یا دار الاسلام میں اسلام لایا ہو۔ (الحاوی الکبیر ج ١١ ص ٣٥٤، دار الفکر بیروت)

ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں ...... فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ٦٢٠ ھ لکھتے ہیں: اگر شوہر اور بیوی معاً اسلام لائے ہوں تو وہ اپنے ناح پر برقرار رہیں گے، خواہ وہ مباشرت سے پہلے اسلام لائے ہوں یا مباشرت کے بعد اسلام لائے ہوں، کیونکہ اس پر اجماع ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلے اسلام لایا ہو اور وہ اہل کتاب بیوی کا شوہ ہو، تب بھی ان کا نکاح برقرار رہے گا، کیونکہ ابتداء ان کا نکاح بھی جائز ہے اور اگر عورت پہلے اسلام لائی ہو یا شوہر اور بیوی دونوں بت پرست ہوں اور مباشرت سے پہلے بیوی اسلام لائی ہوتو ان کا نکاح منقطع ہوجائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن (الممتحنۃ: ١٠) نہ وہ مئومنات کافر کے لئے حال ہیں اور نہ وہ کفاران مئومنات کے لئے حلال ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولاتمسکوا بعصم الکوافر (الممتحنۃ: ١٠)۔ اور (اے مسلمانوں!) تم بھی کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو

اور ان دونوں میں سے جو بھی پہلے اسلام لے آئے گا تو نکاح منقطع ہوجائے گا، کیونکہ اس سے دونوں کے دین میں اختلاف

ہوجائے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک مباشرت کے بعد اسلام لایا ہے تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فی الفور نکاح منقطع ہوجائے گا (جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح عدت گزرنے پر موقوف ہے، اگر عدت پوری ہونے سے پہلے دوسرا فریق مسلمان ہوگیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر عدت پوری ہنے کے بعد تک دوسرا فریق مسلمان نہیں ہوا تو پھر ان کا نکاح منقطع ہوجائے گا اور اس عورت کو مہر مثل دینا ہوگا، کیونکہ ابن شبرمہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرد، عورت سے پہلے مسلمان ہوجاتا تھا اور عورت مرد سے پہلے مسلمان ہوجاتی تھی اور جو بھی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہوجاتا تو اس کا نکاح برقرار رہتا تھا اور اگر عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام لاتا تھا تو اس کا نکاح منقطع ہوجاتا تھا۔

اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ جب شوہر اور بیوی ایک ساتھ اسلام لائے ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کی ہو، جب کہ مردوں کی ایک جماعت اپنی بیویوں سے پہلے اسلام لائی، جیسے ابوسفیان بن حرب اور مردوں کی دوسری جماعت سے پہلے ان کی بیویاں اسلام لے آئی تھیں، جیسے صفوان بن امیہ، عکرمہ اور ابوالعاص بن الربیع، اور جو تفریق ان کے درمیان واقع ہوئی وہ نکاح کا فسخ ہوتا تھا۔ (الکافی ج ۳ ص 50۔51 دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ سحنون بن سعید التنوخی امام مالک سے روایت کرتے ہیں: راوی نے کہا: اگر شوہر اور بیوی دونوں مجوسی ہوں یا دونوں نصرانی ہوں یا دونوں یہودی ہوں ڈ علامہ سحنون نے کہا: امام مالک کے نزدیک ان سب کا حکم ایک ہے، امام مالک نے کہا، اگر خاوند اس عورت کی عدت میں اسلام لے آئے تو وہ اس عورت کا مالک ہے، اور اگر اس کی عدت پوری ہوچکی ہو تو پھر خاوند کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے، خواہ وہ اس کے بعد اسلام لے آئے، میں نے پوچھا: جب ان میں تفریق ہوگئی تو آیا یہ تفریق نکاح کا فسخ ہوگی یا طلاق؟ امام مالک نے کہا: یہ فسخ نکاح ہے، طلاق نہیں ہے۔

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتیں اپنی سرزمین میں اسلام لے آتی تھیں اور ہجرت نہیں کرتی تھیں اور ان کے شوہر اس وقت کافر ہوتے تھے، جیسے ولید بن مغیرہ کی بیٹی، صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں، وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئیں اور صفوان اسلام سے بھاگ کر سمندر میں سوار ہوگئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عم زاد وہب بن عمیر کو ان کے پیچھے امان کے پیغام کے ساتھ بھیجا اور نشانی کے طور پر اپنی چادر دی اور فرمایا، تم اسلام لے آؤ اور تم کو غور وفکر کے لئے دو ماہ کی مہلت ہے، پھر جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار ماہ کی مہلت دے دی اور وہ حالت کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ہوازن میں رہے اور غزوہ طائف میں رہے اور اس دوران ان کی بیوی مسلمان رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی، حتیٰ کہ صفوان اسلام لے آئے اور ان کی بیوی اسی نکاح سے ان کے ساتھ رہیں۔ ابن شہاب نے کہا، صفوان اور ان کی بیوی کے اسلام لانے کے درمیان ایک ماہ کا عرصہ تھا۔ (موطاء امام مالک ج ۲ ص 93 رقم الحدیث: 1178، دار المعرفۃ، بیروت، 1420ھ)

نیز ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، پھر حضرت ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ساتھ یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور عکرمہ مسلمان ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر وہ حضرت عکرمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ان کو گلے لگایا اور ان کو بیعت کر لیا۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص 94 رقم الحدیث :1180، دار المعرفۃ، بیروت)

امام مالک نے کہا، ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق کی ہو اور وہ اسی نکاح کے ساتھ حضرت عکرمہ کے ساتھ رہیں۔

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھی، وہ اسلام لے آئیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں آگئیں اور ان کے خاوند نے اسلام کو ناپسند کیا اور تجارت کے لئے شام چلے گئے، وہاں چند انصاریوں نے ان کو قید کر لیا، پس سیدہ زینب نے کہا، مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے، آپ نے پوچھا: کس کو؟ سیدہ زینب نے کہا، ابو العاص کو، آپ نے فرمایا: جس کو زینب نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی، پھر ابو العاص مسلمان ہو گئے اور ابھی سیدہ زینب عدت میں تھیں اور وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں۔

امام مالک نے کہا، ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت کا خاوند عدت کے اندر ہجرت کر کے آگیا ہو پھر بھی اس کا نکاح فسخ کر دیا گیا ہو۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص 298-300 ا احیاء التراث العربی، بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن ہمام حنفی متوفی 861ھ، ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جواب میں لکھتے ہیں: صوفان بن امیہ اور عکمہ بن ابی جہلم کا جواب یہ ہے کہ وہ مکہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے، اس لئے آپ نے ان کا نکاح ان کی بیویوں سیب رقرار رکھا، باو سفیان اور ھند کا بھی یہی جواب ہے۔ اور سیدہ زینب کے شوہر ملک شام چلے گئے تھے اس لئے ان کا نکاح برقرار نہیں رہا تھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح سیدہ زینب سے دوبارہ پڑھایا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ٤٠٠ بیروت)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابو العاص بن الربیع کی طرف نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹا دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱٤۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۰، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۵٦ المستدرک ج ۳ ص ٦۳۹ مسند احمد ج ۲ 207-208 طبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت دار الکفر سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آکر مسلمان ہو جائے، اس کے متعلق ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں اس کا سابق نکاح اس کی عدت ختم ہونے تک موقوف رہے گا، اگر اس کا مشرک شوہر عدت پوری ہونے تک مسلمان نہیں ہوا

اس کا نکاح منقطع ہوجائے گا اور اگر وہ عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہوگیا تو اس مہاجرہ مسلمہ کا نکاح اس کے ساتھ برقرار رہے گا اور امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ عورت ہجرت کر کے اسلام لائی اس کا اپنے کافر شوہر سے سابق نکاح فی الفور منقطع ہوجائے گا اور قرآن مجید کے موافق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کا قول ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

(الممتحنہ: ۱۰) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہوجائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مؤمنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لئے حلال ہیں۔

امام اعظم کا مذہب اس آیت کے صراحۃ مطابق ہے کیونکہ اس آیت میں ان کے نکاح کو عدت پر موقوف کرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن، سورہ ممتحنہ، لاہور)

مہاجر خواتین سے متعلق احکام نکاح وحق مہر پر روایات کا بیان

۱۔ بخاری نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم رحمہما اللہ دونوں سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن جب کفار قریش سے معاہدہ کیا تو مومن عورتیں آئیں (اس پر) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت یا ایہا الذین اٰمنوا اذا جاء کم المومنت مہاجرات۔ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں۔ حتی کہ یہاں تک پہنچے آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر اور تم کافر عورتوں کے تعلقات ازدواجی کو باقی مت رکھو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن اپنی دونوں عورتوں کو طلاق دیدی جو مشرکہ تھیں۔

صلح حدیبیہ

۲۔ بخاری وابوداؤد ناسخہ اور بیہقی نے السنن میں مروان بن الحکم اور مسور بن مخرمہ رحمہما اللہ سے روایت کیا کہ جب حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک مدت کے فیصلے کو لکھا۔ تو سہیل کی طرف سے یہ شرط تھی کہ ہم میں سے کوئی اگر آپ کے پاس آئے گا اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہوگا مگر یہ کہ آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ابوجندل بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوٹا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مردوں میں سے کوئی آتا تھا تو اس مدت میں آپ اس کو لوٹا دیتے تھے اگرچہ وہ مسلمان ہوتا تھا۔ پھر مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور وہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھی ان عورتوں میں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلیں ان کے گھر والے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے لوٹانے کا سوال کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے بارے میں حکم نازل فرما دیا کہ ان کو واپس نہ کیا جائے۔

۳۔ طبرانی وابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ عبداللہ بن ابی احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط نے مصالحت کے دور میں ہجرت کی ان کے بھائی عمارہ اور ولید رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ام کلثوم کے بارے میں بات کی کہ آپ اسے ان کے ساتھ واپس لوٹا دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں خاص طور پر وہ عہد توڑ دیا جو مشرکین

اوران کے درمیان تھا۔ اوران کومشرکین کی طرف واپس لوٹانے سے منع فرمادیا۔ اوراللہ تعالیٰ نے آیۃ الامتحان نازل فرمائی۔

۴۔ ابن درید نے امالیہ میں حدثنا ابوالفضل الریاشی نے ابن ابی رجا سے روایت کیا اورانہوں نے واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیات کے ساتھ فخر کرتی تھیں جو اس بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میں پہلی عورت تھی جس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جب میرا بھائی ولید میرے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس معاہدہ کومنسوخ کردیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان تھا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی آیت فلا ترجعوھن الی الکفار۔ کہ ان کوکافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردیا میں نے عرض کیا۔ کیا میرا نکاح اپنے غلام سے کررہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آیت وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے۔ پھر زید شہید کردیئے گئے تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا کہ اپنے آپ کوروکے رکھو میں نے کہا ہاں ٹھیک ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء (البقرہ آیت ۲۳۵) اور تم پر اس میں گناہ نہیں ہے کہ ان عورتوں کواشارہ سے پیغام نکاح دو۔

مومنات مہاجرات کوواپس کرنے کی شرط

۵۔ ابن سعد نے ابن شہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مشرکین نے حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر ہماری طرف سے کوئی آدمی آئے گا اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہوتو اس کو آپ ہماری طرف لوٹا دیں گے اور جو آپ کی طرف سے ہمارے پاس آئے گا ہم اس کو آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے۔ پس اس معاہدے کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس آدمی کوواپس لوٹاتے رہے جو بھی ان کی جانب سے دین اسلام میں داخل ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔ لیکن جب ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کرکے آئیں تو اس کے دو بھائی اس ارادہ سے آئے کہ وہ اسے نکال لائیں اور قریش کی طرف واپس کردیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاء کم المومنت مھاجرت سے لے کر آیت ولیسئلوا ما انفقوا تک فرمایا اس سے مراد مہر ہے یعنی کفار نے جو مہر ان کو دیا وہ مانگ لیں۔ آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الایۃ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی کافروں کے پاس چلی جائے اور تمہارے بالکل ہاتھ نہ آئے یعنی وہ عورت جو مسلمان ہوجائے تو مسلمان اس کا مہر کفار کی طرف لوٹا دیں اور مسلمانوں نے اپنے پاس کفار کی عورتوں سے جن کو طلاق دی تو ان پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مہر مسلمانوں کو لوٹا دیں۔ اور اگر وہ ان مسلمانوں کے مہر میں سے کچھ روک لیں جو کفار کی عورتوں سے علیحدہ ہوئے۔ تو پھر مسلمان بھی ان مسلمان عورتوں کا مہر روک لیں جو ان کی جانب سے آئیں۔

۶۔ ابن اسحاق وابن سعد وابن المنذر نے عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن اس شرط پر صلح کی کہ جو آدمی قریش کی جانب سے آئے گا تو اس کو قریش پر لوٹا دیں گے جب عورتوں نے ہجرت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرکین کی طرف لوٹانے سے انکار کردیا۔ کہ وہ مشرکین

کی طرف واپس لوٹ کر نہ جائیں جبکہ وہ اسلام کی آزمائش کے ساتھ آزمائی گئیں۔ اور مسلمانوں نے جان لیا کہ وہ اسلام میں رغبت اور شوق کے ساتھ آئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا مہر ان کی طرف لوٹانے کا حکم دیا۔ جب وہ ان کی طرف سے روک دی گئیں اور وہ بھی مسلمانوں پر ان عورتوں کے مہر لوٹائیں گے جن کو اپنی عورتوں سے روک دیا گیا پھر فرمایا آیت ذلکم حکم اللہ، یحکم بینکم۔ پس رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو روک لیا اور مردوں کو واپس لوٹا دیا اور اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم نہ ہوتا تو آپ ﷺ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی واپس لوٹا دیتے اور اگر معاہدہ نہ ہوتا تو آپ عورتوں کو روک لیتے اور ان کے مہر نہ لوٹاتے۔

۷۔ فریابی وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت اذا جاء کم المومنت مہاجرت فامتحنوہن۔ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ کر لیا کرو۔ یعنی ان سے پوچھ لو کہ وہ کس لیے آئی ہیں اگر وہ اپنے شوہروں پر غیظ وغضب یا کسی غیرت یا کسی ناراضگی کی وجہ سے آئی ہیں اور ایمان نہیں لائی تو ان کو ان کے شوہروں کی طرف لوٹا دو۔ اور اگر وہ اللہ پر ایمان لانے والی ہیں تو ان کو روک لو اور ان کے مہر ان کافروں کو دے دو۔ اور ان سے نکاح کر لو اگر تم چاہو اور انہیں مہر ادا کر دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر کے بارے میں فرمایا کہ نبی ﷺ کے صحابہ کو حکم کیا گیا اپنی عورتوں کو طلاق دینے کا جو مکہ مکرمہ میں کافروں کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ پھر فرمایا آیت واسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقو۔ اور ان سے مانگ لو جو تم نے خرچ کیا ہے اور وہ مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یعنی جو محمد ﷺ کے اصحاب میں سے ازواج یعنی خاوند کفار کی طرف نہیں گئے تو کافروں کو چاہیے کہ ان کے مہر ان کو ادا کریں وہ ان عورتوں کو روکے رکھیں اور کفار میں سے ازواج یعنی خاوند محمد ﷺ کے اصحاب کی طرف نہیں گئے تو محمد ﷺ کے اصحاب کو بھی اسی طرح کرنا چاہیے اور یہ بھی صلح کی شرط تھی قریش اور محمد ﷺ کے درمیان پھر فرمایا آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار۔ اور تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے پاس چلی جائے۔ یعنی ان لوگوں کے پاس کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ فعاقبتم پھر جب تمہاری نوبت آئے تو جو تم غنیمت کا مال پاؤ قریش سے یا ان کے علاوہ کسی اور سے آیت فاٰتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ماانفقوا۔ تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا مہر انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کو دے دو۔ یعنی ان کے مہر کے بدلہ میں۔

مہاجر عورتوں سے امتحان لینا

۸۔ عبد بن حمید نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ایک عورت ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف نکلی اس سے پوچھا گیا کیا تجھے اپنے شہر کے بغض نے مکہ مکرمہ سے نکالا یا تو نے اللہ اور اس کے رسول کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا بلکہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کا ارادہ کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری آیت فان علمتموھن مومنت فلا ترجعوھن الی الکفار سو اگر تم ان کو مسلمان جانو تو پھر کافروں کی طرف واپس مت کرو۔ اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرد اس کے ساتھ نکاح کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کے پہلے خاوند کی طرف وہ مہر لوٹا دے جو اس نے اس پر خرچ کیا تھا۔

۹۔ عبد بن حمید وابوداؤد فی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آیت یا ایہا الذین امنوا اذا جاء کم

المومنت مہاجرات کے بارے میں روایت کیا کہ یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ اور گمراہی والوں کے درمیان فرمایا پھر فرمایا آیت فامتحنوہن یعنی ان کا امتحان کرلو۔ ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ وہ خاوندوں کی نافرمانی کی وجہ سے نہیں نکلیں۔ اور وہ صرف اسلام کی محبت میں اور اس پر حرص کرتے ہوئے نکلی ہیں۔ اگر وہ قسم اٹھائیں تو ان سے قبول کرلو۔ اور فرمایا آیت وسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا۔ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو۔ تو کافروں سے اس کا مطالبہ کرلو اور جو کچھ مہاجر عورتوں پر کافروں نے خرچ کیا تھا وہ مسلمانوں سے مانگ لیں۔ یعنی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ان کافروں کی طرف بھاگ جائیں کہ جن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد تھا۔ اور وہ وہاں شادی کرلیں۔ تو کافر ان کے مہران کے پہلے مسلمان خاوندوں کی طرف بھیج دیں اور جب مشرکین کی عورتیں ان مسلمانوں کی طرف بھاگ آئیں کہ ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان عہد تھا۔ اور وہ مسلمانوں سے نکاح کرلیں تو مسلمان ان کے مہران کے پہلے مشرک خاوندوں کی طرف بھیج دیں۔ اور یہ فیصلہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور کفار میں سے ان لوگوں کے درمیان جن سے عہد تھا۔ اور فرمایا آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے پاس چلی جائے اور بالکل تمہارے ہاتھ نہ آئے پھر تمہاری باری آئے یعنی اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی عورت قریش کے ایسے کافروں کی طرف چلی جائے کہ ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اس کو پکڑ سکتے ہیں اور اس کا مہر بھی نہیں لوٹایا۔ آیت فعاقبتم پھر جب تمہاری باری آئے تو تم بھی ان کو کچھ نہ دو۔ اور یہ غنیمت ہے جب وہ اس کے بعد اس غنیمت یعنی عورت کو پالیں۔ پھر یہ فیصلہ اور عہد سورۃ براءت میں منسوخ کر دیا گیا کہ ہر معاہدہ کرنے والے کی طرف اس کے عہد کو پھینک دیا گیا۔

۱۰۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاء کم المومنت مہاجرات فامتحنوھن۔ سے لے آیت واللہ علیم حکیم تک کے بارے میں روایت کیا کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جب یہ یقین کرلیں کہ ان عورتوں کی طرف سے یہ اقرار سچا ہے تو پھر ان کو کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن کافروں نے معاہدہ کیا ہوا ہے ان میں سے ان کے خاوند کو وہ مہر ادا کر دے جو اس نے اس عورت کو دیا تھا اور ان کو ایمان والوں کے لیے حلال قرار دیا جب وہ انہیں ان کے مہر ادا کر دیں اور تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے حلال قرار دیا جب وہ انہیں ان کے مہر ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ مہاجر عورتوں کو اپنی ان عورتوں کی وجہ سے پکاریں جو کافروں میں ہیں۔ اور عورتوں کا امتحان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ وہ ان عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو اس شرط پر بیعت لیں گے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور ہند بنت عتبہ بن ربیعہ جس نے حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چاک کیا تھا۔ وہ بھی عورتوں میں بھیس بدل کر موجود تھی۔ کہنے لگی اگر میں بات کروں گی تو مجھے پہچان لیا جائے گا اور اگر مجھے پہچان لیا گیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس نے اپنا بھیس بدل لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوف کرتے ہوئے وہ عورتیں خاموش ہوگئیں جو ہند کے ساتھ تھیں اور انہوں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ ہند نے کہا اور اس نے بھیس بدلا ہوا تھا کہ عورتوں سے وہ چیز کیسے قبول کرلیں گے جبکہ مردوں سے قبول نہیں

کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔ تو ہند نے کہا اللہ کی قسم! کہ میں ابوسفیان کے مال سے حاجت کے مطابق لے لیتی ہوں، میں نہیں جانتی کہ کیا یہ اسے حلال قرار دے گا یا نہیں؟ ابوسفیان نے کہا میری جو چیز بھی ہے چاہے وہ ختم ہو چکی ہے یا باقی ہے وہ تیرے لیے حلال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا۔ پھر اس کو بلایا وہ آ گئی اور اس نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ پناہ لینے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہند ہے کہنے لگی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے جو کچھ ہو چکا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم الایۃ۔ یعنی اگر مہاجرین میں سے کوئی عورت کافروں سے مل جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ غنیمت میں سے ان کو اتنا دیا جائے جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔

سورۃ ممتحنہ کا شان نزول

۱۱۔ ابن مردویہ نے ابن شہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہم کو یہ بات پہنچی کہ سورۃ ممتحنہ اس مدت کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے لیے مقرر فرمائی تھی اس عہد کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان مدت کے بارے میں قائم ہوا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش پر وہ مال لوٹا دیتے تھے جو انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا ہوتا۔ جو مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے ہجرت کر لی اور ان کے شوہر کافر تھے۔ اگر انہوں نے جنگ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ کی ضرورت نہیں اور ان کی طرف ایسی کوئی چیز لوٹائی جائے گی جو انہوں نے خرچ کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے بھی کفار اہل مدت کے خلاف اس طرح کا فیصلہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر واسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا، ذالکم حکم اللہ، یحکم بینکم، واللہ علیم حکیم۔ تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور اپنی بیویوں پر جو کچھ خرچ کیا ہو تو ان کافروں سے اس کا مطالبہ کر لو اور جو کچھ مہاجر عورتوں پر کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مسلمانوں سے مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی بنت ابی امیہ بن المغیرۃ کو طلاق دے دی تو اس سے معاویہ بن ابی سفیان نے نکاح کر لیا اور جرول خزاعی کی بیٹی کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہم بن حذیفہ العدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر دیا۔ اور اسے حکم بنا دیا اسی کے مطابق ایمان والوں نے اور مشرکین کے درمیان اس عہد کی مدت کے دوران فیصلہ کیا جو ان کے درمیان قائم تھا او ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کیا اور مشرکین کے وہی اخراجات میں سے جو انہوں نے اپنی عورتوں پر کیے تھے اللہ کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے وہ ادا کر دیئے۔ اور مشرکین نے اس مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کے اخراجات کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان پر فرض کیا سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا۔ واتقوا اللہ الذی انتم بہ مومنون۔ اس آیت کے بعد جو عورت چلی گئی ایمان والوں کی بیویوں میں سے مشرکین کی طرف تو مومنین ان کے کافر خاوندوں کی طرف اس خرچے کے لیے رجوع کرتے جو کسی نے اس عورت پر کیا ہوتا اور یہ اس کا انجام تھا جو ان کے سامنے تھا کہ ان کو حکم دیا گیا کہ وہ مشرکین کی طرف ان کے وہ اخراجات لوٹا دیں۔ جو انہوں نے اپنی بیویں پر

کیے جواب ایمان لے آئیں اور ہجرت کی۔ پھر مومنین نے مشرکین کی طرف زائد بھی لوٹا یا اگر وہ ان کے لیے مناسب ہوا۔

۱۲۔ ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر سے مراد ہے کہ وہ ایک آدمی جس کی عورت دار الحرب چلی گئی۔ تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنی بیویوں میں سے شمار نہ کرے۔

۱۳۔ ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

۱۴۔ عبد بن حمید نے عامر شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی زینب ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے آپ سے کہا آیت واسئلو ما انفقتم ولیسئلو ما انفقوا۔

۱۵۔ ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم کے بارے میں روایت کیا کہ کوئی عورت اہل مکہ میں سے مسلمانوں کے پاس آئے تو وہ اس کے خاوند کو معاوضہ دیں۔ اور کوئی عورت مسلمانوں میں مشرکین کے ایسے آدمی کے پاس چلی جائے جس کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔ تو یہ فرمایا گیا فعاقبتم یعنی پھر تم غنیمت کو پالو۔ آیت فاٰتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا تو تم اس کے خاوند کو غنیمت میں سے اس کے مہر کے مثل دے دو۔

۱۶۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ باطل پر نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ جو ان میں سے اسلام قبول کر کے آئے تو اسے ان کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور ہم میں جو ان کی اتباع کرے گا اور تو ہم اسے انہیں کے پاس رہنے دیں گے۔ تو آپ نے فرمایا جو ان میں سے اسلام لے آیا تو اللہ تعالیٰ اس کی سچائی اور صدق کو خوب جانتا ہے وہ اس کو نجات عطا کر دے گا اور جو ہم میں ان کی طرف لوٹ کر گیا تو گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے محفوظ کر لیا۔ ۔ راوی کا بیان ہے کہ سورۃ ممتحنہ اس صلح کے بعد نازل ہوئی۔ اور ان کی عورتوں میں سے جو اسلام لاتی تو اس سے سوال کیا جاتا تھا کہ کس چیز نے تجھے نکالا ہے اگر وہ نکلی ہے اپنے شوہر سے فرار ہو کر اور اس سے اعراض کر کے نکلی تو اس کو لوٹا دیا جاتا اور اگر وہ نکلی ہے اسلام میں رغبت کرتے ہوئے تو اس کو روک لیا جاتا اور اس کے شوہر کے پاس اتنا مال لوٹا دیا جاتا جو اس نے خرچ کیا ہوتا۔

۱۷۔ ابن ابی حاتم نے یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ یہ آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاء کم المومنت مھاجرات۔ ابوحسان بن دحداحہ کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ امیمہ بنت بسر بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھنے والی عورت ہے جب یہ بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے شادی کر لی۔ اور اس سے عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

۱۸۔ ابن ابی حاتم نے مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور مکہ والوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا اور اس میں یہ شرط تھی کہ عورتوں کو لوٹا دیا جائے گا۔ تو ایک عورت آئی جس کا نام سعیدہ تھا۔ وہ صیفی بن الراہب کے نکاح میں تھی۔ اور وہ مشرک تھا اہل مکہ میں سے انہوں نے اس کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت اذا جاء کم المومنت

مہاجرات۔

۱۹۔عبد بن حمید وابوداؤ دفی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر نے زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت نازل ہوئی اور وہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیبیہ میں تھے۔ جب عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ ان کا مہران کے شوہرو [illegible] لوٹادیں۔اور مشرکین کو بھی اسی طرح حکم فرمایا کہ جب ان کے پاس مسلمانوں میں سے کوئی عورت آئے تو اس کا مہران کے خاوند کی طرف لوٹادیں۔تو مومنین نے اللہ کے حکم کو تسلیم کرلیا مگر مشرکین نے انکار کردیا۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار سے لے کر مثل ما انفقوا تک۔تو ایمان والوں کو حکم فرمایا کہ جب مسلمانوں میں سے کوئی عورت چلی جائے اور ان میں سے ان کا خاوند موجود ہو تو مسلمان ان کی بیوی کا مہر اس کی طرف اتنا لوٹادیں جتنا انہیں مشرکین کو دینے کا حکم دیا گیا۔

۲۰۔سعید بن منصور وابن المنذر نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آیت اذا جاءکم المومنت کے بارے میں روایت کیا کہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ جب ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی تھی تو وہ اس کا امتحان لیتے تھے پھر وہ اس کے شوہر پر اتنا مال لوٹادیتے جو اس نے اس پر خرچ کیا تھا اگر کوئی عورت مسلمانوں میں سے مشرکین سے مل جاتی اور مسلمان غنیمت کا مال پاتے تو وہ اس میں سے اتنا مال اس کے خاوند کو دیتے جتنا اس نے اس پر خرچ کیا تھا شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مشرکین کسی چیز سے راضی نہ ہوئے حتی کہ وہ اس آیت سے بھی راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے یہ نصف ہے۔

۲۱۔ابن ابی اسامہ والبزار وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذا جاءکم المومنت مہاجرت فامتحنوھن کے بارے میں روایت کیا اور یہ الفاظ ابن المنذر کے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا نبی اکرم ﷺ عورتوں سے کس طرح امتحان لیتے تھے۔تو فرمایا جب کوئی عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس آتی تھی۔تو اس سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کی اس سے قسم لیتے تھے کہ تو اس زمین کی رغبت اور پسند میں اس زمین سے نہیں نکلی اور اللہ کی قسم میں خاوند سے ناراض ہو کر نہیں نکلی اور اللہ کی قسم کہ تو دنیا کی تلاش میں نہیں نکلی۔اور اللہ کی قسم میں نہیں نکلی مگر اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہوئے۔

۲۲۔عبد بن حمید وابن المنذر نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ عورت سے پوچھا جاتا تھا کہ تو ہم میں سے کس آدمی کا عشق محبت تجھے یہاں نہیں لایا اور اپنے شوہر سے بھاگ کر تو نہیں آئی تو وہ کہتی کہ میں نہیں نکلی مگر اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہوئے۔

۲۳۔ابن منیع نے کلبی کے طریق سے ابوصالح سے روایت کیا اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے اور ان کی بیوی مشرکین میں پیچھے رہ گئی۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر۔

۲۴۔طبرانی نے وابونعیم وابن عساکر نے یزید بن اخنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کے

ساتھ ان کے سارے گھر والے بھی مسلمان ہو گئے ۔ مگر ان کی ایک بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کر دی ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کر دی گئی جب سال گزرنے میں ایک دن رہ گیا تو وہ بیٹھ گئی اور سورج کی طرف دیکھنے لگی یہاں تک کہ جب سورج غروب کے قریب ہوا تو مسلمان ہو گئی۔

۲۵۔ ابن ابی حاتم نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر نازل ہوئی تو میں نے اپنی بیوی اروی بنت ربیعہ کو طلاق دے دی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریبہ بنت ابی امیہ اور ام کلثوم بنت جرول الخزاعیہ کو طلاق دے دی۔

۲۶۔ سعید بن منصور وابن المنذر نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ یہ آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر مسلمانوں میں سے ایک عورت کے بارے میں نازل ہوئی جو مشرکین سے مل جاتی ہے اور کفر اختیار کر لیتی ہے تو اس کا شوہر اس کے بچانے کے لیے نہ روکے کیونکہ وہ اس سے بری ہو گیا۔

۲۷۔ ابن ابی حاتم نے حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار حکیم بن ابی سفیان کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو گئی اور ایک ثقفی مرد نے اس سے شادی کر لی۔ اس کے علاوہ قریش میں سے کوئی عورت مرتد نہیں ہوئی پھر جب بنی ثقیف اسلام لے آئے تو وہ بھی ان کے ہاتھ مسلمان ہو گئی۔

۲۸۔ ابو داؤد فی ناسخہ وابن المنذر نے ابن جریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ آیت فامتحنوھن الایۃ کے بارے میں میں نے عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کیا آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں تو انہوں نے فرمایا نہیں۔ (تفسیر در منثور، سورہ ممتحنہ، بیروت)

ومن سورة المزمل
سورت مزمل سے آیات ناسخہ ومنسوخہ کا بیان

سورت کا نام

اس سورت کا نام المزمل ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے: يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۔ (المزمل: ۱) اے چادر لپیٹنے والے!۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، تاہم اس کے دوسرے رکوع میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اس کے دوسرے رکوع کی آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں، تاکہ صحیح یہ ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی اور اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ العلق کے بعد سورۃ نون والقلم نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ العلق کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی، اور ظاہر یہ ہے کہ یہی راجح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ن والقلم کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی، پس یہ ترتیب نزول کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۳ ہے۔

رات کے قیام کی فرضیت اور نسخ حکم کا بیان

وعن قوله عز وجل: {يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيلَ إِلَّا قَلِيلاً نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلاً أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرآنَ تَرْتِيلاً} ففرض الله عز وجل: قيام الليل في أول هذه السورة فقام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى انتفخت أقدامهم فأمسك الله خاتمتها حولا ثم أنزل الله عز وجل: التخفيف في آخرها قال عز وجل: {عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ} فنسخت هذه الآية ما كان قبلها من قيام الليل فجعل قيام الليل تطوعا بعد فريضة وقال {وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ} وهما فريضتان لا رخصة لأحد فيهما.

النحاس 251، ابن سلامة 96، مکی 382، ابن اللجوزی 214، العتائقی 81، ابن المتوج 200 وینظر أیضا: زاد المسیر 8/388، التسهیل لعلوم التنزیل 4/156۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اے چادر لپیٹنے والے رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں۔ یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ (مزمل) اس سورت کے شروع میں اللہ تعالی نے رات کے قیام کو فرض کیا۔ تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا حتی کہ ان کے قدموں پر ورم آ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے ان پر آسانی فرمائی اور اس سورت

کے میں فرمایا۔ اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے، اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے، اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کررہے ہوں گے، پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، (مزمل، 20)

لہذا اس آیت نے اس سے پہلے آیت میں قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ کر کے قیام کو نفلی قرار دیا۔ اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو یہ دونوں ایسے فرائض ہیں جن میں سے کسی ایک میں بھی کوئی بھی رخصت نہیں ہے۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے چادر لپیٹنے والے رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کردیں۔ یا اس پر کچھ اضافہ کردیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ بیشک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے۔ (المزمل: ۵۔۱)

"المزمل" کا معنی اور مصداق

اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں "المزمل" سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فرا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کے لیے اپنے اوپر چادر لپیٹ لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے چادر لپیٹنے والے، ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے تو آپ سے فرمایا گیا: اے چادر لپیٹنے والے، اٹھیئے اور عبادت میں مشغول ہوجایئے، ایک قول یہ ہے کہ آپ پر غار حرا میں پہلی بار وحی نازل ہوئی اور سورۃ العلق کی ابتدائی تین آیات نازل ہوئیں اور بالفعل آپ پر نبوت کی ذمہ داری ڈال دی گئی تو آپ نبوت کے بار گراں سے گھبرا گئے اور خوف الٰہی سے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب کسی شخص کے ساتھ لطف اور محبت کے ساتھ خطاب کرنے کا قصد کیا جائے تو اس کے اس وقت کے حال کے مناسب کسی اسم کو مشتق کر کے اس سے کلام کیا جاتا ہے، جیسا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر سو گئے اور اس وقت ان کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

قم یا ابا تراب (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤١) اے مٹی والے! اٹھو۔

سو اسی اسلوب پر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی لطف اور محبت کے ساتھ خطاب فرمایا کہ اے چادر لپیٹنے والے! اٹھو

نماز تہجد پڑھنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

المزمل: ٤۔٢ میں رات کے قیام یعنی تہجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں تین قول ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: ان آیتوں میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور انبیاء سابقین (علیہم السلام) پر رات کا قیام فرض تھا۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

سعد بن ہشام بن عامر سے ایک طویل روایت ہے، اس میں مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے قیام کے متعلق خبر دیجئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن مجید میں " یایھا المزمل " نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اس سورت کے شروع میں آپ پر رات کا قیام فرض کر دیا تھا، پھر نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب ایک سال تک رات کو قیام کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ مہینوں تک روکے رکھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ میں تخفیف نازل فرمائی، پھر رات کا قیام نفل ہو گیا جب کہ اس سے پہلے فرض تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۲۰۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۱، مسند احمد ج ۶ ص ۵۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یہی قول ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کی امت کے حق میں تہجد کی نماز نفل ہو چکی ہے، رہے نبی ﷺ تو آپ کے متعلق تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے، اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ سے بھی تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ (شرح مسلم النواوی ج ۳ ص ۲۲۴۰، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالعباس احمد ابن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ظاہر قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی اور بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوئی، نیز اس آیت میں ہے: آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور یہ اسلوب فرضیت کی علامت نہیں ہے اور یہ صرف مستحب کی علامت ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل ہیں، وتر، چاشت کی نماز اور نماز فجر کی دو رکعتیں (حلیہ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۲)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس مبحث میں صحیح قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ (المفہم ج ۲ ص ۳۷۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: تہجد کی نماز خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی اور ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں پر بھی فرض تھی، پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد آپ سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مگر اس کا نفل ہونا برقرار ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ دس سال تک تہجد کی نماز پڑھتے رہے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ۔ (المزمل: ۲۰) تو اس کا قیام نصف شب تک منسوخ ہو گیا اور تہائی شب تک اس کا قیام رہ گیا، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: فاقروا ما تیسر من القرآن۔ تو پھر تو آپ پر نصف شب یا تہائی شب کے اختیار سے تہجد پڑھنا واجب تھا، پھر جب آپ پر قیام دشوار ہوا تو اس کا وجوب منسوخ ہو گیا یعنی نصف شب یا تہائی شب تک پڑھنے کا اختیار اور تہائی شب تک پڑھنے کا وجوب باقی رہا، پھر پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہائی

رات تک تہجد پڑھنے کا وجوب بھی منسوخ ہو گیا اور اس کا استحباب باقی رہا۔ (شرح سنن ابوداؤد ج ٤ ص ٢١١، مکتبہ الرشید، ریاض، ١٤٢٠ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے دلائل

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت پر رات کے قیام اور تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے، اب یہ امر باقی رہتا ہے کہ تہجد کی فرضیت کی ناسخ کون سی دلیل ہے، اس سلسلہ میں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آدھی رات تک قیام کریں یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں، پس اس آیت میں رات کے قیام کو نمازی کی رائے کی طرف مفوض کر دیا ہے اور جو چیز واجب ہو وہ اس طرح نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (بنی اسرائیل: ٧٩) اور رات کو آپ تہجد پڑھیے یہ آپ کے لیے نفل ہے۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ "نافلۃ لک" کا معنی ہے: یہ آپ پر زائد فرض ہے، یعنی پانچ نمازوں پر زائد فرض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس تاویل سے اس لفظ کو مجاز پر محمول کیا گیا ہے اور جب تک حقیقت محال یا متعذر نہ ہو کسی لفظ کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح رمضان کے روزوں سے عاشورہ کا وجوب منسوخ ہو گیا اور قربانی کے وجوب سے عتیرہ کا وجوب منسوخ ہو گیا، اسی طرح پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہجد کی نماز کی فرضیت منسوخ (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٨٢، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

نماز تہجد پڑھنے کا وقت اور اس کی رکعات

تہجد کی نماز کا وقت رات کے آخری تہائی حصہ ہے یا نصف شب کے بعد کا وقت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطاء کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں، وہ اسی طرح ندا فرماتا رہتا ہے حتیٰ کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٣٢١۔ ١١٤٥ صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٥٨، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٤٤٦)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد (علیہ السلام) کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد (علیہ السلام) کے روزے ہیں، حضرت داؤد (علیہ السلام) نصف شب تک سوتے تھے، پھر تہائی رات کو اٹھ کر نماز میں قیام

کرتے تھے، پھر رات کے چھٹے حصہ تک آرام کرتے تھے، اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲)

فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی رات ہے تو حضرت داؤد (علیہ السلام) تین گھنٹے سوتے تھے، پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے تھے اور آخری ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: آپ رات کو سات رکعات بھی پڑھتے تھے، نو رکعات بھی پڑھتے تھے اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے اور سنت فجر کی دو رکعات اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

ابوسلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان، آپ نے رات میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں، آپ چار رکعات پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو، آپ پھر چار رکعات پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو، آپ پھر چار رکعات پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو، پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴۱ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱ لسنن اللنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

"ترتیل" کا لغوی اور اصطلاحی معنی

المزمل: ۴ میں یہ بھی فرمایا: اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اس آیت میں "ترتیل" کا لفظ ہے "ترتیل" کا معنی ہے: کلام کو ٹھہر ٹھہر کر اور خوش اسلوبی سے پڑھنا۔

علامہ حسن بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: "رتل" کا معنی ہے: کسی چیز کو مرتب اور منظم طور پر وارد کرنا، اور "ترتیل" کا معنی ہے: لفظ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ نکالنا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۴۹، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے کہا ہے: قرآن مجید کو سرعت کے ساتھ نہ پڑھنا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر سہولت کے ساتھ معانی میں غور و فکر کے ساتھ پڑھنا "ترتیل" ہے۔

الضحاک نے کہا: ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھنا "ترتیل" ہے، مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے پسندیدہ اس کی قرأت ہے جو سب سے زیادہ تدبر سے قرآن مجید پڑھے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ قرآن مجید کو "ترتیل" سے پڑھو یہ "ترتیل" ہے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۵۴۔ ج ۸، دار الفکر، بیروت)

ابوبکر بن طاہر نے کہا: "ترتیل" یہ ہے کہ قرآن مجید کے لطائف میں غور کرو اور اپنے نفس سے قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کا مطالبہ کرو اور اپنے قلب سے اس کے معانی سمجھنے کا مطالبہ کرو اور اپنی روح کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کردو۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۳۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: زجاج نے کہا ہے کہ "ترتیل" کا معنی تبیین ہے، یعنی بیان کرنا، اور قرآن مجید کو جلدی جلدی پڑھنے سے تبیین نہیں ہوتی، یہ اس وقت ہوتی ہے جب تمام حروف کو ان کے مخارج سے واضح طور پر ادا کیا جائے، اور جہاں مدات ہوں ان کو پورے طور پر پڑھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز میں قرآن مجید کو "ترتیل" کے ساتھ پڑھنے کا حکم اس لیے دیا ہے، تاکہ رات کے سکوت، پرسکون ماحول اور تنہائی میں انسان ان آیات کے حقائق اور دقائق میں غور کرنے پر قادر ہو اور جب وہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر پہنچے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت ہو، اور جب وعد اور وعید کے ذکر پر پہنچے تو اس کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید ہو اور اس وقت اس کا دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے روشن ہو جائے، اور جلدی جلدی قرآن پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے معانی میں غور نہیں کر رہا، پس معلوم ہوا کہ "ترتیل" سے مقصود یہ ہے کہ حضور قلب اور کمال معرفت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن مجید کا طریقہ

عبیدہ ملی کی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اہل قرآن! قرآن مجید کو تکیہ نہ بناؤ اور رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو اور اس میں جو کچھ مذکور ہے اس سے نصیحت حاصل کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور تم اس کے ثواب کو جلد طلب نہ کرو، اس کا ثواب بہر حال ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۳، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ابوبکر ابن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۲، دار الکتاب العربی، بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب بندہ دوزخ کا ذکر پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے دوزخ کی پناہ طلب کرے اور جب جنت کا ذکر پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۰، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرأت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدات کے ساتھ قرأت کرتے (یعنی لمبا کھینچ کر پڑھتے تھے) آپ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے اور رحمن کو کھینچ کر پڑھتے اور رحیم کو کھینچ کر پڑھتے، لفظ اللہ میں لام کے بعد الف کا خوب اظہار کرتے، اور رحمان میں میم کے بعد الف کا اظہار کرتے اور رحیم میں دو

سے چھ مدت تک کھینچ کر وقف کرتے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۴۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ایک ایک حرف کو الگ الگ پڑھ کر بتایا۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۶۵، سنن نسائی رقم الحدیث:۱۰۱۶)

قرآن مجید کی تلاوت کو طرز کے ساتھ اور خوش الحانی سے پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم ایک دوسرے کے سامنے قرآن پڑھ رہے تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ تم میں اللہ کی کتاب موجود ہے، اور تم میں بہت نیک لوگ موجود ہیں اور تم میں گورے اور کالے موجود ہیں، تم قرآن مجید پڑھو اور پڑھاؤ، اس سے پہلے کہ تم میں ایسے لوگ آ جائیں جو قرآن مجید پڑھیں گے اور اس کو درست رکھیں گے، وہ اس کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے، جس طرح تیروں کو سیدھا کیا جاتا ہے اور قرآن مجید ان کے گلوں سے تجاوز نہیں کرے گا، وہ اس کے اجر کو جلد طلب کریں گے اور آخرت کی نیت نہیں کریں گے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۲۶۴۵۔ج۱ص۵۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)(صحیح البخاری رقم الحدیث، ۵۰۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۹۲، مسند احمد ج۲ص۲۷۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو عربوں کے لہجے میں اور ان کی آوازوں میں پڑھو، اور فاسقوں کے لہجوں (اور ان کے طرزوں) میں نہ پڑھو، اور نہ یہود و نصاریٰ کے لہجوں میں پڑھو، کیونکہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن مجید کو گانوں کی دھنوں پر پڑھیں گے اور راہبوں اور نوحوں کی طرز پر پڑھیں گے، اور قرآن مجید ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترے گا، ان کے دل فتنہ زدہ ہوں گے۔(شعب الایمان رقم الحدیث:۲۶۴۹۔ج۱ص۵۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

جس طرح فاسقوں کے لہجے اور ان کی طرز میں قرآن مجید کی تلاوت ممنوع ہے، اسی طرح فاسقوں کے لہجے اور ان کی طرز میں نعت پڑھنا بھی ممنوع ہے، کیونکہ نعت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے، لہٰذا اور ان کی طرز کہ اس کو بھی ممنوع ہونا چاہیے، آج کل فلمی گانوں کی دھنوں اور ان کی طرزوں پر نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور فلمی گانوں کی دھنوں اور طرزوں کے بنانے والوں کے اہل فسق ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے لیے اتنی اجازت نہیں دی، جتنی اجازت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غنا (خوش آوازی) کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے لیے دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے غنا (خوش وازی) کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۲۹)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ، تم کو حضرت داؤد (علیہ السلام) کے مزامیر سے مزمار (بانسری) دی گئی ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۹۳، سنن ترمذی

رقم الحدیث: ۳۸۵۵)

ابن ابی ملیکہ نے کہا: جب کسی شخص کی آواز اچھی نہ ہوتو وہ کوشش کر کے اپنی آواز اچھی بنائے۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱)

قرآن مجید کو غنا کے ساتھ پڑھنے کے محامل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: صحیح البخاری ۷۵۲۷ میں ہے: جس نے غنا کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث میں غنا کے کئی محمل ہیں:

(۱) جو قرآن کے سبب سے، دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی نہیں ہوا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) جس کو قرآن کے وعد اور وعید نے نفع نہیں پہنچایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۳) جس کو قرآن سے راحت نہیں پہنچی، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(٤) جس نے دائما قرآن مجید کی تلاوت کر کے خوش حالی کو حاصل نہیں کیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(٥) امام عبد الرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کو جتنی اجازت خوش آوازی کے لیے دی ہے کسی چیز کے لیے نہیں دی ہے۔

(٦) امام ابن ابی داؤد اور امام طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، اللہ تعالیٰ نے نبی کو حسن ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی جتنی اجازت دی ہے، اتنی اجازت اور کسی چیز کے لیے نہیں ہے۔

(۷) امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت فضالہ بن عبید سے مرفوعاً روایت کیا ہے، جو شخص خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ بہت توجہ سے اس کا قرآن سنتا ہے۔

(۸) امام ابن شیبہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، قرآن مجید پڑھنا سیکھو اور اس کو خوش الحانی سے پڑھو۔(فتح الباری ج ۱۰ص ۸۷، دار الفکر، بیروت، ۱٤۲۰ھ)

خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مذہب فقہاء

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: متقدمین کے نزدیک الحان کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے، بہر حال خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، عبد الوہاب مالکی نے الحان (طرز) کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ حرام ہے، اور ابو الطیب الطبری، الماوردی، ابن بطلال، قاضی عیاض مالکی، علامہ قرطبی اور متعدد اہل علم نے کراہت کا قول نقل کیا ہے اور ابن بطلال نے جماعت صحابہ اور تابعین سے جواز کا قول نقل کیا ہے اور امام طحاوی حنفی نے بھی اس قول کا نقل کیا ہے اور علامہ نووی نے "تبیان" میں کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے۔ بہ شرطی کہ الفاظ کو زیادہ کھینچنے سے وہ الفاظ قرأت اور تجوید کی حد سے نہ نکل جائیں اور اگر وہ

قرأت کی حد سے نکل جائیں، حتیٰ کہ کسی ایک لفظ کی زیادتی ہو جائے یا کسی ایک حرف کا اخفاء ہو جائے تو پھر یہ حرام ہے اور رہا قرآن مجید کو الحان (طرز اور ترنم) سے پڑھنا تو امام شافعی نے ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور دوسری جگہ تصریح کی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام شافعی کے اصحاب کے اس میں دو قول ہیں، اگر الحان اور ترنم کے ساتھ پڑھنے سے قرأت اپنے صحیح طریقہ سے خارج نہ ہو تو پھر جائز ہے ورنہ حرام ہے، اور علامہ الماوردی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ ترنم کے ساتھ پڑھنے سے اگر بعض الفاظ اپنے مخارج سے نکل جائیں تو حرام ہے ورنہ جائز ہے، علامہ ابن حمدان حنبلی نے الرعایہ میں اور حنفیہ میں سے صاحب الذخیرہ نے کہا ہے کہ اگر ترنم کی وجہ سے نظم قرآن مشوش نہ ہو تو پھر ترنم کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے اور اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو اس کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ ابن ابی ملیکہ کا قول ہے، جس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۸۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

"قول ثقیل" (بھاری کلام) کے معنی اور اس کا مصداق

المزمل: ۵ میں فرمایا: بیشک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے۔ یہ آیت قیام لیل کی فرضیت کے ساتھ مربوط ہے، یعنی ہم رات کے قیام کی فرضیت کے ساتھ آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے، کیونکہ رات کو نیند کا وقت ہوتا ہے، سو جو شخص پہلے سے تیار نہ ہو اور اس کو رات کے اکثر حصہ میں قیام کا حکم دیا جائے تو وہ اس کے نفس پر سخت دشوار ہوتا ہے اور اس میں نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنا بندہ کے لیے بہت ثقیل اور بھاری ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم عنقریب آپ پر ایسی وحی نازل کریں گے جو اس وجہ سے ثقیل ہوگی کہ اس پر عمل کرنا سخت مشکل اور دشوار ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کی حدود ثقیل ہیں، مجاہد نے کہا: قرآن مجید کے حلال اور حرام ثقیل ہیں، حسن بصری نے کہا: اس پر عمل کرنا ثقیل ہے، ابو العالیہ نے کہا: اس کے وعد اور وعید اور حلال اور حرام ثقیل ہیں، محمد بن کعب نے کہا: قرآن مجید منافقین پر ثقیل ہے، ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید پر ثقیل ہے، کیونکہ قرآن مجید میں کفار کے عقائد کے خلاف دلائل ہیں، ان کی گمراہیوں اور ان کے فساد کا بیان ہے، ان کے خداؤں کو برا کہا ہے، اور اہل کتاب نے جو سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف کی تھی اس کو منکشف کر دیا ہے۔

الحسین بن الفضل نے کہا: اس کو صرف وہی دل برداشت کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو، ابن زید نے کہا: قرآن مجید ثقیل اور مبارک ہے، جس طرح یہ دنیا میں ثقیل ہے اسی طرح آخرت میں میزان پر ثقیل ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ خود قرآن مجید ثقیل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، جب نبی ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے اور آپ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی تو اونٹنی سینہ کے بل زمین پر گر جاتی اور جب تک وحی کی کیفیت آپ سے منقطع نہیں ہو جاتی، وہ اسی طرح بے حس و حرکت زمین پر پڑی رہتی، وحی کے ثقل کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ الحارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کس طرح آتی تھی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبھی کبھی گھنٹی کی آواز کی

صورت میں مجھ پر وحی آتی تھی اور وہ مجھ پر بہت زیادہ دشوار ہوتی تھی، جب وہ وحی منقطع ہوتی تھی تو میں اس کو حفظ کر چکا ہوتا تھا اور کبھی کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا تھا، وہ مجھ سے بات کرتا تھا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے سخت سردی کے دنوں میں دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی اور جب آپ سے وحی منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۹۷۹)

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں "قول ثقیل" سے مراد ہے: "لا الہ الا اللہ" کیونکہ حدیث میں ہے: یہ کلمہ زبان پر ہلکا ہے اور میزان میں بھاری ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۳۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

"قول ثقیل" کی تعریف میں متعدد اقوال

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے قول ثقل کی تعریف میں حسب ذیل اقوال لکھتے ہیں: (۱) میرے نزدیک "قول ثقیل" کی تعریف میں مختار اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ جس چیز کی قدر و منزلت اور اس کا درجہ اور مرتبہ بہت زیادہ ہو، وہ چیز وزنی اور ثقیل ہوتی ہے اور انسان کو عظیم اور جلیل القدر عبادت کا مرتبہ تہجد کی نماز سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جب انسان اندھیری رات میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی حمد و ثناء اور اس کے سامنے گڑگڑانے میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت تنہائی اور اندھیرے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے اس کی اللہ کی طرف توجہ اور یاد میں خلل آسکے تو اس وقت اس کے قلب اور اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات منعکس ہوتی ہیں اور اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

(۲) "قول ثقیل" سے مراد جو قرآن کریم ہے، کیونکہ اس میں اللہ سبحانہٗ کے اوامر اور نواہی یعنی احکام ہیں اور عام مسلمانوں کے عمل کرنے کے لیے ایسے احکام ہیں جن پر عمل کرنا نفس پر شاق اور دشوار ہوتا ہے۔

(۳) یہ قول اس لیے ثقل ہے کہ انسان کی عقل اس کے تمام فوائد اور معانی اور اس کے اسرار و رموز کا بالکلیہ اور ادراک نہیں کر سکتی پس متکلمین اس میں مذکور عقائد میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے دلائل کے سمندروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور فقہاء ان آیات میں تفکر کرتے ہیں، جن سے احکام شرعیہ حاصل ہوتے ہیں اور اصولیین اس میں احکام شرعیہ کے دلائل کی تلاش میں مصروف ہوتے ہیں، اسی طرح اہل لغت، ارباب نحو، اصحاب صرف اور فصاحت و بلاغت کے ماہرین اپنے اپنے موضوع کی آیات میں غور وفکر کرتے ہیں اور ہر شعبہ میں متاخرین پر بعض ایسے نئے نکات منکشف ہوتے ہیں جو پہلوؤں کو معلوم نہیں تھے، غرض قرآن مجید میں مسلسل غور و فکر کرتے رہنے سے انسان نئے نئے حقائق و معارف سے آشنا ہوتا ہے۔

(۴) اور یہ اس وجہ سے بھی ثقیل ہے کہ یہ معلومات کا خزانہ ہے، یہ محکم اور متشابہ اور ناسخ اور منسوخ پر مشتمل ہے اور ان تک ان ہی علماء کی رسائی ہوسکتی ہے، جو تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ میں بہت ماہر ہوں۔

ان اقوال کے علاوہ امام رازی نے اور اقوال بھی نقل کیے ہیں، جن کو ہم اس سے پہلے علامہ قرطبی کی عبارت میں نقل کر چکے

ہیں۔(تفسیر کبیرج ۱۰ ص ۶۸۴۔۶۸۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نماز تہجد کی فرضیت کا منسوخ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے دو تہائی رات سے کچھ کم بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، اور کبھی آدھی رات تک بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی ایک تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تہجد کی نماز پڑھتی ہے، لیکن ایک تو ہر رات کو اتنا قیام کرنا بہت مشکل اور بھاری کام تھا، دوسرے وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل تھا کہ دو تہائی رات تک قیام ہوا ہے یا نصف رات تک قیام ہوا ہے یا تہائی رات تک قیام ہوا ہے، کیونکہ اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف نازل فرمائی اور رات کے اس قیام کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے، مستحب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اب دو تہائی رات یا نصف رات یا تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھنی فرض نہیں ہے، بلکہ جتنے وقت میں بھی آپ آسانی کے ساتھ تہجد پڑھ سکیں پڑھ لیں، فرض ادا ہو جائے گا، پھر جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو تہجد کی اتنی مقدار کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان آیات سے ابتداء نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

نماز تہجد میں کتنا قرآن پڑھنا چاہیے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اس آیت کا معنی ہے: تہجد کی نماز میں اتنا قرآن مجید پڑھو جتنا تم آسانی کے ساتھ پڑھ سکو، اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

السدی نے کہا: سو آیتیں پڑھو، حسن بصری نے کہا: جس شخص نے تہجد کی نماز میں سو آیتیں پڑھیں، قرآن مجید اس کی مخالفت نہیں کرے گا، کعب احبار نے کہا: جس نے تہجد کی نماز میں سو آیتیں پڑھیں اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا، سعید نے کہا: اس سے مراد پچاس آیتیں ہیں۔ کعب کا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو دس آیات کے ساتھ قیام کیا، اس کا نام غافلین میں نہیں لکھا جائے گا، اور جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا، اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا اور جس نے ہزار آیت کے ساتھ قیام کیا اس کا نام پل بنانے والوں میں لکھا جائے گا۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۸)

نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کا فرض نہ ہونا

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں قرآن پڑھنے سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز کا ایک جز قرآن پڑھنا ہے اور اس آیت میں جز سے مراد کل ہے اور یہ اطلاق مجازی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رات میں جتنی نماز آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو، اتنی نماز پڑھو لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ قرآن مجید کے کسی لفظ کو مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے، جب اس لفظ سے حقیقت کا ارادہ کرنا محال ہو یا متعذر رہو، اور اس آیت میں قرآن پڑھنے کا ارادہ کرنا محال نہیں ہے، اسی وجہ سے ائمہ احناف نے اس آیت سے یہ

استدلال کیا ہے کہ نماز میں کسی معین سورت کو پڑھنا فرض نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کا جو حصہ بھی آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے، اتنا قرآن پڑھنا فرض ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ مطلقاً قرآن کا پڑھنا فرض ہے، جس قدر قرآن کو کوئی شخص آسانی اور سہولت سے پڑھ سکتا ہو، جن بعض احادیث سے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا لزوم معلوم ہوتا ہے وہ وجوب پر محمول ہے یعنی نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا صلاة لمن لم یقراء بفاتحه الکتاب۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوگی، جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ کو نہیں پڑھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷، سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۱۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۷)

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے کیونکہ کسی چیز کی فرضیت ایسی دلیل سے ثابت ہوتی ہے، جس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اور اس کا ثبوت بھی قطعی ہو، اس حدیث کی نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے لزوم کی دلالت تو قطعی ہے کیونکہ اس میں یہ ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی، لیکن اس حدیث کا ثبوت قطعی نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے قطعی نہیں ہے، جس کا ثبوت قطعی ہے وہ صرف قرآن مجید ہے یا خبر متواتر ہے، اس لیے ہمارے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہوں گے، پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو، اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے اور تم اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بیشک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (المزمل: ۲۰)

تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی توجیہ

اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے، یعنی اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو کیوں منسوخ کر دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کچھ لوگ بیمار ہوں گے تو وہ تہجد نہیں پڑھ سکیں گے، اور کچھ لوگ تجارت کے لیے زمین میں سفر کریں گے تو وہ حالت سفر میں تہجد نہیں پڑھ سکیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سخت مشقت کے کاموں میں مصروف ہوں گے، پس اگر وہ دن کی تھکن، رات کی نیند سے نہ اتاریں اور رات کو پھر آدمی رات یا تہائی رات تک تہجد پڑھیں تو پھر ان کے لیے دن میں جہاد کی مشقت اٹھانا بہت مشکل ہوگا اور جہاد بہت اہم فریضہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا اور تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی جو وجوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق بیان فرمائی ہیں وہ وجوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی متحقق ہیں بلکہ ان وجوہ کے علاوہ ایک زائد وجہ آپ کا امور تبلیغ میں مصروف اور

مشغول ہوتا ہے، اس لیے جس طرح امت سے تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی، اس طرح آپ سے بھی تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی۔

اس آیت کے لطائف میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور حلال روزی کے حصول کے لیے سفر کرنے والوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی چیز فر[illegible] کرنے کے لیے لے گیا اور محض ثواب آپ کی نیت سے یہ سفر کیا اور اس چیز کو مروج قیمت کے مطابق فروخت کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شہداء میں شمار ہوگا۔ (تبیان القرآن، سورہ مزمل، لاہور)

قرآن کے سات اسباع کا بیان

عن قتادة أن أسباع القرآن سبع: الأول إلى: {إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفاً} والثاني 3 {إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ} 4 والثالث {نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ} 5 والرابع خاتمة المؤمنين والخامس خاتمة سبأ والسادس خاتمة الحجرات والسابع مابقي.

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں سات اسباع ہے۔ (1) بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے۔ (النساء 76) (2) وہ جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ (الانفال 36) (3) آپ میرے بندوں کو بیان کردیں کہ بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب دردناک ہے۔ (الحجر 49، 50) (4) اور آپ کہیے اے میرے رب! مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے۔ (المؤمنون 118) (5) اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دی گیا ہے، جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بیشک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے ۔ (سبا، 54) (6) بیشک اللہ تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کے کل غیب جانتا ہے، اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو ۔ (حجرات 18) (7) اور بقیہ تمام قرآن مجید ہے۔

قرآن مجید کی آخری نازل ہونے والی آیت کا بیان

قال حدثنا همام عن الكلبي عن أبي صالح وسعيد بن جبير أنهما قالا إن آخر آية نزلت من القرآن {وَاتَّقُوا يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لا يُظْلَمُونَ}.

قال حدثنا همام عن قتادة أن أبي بن كعب قال إن آخر عهد القرآن في السماء هاتان الآيتان خاتمة براءة {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ} إلى آخرها.

"طبقات ابن خياط 201 ,حلية الولياء 250/1 ,طبقات القراء 31/1". ورواية قتادة عن أبي في تفسير الطبرى 78/11.

امام ہمام نے کلبی سے انہوں نے ابو صالح اور انہوں نے سعید بن جبیر سے بیان کیا ہے کہ وہ دونوں کہتے ہیں قرآن مجید میں سب سے آخر میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔

امام ہمام نے کہا ہے قتادہ نے حضرت ابی بن کعب نے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے زمانے میں سب سے آخر

میں یہ دو آیات نازل ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں۔ (التوبہ: ۱۲۸)

سابقہ آیات سے ارتباط اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سخت اور مشکل احکام کی تبلیغ کریں جن کا برداشت کرنا بہت دشوار تھا ماسوا ان مسلمانوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی توفیق اور کرامت سے نوازا تھا اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیت نازل فرمائی جس سے ان مشکل احکام کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ رسول تمہاری جنس سے ہیں اور اس رسول کو دنیا میں جو عزت اور شرف حاصل ہوگا وہ تمہارے لیے باعث فضیلت ہے، نیز اس رسول کی یہ صفت ہے کہ جو چیز تمہارے لیے باعث ضرر ہو وہ ان پر سخت دشوار ہوتی ہے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں تمہیں مل جائیں اور وہ تمہارے لیے ایک مشفق طبیب اور رحم دل باپ کے مرتبہ میں ہیں کیونکہ حاذق طبیب اور شفیق باپ کبھی اولاد کی بہتری کے لیے ان پر سختی کرتا ہے سو اسی طرح یہ مشکل اور سخت احکام بھی تمہاری دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) من انفسکم (۲) عزیز علیہ ماعنتم (۳) حریص علیکم (٤) رءوف (٥) رحیم۔ من انفسکم کی دو قراتیں ہیں: من انفسکم "ف" پر پیش کے ساتھ، اس کا معنی ہے تمہارے نفسوں میں سے یعنی تمہاری جنس اور تمہاری نوع میں سے اور من انفسکم "ف" پر زبر کے ساتھ، اس کا معنی ہے وہ تم میں سب سے زیادہ نفیس ہیں۔

من انفسکم کا معنی امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ لکھتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مثل بشر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اکان للناس عجبا ان او حینا الی رجل منھم۔ (یونس: ۲) کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی نازل کی۔ قل انما انا بشر میلکم یوحی الی انما الھکم الیہ واحد۔ (الکھف: ۱۱۰) آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ میرا اور تمہارا معبود واحد ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی جنس سے ہوتے تو لوگوں پر آپ کی اتباع کرنا بہت دشوار ہو جاتا جیسا کہ سورۃ الانعام میں اس کی تقریر گزر چکی ہے: ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون۔ (الانعام: ۹) اور اگر ہم اس رسول کو فرشتہ بناتے تو اس کو مرد ہی (کی صورت میں) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب مبتلا ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ٥ ص ١٧٨، البحر المحیط ج ٥ ص ٥٣٢، عنایت القاضی ج ٤ ص ٦٦٥، اللباب فی علوم الکتاب ج ١٠ ص ٢٤٧) من انفسکم (تمہاری جنس سے رسول آیا) کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسا رسول آیا جو تمہاری قوم سے تھا تمہاری زبان بولتا تھا اور تم اس کے حسب اور نسب کو پہچانتے تھے: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے دربار میں کہا: اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتے منقطع کرتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے،

ہمارا قوی، ضعیف کا مال کھا جاتا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا جس کے نسب، اس کے صدق، اس کی امانت اور اس کی پاک دامنی کو ہم پہچانتے تھے، اس نے ہم کو دعوت دی کہ ہم اللہ وحدہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ان کو ترک کردیں اور ہم کو سچ بولنے، امانت داری اور [illegible] گی اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے، پڑوسیوں سے حسن معاملہ کرنے، حرام کاموں اور خوں ریزی کرنے کو ترک کرنے کا حکم دیا اور ہم کو بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر بدچلنی کی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا پھر ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے، الحدیث۔ (مسند احمد ج۱ ص ۲۰۲، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۱۷۴۰، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، الروض الانف ج ۲ ص ۱۱۱، المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۲۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۴)

من انفسکم کا معنی (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفیس ترین ہونا)

امام رازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرأت من انفسکم ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس آئے درآنحالیکہ وہ تم میں سب سے اشرف اور افضل ہیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۴۰) (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں میں نفیس ترین، افضل اور اشرف ہیں اور اس مطلوب پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ہر قرن میں بنو آدم کے بہترین لوگوں میں سے مبعوث کیا گیا ہوں حتیٰ کہ جس قرن میں، میں ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۳۹)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسمٰعیل کو فضیلت دی اور اسمٰعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو فضیلت دی اور بنو کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی اور قریش سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم میں سے مجھے فضیلت دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷)

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا پھر جب ان کو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا پھر جب قبائل پیدا کیے تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا اور جب جانیں پیدا کیں تو مجھے سب سے بہتر جان میں رکھا پھر جب گھر پیدا کیے تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا پس میرا گھر بھی سب سے بہتر ہے اور میری جان بھی سب سے بہتر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۷، مسند احمد ج۱ ص ۲۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج۱ ص ۱۶۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۱۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں آدم سے لے کر حتیٰ کہ میں

اپنی ماں سے پیدا ہوا، زنا سے پیدا نہیں ہوا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۷۲۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۱۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۱۹۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷، جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۰۱، تفسیر امام ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۱۵۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ کبھی زنا سے نہیں ملے، اللہ عزوجل مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا درآں حالیکہ وہ صاف اور مہذب تے اور جب بھی دو شاخیں نکلیں میں ان میں سے سب سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۱۵، تہذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۴۹، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ہمارے پاس دوپہر کو آرام فرمایا۔ آپ کو پسینہ آرہا تھا میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ہاتھ پھیر کر پسینہ کو ایک شیشی میں جمع کر رہی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ام سلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے کہا یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اس کو اپنی خوشبو کے لیے جمع کر رہے ہیں اور یہ ہماری سب سے اچھی خوشبو ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۱، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گندمی رنگ کے تھے اور جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو تھی ایسی خوشبو کسی مشک اور عنبر میں نہیں تھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۹، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے پر جاتے، پھر آپ کے بعد کوئی اس راستہ پر جاتا تو وہ اس راستہ میں آپ کی پھیلی ہوئی خوشبو سے یہ پہچان لیتا تھا کہ آپ اس راستے سے گزر کر گئے ہیں۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۶، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ پر گزرتے تو وہاں مشک کی خوشبو پھیلی ہوئی ہوتی تھی اور لوگ کہتے تھے کہ آج اس راستے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۱۲۵، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۲، خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کسی چیز سے میری مدد کریں، آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے لیکن تم کل آنا اور ایک کھلے منہ کی شیشی اور ایک لکڑی لے کر آنا، پھر آپ نے اس شیشی میں اپنا پسینہ ڈال دیا حتیٰ کہ وہ شیشی بھر گئی۔ پھر آپ نے فرمایا اپنی بیٹی سے کہنا کہ وہ اس لکڑی کو اس شیشی ڈبو کر اس سے خوشبو لگائے، پھر جب وہ لڑکی خوشبو لگاتی تو تمام مدینہ میں اس کی خوشبو پھیل جاتی اور ان کے مکان کا نام خوشبو والوں کا گھر پڑ گیا۔ (الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۸۶۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۹۵، مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ۱۴۰۵۶، طبع جدید)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل (علیہ السلام) نے کہا میں نے زمین کے مشارق اور مغارب پلٹ ڈالے میں نے کسی شخص کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا اور نہ

بنوہاشم سے افضل کوئی گھر دیکھا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٦٢٨١، مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢١٧، طبع قدیم)

امت پر سخت احکام کا آپ پر دشوار ہونا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے اور تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو اس آگ میں گرنے سے روک رہا تھا۔ اور وہ اس پر غالب آ کر اس آگ میں گر رہے تھے، پس میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں اور تم اس میں گر رہے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٤٨٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٨٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا یا فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسکواک کرنے کا حکم دیتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٢، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٦، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٦٩٠)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر دیتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٤٣، مسند احمد ج ٤ ص ١٢ شرح السنہ رقم الحدیث: ١٩٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پرھی، پھر دوسری رات کو بھی آپ نے نامز پڑھی تو بہت زیادہ لوگوں نے آپ کی اقتداء کی، پھر تیسری یا چوتھی رات کو بھی لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے، پھر صبح کو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم نے جو کچھ کیا تھا، لیکن میں صرف اس وجہ سے باہر نہیں آیا کہ مجھے یہ خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے گی، پھر تم اس کو پڑھ نہیں سکو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٩٠١، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧٧،١٧٨، سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٢٠٦)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج ﷺ پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ نبی ﷺ نے بار بار اللہ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ میری امت ان کی طاقت نہیں رکھتی کچھ تخفیف فرمایئے، حتیٰ کہ پانچ نماز فرض ہو گئیں اور فرمایا کہ یہ تعداد میں پانچ نمازیں اور اجر میں پچاس نمازیں ہیں۔ (ملحضاً) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٤٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٣، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٣١٤، سنن النسائی رقم الحدیث: ٤٤٨، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٣٤٦)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وصال کے روزے نہ رکھو (یعنی بغیر سحر وافطار کے روزے پر روزے نہ رکھو) مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھے ہیں! آپ نے فرمایا: میں تم سے کسی کی مثل نہیں ہوں، بیشک مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٩٦٧، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٣٦١، مسند احمد ج ٣ ص ١٧٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٧٧٨، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٣٥٧٤، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ٢٨٧٤)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لوگوں میں سے جو شخص حج کو جانے

کی استطاعت رکھے، اس پر حج کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا۔ (سنن الترمذی ۸۱٤، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸٤، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۵۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۹۱۳، المستدرک ج ۲ ص ۲۹۳)

دنیا اور آخرت میں امت کی فلاح پر آپ کا حریص ہونا

رسول اللہ ﷺ پر امت کے سخت اور مشکل احکام دشوار تھے۔ اور آپ ان کی آسانی پر بہت حریص تھے، اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں مگر ہم نے جو احادیث ذکر کر دی ہیں وہ کافی ہیں، اسی طرح امت کی دنیاوی اور اخروی فلاح پر جو آپ حریص تھے اس سلسلے میں ہم چند احادیث ذکر کر رہے ہیں: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی ہے جتنی آپ عام طور پر نہیں پڑھا کرتے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ اللہ کی طرف رغبت کرتے ہوئے اور اس سے ڈرتے ہوئے نماز پڑھی تھی، میں نے اس نماز میں اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا، اللہ نے دو چیزیں مجھے عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو (عام) قحط سے ہلاک نہ کرے تو اللہ نے مجھے یہ چیز عطا کر دی اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری (پوری) امت پر کسی ایسے دشمن کو مسلط نہ کرے جو ان کا غیر ہو، تو اللہ نے مجھے یہ چیز بھی عطا کر دی اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں تو اللہ نے مجھے اس سوال سے روک۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱٦۳۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۲٤۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۳٦، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٤-۳٦۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک (خصوصی) مقبول دعا ہوتی ہے، سو ہر نبی نے دنیا میں وہ دعا کر لی، اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے اور یہ انشاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جس نے شرک نہ کیا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳٦۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤۳۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ٤۲٦، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷٤۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۱۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (یہ حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٦-۲٤۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤۳۱۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤۷۳۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٤٦۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث ۸۵۱۳، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۳۲۸٤، المستدرک ج ۱ ص ٦۹، الشریعہ للآجری ص ۳۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۰)

تمت كتاب الناسخ والمنسوخ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ناسخ ومنسوخ جس قدر آیات تھیں وہ مکمل ہو چکی ہیں۔ یہ تعداد دیگر کتب نواسخ سے کم ہے اور سب سے زیادہ صحیح یہی ہے کیونکہ دیگر کتب میں بیان کردہ ناسخ ومنسوخ آیات کا میں نے مطالعہ کیا اور میں نے سمجھا ہے کہ وہاں بعض مقامات پر ترجیح ہے بعض میں تاویل ہے۔ اور بعض میں تخصیص وتعمیم ہے۔ اس لئے وہ آیات ناسخ ومنسوخ کے تحت نہیں آتیں۔ خاص طور پر علامہ ابن جوزی کی کتاب بھی ہے اگرچہ علامہ ابن جوزی کا علمی مقام بہت بلند ہے تاہم ان کی کتاب سے بہت زیادہ اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے ،،ممارزقناھم والی آیت کو بھی حکم زکوٰۃ والی آیت سے منسوخ قرار دیا حالانکہ خرچ کرنا، کہیں فرض، کہیں نفل اور کہیں دیگر فضائل ہیں۔ فرضیت منسوخ ہونے سے فضیلت ونفیلت تو منسوخ نہیں ہو گی۔ اور اسی طرح کئی دوسرے مقامات بھی ہیں۔

ومن سورة الكافرون

سورت الکافرون سے کسی آیت کے منسوخ نہ ہونے کا بیان

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾

تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس میں سے کوئی چیز بھی منسوخ نہیں ہے۔ اس میں تہدید کا معنی ہے، یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے لنا اعمالنا ولکم اعمالکم (القصص) اگر تم اپنے دین پر راضی ہو تو ہم اپنے دین سے راضی ہیں۔ یہ قتال کے حکم سے قبل کا حکم ہے اسے آیت سیف سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پوری آیت منسوخ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے کوئی چیز بھی منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور لکم دینکم کا معنی ہے تمہارے لیے دین کی جزا اور میرے لیے میرے دین کی جزا ہے۔ ان کے دین کو دین کا نام دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اسی کا اعتقاد رکھا تھا اور اس سے اپنی وابستگی کی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے لیے تمہاری جزا اور میرے لیے میرا جزا ہے کیونکہ دین کا معنی جزا ہے۔ نافع نے ولی دین میں یاء کو فتحہ دی ہے اور بزی نے ابن کثیر سے اسی طرح روایت کی ہے جبکہ ان سے اختلاف مروی ہے۔

ہشام نے ابن عامر سے اور احفص نے عاسم سے اسی طرح نقل کیا ہے دین میں دونوں حالتوں میں نصر بن عاصم، سلام اور یعقوب نے یاء کو ثابت رکھتا ہے انہوں نے کہا: یہ بھی ایک اسم ہے جس طرح دینکم میں کاف ہے اور قمت میں تاء ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے بغیر پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: فھو یھدین (الشعراء) فاتقوا اللہ واطیعون (آل عمران) اس کی مثل دوسری آیات ہیں ان میں کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہے اور مصحف کے خط کی اتباع کی گئی ہے کیونکہ اس میں یہ یاء کے

بغیر واقع ہے۔(احکام القرآن، قرطبی، سورہ کافرون، بیروت)

الکفر ملۃ واحدۃ

قول باری ہے(لکم دینکم ولی دین۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین)ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ یہ آیت اگرچہ بعض کافروں کے بارے میں خاص ہے اور بعض دوسرے اس میں شامل نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے بہت سے کافر اسلام لے آئے تھے اور ارشاد باری ہے(ولا انتم عابدون ما اعبد۔اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں)

تاہم یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفر سارے کا سارا ایک ملت ہے کیونکہ جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے وہ اپنے مذاہب کے اختلاف کے باوجود آیت میں مراد ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مذاہب کو ایک دین قرار دیا اور مذہب اسلام کو ایک دین۔یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفر اختلاف مذاہب کے باوجود ایک ملت ہے۔(احکام القرآن، جصاص، بیروت)

بعض علماء نے کہا کہ اس آیت سے جہاد کی ممانعت نکلتی ہے کہ کفار کو ان کے کفر پر چھوڑ اگیا اس لئے یہ آیت قتال سے منسوخ ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ ایسا تو کفار کی تجویز کے جواب میں ارشاد ہے اور اس کے بعد نہ تو رسول اللہ ﷺ نے دعوت ارشاد ترک کی اور نہ ہی کفار مخالفت وعداوت اور ایذا رسانی سے باز رہے تو جہاد کی ممانعت کہاں ہے۔ایک قول ہے جو بہت درست معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ "دین" کے معنی جزاء اور بدلے وصلے کے ہیں۔لہٰذا معنی یہ ہیں کہ تمہارے عقیدہ واعمال کا بدلہ تمہارے مطابق ہوگا اور میرا میرے عقیدہ وعمل کے مطابق ہو۔(تفسیر الحسنات)

میرے نزدیک اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہو سکتی ہے کہ اے کافرو! تمہارا مذہب باطل ہے اور تم اس کو نہیں چھوڑ رہے جبکہ ہمارا دین برحق ہے۔جب باطل پرست اپنے دین کو نہیں چھوڑ رہا تو یہ کیسے ممکن ہو کہ حق پرست اپنے دین کو چھوڑ دے۔لہذا تمہارا دین تمہارے لئے ہے یقیناوہ باطل ہے لیکن ہمارا دین ہمارے لئے ہے یقینا یہ حق ہے۔(رضوی عفی عنہ)

فهرس المصادر والمراجع

1- المصحف الشريف.

2- بالاتقان فی علوم القرآن: السیوطی، جلال الدین، ت 911 ھ تح ابی الفضل ابراهیم، مصر 1967.

3- الاحکام فی اصول الحکام: ابو محمد علی بن حزم الظاهری، ت 456 ھ مط العاصمة بالقاهرہ.

4- احکام القرآن: ابن العربی، ابو بکر محمد بن عبد الله، ت 543 ھ تح البجاوی، البابی الحلبی بمصر 1967.

5- اسباب نزول القرآن: الواحدی، علی بن احمد، ت 468 ھ تح سید صقر، القاهرة 1969.

6- أسد الغابة: ابن الاثیر، عز الدین علی بن محمد، ت 630 ھ القاهرة 1970۔73.

7- الاصابة فی تمییز الصحابة: ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، ت 852 ھ تح البجاوی، مط نهضة مصر 1971.

8- الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاثار: محمد بن موسی بن عثمان بن حازم الهمذانی، ت 584 ھ حیدر آباد الدکن 1359 ہ

9- الاعلام: خیر الدین الورکلی، ت 1976، بیروت 1969.

10- انباه الرواة علی انباه النحاة: القفطی، جمال الدین علی بن یوسف: ت 646 ھ تح ابی الفضل، مط دار الکتب 1955۔1973.

11- الانساب: السمعانی، عبد الکریم بن محمد، ت 562 ھ حیدر آباد - الهند 1976.

12- الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخة: مکی بن ابی طالب المغربی، ت 437 ھ تح د. احمد حسن فرجات، الریاض 1976.

13۔ ایضاح المکنون: اسماعیل باشا، ت 1339ھ استانبول 1945.

14۔ البحر المحیط: ابو حیان الاندلسی، اثیر الدین محمد بن یوسف، ت 754ھ مط السعادۃ بمصر 1328ھ.

15۔ برنامج شیوخ الرعینی: علی بن محمد الاشبیلی، ت 666ھ تح ابراھیم شبوح، دمشق 1962.

16۔ البرھان فی علوم القرآن، الزرکشی، بدر الدین محمد بن عبداللہ، 794ھ تح ابی الفضل، البابی الحلبی بمصر 1957۔58.

17۔ تاج العروس: الزبیدی، محمد مرتضی، ت 1205ھ مط الخیریۃ بمصر 1306ھ(.

18۔ تاریخ بغداد: الخطیب البغدادی، احمد بن علی، ت 463ھ مط السعادۃ بمصر 1931.

19۔ تذکرۃ الحفاظ: الذھبی شمس الدین، ت 748ھ حیدر آباد الدکن 1376ھ

20۔ التسھیل لعلوم التنزیل: ابن جزی الکلبی: محمد بن احمد، ت 741ھ دار الکتاب العربی۔بیروت 1973.

21۔ التعریفات: الشریف الجرجانی، علی بن محمد، ت 816ھ البابی الحلبی بمصر 1938.

22۔ تفسیر البغوی (معالم التنزیل): الحسن بن مسعود الشافعی البغوی، ت 516ھ (طبع مع تفسیر الخازن)، مصر.

23۔ تفسیر البیضاوی (انوار التنزیل واسرار التاویل): القاضی عبداللہ بن عمر، ت 685ھ مط المیمنیۃ بمصر 1320ھ.

24۔ تفسیر الخازن (لباب التاویل فی معانی التنزیل): علاء الدین علی بن محمد بن ابراھیم البغدادی، ت 741ھ مصر.

25۔ تفسیر الرازی (مفاتیح الغیب): الفخر الرازی، محمد بن عمر، ت 606ھ مط التھیۃ المصریۃ.

26۔ تفسیر الطبری (جامع البیان): ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، ت 310ھ البابی الحلبی بمصر

1954.

27. تفسیر القرطبی (الجامع لاحکام القرآن): القرطبی، محمد بن احمد، ت 671ھ القاهرة 1967.

28. تفسیر الکشاف: الزمخشری، محمود بن عمر، ت 538ھ مط الحلبی بمصر 1954.

29. التکملة لوفیات النقلة: المنذری، زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی، ت 656ھ تح د.بشار عواد معروف، مط الاداب، النجف 1971.

30. تهذیب التهذیب: ابن حجر العسقلانی، حیدر آباد الدکن 1325ھ.

31. التیسیر فی القراءات السبع: ابو عمرو الدانی، عثمان بن سعید، ت 444ھ تح برتزل، استانبول 1930.

32. الجرح والتعدیل: ابن ابی حاتم الرازی، عبد الرحمن بن محمد، ت 327، حیدر آباد - الهند.

33. حجة القراءات: أبو زرعة، عبد الرحمن بن محمد بن زنجلة، القرن الرابع الهجری، تح سعید الافغانی، منشورات جامعة بنغاوی 1974.

34. حقائق التأویل فی متشابه التنزیل: الشریف الرضی، محمد بن أبی أحمد، ت 406ھ مط الغری بالنجف 1936.

35. حلیة الاولیاء: أبو نعیم الاصفهانی، احمد بن عبد الله، ت 430ھ مط السعادة بمصر 1938.

36. خلاصة تهذیب الکمال: الخزرجی: احمد بن عبد الله، ت بعد 923ھ تح محمود عبد الوهاب فاید، القاهرة 1971.

37. الرجال: النجاشی، احمد بن علی، ت 450ھ-طهران.

38. رجال الطوسی: الطوسی، أبو جعفر محمد بن الحسن، ت 460ھ-مط الحیدریة، النجف 1961.

39. روح المعانی: الالوسی، شهاب الدین محمود بن عبد الله، ت 1270ھ مط الامیریة 1301ھ.

40. زاد المسیر فی علم التفسیر: ابن الجوزی، جمال الدین أبو الفرج عبد الرحمن، ت 597ھ دمشق

1965.

41- السبعة فی القراءات: ابن مجاهد، أبو بکر احمد بن موسی، ت 324 ھ تح د.شوقی ضیف، دار المعارف بمصر 1972.

42- سنن ابن ماجة: ابن ماجة، محمد بن یزید، ت 275 ھ تح محمد فؤاد عبد الباقی، البابی الحلبی بمصر 1952.

43- صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج ت 261 ھ تح محمد فؤاد عبد الباقی، البابی الحلبی بمصر 1955.

44- صفة الصفوة: ابن الجوزی، حیدر آباد 1355-56.

45- الطبقات: خلیفة بن خیاط، ت 240 ھ تح سهیل زکار، دمشق 1966-1967.

46- طبقات الحفاظ: السیوطی، تح علی محمد عمر، القاهرة 1973.

47- طبقات الشافعیة: السبکی، تاج الدین، ت 771 ھ تح الحلو والطناحی، البابی الحلبی بمصر 1964.

48- طبقات الفقهاء: الشیرازی، ابراهیم بن علی، ت 476 ھ تح د. احسان عباس، بیروت 1970.

49- طبقات القراء (غایة النهایة): ابن الجزری، محمد بن محمد، ت 833 ھ تح برجستراسر وبرتزل، القاهرة 1932-35.

50- الطبقات الکبری: محمد بن سعد، ت 230 ھ بیروت 1957.

51- طبقات المفسرین: الداودی، محمد بن علی، ت 945 ھ تح علی محمد عمر، القاهرة 1972.

52- طبقات النحاة واللغویین: ابن قاضی شبهة، أبو بکر بن احمد، ت 851 ھ مصورة عن نسخة الظاهریة.

53- العبر فی خبر من غبر: الذهبی، تح فؤاد السید، الکویت 1961.

54- فتح المنان فی نسخ القرآن: علی حسن العریض، الخانجی بمصر 1973.

55- فنون الافنان فی عیون علوم القرآن: ابن الجوزی، نشره احمد الشرقاوی، مط النجاح، الدار البیضاء

1970.

56. فهرس مخطوطات دار الكتب الظاهرية (علوم القرآن): د. عزة حسن، دمشق 1962.

57. الفهرست: الطوسى، مط الحيدرية فى النجف 1960.

58. الفهرست: ابن النديم، محمد بن اسحاق، ت 380 هـ: مط الاستقامة، القاهرة.

59. فهرسة ما رواه عن شيوخه: ابن خير الاشبيلي، أبو بكر محمد، ت 575 هـ بيروت 1962.

60. كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: حاجى خليفة.: ت 1067 هـ استانبول 1941.

61. الكشف عن وجوه القراءات السبع وعللها وحججها: مكى بن أبي طالب المغربي القيسي.، محى الدين رمضان، دمشق 1974.

62. لباب النقول فى أسباب النزول: السيوطى، البابى الحلبى بمصر.

63. لسان العرب: ابن منظور، محمد بن مكرم، ت 711 هـ بيروت 1968.

64. لسان الميزان: ابن حجر العسقلانى، حيدر آباد 1331 هـ.

65. مشاهير علماء الامصار: محمد بن حبان البستى، ت 345 هـ تح فلا يشهمر، القاهرة 1959.

66. المصفى بأكف أهل الرسوخ من علم الناسخ والمنسوخ: ابن الجوزى، تح حاتم صالح الضامن، (نشر فى مجلة المورد، 1977).

67. معالم العلماء: ابن شهراشوب، محمد بن على، ت 588، مط الحيدرية، النجف 1961.

68. المعارف: ابن قتيبة، عبد الله بن مسلم، ت 276 هـ ثروة عكاشة، دار المعارف بمصر 1969.

69. معانى القرآن: الفراء، أبو زكرياء يحيى بن زياد، ت 207 هـ تح نجاتى والنجار، القاهرة 1955.

70. معانى القرآن واعرابه: الزجاج أبو اسحاق ابراهيم بن السرى، ت 311 هـ تح د. عبد الجليل عبده شلبى، القاهرة 1974.

71. معترك الاقران فى اعجاز القرآن: السيوطى، تح البجاوى، دار الفكر العربى بمصر 1969.

72۔ معجم الادباء: یاقوت الحموی، ت 626 ھ مط دار المأمون بمصر 1936.

73۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم: محمد فؤاد عبد الباقی، دار مطابع الشعب بمصر.

74۔ معرفة القراء الکبار: الذہبی، نشر محمد سید جاد الحق مط دار التألیف بمصر 1961.

75۔ المغنی فی أبواب التوحید والعدل: القاضی عبد الجبار، ت 415 ھ تح أمین الخولی، مط دار الکتب، القاہرة 1960 (ج 16)

76۔ مفردات الراغب الاصفہانی: الحسین بن محمد، ت 502 ھ تح ندیم مرعشلی، بیروت 1972.

77۔ مقاییس اللغة: احمد بن فارس، ت 395 ھ تح عبد السلام ہارون، القاہرة 1366 ھ.

78۔ الملل والنحل: الشہرستانی محمد بن عبد الکریم، ت 548 ھ تح عبد العزیز محمد الوکیل، القاہرة 1968.

79۔ میزان الاعتدال: الذہبی، تح البجاوی، البابی الحلبی بمصر.

80۔ الناسخ والمنسوخ: ابن حزم، أبو عبد الله محمد بن احمد الانصاری الاندلسی، ت 320 ھ نشر مع تنویر المقباس، مصر 1390

81۔ الناسخ والمنسوخ: ابن سلامة، ہبة الله، ت 410 ھ البابی الحلبی بمصر.

82۔ الناسخ والمنسوخ: عبد القاہر البغدادی، ت 429 ھ مصورة فی خزانتی.

83۔ الناسخ والمنسوخ: العتائقی، عبد الرحمن بن محمد الحلی، ت نحو 790 ھ تح عبد الہادی الفضلی، النجف 1970.

84۔ الناسخ والمنسوخ: النحاس، أبو جعفر أحمد بن محمد، ت 338 ھ مط السعادة بمصر 1323 ھ.

85۔ نزہة الالباء: أبو البرکات الانباری، عبد الرحمن بن محمد، ت 577 ھ، تح أبی الفضل، القاہرة.

86۔ النسخ فی القرآن الکریم: د. مصطفی زید، مط المدنی بمصر 1963.

87۔ نظریة النسخ فی الشرائع السماویة: د. شعبان محمد اسماعیل، القاہرة 1977.

88۔ نفح الطیب مع غصن الاندلس الرطیب: المقری، احمد بن محمد، ت 1041ھ احسان عباس، دار صادر، بیروت 1968.

89۔ نکت الھمیان فی نکت العمیان: الصفدی، خلیل بن أیبک، ت 764ھ مصر 1911.

90۔ الناسخ والمنسوخ: النحاس، أبو جعفر أحمد بن محمد، ت 338ھ مط السعادۃ بمصر 1323ھ.

91۔ نزھة الالباء: أبو البرکات الانباری، عبد الرحمن بن محمد، ت 577ھ تح أبی الفضل، القاھرۃ.

92۔ النسخ فی القرآن الکریم: د. مصطفی زید، مط المدنی بمصر 1963.

93۔ نظریة النسخ فی الشرائع السماویة: د. شعبان محمد اسماعیل، القاھرۃ 1977.

94۔ نفح الطیب مع غصن الاندلس الرطیب: المقری، احمد بن محمد، ت 1041ھ تح د. احسان عباس، دار صادر، بیروت 1968.

95۔ نکت الھمیان فی نکت العمیان: الصفدی، خلیل بن أیبک، ت 764ھ مصر 1911.

96۔ الوافی بالوفیات: الصفدی، نشر ریتر 1931.

97۔ الوسیط فی الامثال: الواحدی، تح د. عفیف محمد عبد الرحمن، الکویت 1975.

98۔ وفیات الاعیان: ابن خلکان، شمس الدین احمد بن محمد، ت 681ھ تح د. احسان عباس، دار الثقافة -بیروت.

99۔ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور۔

100۔ تفسیر الحسنات، علامہ ابو الحسنات محمد احمد قادری، حزب الاحناف لاہور۔

ابو اویس مفتی محمد یوسف القادری
کی دیگر کتب

اغراض التہذیب فی شرح تہذیب

اغراض شرح شرح کافیہ

اغراض شرح نخبتہ الفکر

اغراض ضیاء الترکیب شرح ماتہ عامل

اغراض شرح جامی

اغراض سلم العلوم

اغراض مرقات